سوال و جواب

قرآن و حدیث کی روشنی میں

(بین الاقوامی اردو روزنامہ اردو نیوز جدہ (سعودی عرب) میں اسلام کے مختلف
پہلوؤں سے متعلق قارئین کے متنوع سوالات کے جواب مختصر لیکن جامع حوالہ جات
کا اہتمام زبان بہت عام فہم عوام و خواص کے لیے یکساں مفید زندگی کے لیے بہترین رہنما)

صاحبزادہ قاری عبد الباسط دوست محمد

پیش لفظ

مولانا سید انظر شاہ کشمیری
استاذ حدیث (وقف) دار العلوم دیوبند

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

سوال و جواب

حصہ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال وجواب

قرآن وحدیث کی روشنی میں

حصہ اوّل

(بین الاقوامی اردو روزنامہ "اردو نیوز جدہ (سعودی عرب)" میں اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق قارئین کے متنوع سوالات کے جواب، مختصر لیکن جامع، حوالہ جات کا اہتمام، زبان سہل وعام فہم، عوام وخواص کے لئے یکساں مفید اور زندگی کے لئے بہترین رہنما)۔

صاحبزادہ قاری عبد الباسط دوست محمد

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (یوپی)

۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸ء

نام کتاب : سوال وجواب

مؤلف : صاحبزادہ قاری عبدالباسط دوست محمد

صفحات : ۷۶۰

کتابت : محمد اختر حسین

قیمت : 225/2

ناشر : کتبخانہ نعیمیہ دیوبند

ایم۔ایس۔پرنٹرس
۱۸۵۳ لال دروازہ، ہمدرد مارگ، لال کنواں، دہلی

فہرست مضامین

چوتھا باب۔ زکوٰۃ

پانچواں باب۔ روزہ

چھٹا باب — حج

ساتواں باب ـ عمرہ

آٹھواں باب ۔ معاشرتی مسائل

گیارہواں باب، ذبح وقربانی

بارہواں باب — متفرقات

فقہ کی حقیقت:

علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ فقہ کی حقیقت تحقیق و تفتیش کرنا اور کھولنا ہے۔ امام غزالیؒ نے فقہ کے معنی فہم و تدبر اور دین میں بصیرت بیان کئے ہیں نتیجہ کے لحاظ سے ان دونوں کا مفہوم تقریباً یکساں ہے اور اسی مفہوم کا لحاظ کر کے فقیہ کی تعریف محققین نے یہ بیان کی ہے کہ "فقیہ" وہ عالم ہے جو تفکر و تدبر کر کے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل و مغلق امور کو واضح کرے۔" امام ابوحنیفہؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "فقہ نام ہے اس معرفت کا جس کے ذریعہ انسان پر اپنے (دینی اور دنیاوی) فائدے اور نقصان کو معلوم کرے۔"

فقہ کی اس گہرائی تک پہنچنے کے لئے ظاہری علوم و فنون کے ساتھ قلب و دماغ کی صفائی اور نفس و روح کی طہارت بھی درکار ہے کہ اس کے بغیر فکر و نظر میں مطلوبہ سنجیدگی پیدا ہونا نہایت دشوار ہے۔ چنانچہ امام حسن بصریؒ نے اسی حقیقت کے پیش نظر فقیہ میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے:-

(۱) فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے (یعنی دنیا کو مقصود بالذات نہ سمجھے)

(۲) آخرت کے کاموں سے رغبت رکھے۔

(۳) دین میں کامل بصیرت حاصل ہو۔

(۴) طاعات پر مداومت کرنے والا اور پرہیزگار ہو۔

(۵) مسلمانوں کی بے آبروئی اور ان کی حق تلفی سے بچنے والا ہو۔

(۶) اجتماعی مفاد اس کے پیش نظر ہو، شخصی مفاد پر قومی و جماعتی مفاد کو ترجیح دیتا ہو۔

(۷) مال کی طمع نہ ہو۔

امام غزالیؒ نے بھی فقیہ کیلئے تقریباً یہی باتیں ضروری قرار دی ہیں، البتہ ان کے بیان میں یہ جملہ نہایت اہم ہے کہ "دنیوی امور میں خلق خدا کی مصلحتوں کا ماہر اور رمز شناس ہو۔" اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وَمَنْ لَمْ یَکُنْ عَالِماً بِاَھْلِ زَمَانِہٖ فَھُوَ جَاھِلٌ۔ جو فقیہ اپنے زمانے کے لوگوں کے حالات سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہے ———

فقہ اسلامی ——— ایک تعارف

شریعت کے عملی احکام کو تفصیلی دلائل کے ذریعہ جاننے کا نام "فقہ" ہے۔

فقہ اسلامی کے پانچ شعبے ہیں:۔

(۱) **عبادات:**

وہ احکام جن میں بندوں کا تعلق براہ راست ذات خداوندی سے ہو۔

(۲) **مناکحات:**

وہ قوانین جو ازدواجی اور معاشرتی زندگی سے متعلق ہیں۔

(۳) **معاملات:**

مالی بنیاد پر دو آدمیوں کے درمیان تعلقات پر مبنی احکام۔

(۴) **عقوبات:**

قانونِ جرم و سزا۔

(۵) **سیاسیات:**

عدلِ اجتماعی، نظامِ قضا، بین ملکی تعلقات اور دفاع و جہاد وغیرہ کے قوانین

فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ:۔

کتاب اللہ، السنۃ، اجماع، قیاس۔

فقہ اسلامی کے ضمنی مآخذ:۔

استحسان، مصالحِ مرسلہ، عرف وعادت، آثارِ صحابہؓ، شرائعِ اقوامِ ماقبل، استصحاب، سدِّ ذرائع۔

فقہ اسلامی کا عمومی مزاج:۔

اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تنگی نہیں رکھی ہے (حج)، نہ نقصان اٹھاؤ (البقرہ) اور نہ نقصان پہنچاؤ (الحدیث)

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

(النحل : ۴۳)

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو،

العلم خزائن، ومفاتیحہا السوال. الا فاسئلوا فانہ یوجر فیہ اربعۃ، السائل والعالم والمستمع والمحب لہم

[احیاء العلوم]

علم خزانہ ہے، پوچھنا اور سوال کرنا اسکی کنجی ہے، اس لئے تم لوگ پوچھا کرو کہ اس میں چار قسم کے لوگ اجر سے نوازے جاتے ہیں۔

- پوچھنے والا
- جاننے والا
- سننے والا
- اور ان تمام لوگوں سے محبت کرنے والا،

تقریظ

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین (وقف) دار العلوم دیوبند

باسمہٖ تعالیٰ لہ الاسماء الحسنیٰ ولہ المثل الاعلیٰ

الحمد لولیہٖ والصلوٰۃ علیٰ نبیہٖ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ ایمان کا تعلق بیشتر مغیبات سے ہے۔ یوں بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ اکثر قرآن کا مطالبۂ ایمان انہیں امور کے لئے ہے جن کا راست تعلق غیب سے ہے پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ سوال اُن قدسی صفات اصحاب سے جن کا تقدس وتقویٰ امت کیلئے اسوہ ونمونہ ہے سے بھی ایمان بالغیب کی فضیلت ظاہر ہے سوال یہ تھا کہ سب سے افضل کون ہے۔

مختلف جوابات سننے کے بعد آپ ہی نے فوقیت ان کو دی تھی جو نہ خیر القرون کے مشاہیر ہوں گے اور نہ بعد کے ادوار کی منتخب شخصیتوں پر انہیں اطلاع ہوگی، اس کے باوجود ایمان بالغیب قبول کریں گے۔ کہنا یہ ہے کہ اس ایمان بالغیب کے دائرہ میں ذرا وسعت کیجئے اور اشخاص تک کھینچ کر لے آئیے تو تصدیق وتوثیق، تقریظ وتبصرے کیلئے کچھ ایسی شخصیتیں بھی مہیا ملیں گی جن کی نگارش کی تائید شرح صدر کے ساتھ کی جاسکے گی۔ انہیں میں محترم ومکرم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اطال اللہ عمرہٗ بھی ہیں کہ باصطلاح صوفیاء "روشن ضمیر" وبقول متنورین "روشن دماغ"۔ روشن ضمیری قدامت کی طرف کھینچتی ہے اور تنویر دماغ جدیدیت کی جانب۔ قدامت وجدت میں بظاہر "عداوت بیّن" لیکن موصوف نے آگ وپانی کی طرح ان اضداد کو جمع کیا، نہ آگ بجھتی ہے نہ پانی اپنا کام کرتا ہے اس لئے ان کی رائے کی تائید پورے اطمینان کے ساتھ کی جاسکتی ہے پھر یہاں تو ایمان بالغیب کے ساتھ ایمان بالشہود کی آمیزش بھی ہے۔

چند سال پہلے جدّہ صانہا اللہ عن الشرور والفتن میں ایک پاکستانی ممتاز شخصیت سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ باطن پر گفتگو کرنے سے پہلے ظاہر پر سنئے "وجہہٗ وجہ المنیر قامتہ لیس بالطویل ولا بالقصیر"، گورے چٹے، بظاہر شباب لیکن اطوار شیب کا رنگ لئے ہوئے، تنومند وتوانا، مستعد وجوانِ رعنا، شفقتوں کا انبار، عنایتوں کا پہاڑ یہ ہیں ہمارے محترم صاحبزادہ الشاب الصالح، البارع التقی النقی، المقری المولوی عبد الباسط صاحب۔ اپنے فیضان علمی وعملی کی چادر بچھائی تو شانِ باسط کا مظاہرہ کیا وعظ ونصیحت کی مجلس آراستہ کی تو الدین النصیحۃ کا منظر تاباں کیا، اپنی سرگرمیوں سے مملکت پاکستان کی عزت افزائی کی دیدہ وری سے غیر ملک میں مختار جگہ اپنے لئے بنائی۔ اردو نیوز شایع ہوا تو چمن آرائی میں شریک گلدستوں کی تیاری میں فنکاری اور چابکدستی حیرت انگیز دکھائی، علمی سوالات کے جوابات دیتے ہیں، فقہی مہمات حل کرتے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں کہ افتاء نویسی غالباً سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ اس ذرۂ بے مقدار نے پچاس سالہ تعلیمی تجربہ کے بعد خوب سمجھ لیا کہ فتویٰ دینے میں عمیق علم ہی نہیں بلکہ کردار کی بلندی مطلوب ہے۔ اور اس زہد واتقاء کی جس کا سرچشمہ خیر القرون کا پاکیزہ عمل ہے۔ عبادت وجودی چیز ہے اور اہل دنیا

کی نظر میں اسی کی قیمت ہے جبکہ زہد عدمی وصف ہے اور خدا تعالیٰ کے یہاں پر اسی کی قدر ہوگی، اگر مفتی زاہد نہ ہو، احتیاط سے محروم ہو، دین کے تحفظ میں سرگرم نہ ہو، حلال وحرام کے بیان میں احتیاط کا حصار اس کے چہار جانب نہ ہو تو وہی کام کریگا جو مبغوض ملت یہود نے کیا جن کیلئے "القہار" کی یہ وعید ہے: فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمناً قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔

یہ حقیر وفقیر ہندوستان میں ایک مجمع میں حاضر تھا میری موجودگی میں مستفتی نے مفتی سے فتویٰ دریافت کیا تو جواب یہ تھا کہ "چکی جو کچھ ڈالو تو پس کر سامنے آتا ہے"، مفتی کے اٹھ جانے کے بعد احقر کے سوال پر حاضرین نے بتایا کہ اشارہ اس طرف تھا کہ کچھ دو لو تو جواب فتویٰ لکھا جائے۔ بحر العلوم حضرت علامہ انور شاہ کشمیری جن کی جلالتِ علم پر دوست ودشمن، آشنا وناآشنا سب متفق ہیں جو نہ صرف محدثین ومفسرین کی راہنمائی کرتے بلکہ بہت سے اربابِ فتاویٰ بھی اُن سے رجوع کرتے اور شافی جواب پاتے، میرٹھ کے ایک رئیس نے کسی افغانی سے روایتی واسکٹ خریدی جس پر زریں کام بھی تھا یہ رئیس حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے تربیت کردہ تھے، خریدنے کو تو خرید لی پھر شک وشبہ میں مبتلا ہوئے تو واسکٹ لیکر دیوبند پہنچے اور حضرت علامہ سے تن زیبی سے پہلے جواز کے طالب ہوئے، چشمہ لگا کر دیکھا پھر سورج کی کرنوں میں معائنہ کیا۔ آخری جواب یہ تھا کہ "مفتی صاحب کے پاس جایئے میں فتویٰ نہیں دے سکتا" تھانہ بھون کا خانقاہ نشین درویش جو قلوب کا جلا کرتا، دماغوں کی تطہیر، باطن کی نزہت، ظاہر کی ستھرائی، معاملات کی درستگی پھر بھی ہمیشہ یہ نعرۂ حق بلند کرتا کہ "وعظ ابھی کہہ دوں گا، لیکن اگر کوئی فتویٰ لوگے تو مراجعتِ کتب کے بغیر ممکن نہیں"۔ متقدمین فتویٰ دینے پر تھرا جاتے ایک دوسرے پر محول کرتے دوسرا تیسرے پر منتقل کرتا۔ یہ گریز نہیں تھا بلکہ افتاء کے منصب کی بھرپور رعایت تھی۔ اور قضاء کا معاملہ تو بڑا مرحلہ آگے ہے۔ مفتی تو فرضی صورتوں پر بھی فتویٰ دے سکتا ہے قضاء تو درحقیقت عدالتی کارروائی کی ہو بہو نقل ہے۔ موجودہ عدالتی کارروائی نہیں بلکہ ان عدالتوں کی کارروائی جو اسلامی نظام واحکام اور ایمانی تقاضوں کے تحت قائم ہوتی تھیں۔

صاحبزادۂ محترم کے جوابات براہِ راست نظر سے نہیں گذرے، گذرتے بھی تو کیا ہوتا کہ میں کوتاہ نظر کسی صائب فیصلے سے قاصر، سطورِ بالا میں واضح کر چکا ہوں کہ اصل شخصیت اور تعارف نگار کے اعتماد پر یہ چند سطور زیرِ قلم آئیں، اس یقین کے ساتھ کہ راقم الحروف کا اعتماد غلط نہیں ہوگا انشاء اللہ۔ دست بدعا ہوں کہ "الباسط" اس علمی مرقع کے فیوض وبرکات کو نہ صرف عالم آشکارا بلکہ خصوصی قبولیتوں سے سرفراز فرمائے۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

(دستخط)

۱۹/۱۱/۹۸

(فخر المحدثین حضرت مولانا) سید انظر شاہ (صاحب مدظلہ العالی)

شیخ الحدیث (وقف) دار العلوم دیوبند

۸ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

ابتدائیہ

اس امت کا سب سے بڑا فریضہ بلکہ اس کا مقصد وجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے امر بالمعروف کے معنی بھلائیوں کا حکم دینے کے ہیں، اور نہی عن المنکر برائیوں سے روکنا ہے اللہ تعالیٰ نے نماز روزہ کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے کسی متعین طریقہ کی رہنمائی نہیں فرمائی، اس لئے کہ مخاطب کے مزاج و مذاق خود فریضۂ تبلیغ ادا کرنے والے کی صلاحیت اور ہر عہد کے سماجی احوال نیز ہر زمانہ کے وسائل اور ذرائع ابلاغ کے اعتبار سے امر بالمعروف اور نہی المنکر کا طریقہ مختلف ہو سکتا ہے، درسگاہ میں بیٹھ کر کسی مدرس کا پڑھانا، مسجدوں کے منبر سے ائمہ کا خطاب کرنا، عدل کی کرسی پر بیٹھ کر حق و باطل کے فیصلے کرنا، لوگوں کے مسائل کا حل تلاش کرنا اور احکام میں میں ان کی رہنمائی کرنا، تصنیف و تالیف کے ذریعہ خیر کی اشاعت و ترویج اور برائیوں سے روکنے کی سعی و کوشش یہ سب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کے مختلف طریقے اور اسالیب ہیں، غرض ہر وہ کوشش جس کا مقصد مرضیات کی طرف لوگوں کو لانا اور منہیات سے ان کو بچانا ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دائرہ میں آتی ہے۔

جیسا کہ مذکور ہوا امر بالمعروف کا ایک نہایت اہم طریقہ ”افتاء وارشاد“ ہے یعنی حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی بابت لوگوں کے سوالات کا جواب دینا اور شریعت کی روشنی میں ان کے مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کرنا، اسی لئے افتاء کی ذمہ داری کو

عام حالات میں فرض کفایہ اور اگر کوئی دوسرا شخص افتاء کا اہل موجود نہ ہو تو فرض عین قرار دیا گیا ہے۔ (شرح مہذب ۱/۴۵) مفتی کا دائرۂ کار قاضی سے بھی زیادہ وسیع ہے، مفتی کی ذمہ داری احکام کا استنباط ہے اور قاضی کی ذمہ داری واقعات پر ان احکام کی تطبیق، قاضی صرف ان ہی معاملات میں فیصلے کرتا ہے جن کے بارے میں کوئی نزاع پیدا ہوئی ہو اور اسکے پاس لائی گئی ہو اسی لئے عبادات قاضی کے دائرۂ کار سے باہر ہے، لیکن مفتی کو ہر شعبۂ زندگی کے مسائل حل کرنا ہے، عقیدہ و ایمان کی بحث ہو، عبادات ہوں، مالی معاملات ہوں، معاشی اور معاشرتی مسائل ہوں، سیاسی و اجتماعی قوانین ہوں، بین قومی تعلقات سے متعلق کوئی مسئلہ ہو یا کوئی حکم اخلاق و آداب کے باب سے تعلق رکھتا ہو، ہر شعبۂ حیات میں مفتی خضر طریق کا کام کرتا ہے اور امت کی رہنمائی کا کام انجام دیتا ہے۔

اسی لئے ہمیشہ مسلم ممالک میں سرکاری سطح پر اور جہاں مسلمان برسر اقتدار نہ ہوں وہاں غیر سرکاری طور پر افتاء و ارشاد کا شعبہ رہا کیا ہے، جب سے اخبارات کی دنیا وجود میں آئی ہے اور ابلاغ کا یہ نیا اور وسیع الاثر باب کھلا ہے، اخبار و رسائل میں بھی سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا ہے، غیر منقسم ہندوستان کے بہت بڑے مفتی جن کو "مفتی اعظم ہند" کہا جاتا تھا، میری مراد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی ؒ سے ہے، غالباً اردو رسائل و جرائد میں سب سے پہلے انھوں نے ہی یہ سلسلہ کیا تھا، الجمعیۃ میں پابندی سے ان کے فتاویٰ شائع ہوا کرتے تھے، چنانچہ ان کے فتاویٰ کا ضخیم اور قیمتی مجموعہ (کفایت المفتی) جو نو جلدوں پر مشتمل ہے میں بہت سے فتاویٰ یہی مطبوعہ جوابات ہیں، ادھر عربی زبان کے رسائل و جرائد میں اور پھر اردو اخبارات و رسائل میں سوال و جواب کا مفید سلسلہ شروع ہوا ہے۔

عالم عرب میں ایک بہت بڑی تعداد برصغیر کے رہنے والوں کی ہے جن کی زبان اردو ہے، اور اب تو دنیا کے مختلف علاقوں میں جنوبی ایشیاء کے ہنرمندوں اور کارکنوں کی ہجرت کی وجہ سے اردو زبان ایک عالمی زبان بن گئی ہے، مشرق وسطی اس علاقہ سے

قربت اور حرمین شریفین کی نسبت سے اس خطہ سے مسلمانوں کے خصوصی تعلق کے باعث خلیجی ممالک میں خصوصیت سے اردو لکھنے پڑھنے والوں کی بہت بڑی تعداد مقیم ہے یہاں عرصہ سے ایک اردو اخبار کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، اور بہت سے اصحابِ ذوق اور اہلِ ضرورت کو شدت سے اس ضرورت کا احساس تھا کہ چند سال پہلے جدہ (جس کو حرمین شریفین کا دروازہ کہا جاتا ہے) کے افق سے "روزنامہ اردو نیوز" کی صورت میں اردو صحافت کا ایک سورج طلوع ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے مہر نیم روز بن کر پورے خلیج پر چھا گیا، اور اب اس کی کرنیں مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں تک پہونچ چکی ہیں۔

اردو نیوز میں جمعہ کے دن مذہبی مضامین کا خصوصی صفحہ شائع ہوتا ہے، اس میں ہندو پاک کے ممتاز قلم کاروں کے مضامین کے علاوہ عالم عرب کے سربرآوردہ علماء و مشائخ کے مضامین کے تراجم بھی شائع کئے جاتے ہیں۔ سعودی عرب میں گو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر افتاء و ارشاد کا شعبہ قائم ہے اور نہایت موقر اور جلیل القدر شیوخ منصبِ افتاء پر فائز ہیں لیکن ان لوگوں کے لئے جن کا ذریعۂ اظہار اردو زبان ہے، ضروری تھا کہ اس اخبار میں سوال و جواب کا ایک کالم رکھا جائے اور شرعی مسائل میں ان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جائے۔

اردو نیوز نے قارئین کی اس اہم ضرورت کا احساس کرتے ہوئے "اسلام اور زندگی" کے عنوان سے شرعی مسائل کی بابت سوال و جواب کا کالم شروع کیا، اور اس اہم نازک مطالعہ طلب اور ذمہ دارانہ کام کے لئے ان کی نظرِ انتخاب "حق بحق دار رسید" کے مصداق میرے محبِ گرامی قدر جناب شیخ قاری صاحب زادہ عبدالباسط حفظہ اللہ پر پڑی، چنانچہ ابتداہی سے آپ قارئین کے سوالات کا جواب دے رہے ہیں، مختلف ملکوں، قوموں اور تہذیبوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قارئین متنوع سوالات کرتے ہیں، اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق اپنی الجھنیں پیش کرتے ہیں، عقیدہ و ایمان سے متعلق بھی، قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کی بابت بھی، عبادات و معاملات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے مسائل بھی

اشکالات وشبہات اور اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں بھی سامنے آتی ہیں، اور قاری صاحب ان گتھیوں کو نہایت اعتدال سے حل کرتے ہیں، آپ کے جواب کا بنیادی ماخذ کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ ہیں، ان بنیادی مراجع کے بعد کتبِ فقہیہ سے بھی استفادہ کرتے ہیں، کیونکہ دراصل قرآن وحدیث کا نچوڑ اور شریعت کی مرضیات ومنہیات کا عطر وخلاصہ ہے اور اسلامی تاریخ کی بہترین ذہانتیں اور غیر معمولی صلاحیتیں اس فن کی تدوین وترتیب اور اسکے ارتقاء وتہذیب میں شریک رہی ہیں، عام طور پر اردو قارئین حنفی المسلک ہیں، اور حکومتِ سعودیہ کا فقہی مذہب حنبلی مکتبِ فقہ ہے، اور بحمد اللہ حکومتِ سعودیہ تمام ہی مذاہبِ فقہیہ کے بارے میں بہت ہی وسیع چشمی اور وسیع القلبی کا رویہ رکھتی ہے، اسی پس منظر میں جوابات میں کتاب وسنت کو اصل بناتے ہوئے حنفیہ اور حنابلہ کے نقطۂ نظر کو زیادہ وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔

محترم قاری کے حسبِ خواہش اس کوتاہ علم نے جوابات پر نگاہ ڈالی ہے، جہاں کہیں حوالہ جات اور مراجع کی وضاحت نہیں کی گئی تھی، وہاں اپنے بعض عزیز شاگردوں سے مراجع کی تخریج کرائی گئی ہے، اور ابوابِ فقہیہ کی ترتیب سے جوابات کی ترتیب کا کام ہوا، اس کام کے سلسلہ میں خصوصی طور پر ہمیں عزیزانِ گرامی مولانا محمد عابد ندوی (مقیم جدہ) اور مولانا اشرف علی قاسمی (فاضل دیوبند و تخصص دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد) وفقهما الله بما يحب ويرضى کا خصوصی طور پر شکرگذار ہونا چاہیے۔

قاری صاحب کے جوابات کی خصوصیت ہر مسئلہ میں شریعت کے اصل مراجع کتاب وسنت سے روشنی حاصل کرنے کا اولین اہتمام اور اعتدال وتوازن کے ساتھ فروعی مسائل میں اپنی رائے کا اظہار ہے، ان کو برصغیر کے علماء کے علاوہ عالمِ عرب کے اہلِ علم سے بھی استفادہ کا موقعہ ملا ہے، اس قران السعدین نے ان کی فکر کو اعتدال وتوازن اور فقہی اختلافات میں تحمل ورواداری کی نعمت سے سرفراز کیا ہے جو آج کل بہت کمیاب ہے۔

قاری صاحب کے جواب میں نہ اتنا اختصار ہوتا ہے کہ صرف "ہاں نہیں" کہہ کر گزر جائیں اور نہ اتنی تفصیل ہے کہ قاری کو جواب میں "اپنا جواب" تلاش کرنا پڑے کہ اگر تفصیل کے موقع پر اختصار ہو تو اطمینان نہیں ہوتا اور ضرورت سے زیادہ تفصیل ہو تو یہ بھی بارِ خاطر ہوتا ہے۔

جدہ کی متعدد مساجد میں قاری صاحب کے درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے اور ان دروس نے بہت سے آوارہ فکر اور پراگندہ خیال لوگوں کی اصلاح و تعمیر میں نہایت مؤثر کردار ادا کیا ہے، ان میں سے بعض خطبات کتابی شکل میں طبع ہو چکی ہیں، بعض تشنۂ طبع ہیں اور امید ہے کہ عنقریب ان کی اشاعت عمل میں آسکے گی، سوال و جواب کے اس نئے سلسلے نے ان کے افادہ و افاضہ کا دائرہ اور بھی وسیع کیا ہے، جن لوگوں کی اردو نیوز تک رسائی ممکن نہیں تھی، یہ کتاب ان کو بھی فیضیاب کرے گی، اور وہ بھی اس مجموعہ میں اپنی الجھنوں کا حل پائیں گے، یہ سوال و جواب کا پہلا مجموعہ ہے، خدا کرے کہ جلد ہی اس کی اگلی جلدیں بھی منظرِ عام پر آئیں اور چشمِ انتظار کا سرمہ بنیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے، لوگوں کے لئے نافع بنائے اور خود مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت فرمائے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّاٰخِراً۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم الحدیث والفقہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد)

عرضِ مؤلّف

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائے کاملہ اور ہر ایک نعمت پر اس کا صد ہزار بار شکر کہ جو بھی نعمت ہے محض اسی کا کرم اور اس کی عطا کی ہوئی ہے ہزاروں درود و سلام ہوں، فداہ امی وابی علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم پر جو رحمتِ عالمین ہیں اور جن کی شفاعت کے ہم سب امیدوار ہیں۔ یہ بندۂ حقیر جس پر اس کے مولیٰ کا کرم ہوا کہ اس نے حرمین شریفین کے قرب بلکہ بوابۃ الحرمین جدہ میں رہنے کی سعادت سے نوازا، عرصۂ دراز سے ارضِ حرمین اور بوابۃ الحرمین میں قیام پذیر ہے اللہ تعالیٰ اس قیام کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور ہمیں فیوضِ حرمین سے کما حقہ استفادہ کرنیوالوں میں سے بنادے (آمین)۔

خادمِ حرمین شریفین الملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود حفظہ اللہ تعالیٰ وایدہ ونصرہ بذاتِ خود نہ صرف حرمین شریفین کی توسیع، حجاج اور عمرہ وزیارت کے لئے آنے والے مسلمانوں کے آرام وسکون کی خاطر نت نئی سہولتیں اور خدمات بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں کے لئے جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں (فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ)

دوسری تمام وزارتوں کی طرح وزارۃ الشئون الاسلامیۃ والاوقاف والدعوۃ والارشاد) بھی روز و شب صرف اندرون مملکت ہی نہیں بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں کی صحیح دینی رہنمائی کے لئے کوشاں ہے۔ معالی الشیخ الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی حفظہ اللہ

اس وزارت کے سب سے اہم ذمہ دار (وزیر) ہیں جو بذاتِ خود بھی جید عالمِ دین ہیں، اور کئی اہم علمی، تحقیقی، تالیفی، تصنیفی خدمات انجام دے چکے ہیں، راقم دو بڑی مساجد میں اردو زبان میں گذشتہ کئی برس سے درسِ قرآن دے رہا ہے، یہ اسی وزارت کے جذبہ اسلامی کا ایک نمونہ ہے، یہ درس وزارتِ الشئون الاسلامیہ کی نگرانی میں ہوتا ہے جس میں سینکڑوں اردو بولنے اور سمجھنے والے ایشیائی مسلمان مرد و خواتین شرکت کرتے ہیں، بحمداللہ گذشتہ بارہ سالوں میں ان دونوں دروس میں کتاب التوحید، الاصول الثلاثہ، شمائل الترمذی، ریاض الصالحین، العبودیہ اور دوسری اہم کتابوں کا درس ہو چکا ہے، جس سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح ہوئی ہے، اور یہ سب محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل ہے۔

خادم حرمین شریفین کی حکومت، تمام وزراء اور سارے ذمہ دار حضرات روز و شب مسلمانوں اور عالمِ اسلام کی خدمت کے لئے ہر ممکن کوشش اور ہر قسم کی کاوشوں میں مصروفِ کار نظر آتے ہیں، دوسری تمام اہم وزارتوں کی طرح "وزارۃ الاعلام" بھی مسلمانوں کی فکری ذہنی اور علمی و دینی رہنمائی کے لئے ہر مقام پر اور ہر زبان میں خدمت انجام دے رہی ہے جس کا سہرا وزیر اعلام عالی جناب ڈاکٹر فواد عبدالسلام فارسی حفظہ اللہ تعالیٰ کے سر ہے، جو بذاتِ خود صاحبِ علم بھی ہیں، اور تجربہ کار صحافی بھی، وزارۃ الاعلام دنیا بھر کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے مختلف شعبوں میں دن رات کام کر رہی ہے، عرب دنیا سے پہلا انٹرنیشنل اردو اخبار "اردو نیوز" بھی انہی خدمات میں سے ایک ہے، جس کے لئے عالی جناب علی حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ابناء حافظ حفظہم اللہ تعالیٰ در عاہم مبارکباد اور اردو بولنے والوں کی دعاؤں کے مستحق ہیں کہ ان کی سرپرستی میں مختصر سے وقفہ میں "اردو نیوز" اردو صحافت میں سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

حجازِ مقدس سے مکمل اردو روزنامہ جاری کرنے کے بارے میں عرصہ دراز سے سوچا جا رہا تھا، میرے مخلص ساتھی (جنہیں عزیز بھائی کہنا ہی زیادہ صحیح ہے) محترم و مکرم

جناب محمد صلاح الدین شہید (مدیر تکبیر کراچی جنہیں دو سال قبل کراچی میں شہید کر دیا گیا) نے جدہ آنے کے موقع پر (غالباً ۱۹۹۳ء میں) ناچیز سے یہ تذکرہ کیا کہ ہم نے یہاں کے بعض ذمہ دار حضرات سے اس بارے میں بات چیت کی ہے، اور عنقریب ایک روزنامہ جدہ سے جاری ہوگا، جس میں دینی سوال و جواب کے لئے آپ سے رجوع کیا جائے گا، کچھ ہی عرصہ بعد واقعی اردو نیوز کی شکل میں مشرقِ وسطی سے پہلا انٹرنیشنل اردو اخبار شائع ہونا شروع ہوا، اور اس طرح یہ منصوبہ عملی طور پر سامنے آیا، اخبار کی اشاعت کے چند روز بعد میرے دو مخلص ساتھی اور عزیز دوست جناب شاہد امین صاحب اور جناب ارشاد بیگ چغتائی صاحب دوبارہ میرے پاس آئے، جناب شاہد امین میرے شاگرد بھی تھے کہ مجھ سے قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر پڑھ رہے تھے، نہایت ہی مخلص اور ہر ایک کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے انسان تھے افسوس ہے کہ چند ماہ قبل جدہ ہی میں انتقال ہو گیا، فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ شاہد امین مرحوم اور ارشاد بیگ چغتائی صاحب نے معالی الشیخ محمد مختار الفال سے اور بعض دوسرے ذمہ دار حضرات سے ملاقات کروائی، اور اس طرح باقاعدگی سے دینی صفحے کا اجراء ہوا۔

معالی الشیخ محمد مختار الفال صاحب کی شخصیت اب قارئینِ اردو نیوز اور دوسرے حضرات کے لئے تعارف کی محتاج نہیں رہی کہ یہ روزِ اول سے تادمِ تحریر اردو نیوز کے ایڈیٹر انچیف ہیں، یہ انہی کی محنت، اخلاص، استقامت اور اخلاقِ فاضلہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایشیائی مسلمانوں کی خدمت کا اتنا اہم کام لیا، ہمارے دوسرے ذمہ دار ساتھیوں اور فال صاحب کی کہنہ مشق ٹیم میں سرِ فہرست جناب محمد نصیر الدین ہاشمی صاحب ہیں جو انتہائی خاموشی اور حکمت سے (شور شرابہ کئے بغیر) تھوڑے وقت میں بہت سارا کام کرنے کا ہنر جانتے ہیں، علماء اور اہلِ علم کے قدر داں ہیں اور اپنے ملک و ملت کی خدمت کا جذبہ نہ صرف تقریر و تحریر بلکہ عمل سے کر دکھاتے ہیں ——— ناصر چغتائی صاحب اپنی ذات میں انجمن ہیں کہ ان کا وجود بھی ایک اہم ذمہ دار فرد کا وجود ہی نہیں، مخلص اور اچھے ساتھی کے وجود کا احساس

فعل پر ترجیح دی جاتی ہے، پھر صحابہ کرام اور تابعین کے اعمال وافعال وآثار کو دیکھا جاتا ہے، اور ان کے فتاوی اور ارشادات کی روشنی میں جواب دیا جاتا ہے، ائمہ اربعہ کے فتاوی، ان کی تحقیقات واجتہادات، سلفِ امت کے فتاوی اور موجودہ دور کے علماء کے فتاوی سے بھی بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے ______ سوال کرنے والے قارئین کی اکثریت کا تعلق فقہ حنفی سے ہے، لہٰذا ان کو ان کی خواہش کے مطابق اسی فقہ سے جواب دیا جاتا ہے چونکہ مملکتِ سعودی عرب کا مسلک حنبلی مذہب ہے، لہٰذا فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ فقہ حنبلی کو بھی بیان کیا جاتا ہے، قارئین کی یاددہانی اور علم میں اضافے کی خاطر یہاں اس مملکت مبارکہ کے دو عظیم بانیوں کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں جو اس بارے میں کہے گئے ہیں۔

الامام الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بارے میں فرمایا جیسا کہ فضیلۃ الشیخ الدکتور عبدالعزیز بن ابراہیم العسکر حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقالہ میں لکھا جو جریدۃ عکاظ میں حال ہی میں شائع ہوا ہے، لکھتے ہیں:

قال الامام الشیخ محمد بن عبدالوهاب (رحمة الله علیه) واخبرك أنی و لله الحمد متبع لست بمبتدع عقیدتی ودینی الذی أدین الله به هو مذهب اهل السنة والجماعة الذی علیه ائمة المسلمین مثل الأئمة الاربعة واتباعهم الی یوم القیامة۔ (الدرر السنیه ۱/۷۹)

(ترجمہ) امام شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے فرمایا کہ میں بحمداللہ پابندِ شریعت ہوں، میں بدعتی نہیں ہوں، میرا عقیدہ اور میرا دین جس پر میں عامل ہوں وہی ہے جو اہلِ سنت والجماعت کا ہے، جس پر مسلمانوں کے ائمہ جیسے ائمہ اربعہ ہیں اور جس پر قیامت تک ان کے متبعین رہیں گے۔

فضیلۃ الدکتور عبدالعزیز بن ابراہیم العسکر (حفظہ اللہ تعالیٰ) نے موجودہ مملکت سعودی عرب کے بانی الامام القائد المجاہد عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ) کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حجاج کرام سے خطاب کرتے ہوئے ۱۳۵۶ھ میں

ہے، چغتائی صاحب کی تحریر محبت بھری ہوتی ہے۔

حسنِ تحریر سے ظاہر ہے تیرے دل کا خلوص
خط کا ہر لفظ محبت کا پتہ دیتا ہے

ہمارے اطہر بھائی (اطہر ہاشمی صاحب) تو سدابہار شخصیت ہیں، ماضی قریب کے ایک مفکرؔ نے ہمارے ملک کے ایک مشہور صحافی کے کالم کو پڑھ کر کہا تھا کہ ان کا شدید مخالف بھی ان کا کالم پڑھ کر ایک بار ضرور ہنستا ہوگا، اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوگا، اگر یہ مفکرؔ اطہر ہاشمی صاحب کے کالم پڑھتے تو شاید اس سے بھی زیادہ عمدہ تبصرہ کرتے ______ اطہر ہاشمی صاحب ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا علم اور علم والوں کی ہمت افزائی اور قدردانی گویا گھٹی میں پڑی ہے، اللہ تعالیٰ ہر انسان کو کئی خوبیوں سے نوازا ہوتا ہے، جن میں بعض کا اظہار ہوتا ہے اور بعض یونہی چھپی رہتی ہیں، اطہر ہاشمی صاحب کی خوبیوں میں ایک اہم خوبی بروقت صحیح جملوں کا استعمال اور باذوق مزاح ہے جسے ہر چھوٹا بڑا محسوس ہی نہیں کرتا بلکہ اس سے محظوظ بھی ہوتا ہے ______ بھائی محمد نعیم اختر بھی اس ٹیم کے اہم رکن ہیں جو سامنے آئے بغیر تعاون و خدمت کے جذبے بلکہ جذبوں کو عملی شکل فراہم کرتے ہیں۔

ہمارے دینی صفحے اور سوالوں کے جوابات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق کے بعد ان تمام حضرات کا تعاون اور ہمت افزائی اگر شاملِ حال نہ ہوتی تو شاید یہ صفحہ اتنا مقبول نہ ہوتا جتنا کہ آج ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ ناچیز اپنے آپ کو اتنی بڑی اور اہم ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتا کہ یہ یقیناً ایک حساس معاملہ اور اہم ذمہ داری ہے لیکن محض اللہ تعالیٰ کے بھروسے اور توکل اور اپنے بزرگوں اور علماء سے مشورے بلکہ ان کے حکم پر یہ سلسلہ شروع کردیا گیا اور بحمداللہ اس معاملے میں نہ صرف مقامی علمائے کرام اور اہلِ علم سے بلکہ اپنے برصغیر ہندوپاک کے علماء واکابر سے بھی مشورہ کیا جاتا ہے اور علماء کی آراء و فتاویٰ کو نقل کیا جاتا ہے، کتاب و سنت کو ہر حال میں اور ہر کسی کے قول و

کہا تھا:

والذی نمشی علیہ ھو طریق السلف ونحن لا ننکر احداً الامن کفرہ اللہ ورسولہ ولیس لنا مذھب سوی مذھب السلف الصالح ولا نؤید بعض المذاھب علی بعضھا فابو حنیفۃ والشافعی ومالک وابن حنبل ائمتنا فمن وجدنا الحدیث الصحیح معہ اتبعناہ فان لم یکن ھنالک نص فانما ھو الاجتھاد فی الفروع والاصل کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارا طریقہ وہی ہے جو سلفِ صالحین کا تھا، ہم کسی کو کافر نہیں کہتے، الا یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ہی اسے کافر قرار دے' سلفِ صالحین کے مذہب کے سوا ہمارا کوئی دوسرا مذہب نہیں اور نہ ہم ایک فقہی مذہب کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں، پس امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ہمارے امام ہیں، البتہ جس مسئلہ میں جن کے قول کو حدیثِ صحیح کے موافق پاتا ہوں اس کی اتباع کرتا ہوں' اور جب کسی مسئلہ کی بابت کوئی نص موجود نہ ہو تو پھر وہ فروعی مسائل ہیں، جنہیں اجتہاد کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے' اور اصل کی حیثیت بہر حال اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کو حاصل ہے۔

جلالۃ الملک امام عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا:

فعلیکم بالتفقہ فی دینکم واتباع نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم وسلفکم الصالح من الصحابۃ والتابعین لھم باحسان الی یوم القیامۃ، وقد تقدم لکم البیان بأننا فی الاصل علی القرآن، وفی الفروع علی مذھب الامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ۔ (نص نداء الامام عبد العزیز بن عبد الرحمان رحمہ اللہ ماخوذ من حیاۃ الملک عبد العزیز ص: ۲۰۳)

(ترجمہ) آپ لوگوں پر ضروری ہے کہ دین کی صحیح سمجھ پیدا کریں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم' سلفِ صالحین یعنی صحابہ کرام اور قیامت تک آنے والے ان کے متبعین کی اتباع کریں' اور جیسا کہ ہم

پہلے وضاحت کرچکے ہیں کہ ہمارے نزدیک اصل کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے اور فروعی مسائل میں ہم امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے پابند ہیں۔

یہاں محاکم قضاء میں امام احمد بن حنبل کے مفتی بہ قول پر عمل وفیصلہ کے سلسلے میں قضاءً کمیٹی کی تجویز ۳ تاریخ ۱/۱/۱۳۴۶ھ ملاحظہ ہو:

"أ. أن يكون مجرى القضاء في جميع المحاكم منطبقا على المفتى به من مذهب الامام احمد بن حنبل نظر السهولة مراجعة كتبه" ج. يكون اعتماد المحاكم في سيرها على مذهب الامام احمد على الكتب الآتيه: ۱شرح المنتهى ۲. شرح الاقناع.

(ترجمہ) تمام عدالتوں میں فیصلہ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے مفتی بہ قول پر کیا جائے اس لئے کہ اس میں کتابوں کی مراجعت میں سہولت ہے (ج) عدالتیں فقہ حنبلی کے سلسلہ میں ان کتابوں پر اعتماد کریں (۱) شرح المنتہی (۲) شرح الاقناع۔

سوالوں کے جوابات کے سلسلے میں سماحۃ الشیخ العلامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ مفتی عام المملکۃ العربیۃ السعودیۃ کے فتاویٰ سے بھی رجوع کیا جاتا ہے اسی طرح فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین حفظہ اللہ تعالیٰ، فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان، فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین اور فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث والافتاء کے فتاوی بھی اردو میں ترجمہ کر کے نقل کئے جاتے ہیں .... پاکستان اور ہندوستان کے ان اہل علم کے فتاوی سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے جو منہج سلف صالح کے مطابق ہوتے ہیں، بحمداللہ قارئین ان جوابات سے مستفید ہی نہیں مطمئن بھی ہو رہے ہیں جس کا ثبوت وہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں خطوط ہیں جو ہم تک پہونچتے ہیں۔ سوالوں کے جوابات میں ہم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم صرف جائز یا ناجائز یا جی ہاں اور نہیں میں جواب نہیں دیتے بلکہ جواب میں تمام حوالے درج کرنے کے ساتھ ساتھ تذکیر، نصیحت، رغبت اور سمجھانے کا انداز بھی اختیار کیا جاتا ہے تاکہ جواب مجرد جواب ہی نہ رہے ایک مختصر نصیحت اور بھلائی دعوت وتذکیر بھی بن سکے اور بحمداللہ اس نئے

اندازسے لوگوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔

"اسلام اور زندگی" کے عنوان سے سوال وجواب کا یہ سلسلہ اللہ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے تقریباً پانچ سال سے تاحال جاری ہے، عرصہ دراز سے قارئین کی شدید خواہش تھی کہ ان سوال وجواب کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ استفادہ عام ہو اور وہ لوگ بھی استفادہ کرسکیں جن تک اخبار نہیں پہونچ رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات سے توفیق اور مدد طلب کرتے ہوئے محض اس کے بھروسہ اور توکل پر یہ کام شروع کیا گیا، برصغیر پاک و ہند کے کئی فقہاء اور اہلِ علم سے استفادہ کیا گیا، ہندوستان کی مشہور علمی و دینی شخصیت معروف محقق اور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ نے از راہِ شفقت اس کام کی بذاتِ خود نگرانی فرمائی، اخبار میں چونکہ جواب مختصر لکھا جاتا ہے اور حوالہ جات بھی صرف ترجمہ اور حوالہ ہی کی حد تک تحریر کیے جاتے ہیں لہٰذا اس تمام کام کو گویا کہ از سرِ نو انجام دیا گیا۔ اس ضخیم علمی کام کے سلسلے میں کئی دوسری مشہور علمی شخصیات کی دعائیں، شفقت، مشورے اور تجاویز بھی شامل رہی ہیں، جن کے لئے تہہ دل سے ہم سب شکر گزار اور دعاگو ہیں، تقریباً دو سال کے جوابات کی تیاری پر دو سال سے زیادہ کا عرصہ لگا اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے یہ ایک کتابی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تمام معاونین کے لئے فرداً فرداً دعاگو ہوں خصوصاً حضرت الشیخ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے لئے کہ جن کا تعاون اور شفقت اس عظیم منصوبے کا اہم حصہ ہے ________ حضرت الشیخ علامہ انظر شاہ کشمیری صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم دیوبند (وقف) کے لئے بھی تہہ دل سے دعاگو ہوں جن کی شفقت اور دعائیں شاملِ حال رہی ہیں، اور انہوں نے کرم فرمایا کہ اپنے ایک ادنیٰ طالب کی لکھی ہوئی چند سطور پر اس مجموعۂ جوابات کی تقریظ بھی لکھی اور ہمت افزائی فرمائی (فجزاہ اللہ خیر الجزاء وأحسن اللہ الیہ) ________ انشاء اللہ بہت جلد اس

مجموعۂ جوابات کے مزید حصے بھی چھپ کر سامنے آئیں گے، تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص واستقامت کی توفیق دے، ہمارے اعمالِ صالحہ کو قبول فرمائے، شیطان اور نفسِ امارہ کے وساوس سے محفوظ رکھے، شیاطین انس وجن، حاسدین اور مفسدین کے جملہ شرور ومخالفت سے ہم سب کی حفاظت فرمائے (آمین)۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارکہ کی روشنی میں کہ من لم یشکر الناس لم یشکر واللہ" ترجمہ: جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا (ترمذی) جن محسنین ومشفقین ہستیوں اور مخلص احباب کا شکریہ واجب ہے، اور جن کے لئے میں ہمیشہ دعا گو ہوں ان میں چند ایک وہ ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے باقی حضرات میں سرِفہرست فضیلۃ الشیخ الدکتور عبداللہ بن علی بصفر حفظہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں، جو میرے قیامِ جدہ کے روزِ اول سے تادمِ تحریر میرے مشفق ومحسن ہیں، انہی کی نیابت میں مسجد الشیعبی کی امامت وخطابت اور اسی مسجد میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں (فجزاہ اللہ عنی خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ) شیخ عبداللہ علی بصفر حفظہ اللہ نے ہر لمحہ اور ہر قدم پر دستِ تعاون اور دستِ شفقت دراز کیا ہے، مسجد الشیعبی دعوت وتبلیغ اور بچوں کے حفظ وتجوید کی نسبت سے جو اہم کام انجام پا رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی توفیق کے بعد شیخ عبداللہ بصفر کے تعاون وشفقت ہی سے ہوا ہے، فضیلۃ الشیخ محسن احمد باعبداللہ جو کہ جمعیۃ کے مدیر عام ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دارین کے اجر وثواب سے نوازے اور صحت وعافیت میں رکھے کہ میں ہر مسئلہ اور ہر اہم کام میں انہی سے مشورہ کرتا رہا ہوں، اور انہوں نے ہمیشہ ترحیب وخیر مقدم بلکہ شفقت ومہربانی کا سلوک کیا ہے (فجزاھم اللہ عنی خیر الجزاء واحسن الیھم)

معالی الشیخ احمد محمد صلاح جمجوم حفظہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، ان کے لئے دعا اور ان کا شکریہ ادا کرنا بھی واجب ہے کہ یہ الجمعیۃ الخیریۃ لتحفیظ القرآن الکریم بمنطقۃ مکۃ المکرمہ کے رئیس ہیں، اور اس سے قبل جدہ کی الجمعیۃ الخیریۃ لتحفیظ القرآن الکریم کے رئیس تھے، انکی

سرپرستی اور شفقت ہمیشہ کام آئی فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء ــــــــــــ معالی الشیخ المہندس عبدالعزیز حنفی جو کہ الجمعیۃ الخیریہ لتحفیظ القرآن الکریم جدہ کے رئیس ہیں، اپنی دینی خدمات اور انسانی خدمت کے جذبہ کی وجہ سے پاکستانی کمیونٹی میں خصوصاً اور ہندوستانی مسلم کمیونٹی میں عموماً کافی مقبول ہیں، ان کی سرپرستی و شفقت اور مفید مشوروں سے بھی ہمیشہ استفادہ کیا گیا ہے۔

جن لوگوں کا شکریہ واجب ہے، ان میں میرے معاون اور عزیز بھائی مولانا محمد عابد ندوی بھی شامل ہیں، جو روز اول سے میری معاونت کا کام اخلاص و محنت سے انجام دے رہے ہیں (فجزاہ اللہ خیر الجزاء) تمام علماء، اساتذہ کرام اور اپنے اکابرین کے لئے بھی دعا گو ہوں، اور ان کے لئے دل شکر کے جذبات سے لبریز ہے، جن کی دعائیں، شفقت، مشورے، علمی رہنمائی اور تعاون مجھے حاصل رہا، پاکستانی کمیونٹی کے تمام ذمہ دار حضرات اور سارے بھائیوں اور بہنوں کا بھی مشکور ہوں، جو وقتاً فوقتاً میری ہمت افزائی کرتے رہے، اور اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے رہے، انڈین مسلم کمیونٹی کے لئے بھی تہہ دل سے دعا گو ہوں، جن کے ہاں (جغرافیائی اور زمینی تقسیم کے باوجود) میں نے اپنوں سے زیادہ اپنائیت اور محبت و اخلاص پایا ہے فجزاھم اللہ جمیعاً خیر الجزاء۔ آخر میں تمام قارئین اور تمام احباب سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں ہم سب کو یاد رکھیں۔

اللھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وصل اللھم وسلم وبارک علی سیدنا محمد النبی الامی وعلی الہ واصحابہ وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

عبدالباسط محمد

(جدہ)

75007



سوال و جواب

حصہ اول

پہلا باب

ایمان و عقیدہ

الیس اللہ بکاف عبدہ

ایمان کی حقیقت

ایمان کی حقیقت اور تعریف کیا ہے ؟۔

پانچ بنیادی اہم ارکان کا ماننا اسلام ہے جو یہ ہیں (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں (۲) نماز پڑھنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) جس کی استطاعت ہو اس کے لئے حج کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، تمام فرشتوں، تمام کتابوں، تمام رسولوں، قیامت کے دن اور تقدیر کے اچھا یا برا ہونے پر ایمان لانا ایمان کہلاتا ہے، ایمان قبول کرنے کے بعد کفر و شرک کا اندھیرا ختم ہو جاتا ہے، اور ان تمام چیزوں کو جس کی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی، اس کو نورِ بصیرت سے سچی سمجھنا ہے، ایمان کا خلاصہ یہی چھ چیزیں ہیں۔

اللہ پر ایمان لانا، اس کا مطلب یہ کہ اللہ کو ذات و صفات میں یکتا سمجھے، یہ عقیدہ رکھے کہ اپنے وجود اور اپنی ذات و صفات میں ہر نقص و عیب سے بالکل پاک ہے، وہ یہ سمجھے کہ کائناتِ ارضی کی تمام چیزیں اسی کی محتاج ہیں، اور وہ کسی کا محتاج نہیں، پوری کائناتِ ارضی و سماوی سب اسی کے قبضہ و قدرت میں ہیں، اس کا کوئی شریک اور

---

(۱) مشہور مفسر قرطبی اپنی شاہکار تفسیر میں لکھتے ہیں: ولم یختلف العلماء فی جواز الصلوٰۃ فی النعل اذا کانت طاهرة من ذکی۔ (تفسیر قرطبی ۱۱/۱۷، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ساجھی نہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانا، فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ نورانی مخلوق ہیں، اللہ کا ہر حکم بجالاتے ہیں، اور اس کے حکم سے سرموانحراف نہیں کرتے۔

رسولوں پر ایمان لانا، رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ خداوندِ قدوس نے اپنی رضا و عدم رضا اور صراطِ مستقیم سے واقف کرانے کیلئے کچھ برگزیدہ لوگوں اور نیک نفس انسانوں کو منتخب کیا ہے جنہیں نبی اور رسول کہتے ہیں، اللہ کی ہدایات اور احکامات ان ہی برگزیدہ پیغمبروں کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں، سب سے پہلے حضرت آدم نبی بن کر آئے، اور سب سے آخیر میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کا لایا ہوا دین اور شریعت آخری ہے، آپ کے بعد نہ قیامت تک کوئی نبی آئے گا، اور نہ ہی نئی شریعت، اور نئی کتاب۔

کتابوں پر ایمان لانا، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائی ہیں، جن میں چار زیادہ مشہور ہیں اور قرآن مجید میں ان کا ذکر موجود ہیں۔

تورات، جو حضرت موسیٰ پر نازل کی گئی،
انجیل، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی،
زبور، جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔
قرآن کریم جو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

قرآن سب سے آخری کتابِ الٰہی ہے جس کی اطاعت ہر شخص پر واجب ہے، اور اس سے منہ موڑنا دنیا و آخرت میں خسران کا باعث ہے۔

قیامت پر ایمان لانا یعنی آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ساری

دنیا ختم ہو جائے گی، اس کائنات کی تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی، پھر اللہ تعالی ہر ایک کو دوبارہ زندہ کرے گا، اور ہر شخص کے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا، جس کے نیک اعمال زیادہ ہوں گے، اس کو جنت میں داخلہ کا پروانہ ملے گا، اور جس کے برے اعمال زیادہ ہوں گے اس کو جہنم میں ڈال کر سزا دے گا، ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا، کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

تقدیر پر ایمان لانا، اس سے یہ مراد ہے کہ یہ پوری دنیا خود آپ ہی آپ نہیں چل رہی ہے، بلکہ اس کو اللہ چلا رہا ہے، جتنے بھی واقعات اس کارگہ عالم میں پیش آتے ہیں، وہ سب کے سب اسی کی مشیت اور ارادہ سے پیش آتے ہیں۔

ایمان کے شعبے

ایمان کے کل کتنے شعبے ہیں، کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہیں؟۔

ایمان کے کئی شعبے ہیں جن کو تفصیل سے کتبِ حدیث و اخلاقیات میں بیان کیا گیا ہے یہ شعبے حقیقت میں اس متفق علیہ حدیث کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں، جس حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " ایمان کے ۶۰ سے زیادہ (۶۳ تا ۶۹) درجے ہیں، ایک دوسری روایت میں ہے ایمان کے ۷۰ سے زیادہ (۷۳ تا ۷۹) درجات ہیں، جن میں سب سے افضل اور اعلیٰ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا کہنا اور ادنیٰ درجہ راستوں سے نقصان دہ چیزوں کا ہٹانا ہے (مسلم عن ابی ھریرۃ باب بیان عدد شعب الایمان وافضلھا وادناھا، کتاب الایمان) امام البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے ایمان کے ان تمام شعبوں کو اپنی ایک چھ جلد کی ضخیم کتاب میں بیان فرمادیا ہے جس کا نام ہے "شعب الایمان"۔

کفریہ کلمات سے احتراز ضروری ہے

میرے ایک دوست نے ایک دن غصے کے عالم میں منہ سے کفریہ جملہ نکالا، اب وہ پشیمان ہے کہ کیا کرے؟

(حاجی خلیل الرحمان، ریاض)

آپ کے جس دوست نے غصے میں کفریہ کلمات بکے ہیں، اگر وہ واقعی نادم ہے تو صدق دل سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی و مغفرت طلب کرے اور آئندہ اس قسم کا گناہ نہ کرنے کا عہد کرے۔

مسلمان کو کافر کہنا

ایک آدمی جو کہ شاعر بھی ہے اس نے ایک قبیلے کے خلاف کتاب لکھی اور اس قبیلے کو کافر قرار دیا جو کہ ابتداء سے مسلمان ہے اور اس میں صالحین بھی گزرے ہیں، جن صاحب نے اس برادری کے لوگوں کو کافر قرار دیا وہ خود کو شاہ کہلاتے ہیں، کیا شرعاً کسی مسلمان کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے؟

(محمد فاروق اور دیگر ساتھی، ریاض)

کسی بھی مسلمان کو کافر قرار دے دینا کوئی معمولی اور عام مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ نہایت ہی حساس اور نازک مسئلہ ہے، علمائے امت نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بتایا ہے کہ تکفیر مسلم کتنا بڑا جرم عظیم ہے۔ اس سلسلہ میں شرعی ضابطہ یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں درست اور صحیح تاویل کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی صراحت متکلم کے کلام میں نہ ہو یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف

ائمہ مجتہدین واقع ہو اس وقت تک اس کو کافر نہ کہا جائے لیکن اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی ہی تاویل و تحریف کرے جو امت کے اجماعی رائے کے خلاف ہو تو اس شخص کے کفر میں کوئی تامل نہ کیا جائے (جواہر الفقہ ۱/۳۶)

برصغیر پاک و ہند میں تقسیم سے قبل یہ مسئلہ اتنا عام نہیں تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کھلے کافروں اور دشمنوں سے تھا لیکن تقسیم کے بعد مسلمانوں کے باہم انتشار اور اختلاف و افتراق نے اس مسئلہ کی شرعی اہمیت اور اس کی حسّاسیت کو بالکل ختم کر دیا ہے، اب حالت یہ ہے کہ ہر ایک فرقہ اور ہر ایک مسلک و گروہ دوسرے تمام فرقوں اور دوسرے تمام مسالک کو بلا جھجک اور بلا تحقیق کافر قرار دے رہا ہے، جہاں اس مسئلے پر ایک طرف یہ بے احتیاطی ہوئی، وہیں دوسری طرف یہ ظلم ہوا کہ ایسے لوگ بھی مسلمان کہلاتے ہیں جو قرآن میں تحریف کے قائل ہیں، صحابہ کرام پر لعن طعن اور تبرّا کرتے ہیں، ازواجِ مطہرات پر (نعوذ باللہ) زنا جیسا گھٹیا الزام لگاتے ہیں اور کھلے عام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں مخلوق کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، ایسی حالت میں قوم کو ایسے مصلحین کی ضرورت ہے جو قرآن و سنّت کی روشنی میں اس مسئلے کی صحیح حقیقت کو پیش کریں اور بلا خوف و تردّد صحیح رائے اور فتویٰ دیں، ہماری ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اس وقت ہماری دینی قیادت اصل مسائلِ امت سے بالکل ناواقف ہے (یا جان بوجھ کر انجان بنی ہوئی ہے) سیاست اور فروعی و مسلکی اختلافات کے علاوہ ان کے ہاں اور کچھ بھی نہیں ملتا، کاش کہ علمائے حق اس نازک صورتحال پر قوم کو اعتماد میں لیں، اور امت کے شیرازے کو مزید بکھرنے سے بچانے کی کوشش کریں۔

کسی بھی مسلمان کے بارے میں جب تک یقین نہ ہو کہ اس نے کفر و شرک کیا ہے، اسلام کو ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے، انکارِ دین یا انکارِ شریعت کیا ہے اس وقت تک اسے کیسے کافر کہا جا سکتا ہے؟ جن باتوں کے انکار یا ان میں شک و شبہ

کی وجہ سے انسان کافر ہوجاتا ہے ان کو علماء نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے بغیر علم و تحقیق کے کسی کو کافر کہنے سے احتراز کرنا چاہیے، کیونکہ کسی مسلمان کو کافر کہنے کی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت ممانعت اور وعید آئی ہے۔

بادل و بجلی سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں

جب آسمان پر بجلی چمکے تو کونسی دعا مانگنی چاہیے، ہمارے یہاں جب بجلی چمکتی ہے تو بابا فرید شکر گنج کا نام لیا جاتا ہے، میں نے ایک دوست سے کہا کہ یہ ناجائز ہے تو اس نے کہا کہ جب بجلی زمین پر گری تھی تو بابا فرید شکر گنج نے اسے کسی چیز میں بند کر لیا تھا، کیا یہ سچ ہے؟

(حاجی امیر علی، قنفذہ)

احادیث میں آتا ہے کہ جب تیز ہوا چلتی ہے اور بادل گرجتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً تیزی سے مسجد میں جاکر نماز کا اہتمام فرماتے اور دعا و استغفار میں مشغول ہوجاتے، بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج کے وقت جو دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے وہ یہ تھی: اللھم لا تقتلنا بغضبك ولا تھلكنا بعذابك وعافنا قبل ذلك ترجمہ: اے اللہ اپنے غضب و غصہ سے تو ہمیں نہ قتل فرما اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ فرما اور اس سے ہمیں عافیت دے دے۔ یہ دعا بھی منقول ہے: سبحان الذی یسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جس کی تعریف گرجنے والا (بادل و بجلی) اور ملائکہ بیان کرتے ہیں اس کے ڈر سے (رعد/۱۳)

آپ کے دوست کا یہ کہنا درست نہیں کہ بجلی کو کسی بزرگ نے تھاما یا بند کر لیا تھا، چاند سورج، ہوا، بجلی، بادل وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اسی کے تابع ہے، کسی بھی بندے کو یہ طاقت و اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ ان چیزوں کو اپنی مرضی

سے چلائے یا د و کے، خواہ یہ بندہ نبی اور رسول اور اپنے وقت کا بزرگ و ولی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی متصرّف و مدبّر اور کارساز نہیں ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہی کارساز اور ہر چیز کا مدبّر و متصرّف ہو۔

کسی مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں

اگر کسی نے اپنے دوست کو مذاق میں کافر یا ہندو کہہ دیا تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ ———— (ایف اے راہی، الجبیل)

اسلام نے ہنسی مذاق کے کچھ اصول اور آداب مقرر کیے ہیں، اگر ان کا خیال نہ رکھا جائے تو بعض اوقات معمولی سا مذاق انسان کو کفر و شرک کے قریب لے جاتا ہے، اگر کسی نے ازراہ مذاق کسی مسلم کو غیر مسلم کہا ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور بھی توبہ کرے، اور اپنے اس مسلمان بھائی سے بھی معافی مانگے (ہنسی مذاق کے موضوع پر میری ایک کتاب "اسلام اور ہنسی مذاق" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اگر آپ چاہیں تو آپ کو بھیجی جا سکتی ہے)

تقدیر کیا ہے؟

تقدیر کیا ہے؟ اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس کا معنی کیا ہے؟۔

(نسیم اختر، ارم جبیں، ریاض، شیخ عبدالحق، جدہ)

تقدیر یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے اور اعتقاد کرے کہ یہ دنیا اپنے ہی آپ نہیں چل رہی ہے بلکہ ایک علیم و حکیم ہستی اس کو چلا رہی ہے، اس دنیا میں خوشگوار یا ناخوشگوار جتنے بھی واقعات پیش آتے ہیں، وہ اللہ ہی کی مشیّت و ارادہ اور قدرت و حکمت سے پیش آتے ہیں، دنیا

کے ہر ہر ذرہ کا علم اس کو ہے، دنیا کو وجود بخشنے سے قبل اللہ نے ان تمام حالات کو جو پیش آنے والے تھے، لوحِ محفوظ میں لکھا لیا تھا، اب اس دنیا میں جو کچھ بھی پیش آرہا ہے، وہ اسی علمِ ازلی کے مطابق پیش آرہا ہے گویا دنیا کا جو نظام اللہ نے ازل میں تجویز کیا تھا، دنیا اسی مقرّرہ نظام کے تحت چل رہی ہے۔

شرک ناقابلِ معافی جرم

ہمارے شہر میں ایک پیر پرست عالم دین تھے جو شہر کی جامع مسجد میں خطیب بھی تھے، لوگ ان سے مسائل پوچھتے اور وہ جواب دیتے تھے، انہوں نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری لاش کو فلاں بزرگ کے مزار کے گرد سات چکر لگانا چنانچہ ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد نے وصیت کے مطابق لاش کو قبر کا طواف کروایا، پھر اسے دفنا دیا گیا، سوال یہ ہے کہ کیا ان کا انتقال اسلام کی حالت میں ہوا، اور ان کی اولاد کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کیونکہ ہماری نگاہ میں تو انہوں نے شرکیہ کام کیا جس کا کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، تفصیلی طور پر جواب سے مطلع فرمائیں۔

(اشفاق احمد، جدہ)

مسلمان اپنی زندگی میں جتنے گناہ بھی کرتا ہے، نافرمانیاں اور سرکشی کرتا ہے ان گناہوں میں سب سے بدترین جرم شرک ہے (۱) زمین والوں کا سب سے بڑا گناہ اور بغاوت و سرکشی یہی شرک ہے، شرک ہی وہ سنگین جرم ہے جس کے بارے میں سورہ

---

(۱) ان الشرک لظلم عظیم۔ (لقمان/۱۳)

النساء کی آیت ۴۸ اور ۱۱۶ میں ارشاد ہے کہ اس گناہ کی معافی اور مشرک کی مغفرت ناممکن ہے یہ وہ خطرناک گناہ اور ناپسندیدہ جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کہا کہ اگر آپ سے شرک سرزد ہو گیا تو آپ کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے، اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے (سورۃ الزمر آیت نمبر ۶۵) یہ ہم سب جانتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا صادر ہونا محال ہے، اصل میں یہ بات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پوری امت تک پہونچائی جارہی ہے کہ اگر کوئی شخص شرک کرتا ہے تو اس کی تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ابنِ آدم زمین کی وسعت کے برابر گناہ لے کر آئے، اور مجھ سے مغفرت مانگے تو میں زمین کی وسعت کے برابر رحمت لے کر اپنے بندے سے ملوں گا بشرطیکہ ان گناہوں میں شرک نہ ہو (۱) اللہ تعالیٰ نے تمام انس و جن کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا، عبادت ہر وہ عمل ہے جس کے ذریعے انسان اپنے خالق و مالک کا قرب حاصل کرتا ہے جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے، طواف اور پھیرے صرف حرم پاک کے ہوتے ہیں، اور یہ بھی عبادت ہے، اللہ کے اس حرم کے علاوہ کسی قبر، خانقاہ، کسی مقام وغیرہ کا طواف کرنا یعنی پھیرے لگانا شرک ہے اور یہ جرم ناقابلِ معافی جرم ہے۔

آپ نے جو سوال پوچھا ہے یقیناً اہم سوال ہے لیکن اس سلسلے میں چند اہم باتیں بھی سمجھنی اور جان لینا ضروری ہے تاکہ آئندہ ہم اور آپ سب اس قسم کے معاملات میں احتیاط کریں۔

---

(۱) الدرالمنثور ۵۵۹/۵ نساء ۴۸

۱۔ ہم سب کو دوسروں کے گناہ اور عیوب تلاش کرنے کے بجائے اپنی غلطیوں اور گناہوں پر نظر رکھنی چاہیئے، اس لئے کہ ہم سے ہمارے بارے میں، ہماری اولاد اور گھر والوں کے بارے میں سوال ہوگا، ہم سے دوسرے کسی شخص کے عقیدہ وعمل کے بارے میں پوچھ کچھ نہیں ہوگی، سورۂ بقرہ آیت ۱۳۴، ۱۴۱ میں یہی اہم قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ جو پہلے لوگ گزرے انہوں نے جو کچھ کیا وہ پالیا اور تم جو کچھ کرتے ہو پالوگے اور تم سے ان (پہلے گزرے ہوئے لوگوں) کے بارے میں سوال نہیں ہوگا کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔

۲۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہمیں عام مسلمانوں کے بارے میں حسن ظن کا معاملہ رکھنا چاہیئے، ہوسکتا ہے مرنے والے نے مرنے سے قبل اپنے ان جرائم سے توبہ کرلی ہو، جس کا ہمیں علم نہ ہو۔

(۳) وہ لوگ جو عادی مجرم ہیں، وہ جو جان بوجھ کر عمداً شرک، کفر، نفاق اور گناہوں کی دعوت دیتے ہیں، دین والوں کے دشمن ہیں، وہ لوگ جو اپنے معاشرے و علاقے میں معروف مجرم، لٹیرے، ظالم، قاتل، مشرک و منافق ہیں، اس قسم کے لوگوں کے بارے میں حسن ظن غلط ہے۔

دوسروں کو ان کے جرائم و خطرے سے آگاہ کرنے اور دوسروں کے عقیدہ و عمل یا جان و مال کی حفاظت کی غرض سے ان مجرموں کے بارے میں کچھ کہنا، انکی غیبت کرنا وغیرہ جائز ہے تاکہ لوگ ان سے اور ان کی غلط دعوت و فکر سے دور رہیں، اور اگر اس بات کی ضرورت نہیں ہے تو ان کے بارے میں بھی بلا ضرورت اور بلا وجہ کچھ کہنا مناسب نہیں ہے۔

جان بچانے کے لئے خود کو کافر کہنا

اگر کسی مسلمان کو چند شر پسند گھیر لیں اور اس سے پوچھیں کہ تم

مسلمان ہو یا ہندو؟ اگر وہ مسلمان کہتا ہے تو اس کی جان کو خطرہ ہے، لہٰذا وہ اپنی جان بچانے کے لئے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کر دے تو کیا اس پر کوئی کفارہ یا گناہ ثابت ہوگا؟

(معراج احمد خاں، ریاض)

ایسی حالت میں اگر کوئی اپنی جان بچانے کے لئے اپنے آپ کو غیر مسلم کہہ دے تو یہ جائز ہے، اس پر کوئی گناہ یا کفارہ نہیں جیسا کہ سورہ النحل کی آیت ۱۰۶ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں بھی اپنے کو مسلمان کہے، اور کافروں سے لڑتے ہوئے مارا جائے تو شہید کا ثواب پائے گا۔

بغیر کسی مجبوری کے صرف مادی مفاد اور مصلحت کی خاطر اگر کوئی شخص اپنے کو کافر کہے یا کلمہ کفر اپنی زبان سے ادا کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اس پر ایمان کی تجدید ضروری ہے نیز ایسے لوگ اللہ کے سخت غضب اور عذاب کے مستحق ہیں۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے

یا علی مدد کہنا یا کسی مرے ہوئے شخص کو مدد کے لئے پکارنا کیسا ہے؟

(سید فائز علی، جدہ)

کسی دوسرے سے مدد مانگنے کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت جائز و مباح ہے اور دوسری صورت حرام و ناجائز، جائز صورت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص اپنے کسی

---

(۱) ابن عربی لکھتے ہیں: من تکلم بالکفر بلسانه عن اکراه ولم یعقد علی ذلك قلبه فانه خارج عن هذا الحکم معذور فی الدنیا مغفور له فی الاخری۔ (احکام القرآن لابن عربی ۳/۱۱۷۷ ط: دار الفکر، نیز دیکھیے، شرح الفقہ الاکبر ۲۴۶)

کام کے سلسلے میں کسی دوسرے شخص سے مدد طلب کرے، مثلاً بیماری سے طبیب کی مدد، مکان کی تعمیر میں مستری و کاریگر اور مزدور کی مدد، آگ لگنے کی صورت میں فائر بریگیڈ کی مدد، ضرورت کے تحت کسی سے قرض حسنہ کی مدد وغیرہ، یہ ساری صورتیں دنیاوی ظاہر اسباب میں شامل ہیں، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں سے مدد حاصل کی ہے، مدد کی دوسری صورت اعتقادی مدد ہے کہ جہاں دنیاوی ظاہری اسباب نہ ہوں، وہاں کسی ہستی سے مافوق الاسباب مدد مانگنا، مثلاً کوئی شخص سمندری جہاز میں سفر کے دوران اچانک طوفان اور تیز ہواؤں میں پھنس جاتا ہے اور ادھر ادھر سے ظاہری دنیاوی مدد کرنے والا کوئی بھی نہیں ہوتا تو ایسے میں یہ شخص جسے پکارے یہ اعتقادی پکار ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایسی اعتقادی پکار کو عبادت کے ساتھ ذکر کر کے گویا اسے بھی عبادت کا درجہ دیا ہے سورۃ فاتحہ میں رب کریم نے اپنے بندوں کو جو دعا سکھلائی اور بتلائی اس میں بندے اقرار کرتے ہیں کہ ایاک نعبد وایاک نستعین اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

قرآن میں کثرت سے ان لوگوں کا رد اور مذمت کی گئی ہے جو مشکلوں کے وقت اپنی حاجات و ضروریات پیش کرتے ہوئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں، بعض لوگوں کو یہ وہم اور دھوکہ ہوا ہے کہ قرآن میں جن غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک کہا گیا ہے وہ تو صرف بت تھے یہ غلط بات اور کم علمی والا خیال ہے، سورہ اعراف آیت نمبر ۱۹۴ میں ارشاد ہے" وہ جن کو تم پکارتے ہو، یہ تو تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں"، خود اہل جزیرۂ عرب اور مکہ کے مشرکوں نے جن بتوں کو حرم پاک میں (تین سو ساٹھ بت) معبود بنا کر سجایا ہوا تھا، ان میں بڑے بڑے تمام وہ بت تھے جن کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھے گئے تھے جو گذشتہ قوموں اور قدیم تاریخ میں اولیاء اللہ میں سے تھے، مشرکین مکہ اور مشرکین عرب نے اپنے بزرگوں کے نام پر بت بنائے تھے اور انہی کو اپنی مشکلوں میں پکارتے تھے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اس شرک کو ختم کیا اور غیر اللہ سے مدد مانگنے کو ختم کرکے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے کے عقیدے کو راسخ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو اس حال میں مرجائے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک بنا کر پکارا کرتا تھا وہ جہنم میں جائے گا۔ (۱)

مشکل کشا وہ ہو سکتا ہے جس پر خود کبھی بھی مشکل نہ آتی ہو اور جو نفع و نقصان کا مالک ہو، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ایک بندے ہیں اور خلفاء راشدین میں سے ہیں، ان کا رتبہ بہت بلند ہے لیکن پھر بھی انسان ہی تھے محتاج و کمزور تھے اور نفع و نقصان کے مالک نہ تھے، حتیٰ کہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشکل کشا نہیں ہیں، مشکل کشا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ہمارے ہاں عقائد میں شرک کو مختلف نعروں کے ذریعے داخل کیا جا رہا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ عموماً جلسے جلوسوں میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے نام کے ساتھ لفظ "یا" لگا کر انہیں پکارتے ہیں، مثلاً یا غوث، یا علی، یا خواجہ وغیرہ یہ شرک ہے، اور شرک وہ گناہ ہے جو ناقابلِ معافی ہے۔

فی جنّٰتِ النعیم

سوال و جواب

حصہ اول

دوسرا باب

پاکی و ناپاکی

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ

[المومنون: ۳]

اور جو لغو بات سے برکنار رہنے والے ہیں

مِن حُسنِ اِسلامِ المرءِ ترکُہ ما لا یعنیہ

[ترمذی]

انسان کے ایمان کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور غیر ضروری چیزوں سے پرہیز کرے۔

دانت میں کوئی چیز پھنس جائے

دانت میں اگر کھانے کی کوئی چیز پھنس جائے جو نکالنے کے باوجود نہ نکلے اور وضو کریں تو وضو ہو جائے گا یا نہیں؟

(الطاف ہاشمی، مکہ مکرمہ)

ایسی حالت میں اگر وضو کرلیں تو وضو ہو جائے گا، کیوں کہ ایسی چیزیں یا تو پانی پہنچنے میں رکاوٹ نہیں ہوتیں یا ان کا نکالنا دشوار ہوتا ہے، اور ایسی صورتوں میں ان کا نکالنا ضروری نہیں۔

نواقضِ وضو

کن وجوہات کی بنا پر وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

(عبدالعزیز، مکہ مکرمہ)

پیشاب پاخانہ یا اس مقام سے کسی اور چیز (مثلاً ریاح) کے خارج ہونے نیز بدن کے کسی حصہ سے خون یا پیپ وغیرہ نکل کر بہنے لگے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے، منہ بھر کرتے ہو، دانتوں سے خون نکلے یا تھوک میں خون کا رنگ غالب ہو، لیٹ کر یا ٹیک لگا کر سو جائے، بے ہوشی، غشی، نشہ

یا جنون طاری ہو جائے، زور سے نماز میں قہقہہ لگادے تو یہ بھی وضوء کو توڑ دیتے ہیں البتہ امام احمد کے نزدیک قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹتا.

کیا گالی سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

وضو کرنے کے بعد اگر کوئی آدمی گالی دے یا جھوٹ بات کہے یا کسی سے ایسی بات کہے جس سے اس شخص کو تکلیف ہو تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

(محمد معروف خاں، بریدہ)

اس سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ یہ گناہِ کبیرہ ہے، وہ شخص گنہگار ہوگا ایسی باتوں سے خوب بچنا چاہیئے.

کپڑے پر خون لگ جائے

اگر کوئی آدمی وضو کر کے کسی نماز کے وقت کوئی جانور ذبح کرے اور اس کا خون کپڑوں پر لگ جائے تو کیا اس سے اس شخص کا وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

(محمد یوسف، ڈھولن، جیزان)

جانور ذبح کرنے اور کپڑوں کو خون لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی وضو سے نماز پڑھ سکتے ہیں، البتہ خون چونکہ ناپاک ہے اس لئے بدن یا کپڑے کے اس حصے کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہے جس حصے پر خون لگا ہوا ہو، وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے لو صلی رجل بجنبه واصابه منه اکثر من قدر الدرهم جازت صلوٰته وبهذا اخذ

الکرخی.... مقتضاہ انہ غیر ناقض (رد المحتار/۹۲)

وضو کا بار بار ٹوٹنا

ہاضمہ کی خرابی کی وجہ سے وضو بار بار ٹوٹ جاتا ہے، وضو کر کے مسجد جاتا ہوں دوبارہ وضو کرنا پڑتا ہے، نماز کے لئے بڑی مشکل پیش آرہی ہے، کوئی حل بتائیں جس سے نماز میں آسانی ہو۔ (محمد کلیم اللہ، ریاض)

وضو بار بار ٹوٹنے کی وجہ اگر ہاضمہ کی خرابی یا دوسری کوئی بیماری ہے تو اپنا علاج کروائیں اور مسجد میں اس وقت جائیں جب اقامت کا وقت ہو یا اقامت کے ساتھ ہی فوراً وضو کر کے فرض نماز جماعت سے پڑھ لیا کریں، دورۂ ریاح میں اگر اتنا وقت نہ مل سکے کہ وضو کر کے نماز اس عذر کے بغیر ادا کر سکے تو آپ معذور ہیں، معذور آدمی کو نماز کے وقت میں ایک دفعہ وضو کر لینا کافی ہے، پورے وقت میں اس عذر کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے، پھر جیسے ہی وقت ختم ہو، وہ وضو باطل ہو جاتا اور یہ رخصت اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ وہ عذر بالکل ختم نہ ہو جائے، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: صاحب عذر من بہ سلس بول او استطلاق بطن اوانفلات ریح اواستحاضۃ ان استوعب عذرہ تمام وقت صلوۃ ولو حکماً وھذا شرط فی حق الابتداء و فی حق البقاء کفی وجودہ فی جزء من الوقت وفی الزوال استیعاب الانقطاع حقیقۃ وحکمہ لکل فرض ثم یصلی فیہ فرضا ونفلا فاذا خرج الوقت بطل. (تنویر الابصار مع الدر المختار علی ھامش رد المحتار ۱/۳-۲۰۲) ہاں اگر

ایک نماز کا مکمل وقت ایسا گذر جائے کہ اس میں ایک دفعہ بھی وہ عذر نہ پایا جائے تو اب وہ معذور نہیں رہے گا (تبیین الحقائق ۱/۶۵)

ٹخنہ سے نیچے کپڑا پہننے والے کا وضو اور نماز

ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے رکھنے کے بارے میں آپنے ایک سوال کے جواب میں ابوداؤد کی ایک حدیث ذکر کی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا کہ "جاؤ وضو کرو اور دوبارہ نماز پڑھو" تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کپڑا ٹخنے سے نیچے ہو تو وضو بھی لوٹ جاتا ہے اور نماز بھی نہیں ہوتی حالانکہ آپنے مجھے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ وضو اور نماز تو ہو جائیگی لیکن یہ کبیرہ گناہ ہے، امید ہے کہ آپ اس کی مزید وضاحت فرمائیں گے۔

(امجد علی خاں، بحرین)

جس حدیث کا ہم نے حوالہ دیا اس کے الفاظ یہ نہیں کہ اس شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی بلکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی (ابوداؤد عن ابن مسعود ۱/۹۳ باب الاسبال فی الصلوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، ط دیوبند) یعنی وہ نماز عنداللہ مقبول نہیں۔ حدیث کے ترجمے میں بھی میں نے اس کا لحاظ رکھا، بہر حال قبولیت اور صحت دو الگ چیزیں ہیں، صحت کا تعلق عام طور پر ظاہری افعال و ارکان سے ہوتا ہے جب کہ قبولیت کا زیادہ تر

تعلق عمل کرنے والے کے باطن یعنی اس کی نیت، خشوع و خضوع کی کیفیت اور اخلاص وغیرہ سے ہے۔ جو چیز صحیح ہو ضروری نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں وہ شرفِ قبولیت سے بھی نوازی جائے اور وہ باعث اجر و ثواب قرار پائے، اگر کوئی شخص نماز میں اس کے تمام فرائض و واجبات کی ادائیگی صحیح طریقے پر کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی نماز کو صحیح ہی کہا جائے گا، اس کے باطل یا فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ ریاکاری کی بناء پر یا خشوع و خضوع کے نہ ہونے یا اس جیسی دوسری مذموم صفات یا حرکات کے پائے جانے کی وجہ سے وہ نماز بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت سے نوازی نہ جائے، جیسا کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ بہت سے نماز پڑھنے والوں کی نماز انہی کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ بہت سے نماز پڑھنے اور رات کو قیام کرنے والوں کو صرف رات کا جاگنا ہی آتا ہے، نماز اور قیام کے ثواب سے وہ محروم رہتے ہیں، جیسا کہ بعض روزہ داروں کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ان کے نامۂ اعمال میں بھوکا پیاسا رہنا ہی لکھا جاتا ہے، روزہ کے ثواب سے وہ محروم رہتے ہیں۔

پھر جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے رکھنا تکبر کی علامت ہے اور تکبر مذموم صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں، اس لئے کہ ہر طرح کی بڑائی اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے سزاوار ہے، نماز میں بندہ حقیقۃً اپنے عجز اور اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا اعتراف کرتا ہے۔ اب اگر کوئی نماز پڑھتے ہوئے اپنی بڑائی اور تکبر کا مظاہرہ اپنے کسی عمل سے کرے تو ظاہر ہے کہ ایسی نماز کیسے

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا، خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ و پرہیز گاری کی ۔۔۔ تعلیم کی غرض سے اس صحابی کو (جن کا کپڑا ٹخنے سے نیچے تھا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے) بار بار یہ حکم دیا کہ جاؤ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھو، اس مضمون کی روایت مسبل اِزار کے بارے میں غالباً نہیں آئی ہے، بلکہ اس شخص کے بارے میں آئی ہے جس نے نماز کے ارکان میں تعدیل کا خیال نہیں رکھا تھا۔ آپ اس بے توجہی کی بنیاد پر نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا تھا۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ۱/۶، عن رفاعہ القرظی باب صفۃ الصلوٰۃ، الفصل الثانی) یہ حکم اس لئے نہیں تھا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا یا نماز فاسد و باطل ہوگئی بلکہ اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسی نماز کی طرف نظر نہیں فرماتا اور ایسی نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں، اس تشریح و توضیح سے یہ بات ہرگز نہ سمجھی جائے کہ نماز روزہ یا دیگر عبادات میں ان چیزوں سے بچنے کی زیادہ ضرورت یا اہمیت نہیں جو اس عبادت کی قبولیت میں رکاوٹ بنتے ہوں بلکہ غور کرنے سے یہ حقیقت بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ نماز اور روزہ وغیرہ کو مقبول اور مفید بنانے کی فکر اور کوشش کرنا ہی اصل اور مقدم ہے لیکن یہ سوچ کر کے کہ پتہ نہیں ہماری نماز وغیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے یا نہیں؟ اور ہم ایسی عبادت کہاں کر سکتے ہیں جو شرف قبولیت سے نوازی جائے؟ اس طرح کے خیال سے فرائض میں لاپروائی کسی طرح درست نہیں اور یہ زیادہ موجب گناہ اور وبال ہے بلکہ ہونا یہ چاہیئے کہ بندہ اپنی استطاعت کی حد تک عبادات کو بہتر سے بہتر طریقہ سے انجام دیکر اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتا رہے اور بندگی و

اطاعتِ رب میں مزید کمال پیدا کرنے کی ہر وقت کوشش کرتا رہے۔

بلا وضو قرآن کی تلاوت

کیا بلا وضو قرآن پاک کی زبانی تلاوت کی جاسکتی ہے؟

(محمد رحیم الدین کاظم، دہران)

بغیر وضو کے قرآن پاک کی زبانی تلاوت کی جاسکتی ہے، البتہ قرآن پاک کے چھونے کے لئے با وضو ہونا ضروری ہے (ومنع الحدث المس) ای عن القرآن (ومنعہما) ای المس وقراءۃ القرآن (الجنابۃ والنفاس) البحر الرائق ۱/۲۰۳ ط پاکستان) ابن قدامہ کا بیان ہے: و عنہا ان یمنع قراءۃ القرآن لقولہ علیہ السلام لا تقرأہ الحائض ولا الجنب شیئاً من القرآن (المغنی ۱/۱۸۸)

نیل پالش اور وضو

کیا ناخنوں پر لگی ہوئی نیل پالش سے وضو ہو جاتا ہے؟

نیل پالش اگر لگی ہوئی ہو تو وضو نہیں ہوتا، اسے کھرچ کر صاف کر لیجئے پھر وضو کیجئے: والخضاب اذا تجسد ویبس یمنع تمام الوضوء والغسل (ھندیہ: ۱/۴، م: بیروت)

وضو کا بچا ہوا پانی ناپاک نہیں،

میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ وضو کے لئے جو پانی استعمال ہو گیا وہ ناپاک ہو جاتا ہے، چاہے

وہ جسم پر ہی کیوں نہ ہو، اگر یہ صحیح ہے تو "حوض" میں وضو کرنا کیسا ہے؟ (دائم فاروق و یانی، مکہ مکرمہ)

وضو کرنے کے بعد جو پانی برتن یا حوض میں باقی رہتا ہے وہ بلاشبہ پاک ہے، اس سے دوبارہ پاکی بھی حاصل کی جاسکتی ہے، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کا بچا ہوا پانی، وضو سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہو کر پینا بھی ثابت ہے (مشکوٰۃ عن ابی حیہ ۱/۴۶، باب سنن الوضوء الفصل الثانی) وہ پانی جو وضو کے لئے استعمال ہو چکا ہے، یعنی وضو میں دھلنے والے اعضاء سے لگ کر الگ ہو چکا وہ اگر کہیں جمع ہو جائے تو اس سے دوبارہ پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی لیکن وہ پانی بھی بہر حال پاک ہی رہتا ہے، ناپاک نہیں رہتا، اگر اس کا کوئی چھینٹا بدن یا کپڑے پر پڑ جائے تو وہ حصہ ناپاک نہیں ہوتا وقد صحت الروایات عن الکل انه طاهر غیر طهور وقد ذکر النووی ان الصحیح من مذهب الشافعی انه طاهر غیر طهور وبه قال احمد وهو روایة عن مالك ولم یذکر ابن المنذر عنه غیرها وهو قول جمهور السلف والخلف (دیکھئے البحر الرائق ۱/۹۴)

وضو کی دعائیں

دورانِ وضو کون سی دعائیں پڑھی جائیں؟

وضو کرتے ہوئے کوئی بھی دعا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، البتہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد دعا مسنون ہے اور کئی صحیح احادیث میں آئی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے مسنون طریقہ پر وضو کیا اور پھر یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیتے ہیں،

دعاء یہ ہے: اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد انّ محمداً عبده ورسوله، اللّٰهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهّرين (ترمذی عن عمر بن الخطاب، باب ما يقال بعد الوضوء)

وضو کے دَوران کون سی دُعا؟

وضو کرتے ہوئے بعض لوگ کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ اگر نہیں تو وضو کے درمیان کون سی دعاء پڑھنی چاہیے؟ (عرفان عبداللطیف، عرعر)

وضو کے درمیان کلمۂ شہادت یا کوئی اور دعا کا پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، البتہ وضو کے بعد دعاء اور اس کی فضیلت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، مشہور محدث حافظ ابن العربی مالکی نے سنن ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ وضو ایک ایسی عبادت ہے جس کے شروع میں کوئی ذکر مسنون ہے اور نہ درمیان میں، البتہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا قصد وارادہ ضروری ہے اور وہ نیت ہے، مالکیہ اور بعض دیگر ائمہ کے یہاں وضو میں نیت ضروری ہے، بغیر نیت کے وضو درست نہیں، وضو کے درمیان پڑھنے کے لئے بعض اذکار اور دعائیں روایت کی گئی ہیں جو صحیح نہیں ہیں، اس سلسلے میں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جو قابلِ اعتماد ہو، سوائے سیدنا عمرؓ کی حدیث کے (جس میں وضو کے بعد کی دعا کے پڑھنے کا ذکر ہے)

بے وضو قرآن کی تلاوت:

کیا بے وضو قرآن کی تلاوت زبانی کی جا سکتی ہے؟

(محمد رحیم الدین کاظم، دہران)

بغیر وضو کے کلام پاک کی تلاوت زبانی کی جا سکتی ہے، البتہ کلام پاک کو چھونے کے لئے با وضو ہونا ضروری ہے ومنہا حرمة مس المصحف لایجوز لہما وللجنب والمحدث مس المصحف الا بغلاف متجاف عنہ کالخریطة والجلد الغیر المشرز بما ھو متصل بہ ھو الصحیح کذا فی الہدایة (ہندیة ۱/۳۹)

بے وضو قرآن یا حدیث پڑھنا

میں سوتے وقت چند قرآنی آیتیں اور دعائیں پڑھتا ہوں، کیا اس کو با وضو پڑھنا چاہیئے، نیز کیا بغیر وضو کے قرآن کا درس دیا جا سکتا ہے اور حدیث کی کتاب پڑھی جا سکتی ہے؟

زبانی قرآن پاک کی تلاوت کرنے کیلئے اسی طرح حدیث کی کتاب پڑھنے اور دعائیں پڑھنے کے لئے با وضو ہونا ضروری نہیں (در مختار علی الرد ۱/۱۱۶) نیز زبانی قرآن پاک کی تلاوت اور حدیث کی کتاب پڑھنے کے لئے بھی وضو کا اہتمام جہاں تک ہو سکے کرنا چاہیئے، بغیر وضو کے انہیں پڑھنا (اگرچہ جائز ہے لیکن) خلافِ ادب ہے۔ وفی الخلاصة یکرہ مس کتب الاحادیث والفقہ للمحدث عندھما وعند ابی حنیفة الأصح انہ لایکرہ ــ وفی شرح الدرر والغرر ورخص المس بالید فی الکتب الشرعیة الا التفسیر (البحر الرائق ۱/۲۰۲) ویستحب أن لا

یأخذ کتب الشرعیة بالکمر ایضا بل یجدد الوضوء کلما احدث وهذا اقرب الی التعظیم۔ (حوالہ سابق)۔ اسی طرح ہمیشہ باوضو رہنا اور باوضو ہونا مستحب ہے۔

درود وسلام کیلئے باوضو ہونا ضروری نہیں

آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک باوضو لینا چاہیئے، اس حساب سے صلی اللہ علیہ وسلم کہنا بھی ہر ایک کے لئے مشکل ہے، اس لئے کہ ہر وقت باوضو رہنا کوئی آسان بات نہیں، جب ہم لوگ کوئی دینی باتیں کرتے ہیں یا سنتے ہیں اور رسولؐ کا نام درمیان میں آتا ہے تو پھر ہم لوگ کس طرح سلام بھیجیں؟ (کنول عبدالقیوم دہران)

رسولِ کریمؐ کا نام لینا اور درود وسلام پڑھنا بلاوضو جائز تو ہے لیکن خلافِ ادب ہے، روزمرہ بول چال اور عام گفتگو میں آپؐ کا نامِ مبارک لیا جانا خواہ بے وضو کیوں نہ ہو، یہ جائز ہے، ہم نے ادب کے حوالے سے لکھا تھا کہ کمالِ ادب کا تقاضہ یہی ہے کہ نامِ مبارک اور درود وسلام باوضو ہی پڑھا جائے، چنانچہ فقہاء نے ہر ذکر کے لئے وضو کے اہتمام کو بہتر قرار دیا ہے۔ الوضوء لمطلق الذکر مندوب وترکہ خلاف الاولیٰ وهو مرجع کراهة التنزیه (درعلی الرد ۱/۱۱۷) وفی الهندیة ویجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الاذان ونحو ذلك کذا فی السراجیة۔ (هندیه ۱/۳۸)

بے وضو یا سگریٹ پیتے وقت درود پڑھنا

اگر کوئی شخص حالتِ وضو میں نہ ہو اور سگریٹ پی رہا ہو تو ایسے

وقت درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟
جائز تو ہے مگر ایسا کرنے میں کراہیت اور بے ادبی ہے، اس لئے اس سے احتیاط کرنا چاہیئے اور درود شریف بھی باوضو ادب سے پڑھنا چاہیئے۔
(درمختار علیٰ ہامش الرد ۱/۱۱۷)

ناپاکی کے دنوں میں درود پڑھنا

کیا ماہواری کے ایام میں عورت درود شریف پڑھ سکتی ہے؟
عورت ایامِ ماہواری میں سوائے تلاوتِ قرآن کے دوسرے تمام اذکار اور درود وغیرہ پڑھ سکتی ہے۔ (البحر الرائق ۱/۲۰۲)

انگوٹھا چومنا

وضو کے درمیان بعض لوگ مسح کرتے وقت انگوٹھے چومتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟
کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں، لہذا یہ عمل درست نہیں ہے۔

اخبار بے وضو پڑھنا

وہ اخبارات جن میں قرآن و حدیث کی معلومات ہوتی ہیں، انہیں بغیر وضو پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا اخبار کو دسترخوان کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں؟
(محمد احسن مکہ مکرمہ)

دینی کتابیں یا اخبار کے وہ صفحات جن میں دینی و اسلامی مضامین

ہوتے ہیں انہیں اگر باوضو پڑھا جائے تو یہ قابلِ ستائش اور مستحب بات ہے لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں، خود قرآن پاک کی (زبانی) تلاوت بھی بغیر وضو کے تمام ائمہ کے یہاں جائز ہے، البتہ اسے چھونے کیلئے فقہاء نے وضو کو ضروری قرار دیا ہے، اگر کوئی کتاب یا مضمون ایسا ہو کہ جس میں قرآنِ پاک کی آیت بھی لکھی ہوئی ہو تو تب بھی اس کتاب کو بغیر وضو پڑھ سکتا ہے اور چھو سکتا ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ وضو نہ ہو تو قرآن پاک کی آیت پر ہاتھ نہ رکھے لایحرم فی غیر المصحف الا المکتوب ای موضوع الکتاب (در مختار ۱/۱۱۶)

اخبار اگر عام قسم کا ہو تب بھی اسے دستر خوان کے طور پر استعمال کرنا مناسب نہیں لیکن اگر قرآن وحدیث یا دینی مضامین پر مشتمل ہو تو ناجائز اور دین کی بے حرمتی و بے ادبی ہے، لہذا اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

کھڑے ہو کر وضو کرنا

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کھڑے ہو کر وضو کرنا صحیح نہیں، اس سے نماز بھی ادا نہیں ہوتی، ہم دفتر میں واش بیسن میں کھڑے ہو کر ہی وضو کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

وضو کرنے کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وضو بیٹھ کر کیا جائے اور قبلہ رخ بیٹھا جائے، لیکن یہ فرض، واجب نہیں کھڑے ہو کر وضو کرنا بھی جائز ہے اور اس سے نماز ادا ہو جاتی ہے۔

....

چائے کے بعد کُلّی کرنا

وضو کے بعد اگر کوئی شخص چائے، دودھ یا پیپسی وغیرہ پیئے تو اسی طرح نماز پڑھ سکتے ہیں یا نماز سے پہلے کلّی کرنا ضروری ہے؟

چائے یا دودھ پینے کے بعد فوراً ہی نماز پڑھنا ہو تو کلی کر لینا چاہیئے تاکہ منہ میں ان کا مزہ اور اثر باقی نہ رہے ورنہ نماز کا خشوع و خضوع اس سے ضرور متأثر ہوگا، اور اگر چائے یا دودھ پیئے دیر ہو گئی ہو تو نماز سے پہلے کلی کرنا ضروری نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ایک موقع سے دودھ نوش فرمایا اور اس کے بعد کلی فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ چائے اور دودھ وغیرہ پینے کے بعد کلی کر لینی چاہیئے (بخاری عن ابن عباس باب ھل یمضمض من اللبن)

وضو کے بعد تولیہ کا استعمال

کیا وضو کے بعد ہاتھ اور چہرہ کسی کپڑے سے خشک کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (امان اللہ، جیزان)

ہاں یہ جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں (ترمذی ۱/۱۸ باب المندیل بعد الوضوء) اگرچہ بعض سلف نے اس کی کراہت منقول ہے۔ اس لئے کہ اس عمل کو بھی قیامت کے دن وزن کیا جائیگا لیکن حضرت عثمانؓ، حضرت انسؓ، مسروق تابعی اور حسن بن علی جیسے

مختلف صحابۂ کرام اور تابعین سے وضو کے بعد چہرہ اور ہاتھ خشک کرنے کے لئے رومال کا استعمال ثابت ہے (تبیین الحقائق ۱/۷) بلکہ ایک روایت میں (اگرچہ وہ ضعیف ہے) یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ایک کپڑا خاص تھا، جس سے آپؐ وضو کے بعد چہرہ اور ہاتھ خشک کرتے تھے (ابن ماجہ ۱/۲۶ باب المندیل بعد الوضوء وبعد الغسل، ط دیوبند) چہرہ یا ہاتھ خشک کرنے سے وضو کی نیکی یا اس کے وزن میں انشاء اللہ کمی نہ ہوگی۔

غسل کی جگہ تیمم

اگر غسل فرض ہو جائے اور پانی کم ہو تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں یا پانی کی آمد کا انتظار کرنا اور غسل کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے؟

(ف م، س مکہ مکرمہ)

وضو اور غسل دونوں کی طرف سے، یعنی دونوں کے بدل کے طور پر دو صورتوں میں تیمم جائز ہے۔ ایک تو یہ کہ پانی موجود ہے مگر کوئی شخص بیماری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے اس کے استعمال پر قادر نہیں ہے اور اگر استعمال کریگا تو شدید نقصان کا قوی اندیشہ ہے۔ ایسی صورت میں وضو اور غسل کے بدلہ تیمم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے، اور تیمم سے پڑھی گئی یہ نمازیں بعد میں لوٹانے کی ضرورت نہیں، اسی طرح تیمم کے جائز ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ پانی ہی موجود نہ ہو یا

اتنی تھوڑی مقدار میں ہو کہ اگر اسے وضو یا غسل میں استعمال کرلے تو پینے کے لئے پانی نہ رہے اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے، ایسی صورت میں بھی تیمم کرکے نماز پڑھی جاسکتی ہے، دوبارہ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، البتہ پانی نہ ہونے کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کہ آدمی شہر سے باہر ہو اور ایک میل کے اندر یعنی اپنے اطراف ایک میل کی دوری تک پانی کا نام ونشان نہ ہو، اگر اس مسافت کے اندر پانی مل سکتا ہو تو اس کو تلاش کرنا اور پانی حاصل کرکے وضو یا غسل کرنا ضروری ہے، شہروں میں عام طور پر پانی موجود رہتا ہے اس لئے اس کے حصول کی کوشش ضروری ہے، اگر مناسب اور عام قیمت میں پانی مل جاتا ہو اور آدمی کی استطاعت بھی ہو تو خریدنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے پانی کے حصول کی کوشش کئے بغیر تیمم کرکے نماز پڑھ لے تو اس تیمم کا کوئی اعتبار نہیں اور دوبارہ نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

عذرِ شرعی کی موجودگی میں تیمم کرکے پڑھی گئی نماز کا اعادہ اگرچہ ضروری نہیں لیکن چونکہ تیمم سے عارضی طہارت وپاکی حاصل ہوتی ہے اس لئے عذر کے ختم ہونے کے بعد یعنی پانی کے استعمال پر قدرت یا پانی کے حصول کے بعد تیمم سے حاصل کی گئی طہارت ختم ہوجائیگی اور تیمم ٹوٹ جائے گا، اس کے بعد کے نمازوں کے لئے وضو یا اگر تیمم غسل جنابت وغیرہ سے طرف سے کیا گیا ہو تو غسل کرنا ضروری ہے۔ من شرطه عجزه عن استعمال الماء حتى ان المريض اذا خاف زيادة المريض ابطأ البرء جاز له التيمم و الجنب الصحيح فی المصر اذا خاف ان يمرضه يتيمم عند ابی حنيفة وان كان خارج المصر بالاتفاق ـ ان كان بينه وبين الماء نحو الميل او اكثر.
(منية المصلى مع الكبيرى: ۶۲،۶۴)

غسل کی جگہ تیمم

میرے ایک دوست کے کان کا آپریشن ہوا ہے، ڈاکٹر نے ایک ماہ تک نہانے سے منع کیا، اب اگر اس دوران اس پر غسل فرض ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ کاندھے تک غسل کرے یا تیمم کافی ہے؟ (محمد ساجد، رابغ)

اگر مطلقاً پانی کا استعمال نقصان دہ ہے اور ماہر ڈاکٹر نے اس سے منع کیا ہے تو تیمم کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر زخم پر اور آپریشن شدہ حصۂ جسم پر پانی کا استعمال نقصان دہ ہے، باقی جسم پر نہیں تو پھر تیمم کافی نہ ہوگا، بلکہ سارے جسم پر پانی اور زخم کی جگہ کا مسح کرنا ضروری ہے، اگر پٹی بندھی ہو تو مکمل پٹی کے حصہ پر مسح کیا جا سکتا ہے۔

کیا تیمم جائز ہے؟

سردی کے موسم میں بیوی سے صحبت کے بعد نمازِ فجر تیمم کر کے ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(کمال الدین، الخبر)

تیمم جس طرح وضو کی طرف سے درست ہے اسی طرح غسل کی طرف سے بھی کیا جا سکتا ہے، اس کے جائز ہونے کے لئے عذر شرعی یعنی پانی کے استعمال سے عاجز ہونا ضروری ہے، اس وجہ سے کہ پانی موجود نہ ہو یا اس وجہ سے کہ پانی کے استعمال سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو سردی کی وجہ سے ہلاکت یا نئی بیماری کے لاحق ہونے کا ڈر ہو اور گرم پانی موجود

نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی شرط پائی جائے تو تیمم جائز ہے ورنہ نہیں، کم ہمتی عذر نہیں، اگر واقعی سردی اتنی شدید ہو کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کریں تو سخت بیمار پڑ جانے کا اور نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو نیز پانی گرم کرنے کا انتظام بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کیا جا سکتا ہے۔ البتہ بدن پر لگی ہوئی ظاہری نجاست کو پانی سے دور کر لیا جائے اگر گرم پانی کا انتظام ہے یا معمولی درجہ کی سردی ہے تو پھر تیمّم کی اجازت نہیں، الاصلی انه متی قدر علی الاغتسال بوجه من الوجوه لایباح له التیمم اجماعاً۔ (درمختار ۱/۱۵۱)

موزوں پر مسح

کیا آجکل ... روزمرہ کے استعمال کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟ (نذیر احمد، رحیمہ)

موزے اگر موٹے ہیں باریک نہیں ہیں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

استنجاء کے بعد پیشاب کے قطرات

استنجاء کے بعد بھی پیشاب کے چند قطرے آجاتے ہیں اور یہ مسلسل تھوڑی دیر کے بعد آتے رہتے ہیں، اس کا کیا حل ہے؟ دورانِ نماز اگر یہ محسوس ہو تو جا کر دوبارہ وضو کروں یا نماز اسی حالت میں ادا کروں؟ (فیاض احمد اعظمی، حائل)

مسلسل اور بار بار پیشاب کا آنا اور تسلسل سے قطروں کا آتے رہنا ایک بیماری ہے، آپ اس کا علاج کرائیں، اگر دو چار منٹ تک نہ آنے کا یقین ہو تو صرف فرض نماز پڑھ لیا کریں اور اگر ایسا بھی نہ ہوسکے تو ایسی صورت میں ڈھیلے اور پانی سے استنجاء کرکے شرمگاہ کی سوراخ میں روئی وغیرہ رکھ لے تاکہ تری کے خروج کا شبہ نہ رہے،

یستحب للرجل ان یحتشی ان رابہ الشیطان ویجب ان کان لا ینقطع الا بہ قدر ما صلی (درمختار ۱/۱۰۱، کبیری/۱۴۳)

کاغذ سے استنجاء

کیا کاغذ سے استنجاء اور پھر تیمم کرکے نماز پڑھنا جائز ہے ؟ سنا ہے کہ یورپ میں بعض مسلمان اسی طرح کرتے ہیں، کیا ان کی نماز ہوجاتی ہے ؟

(احترام علی)

کاغذ قابلِ احترام اشیاء میں سے ہے، یہ علم حاصل کرنے اور اسلامی تعلیمات کو پھیلانے، ضبط تحریر میں لانے کا بہترین ذریعہ ہے، جیسے علمِ دین کا احترام اہم ترین فریضہ ہے، ایسے ہی وسائلِ علم دین کا احترام بھی دینی فریضہ ہے۔ اس لئے لکھنے پڑھنے کے لئے جو کاغذات ہیں ان سے استنجاء کرنا احترام کے پیشِ نظر بالکل جائز نہیں۔ البتہ جو کاغذ (ٹشو پیپر) اسی مقصد کے لئے تیار کئے جاتے ہیں اور لکھنے پڑھنے کے کام میں نہیں آسکتے ان سے نجاست دور کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ نجاست جسم پر دور تک پھیلی نہ ہو ورنہ پانی سے بھی استنجاء کرنا

ضروری ہوگا، اس طرح کاغذ سے نجاست دور کرنے کے بعد پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرکے نماز پڑھ لیں تو نماز ہو جائے گی۔ (درمختار ۱/۲۲۷)

ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخلہ

علم نہ ہونے کی بنا پر اگر کوئی عورت ایامِ ماہواری میں مسجدِ حرام یا کوئی اور مسجد میں داخل ہو جائے تو کیا اس کا کفارہ ہے؟ (آصفہ)

ناپاک حالت میں مسجد حرام یا کوئی اور مسجد میں مرد و عورت کے لئے داخلہ ممنوع ہے، اور یہ گناہ کی بات ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انی لا احل الی المسجد حائض ولا جنب (ابوداوٗد عن عائشہ، باب فی الجنب یدخل المسجد)، اگر کسی سے یہ غلطی ہوگئی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی مانگے، اللہ تعالیٰ ہی گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ نیز ہو سکے تو استطاعت کے مطابق کچھ صدقہ و خیرات کردیں، کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں، متعین طور پر اس غلطی کا کوئی کفارہ شریعت میں نہیں ہے۔

پیشاب سے احتیاط

مجھے اکثر پیشاب سے فراغت کے بعد جب کھڑا ہوتا ہوں یا دو قدم چلتا ہوں تو دو تین قطرے گر جاتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں مجھے کپڑا بدلنا ہوگا؟

(محمد اشرف، مکہ مکرمہ)

اگر یہ شکایت زیادہ ہو تو آپ ڈاکٹر سے رجوع ہو کر مشورہ کر کے علاج کرا سکتے ہیں تاہم پیشاب سے اچھی طرح فراغت کے بعد استنجار کریں، اس سلسلے میں مٹی کے ڈھیلوں یا ٹشو پیپر کا استعمال بھی انشار اللہ مفید ہوگا، پھر بھی چلتے پھرتے کپڑوں میں پیشاب کے قطرے گر جائیں تو چوں کہ یہ ناپاک ہے اس لئے اتنے حصے کو دھولیں یا کم از کم نماز کے وقت دوسرے پاک کپڑے پہن لیں۔ اس سے زیادہ بہتر بات یہ ہوگی کہ پیشاب وغیرہ سے فراغت کیلئے الگ تہبند وغیرہ استعمال کریں۔ قطرات سے مکمل اطمینان کے بعد استنجار کر کے دوسرا کپڑا پہن لیں۔

(ہندیہ ۱/۴۹)

بدن یا کپڑوں پر نجاست

اگر آدمی ڈیوٹی پر ہو اور پیشاب کرتے ہوئے اس کے چھینٹے کپڑے یا جسم پر پڑیں، پھر اسی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھ لی جائے تو کیا نماز ہو جائیگی؟ نیز اس حالت میں کلمہ یا درود وغیرہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور کیا ایسی حالت میں وضو کر کے قرآن پاک کو ھاتھ لگا سکتے ہیں؟ (مسعود احمد انجم، بحرین)

پیشاب کی چھینٹیں اتنی باریک ہوں کہ غور کرنے سے بھی دکھائی نہ دیں تو ایسے کپڑے پر نماز درست ہے اما البول المنتضح قدر رؤس الابر فمعفو عنه للضرورة وان امتلأ الثوب (البحر الرائق ۱/۲۳۵)

اس طرح پیشاب جسم یا کپڑے پر ہتھیلی کی گولائی (درمیانی حصہ) کے بقدر

یا اس سے کم لگ جائیں تو اس کو صاف کیئے بغیر نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے لیکن نماز ہو جائے گی، دہرانے کی ضرورت نہیں اور اگر نجاست اس سے زیادہ ہو تو اس کو پاک کرنا ضروری ہے، اس حالت میں وضو کر کے نماز پڑھ لی جائے تو نماز نہیں ہوگی، دوبارہ پاک کپڑے میں نماز پڑھنا ضروری ہوگا، البتہ کلمہ، درود شریف پڑھنے یا ذکر و اذکار کرنے اور قرآن پاک کو چھونے کے لیئے کپڑے اور بدن کا ظاہری نجاست سے) پاک ہونا ضروری نہیں، اس حالت میں ذکر وغیرہ کیا جا سکتا ہے بلکہ غسل کی حالت ہو تو ایسی صورت میں تلاوت قرآن کے علاوہ دوسرا کوئی ذکر کرنا جائز ہے، قرآن کو چھونے کے لیئے وضو ضروری ہے، اگر آدمی باوضو ہو تو قرآن کو ہاتھ لگا سکتا ہے (اگرچہ اس کے جسم پر یا کپڑے پر ظاہری نجاست ہو)

وضو کے بعد پیشاب کے قطرات نکلنے کا شک ہو جائے

جب میں استنجاء کرتا ہوں تو اس کے بعد کبھی مجھے ایسا شک ہوتا ہے کہ ایک دو قطرے پیشاب کے نکل گئے ہیں جس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے، میں اس سوچ میں رہتا ہوں کہ میرا وضو ہوا یا نہیں، میری نمازیں ہو رہی ہیں یا نہیں؟ نیز کبھی اِدھر اُدھر کے خیالات آتے ہیں تو پانی کی طرح کوئی چیز نکلتی ہے جو کپڑوں میں بھی لگ جاتی ہے، یہ پاک ہے یا ناپاک؟ کیا اس کی وجہ سے غسل کرنا یا وضو کرنا ضروری ہے؟

(اختر محمد افغان، تبوک)

استنجاء کرنے پھر وضو کرنے کے بعد پیشاب کے قطرات نکلنے کا اگر وہم اور شک ہے تو شک سے وضو نہیں ٹوٹتا، آپ اس خیال اور وہم کو آہستہ آہستہ دور کریں، وضو کرنے کے بعد پیشاب کی جگہ پر پانی کی چھینٹیں ماریں، انشاء اللہ رفتہ رفتہ آپ کا شک دور ہو جائے گا اور اگر پیشاب کے قطرات واقعتہً آتا ہو تو آپ کسی ڈاکٹر سے مشورہ اور علاج کروا سکتے ہیں ایسی صورت میں استنجاء کے بعد فوراً وضو نہ کریں بلکہ کچھ انتظار کر کے قطرات نکل جانے اور دوبارہ نہ آنے کی یقین کے بعد وضو کریں اور نماز کے لئے الگ پاک کپڑے استعمال کریں، کسی مختلف خیالات کی وجہ سے پیشاب کی جگہ جو چیز نکلتی ہے اسے "مذی" کہتے ہیں، یہ ناپاک ہے اور کپڑے پر لگ جائے تو اتنے حصے کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہے، اس کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (بخاری عن علی باب غسل المذی و الوضوء منہ)

ایامِ حیض میں تلاوتِ قرآن

ایامِ حیض میں عورت کے لئے نماز روزہ منع ہے، کیا وہ ان دنوں میں قرآن کی تلاوت زبانی یا دیکھ کر کر سکتی ہے؟

(منظر امام صدیقی، جدہ)

ناپاکی کے ان دنوں میں عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ قرآن پاک کو چھوئے اور اس کی تلاوت کرے نہ زبانی اور نہ دیکھ کر، البتہ عورت اگر معلمہ ہو تو اس کو حروف تہجی کی طرح الگ الگ ہجے کرا کر ضرورتاً پڑھا سکتی ہے۔ (ویمنع قرأۃ قرآن ولو دون آیۃ من المرکبات لا المفردات

لانه جوز للحائض المعلمة تعليمه كلمة كلمة (درمختار ۱/۱۹۵، المغنی ۱/۹۷) البتہ ان ایام میں دوسرے اذکار و تسبیح و تحمید وغیرہ پڑھ سکتی ہیں اسی طرح قرآن پاک کی دعائیہ آیات کے ذریعہ دعا رمانگ سکتی ہے (یعنی قرآن پاک کی دعائیہ آیات بطور دعا کے زبانی پڑھ سکتی ہے) ولا بأس لحائض و جنب بقراءة ادعية منها وحملها ذكر الله وتسبيح وزيارة قبور ودخول مصلى العيد (درمختار ۱/۱۹۵)

چلے کی رسم اور ناپاکی کا مسئلہ

ہمارے یہاں کئی صوبوں میں یہ تصوّر ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد ۴۰ روز تک زچہ (ماں)، کو ناپاک قرار دیا جاتا ہے اور چالیس روز بعد پاکی کا غسل دیکر چلے کی رسم منائی جاتی ہے جس میں بچے کا نام رکھا جاتا ہے، بچے کی پیدائش کے بعد عورت کتنے دن تک ناپاک رہتی ہے اور نماز وغیرہ چھوڑ سکتی ہے، اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(مشرف جہاں لیاقت، ریاض)

یہ غلط تصور ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد ماں ۴۰ دن تک ناپاک رہتی ہے بلکہ فقہاء نے ایسی عورت کے لئے ناپاکی کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن تک بتائی ہے، ہندیہ میں ہے: اقل النفاس مايوجد ولو ساعة وعليه الفتوى واكثره اربعون يوماً (هنديه ۱/۳۶) ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: لايقربها زوجها فى الفرج حتى تتمم الاربعين استحباباً (المغنى ۱/۲۰۹) اس سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ عورت

کو ولادت کے بعد جتنے دن خون آتا ہو وہ اتنے ہی دن ناپاک سمجھی جائیگی اور جب یہ سلسلہ بند ہو جائے تو شرعاً وہ پاک ہوگی اور پھر غسل وغیرہ کر کے نماز وغیرہ پڑھنا ضروری ہے چاہے یہ مدت تین چار دن کی ہو یا دس پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی، ہر عورت کے لئے اس کی عادت کے لحاظ سے یہ مدت مختلف ہو سکتی ہے، ہاں اگر کسی عورت کو چالیس دن گذرنے کے بعد بھی خون کی آمد جاری ہو اور یہ سلسلہ منقطع نہ ہو تو اب چالیس روز کے بعد وہ پاک سمجھی جائے گی اور اس کے خون کو کسی بیماری پر محمول کیا جائے گا۔ ایسے ہی چلے کی رسم ہندوؤں سے اختلاط کی بنا ر پر ہمارے معاشرے میں داخل ہو گئی ہے۔ اسلام اور شریعتِ مطہرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس طرح کے رسوم کو ترک کرنا ضروری ہے، جہاں تک بچے کا نام رکھنے کا تعلق ہے، اس سلسلے میں حدیث سے تو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ساتویں دن ہی بچے کا نام رکھدیا جائے اور اسی دن اس کا عقیقہ کیا جائے جو کہ مسنون ہے۔ عن الحسن عن سمرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغلام مرتھن بعقیقة تذبح عنه یوم السابع ویسمی ویحلق رأسه (مشکوٰۃ عن الحسن ۳۶۲/۱ باب العقیقة، الفصل لثانی)

استنجا خانے قبلہ کی سمت نہ بنائے جائیں

پاکستان میں ہمارے محلے کی مسجد کچھ یوں بنی ہوئی ہے کہ جہاں امام کا محراب ہے اور قبلہ کی دیوار ہے اس کے ساتھ پیشاب خانے بھی بنے ہوئے ہیں، کیا ایسی

مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

(محمد خالد، جدہ)

مساجد کے ساتھ پیشاب خانے یا استنجا خانے اس طریقے پر بنائے جائیں کہ اول تو یہ قبلہ کی سمت میں نہ ہوں یعنی مسجد کے محراب قبلہ والی دیوار کی طرف نہ ہوں، دوسرا ادب یہ ہے کہ ان کو اس طرح سے بنایا جائے کہ بیٹھنے والا شخص نہ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور نہ پیٹھ۔ جب کہ تیسرا ادب بالکل ضروری ہے کہ استنجا خانہ، پیشاب خانہ اور مسجد کی دیواریں الگ الگ ہوں یا فاصلے پر ہوں کہ ان کی بدبو مسجد میں نہ آئے اور یہ مسجد سے الگ ہوں، یکرہ بجنب المساجد ومصلی العید (ھندیہ ۱/۵۰)

ناپاکی کے ایام میں غسل

کیا عورت ناپاکی کے ایام میں نہا سکتی ہے؟

ہاں عورت ان ایام میں نہا سکتی ہے، شرعاً اس بارے میں کوئی قباحت نہیں۔

زچگی کے بعد غسل کب واجب ہے؟

الحمدللہ میرے یہاں چند ماہ قبل بچے کی ولادت ہوئی۔ غالباً بتیس ۳۲ دن بعد میں اپنے آپ کو بالکل پاک صاف محسوس کرنے لگی، چنانچہ میں نے غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا، کئی عورتوں نے مجھے بتایا کہ تم نے بہت

بڑی غلطی کی ہے، چالیس دن پورے نہیں کیے، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

اگر کوئی خاتون ولادت کے بعد چالیس دن پورے .... ہونے سے قبل ہی پاک و صاف ہو جاتی ہے اور غسل کرلیتی ہے .... تو یہ صحیح ہے اور ایسا ہی کرنا واجب ہے یجب الغسل عند خروج دم حیض أو نفاس ووصوله الی فرجها الخارج (هندیه ١/١٦)

غسلِ جنابت

غسلِ جنابت کے سلسلے میں سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنا سر دھولے پھر اپنے پورے بدن پر پانی بہائے اور دوسری بار سر نہ دھوئے تو کیا غسل ہو گیا؟

(محمد عاشور نور محمد، جدہ)

غسل کرتے ہوئے پہلے سر دھو کر بعد میں باقی بدن پر پانی ڈالنا جائز ہے، دوبارہ سر کو دھونے کی ضرورت نہیں.

بند حمام میں برہنہ غسل

کیا بند حمام میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے، نیز اس حالت میں کیا ہوا وضو درست ہے یا کپڑے پہننے کے بعد دوبارہ وضو کرنا ہوگا؟

(محمد سلیم، بحرین)

بند حمام میں جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑے اور بے پردگی نہ ہو، برہنہ غسل کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے، بہتر یہی ہے کہ غسل کرتے وقت

اور تنہائی میں بھی برہنہ نہ ہوا جائے، اسی طرح کے ایک سوال پر کہ کوئی تو دیکھنے والا نہیں ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے (بخاری باب عن الغسل عریاناً وحدہٗ فی الخلوۃ) نیز ایسی حالت میں کیا گیا وضو بھی درست ہے، دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں، (کبیری/۴۹)

غسل کرتے وقت سترِ عورت

کیا تنہائی میں غسل کرتے وقت آدمی اپنی شرمگاہ دیکھ سکتا ہے یا پھر بغیر شرمگاہ چھپائے غسل صحیح ہے یا نہیں؟

(قدیر و عرفان، جدہ)

غسل کرتے ہوئے یا استنجا کرتے ہوئے اپنی شرمگاہ کو صاف کرنا یا دیکھنا جائز ہے، نیز تنہائی میں بغیر شرمگاہ چھپائے بھی درست ہے (بخاری باب عن الغسل عریاناً وحدہٗ فی الخلوۃ)

جنبی کے کپڑے

جن کپڑوں کے ساتھ بیوی سے صحبت کی گئی ہو، اگر یقین ہو کہ یہ کپڑا پاک ہے تو کیا ان کپڑوں میں نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

(محمد جمیل اختر۔ حفر الباطن)

صحبت کے وقت جو کپڑے بدن پر ہوں، اگر یہ کپڑے پاک ہیں تو ان سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

....

ناپاکی میں بال کاٹنا

حالتِ ناپاکی میں غسل سے پہلے بال کاٹنا، ناخن کاٹنا اور بدن کے دوسرے حصوں کی صفائی کرنا جائز ہے؟

(ب، م اظہر، جدہ)

جی ہاں! جائز ہے، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔

غسل سے قبل وضو

غسل کرتے وقت پہلے وضو کیا جاتا ہے، تو کیا وضو مکمل طور پر ویسے ہی کریں جیسے نماز کے لئے کرتے ہیں؟ پھر غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنا ہوگا یا ویسے ہی نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ غسل کے وقت آدمی برہنہ بھی ہو۔

غسل سے قبل وضو کرنا مسنون و مستحب ہے اور وضو اسی طرح مکمل کیا جائے گا جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہیں سنۃ الغسل ان یقدم الوضوء علیہ کوضوء الصلوۃ من غیر استثناء مسح الرأس وھو الصحیح (کبیری/۴۸) غسل سے قبل وضو کریں یا نہ کریں دونوں صورتوں میں غسل کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں، اگر بغیر وضو کئے بھی نماز پڑھ لیں تو درست ہے، کیوں کہ غسل کرتے ہوئے وضو کے سارے اعضاء بھی دھل جاتے ہیں۔ نیز برہنہ ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ درمختار میں ہے:

لایبطل الوضوء فی ضمن الغسل۔

(درمختار ۱/۹۸)

غسل ضروری نہیں

مجھے پیشاب کی نالی سے پانی کی طرح دو تین بوندیں یا کبھی اس سے زیادہ نکل جاتی ہے، جس میں چکناہٹ بھی ہوتی ہے کیا ایسی صورت میں بغیر نہائے یا بغیر کپڑے بدلے نماز پڑھ سکتا ہوں؟ (محمد شارق کمال، جدہ)

اس صورت میں آپ کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں، البتہ وضو کرنا ضروری ہے ان خرج منه ودی او مذی کان علیه الوضوء (قاضی خان علی الهندیه ۱/۴۳) نیز ان قطروں کے ناپاک ہونے کی وجہ سے بدن یا کپڑے پر لگنے کی صورت میں اس جگہ کو دھونا بھی ضروری ہے، غسل شہوت کے ساتھ خروجِ منی کی صورت میں واجب اور ضروری ہوتا ہے، ان بال الرجل فخرج منه منی ان کان ذکره منتشراً کان علیه الغسل (قاضی خان ۱/۴۶)

غسلِ جنابت کا طریقہ

جنابت کے بعد غسل کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیا صرف نہانے سے غسل ہوجاتا ہے۔

غسل کے معنی ہی نہانے کے ہیں، نہانے سے غسل ہوجاتا ہے البتہ جنابت کے بعد نہاتے ہوئے اس بات کا اہتمام کرنا کہ جسم پر سے پانی اچھی طرح بہہ جائے اور ذرا سا حصہ بھی خشک نہ رہے ورنہ غسل صحیح نہ ہوگا اما رکنه اسالة الماء علی جمیع ما یمکن اسالته علیه من البدن من

غیر حرج مرة واحدة حتی لو بقیت لمعة لم یصبھا الماء لم یجز الغسل (البحر الرائق ۱/۴۶) نیز غسل کا صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ظاہری نجاست اور ناپاکی کو دور کیا جائے، اگر وہ جسم کے کسی حصے پر لگی ہو اس کے بعد وضو کیا جائے جیسے نماز کے لئے وضو کرتے ہیں پھر سارے بدن پر پانی بہایا جائے، واضح رہے کہ غسل سے قبل وضو کرنا ضروری نہیں، اگر کوئی شخص بھول جائے یا کسی وجہ سے وضو نہ کرسکے تو اس کا غسل صحیح ہو جائے گا اور غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنا بھی ضروری نہ ہوگا، البتہ احناف کے یہاں غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ۱/۱۳)

بحالتِ جنابت کھانا پینا

کیا غسلِ جنابت سے قبل کھانا پینا جائز ہے؟

ہاں! غسلِ جنابت سے پہلے ہاتھ صاف کرکے اور بہتر یہ ہے کہ وضو کرکے کھا پی سکتے ہیں۔ (ابوداؤد عن عائشۃ باب الجنب یأکل)

مِسواک کب کرنی چاہیئے؟

کیا مسواک بغیر پانی کے تر کیئے ہوئے ہر وقت کی جاسکتی ہے؟ کیا مسواک اپنے منھ میں استعمال کرکے اسے دھونا چاہیئے یا نہیں؟

(السائل فیاض احمد بھٹی، طائف)

مسواک کا مقصود دانتوں کی صفائی ہے، سرکار دو عالم ﷺ کثرت

سے مسواک فرمایا کرتے تھے، مسواک استعمال کر کے ایسے دھولیا جائے تاکہ مسواک صاف ستھری رہے، اقامت کے وقت مسواک کر کے بعد میں گھر جاکر اسے دھویا جاسکتا ہے، اگر کوئی شخص اس بات کا عادی ہے کہ مسواک کر کے اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے اور منھ میں زیادہ تھوک جمع نہیں ہوتا تو اس کا یہ عمل جائز ہے لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ مسواک کرتے ہوئے ایسی ہیئت اور ایسے طریقے سے مسواک نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو کوفت یا تکلیف ہوتی ہو. بعض لوگ عجیب وغریب طریقوں سے مسواک کرتے ہیں جس سے دیکھنے والوں پر اچھا اثر نہیں پڑتا، یہ نامناسب حرکت ہے، احادیث کے مجموعے کو سامنے رکھ کر اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں مسواک کے مواقع کے بارے میں جو نتیجہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ آٹھ موقعوں پر مسواک کرنی چاہیئے:۔

۱۔ کسی بھی نماز سے پہلے۔ ۲۔ جب دانت میلے ہوں، ۳۔ وضو کرتے ہوئے، یعنی وضو سے پہلے، ۴۔ قرآن پاک کی تلاوت سے پہلے، ۵۔ جب منھ سے بو آئے، ۶۔ سونے سے قبل، ۷۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد، ۸۔ باہر سے گھر آنے کے بعد۔

(بحر ۱/۲۰، رد المحتار ۱/۷۷، کبیری/۳۲)

تیمم کی اجازت

دورانِ سفر اگر پانی میسر نہ ہو یا تھوڑی مقدار میں ہو تو وضو کیسے کیا جائے؟ (محمد ندیم شاہد، مکہ مکرمہ)

ایسی حالت میں تیمم کرلیا جائے تو بہتر اور جائز ہے وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفرٍ او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجد وا ماء اً فتیمموا صعیداً طیباً (مائدہ ۲، نساء ۴۳)

بے وضو ریال کا چھونا

میں جب بھی ایک ریال کا نوٹ اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں تو فوراً وضو کرنے کا خیال آتا ہے، کیوں کہ اس نوٹ پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔

(آصف محمود بٹ، جدہ)

ایک ریال کے نوٹ کو بغیر وضو کے چھونا اور ہاتھ میں لینا جائز ہے۔ وضو شرط نہیں۔

ناپاکی کی حالت میں قرآن کی تلاوت

ایام اور نفاس والی خواتین قرآن کو بغیر چھوئے اور بغیر دیکھے زبانی تلاوت کر سکتی ہے؟

قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کے ادب کا تقاضہ ہے کہ پاکی ہی کی حالت میں اس کو چھوا اور پڑھا جائے۔ جو عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو شریعت کی نگاہ میں اس کا ہاتھ بھی ناپاک ہے اور منہ بھی، یہی وجہ ہے کہ غسل میں ہاتھ کا دھونا بھی ضروری ہے اور کلی کرنا بھی؛ لہٰذا اس حالت میں زبانی تلاوت کرنا بھی درست نہیں، البتہ قرآن کا کوئی ٹکڑا بطورِ ذکر یا دعا کے پڑھا جا سکتا ہے۔ لاتقرأ الحائض والنفساء والجنب شیئاً من القرآن والاٰیة وما دونها سواء فی التحریم علی الاصح الا ان لایقصد بما دون الاٰیة القراءة

مثل ان یقول الحمد للہ یرید لشکرا اوبسم اللہ عند الأکل اوغیرفانہ لابأس بہٖ (ھندیہ ۱/۳۸)

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا کیا ہر حال میں گناہ ہے؟

(محمد افضل، جدہ)

صحیح اسلامی طریقہ تو یہی ہے کہ بیٹھ کر پیشاب سے فراغت حاصل کی جائے اور پھر ڈھیلا، پانی یا دونوں سے پاکی حاصل کی جائے لیکن اگر کسی وجہ سے بیٹھنا دشوار ہو تو بدرجۂ مجبوری کھڑے ہوکر بھی پیشاب کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں بھی صفائی اور پاکی کا خاص اہتمام کیا جائے ناپاک قطرے بدن یا کپڑے پر لگنے نہ پائے ویکرہ ان یبول قائماً اومضطجعاً اومتجرداً عن ثوبہ من غیرعذرٍ فان کان بعذرٍ فلا بأس بہٖ (ھندیہ ۱/۵۰)

تلاوت کی کیسٹ بے وضو چھونا

قرآن پاک اور احادیث کی کتب کو بلاوضو چھونا مناسب نہیں ہے، لیکن کیا قرآن کی تلاوت کے آڈیو کیسٹ کو بھی بلاوضو چھونا بے ادبی ونامناسب ہے؟

وہ کیسٹ جن میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے، ان کو بلاوضو چھونا خلافِ ادب ہے، ان کیسٹ کا احترام ضروری ہے، بلاوضو انہیں نہ چھوا جائے۔ لیکن کیسٹ کے اوپر پلاسٹک کور کی حیثیت غلاف کی ہے

لہذا کور کو چھوا اور پکڑا جا سکتا ہے۔ (جدید فقہی مسائل ۱/۳۳)

وضو کے بعد آئینہ دیکھنا

وضو کرتے وقت یا وضو کر کے آئینہ دیکھنے سے کیا وضو ٹوٹ جائیگا؟ وضو کے وقت سر پر دوپٹہ نہ ہو تو کیا وضو صحیح ہے؟ اکثر عورتیں نماز کے بعد سر سے دوپٹہ اتار دیتی ہیں اور غلط باتیں اور قہقہے بھی لگاتی ہیں، کیا ان کی دوسری نماز سابقہ وضو سے ہو سکتی ہے؟ اور کیا وضو کرنے کے بعد میک اَپ کیا جا سکتا ہے؟

آئینہ دیکھنے، سر سے دوپٹہ اتارنے یا باتیں کرنے اور قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ بعض فقہاء کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کبیری میں ہے: فالقهقهة فی الصلوٰة ذات الرکوع والسجود تنقض الوضوء والصلوٰة جمیعاً سواء کان عامداً او ناسیاً۔ (کبیری /۱۳۹) اور جب تک وضو برقرار رہے ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں اگرچہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کر لینا مستحب اور بہتر ہے۔ ان النبی کان یتوضأ لکل صلوٰة طاهراً او غیر طاهر (ترمذی عن انس باب الوضوء لکل صلوٰة) وضو سے پہلے یا بعد میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے عورتوں کو زیب و زینت اختیار کرنے (میک اَپ کرنے) کی گنجائش ہے۔ ایسی چیز استعمال نہ کرنی چاہیئے جس میں حرام یا ناپاک چیزوں کے پائے جانے کا شبہ ہو، لپ اسٹک کے بارے میں یہ تحقیق سامنے آئی ہے کہ اس میں خنزیر کی چربی ملائی جاتی ہے۔

ران پر نظر پڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

بہت سے لوگ وضو کرتے ہوئے رانوں تک کپڑا اٹھا لیتے ہیں اگر اس پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ (عامل، جدہ)

ران کا حصہ ستر میں شامل ہے اور اس کا چھپانا ضروری ہے لیکن اس پر اپنی یا کسی کی نظر پڑ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لہذا دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

غسلِ جنابت

غسلِ جنابت کیسے کیا جائے؟ کیا غسل سے پہلے اِستنجاء اور وضو کرکے نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

غسل کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے جائیں، پھر اگر بدن پر کہیں نجاست وغیرہ لگی ہے تو اسے صاف کیا جائے، اِستنجاء کیا جائے پھر وضو کیا جائے اور اس کے بعد غسل کرے، غسل کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ بدن کا کوئی حصہ بھی خشک نہ رہ جائے۔ غسل اگر واجب ہو چکا ہے تو غسل سے پہلے صرف اِستنجاء وغیرہ کرکے نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

غسل کے بعد دوبارہ وضو

کیا غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے؟ (ولی محمد خاکسار، جدہ)

غسل کا بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے وضو کریں پھر سارے بدن پر پانی بہائیں لیکن اگر غسل سے پہلے وضو نہ بھی کیا جائے تو چوں کہ غسل میں سارے بدن پر پانی بہایا جاتا ہے اس لئے غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یاد رکھیں کہ غسل اگر فرض ہے تو اس طرح غرارہ کرنا کہ پانی حلق تک پہنچ جائے، ناک کی ہڈی تک پانی کا پہنچانا اور پورے جسم پر ایک بار پانی بہانا لازم ہے ورنہ غسل نہ ہوگا واذا توضأ اولا لا یأتی بہ ثانیاً بعد الغسل فقد اتفق العلماء علیٰ انہ لایحتسب وضوءان (بحر ۱/۵۰)

غسل ضروری نہیں

رفع حاجت کے وقت پیٹ اگر سخت ہو تو منی نکل جاتی ہے، اس صورت میں کیا غسل کرنا ضروری ہے؟

(کمال خاں، جدہ)

خروج منی شہوت اور انتشار کے ساتھ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے۔ اگر بلا کسی شہوت کے بیماری کی وجہ سے، پیٹ کی سختی یا جسم پر بوجھ اور دباؤ پڑنے کی وجہ سے منی نکل جائے تو اس صورت میں غسل ضروری نہیں صرف ناپاک حصہ کو دھولینا بھی کافی ہے رجل بال فخرج من ذکرہ منی ان کان منتشراً علیہ الغسل وان کان منکسراً علیہ الوضوء (ھندیہ ۱/۱۴)

غسل میں سر کا دھونا

حالتِ جنابت کے بعد کیا عورت کا غسل کے ساتھ سر دھونا بھی ضروری ہے؟ (محمد عثمان، دمام)

عورت کو صرف اس قدر اجازت ہے کہ اس کے بال اگر گندھے ہوئے ہوں، ان کو کھولنا اور تمام بالوں کا تر کرنا ضروری نہیں بلکہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچا دینا کافی ہے اور اگر بال کھلے ہوئے ہیں تو تمام بالوں کا تر کرنا ضروری ہے۔ (ترمذی عن ام سلمة باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل)

ایام میں کھانا پکانا

کیا عورت ایامِ ماہواری میں کھانا پکا سکتی ہے؟

(شفیق احمد، جدہ)

عورت ماہواری کے ایام میں کھانا پکا سکتی ہے اور سارے کام کاج کر سکتی ہے، صرف نماز، روزہ، تلاوت اور مسجد و حرام میں داخلہ ممنوع ہے اور وظیفۂ زوجیت بھی منع ہے۔ (المغنی ۱/۱۸۸، ابوداؤد عن عائشة باب فی الجنب یدخل المسجد۔ بقرة / ۲۲۲)

مہندی لگانے کا حکم

کیا حیض و نفاس والی عورت ہاتھ پاؤں پر مہندی لگا سکتی ہے؟

لگا سکتی ہے، کوئی قباحت نہیں، قرآن و حدیث میں اسکی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔

ایام میں ناخن کاٹنا

کیا ایامِ ماہواری میں عورت ناخن کاٹ سکتی ہے؟

(شاہد، جدہ)

ایامِ ماہواری میں عورت ناخن کاٹ سکتی ہے، البتہ ناخن کا پاکی کی حالت میں کاٹنا بہتر ہے۔

****

نصر من اللہ و فتح قریب

تیسرا باب

نماز

وما توفیقی الا بالله

۱۲۹۰

نماز کی فرضیت

نماز کتنے سال کی عمر سے فرض ہو جاتی ہے ؟۔

(محمد ندیم ۔ الطائف)

نماز اور دیگر احکامِ شریعت کا مکلف کوئی بھی شخص بالغ ہونے کے بعد سے ہوتا ہے، لہٰذا نماز بھی بلوغیت کے بعد ہی سے فرض ہوتی ہے لیکن نماز کی اہمیت، اس کی تعلیم اور بلوغت کے بعد عمدگی اور پابندی سے ادائیگی کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو حکم دیا کہ وہ اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دیں جب وہ سات سال کے ہو جائیں، اور دس سال کی عمر کو پہونچنے کے بعد بھی اگر نماز نہ پڑھیں تو ان کو ماریں اور تنبیہہ کریں، جیسا کہ ابو داوٗد وغیرہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی موجود ہے ۔ (۱)

زبان سے نماز کی نیت

کیا نماز کی نیت زبان سے کی جا سکتی ہے ؟ (عبدالعزیز، محمد عمر، جدہ)

---

(۱) ترمذی باب ماجاء متی یؤمر الصبی بالصلوٰۃ

نیت لغت میں عزم وارادہ کرنے کا نام ہے لیکن شرعاً نیت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو جائے، دوسرے لفظوں میں نیت یہ ہے کہ اپنے عمل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کردے، کسی دوسرے کو خوش کرنا مقصود نہ ہو، نیت کے واجب ہونے پر علماء کا اتفاق ہے کہ نیت ہی سے عبادت اور غیر عبادت میں فرق کیا جاسکتا ہے، اور اسی سے اخلاص وللّٰہیت آسکتی ہے، نماز عبادت ہے اور عبادت نام ہی ہے اپنے عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنے کا، ارشاد باری ہے وما امروا الا لیعبد واللہ مخلصین له الدین (بینہ ۵) یعنی حالانکہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ خالص اللہ ہی کی عبادت کریں۔ آیت کی تفسیر میں علامہ ماوردی لکھتے ہیں کہ اخلاص نیت ہی کو کہتے ہیں۔ (۱) اس طرح قرآن کی آیت سے نیت کا ثبوت ہوا، حدیث میں بھی اس کی صراحت ہے کہ "انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی" اس لئے نماز بھی بلا نیت درست نہیں ہوگی کہ وہ تو مہتم بالشان عمل ہے، نیت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے دل میں ایمان کی حلاوت محسوس ہو، وہ اس نماز اور عبادت کے وجوب کا کامل یقین رکھتا ہو، رکعات کی تعداد پیشِ نظر ہو، امامت کی یا مقتدی ہونے کی نیت ہو۔

ویسے نیت کا تعلق ارادہ سے ہے، اور ارادہ قلب کا فعل ہے، اس طرح نیت صرف دل سے ہونی چاہئے، لیکن اگر زبان سے کہہ لے تو یہ دل کے ارادہ کی تاکید سمجھی جائے گی۔ (۲) ابنِ نجیم نے لکھا ہے کہ فی زمانہ جبکہ لوگوں کے ذہن میں افکار کا ہجوم رہتا ہے، زبان سے نیت کرلے تو بہتر ہے (لکن یحتسب

---

(۱) المغنی ۱/۲۷۸

(۲) المغنی ۱/۲۷۸

ان یتکلم بلسانہ وھو المختار۔ (عنایۃ ۲۴/۱) لاعبرۃ للذکر باللسان فان فعلہ لتجتمع عزیمۃ قلبہ فھو حسن (الھندیۃ ۶۵/۱)

مقامی زبانوں میں اذان ونماز

پاکستان میں صوبائی قانون سازاداروں کے چند ممبران نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اذان اور نماز عربی کے بجائے مقامی زبان میں ادا کی جائے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ترکی کی تاریخ بھی ذہن میں رکھی جائے، جہاں کمال اتاترک نے اس قسم کے قوانین کا نفاذ کردیا تھا۔ ——— (محمد ہاشم۔ ریاض)

جن باتوں کی وجہ سے دینِ اسلام کی مرکزیت، اجتماعیت اور اسکا ہمہ گیر وآفاقی ہونا ثابت ہے، ان میں ایک عربی زبان ہے، اس زبان نے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح سے مربوط کردیا ہے کہ زبان، زمین، لباس، شکل وصورت اور تہذیب وثقافت کے اختلافات کے باوجود ایک مسلمان دوسرے دینی بھائی کو ایک ہی عربی کے جملے سے نہ صرف پہچان لیتا ہے بلکہ اس جملے کی وجہ سے اخوت بھرے جذبات فوراً امڈ آتے ہیں، وہ جملہ ہے السلام علیکم۔

شعائرِ اسلامی میں دوسری اہم چیزیں اذان اور نماز ہیں، جو عربی زبان ہی میں ادا کی جاتی ہیں، اگر ہر زبان اور ہر علاقے کے لوگ اپنی اپنی زبانوں میں ان اہم شعائر کو انجام دینے لگیں تو اسلام کی اجتماعیت اور مرکزیت ختم ہوجائے گی، البتہ دوسری عبادات میں یہ چھوٹ دی گئی ہے کہ ہر شخص اپنی مادری زبان میں عبادات انجام دے سکتا ہے مثلاً دعا وغیرہ۔ (۱)

(حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ہمارے ملک میں بعض بددین عناصر کی طرف سے اذان اور نماز کا علاقائی زبان میں پڑھنے کا مطالبہ کوئی نیا نہیں ہے، اس قسم کے عناصر اس سے قبل بھی کئی دوسری اہم عبادات، شعائرِ اسلام کے بارے میں اسی قسم کے خبثِ باطن کا مظاہرہ کرچکے ہیں، افسوس یہ ہے کہ ہمارے ہاں کسی بھی شخص کا محاسبہ نہیں ہوتا، لہٰذا ہر شخص کو کھلی آزادی وچھوٹ ملی ہوئی ہے کہ وہ جو چاہے سو کہتا پھرے، حالانکہ اسلامی معاشرے میں اس قسم کی باتیں قابلِ تعزیر ہیں اور اس قسم کی باتیں کرنے والے قابلِ سزا ہیں۔

خلافتِ اسلامی کی عظیم عمارت کو جس شخص کے ذریعے گرایا گیا وہ کمال اتاترک تھا، یہی وہ شخص ہے جس نے ترکی میں عربی رسم الخط کو ختم کیا، اذان پر پابندی لگائی، نماز کو ترکی زبان میں پڑھنے کا حکم صادر کیا۔ آج کچھ لوگ دشمنانِ دین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پاکستان میں بھی انہی نظریات کا پرچار کررہے ہیں، کاش کہ ذمہ دار لوگ، اہلِ اقتدار، علماء وصحافی اور قوم کے دانشور اس بات کو سمجھیں کہ ملک کی جغرافیائی حدود کی حفاظت سے کہیں زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع کیا جائے، ورنہ :

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

---

(۱) (حاشیہ گذشتہ صفحہ) شرعاً اذان درست ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ عربی میں دی جائے، غیر عربی میں نماز کیلئے اذان دینا درست نہیں ہے (بدائع ۱/۱۲۹، نیز دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۵۴۰) چنانچہ قاضی خاں میں ہے لا یؤذن بالفارسیة ولا بلسان آخر غیر العربیة (قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۱/۸۰)

اذان کا جواب

جب مؤذن اذان دے تو سننے والے کو جواب میں کون سے الفاظ دہرانا چاہیے؟ بعینہٖ وہی الفاظ اذان یا کچھ تبدیلی کیساتھ، اگر تبدیلی ہو تو کن الفاظ کے بدلے کون سے الفاظ دہرائیں؟ وضاحت فرمائی جائے۔ (سید صلاح الدین۔ ریاض)

اذان سننے والے کو اذان کے جواب میں اذان کے کلمات ہی دہرانا چاہئیں، البتہ حی علی الصلاح اور حی علی الفلاح کے وقت لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیے (۱) حضرت عمرؓ کی روایت ہے فرمایا کہ جب مؤذن اللہ اکبر کہے تو تم بھی " اللہ اکبر اللہ اکبر کہو، جب وہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہے تو تم بھی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہو، جب وہ اشھد ان محمد رسول اللہ کہے تو تم بھی اشھد ان محمد رسول اللہ کہو جب وہ حیّ علی الصلاۃ کہے تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہو، اسی طرح حیّ علی الفلاح کہے تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہو، اگر قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے تو اقامھا اللہ وادامھا کہو (۲) اذان کا جواب دینا فقہاء حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے ______ احناف کے یہاں ایک قول کے مطابق واجب ہے۔ (۳)

جماعت کے بعد دوبارہ اذان

---

(۱) مسلم ۱/۱۶۷ عن عمر بن الخطاب باب استحباب لقول مثل القول المؤذن۔

(۲) المغنی ۱/۲۵۵/ ط: بیروت (۳) ھندیۃ: ۱/۵۷

ایک آدمی فرض نماز کے لئے مسجد جا رہا ہے، مگر اس نے اذان نہیں سنی، مسجد پہونچتے ہی فرض نماز ہوگئی، اس صورت میں وہ شخص کیا اذان بھی دے گا یا صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھ سکتا ہے؟ ——— (عبدالقیوم۔ جدہ)

اس صورت میں نہ اذان دینے کی ضرورت ہے اور نہ اقامت کہنے کی، کیونکہ مسجد میں ایک مرتبہ اذان دینے اور جماعت ہونے کے بعد دوبارہ اسی نماز کے لئے اذان دینا جائز نہیں (۱)، بلکہ اگر اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہو جائیں اور جماعت ہو جانے کے بعد دوبارہ جماعت سے نماز پڑھیں تو اقامت کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ مسجد سے ہٹ کر گھر یا کہیں اور جماعت کر رہے ہوں تو صرف اقامت کہنا بہتر ہے، اذان دینے کی ضرورت نہیں، مسجد محلہ کی اذان کافی ہے۔

مشروعیت اذان کا سبب

ہر نماز سے پہلے اذان کیوں دی جاتی ہے اس کی حکمت اور سبب کیا ہے؟ ——— (عبدالسلام۔ نجران)

ہر نماز سے پہلے اذان اس لئے دی جاتی ہے کہ یہ شریعت کا حکم ہے جس طرح ہمیں یہ حکم ہے کہ دن میں پانچ وقت نماز پڑھیں، اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے پہلے اذان دی جائے، اگرچہ کہ نماز فرض اور اذان سنت ہے لیکن اذان کی اہمیت اس بنا پر بھی ہے کہ یہ شعائر

---

(۱) اهل المسجد اذا صلّوا باذان وجماعة يكره تكرار الاذان والجماعة فيه۔ هنديه ۱/۵۴)

دین اور شعائرِ اسلام میں سے ہے یعنی یہ دینِ اسلام کی علامتوں اور پہچانوں میں سے ایک اہم علامت ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو جہاد پر روانہ کرتے وقت مجاہدین اور امیر لشکر کو جو اہم ہدایات اور نصیحتیں فرماتے تھے اس میں ایک یہ بھی تھی کہ اگر کسی علاقے میں اذان کی آواز سنائی دے تو وہاں حملہ نہ کیا جائے۔

نماز اسلام کا اہم رکن ہے، اور تمام عبادات میں اس کو ایک اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے، پھر بے شمار حکمت و مصالح کے پیشِ نظر تنہا تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں مسجد میں اکٹھا ہو کر جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور اس کی تاکید کی گئی، اب ظاہر ہے نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور نماز کے لئے مسجد آنے کی دعوت دینے کے لئے کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرنا ضروری ہے، اذان کی مشروعیت سے قبل صحابہ کرام وقت کا اندازہ کر کے آتے اور نماز پڑھتے تھے، لیکن ہجرتِ مدینہ کے کچھ ہی دنوں بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مشورے سے اذان کی موجودہ شکل کو اختیار فرمایا جس کی تلقین اللہ کی طرف سے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام کو خواب کے ذریعے کی گئی جس کی تفصیل کتبِ احادیث میں مذکور ہے (۱)، اب اذان ایک طرف نماز کا وقت شروع ہونے کی اطلاع اور جماعت سے نماز ادا کرنے کیلئے مسجد آنے کی دعوت ہے، تو وہیں یہ دن میں پانچ دفعہ زمین پر کلمۃ اللہ کے اعلاء و بلندی کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

---

(۱) ترمذی: عن عبد اللہ بن زید عبد ربہ باب ما جاء فی بدء الاذان

اذان کا صحیح طریقہ

اذان دیتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا چاہیے، یا نہیں، اور اگر کوئی بغیر ہاتھ اٹھائے اذان دے تو کیا اذان درست ہو گی یا نہیں؟ نیز کیا نماز پر بھی اس کا اثر پڑے گا؟

(محمد شہباز منہاس۔ ع ع)

اذان دیتے وقت ہاتھوں کی انگلیاں کانوں میں دینا مسنون ہے، بعض علماء نے اسے مستحب بھی کہا ہے، امام ترمذی نے اپنی جامع الترمذی کی کتاب الصلاۃ میں اس موضوع کا باقاعدہ باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "باب ما جاء فی ادخال الاصبع فی الاذن عند الاذان" اذان کے وقت کان میں انگلی ڈالنے کا بیان) اس باب میں روایت کی ہوئی حدیث میں ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اذان دی اور دورانِ اذان اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دیں، امام ترمذی اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اسی لئے بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ اذان میں یہ عمل مستحب ہے، البتہ اگر کوئی شخص کبھی بغیر ہاتھ اٹھائے اور کانوں میں انگلیاں داخل کئے بغیر بھی اذان دے دے تو اذان درست ہو جائے گی اور اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں ہو گا، لیکن مستقل اس طرح اذان دینا مناسب نہیں۔

بلا وضو اذان دینا

کیا بغیر وضو کے اذان دی جا سکتی ہے؟ (محمد عباس خمیس مشیط)

بغیر وضو کے اذان جائز ہے لیکن بہتر نہیں۔ اور باوضو اذان دینا مسنون اور مستحب ہے، شامی میں ہے من سنن المؤذن کونہ رجلاً عاقلاً صالحاً عالماً بالسنن والاوقات مواظباً علیہ محتسباً ثقہ مطہراً۔ (شامی ۱/۲۶۲) نیز ہمیشہ بے وضو اذان دینے کی عادت بنا لینا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

اذان کا جواب

وضو کرتے ہوئے اگر اذان شروع ہو جائے تو کیا کریں، وضو جاری رکھیں یا اذان کا جواب دیں؟۔

(احسان اللہ۔ جیزان)

بعض صورتوں کے علاوہ عام حالات میں اذان کا زبان سے جواب دینے کو بعض علماء نے واجب اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے، احناف کے نزدیک یہ واجب ہے۔ (قاضی خاں ۱/۹) اور حنابلہ کے نزدیک مستحب (المغنی ۱/۲۵۵)، عملی جواب یعنی نماز کے لئے تیاری شروع کر دینا اور نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد کی طرف چل پڑنا تو بہر حال واجب ہے، وضو کرتے ہوئے اذان کا جواب دیا جا سکتا ہے، لہٰذا وضو بھی جاری رکھیں اور اذان کا جواب بھی دیں۔

عورت کی اذان

کیا عورت اذان دے سکتی ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟۔

(حبیب نواز۔ جدہ)

عورت اذان نہیں دے سکتی۔ پانچ افراد ایسے ہیں کہ ان کی اذان کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اگر ان میں سے کوئی بھی اذان دے تو وہ اذان درست

نہیں ہے، اذان دوبارہ دینی ہوگی، انہی میں فقہاء نے عورت کو بھی شمار کیا ہے، اس لئے کسی عورت کا اذان دینا درست نہیں ہے۔ (١)

اذان سے قبل درود وسلام

ہمارے علاقے میں اذان دینے سے قبل بلند آواز اور اہتمام سے درود وسلام پڑھا جاتا ہے، نیز فرض نماز کے اختتام پر اونچی آواز سے کلمہ پڑھتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ اسی طرح قبرستان کی طرف جنازہ لے جاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا کیسا ہے؟ —— (صابر حسین۔ طائف)

اذان سے قبل بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا یا نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے، حدیث سے یا صحابہ کرام، تابعین اور سلفِ صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اسی طرح جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا بھی بدعت ہے۔ (٢)

نومولود کے کان میں اذان

جب کوئی بچہ یا بچی پیدا ہو تو اس کے کانوں میں اذان واقامت کہی جاتی ہے، ایک صاحب اس کو بدعت قرار دیتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ (ایم۔ احمد۔ جدہ)

---

(١) قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ١/٧٧

(٢) ہندیہ ١/١٦٢

نومولود بچہ یا بچی کے کانوں میں اذان دینا سنت ہے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جب حسن پیدا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آکر ان کے کان میں اذان دی، یہ حدیث ابو رافع اور عبد اللہ بن عباس سے مختلف محدثین نے اپنی اپنی کتب سنن میں روایت کی ہے (۱) اور یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ امام ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

اذان واقامت کے درمیان فرق

ہمارے یہاں پاکستان میں اذان ہی کی طرح اقامت پڑھتے ہیں، جیسے اذان میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے ہیں تو اقامت میں بھی چار ہی دفعہ، اسی طرح دوسرے کلمات، لیکن یہاں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اقامت میں اللہ اکبر صرف دو مرتبہ اور باقی کلمات ایک ایک دفعہ کہتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ اقامت اذان ہی کی طرح ہے یا اس میں کچھ فرق ہے۔ —— (محمد نذیر بٹ۔ بیشہ)

"قد قامت الصلاۃ" کے اضافہ کے علاوہ باقی کلمات کے درمیان اذان واقامت میں کوئی فرق نہیں، جہاں تک تعداد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اقامت میں بھی اذان ہی کی طرح اللہ اکبر چار دفعہ اور دیگر کلمات دو دو دفعہ پڑھے جائیں گے سوائے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ کے جو ایک دفعہ کہا جائے گا، اس طرح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اذان میں پندرہ کلمات ہیں، اور اقامت میں سترہ کلمات ہیں (۲) —— اذان

---

(۱) ترمذی عن ابی رافع ۱/۲۷۸ باب الاذان فی اذن المولود۔

(۲) ہندیہ ۱/۵۵

کے کلمات میں امام احمد علیہ الرحمہ کی بھی رائے یہی ہے، تاہم امام شافعی کے نزدیک شہادتین میں ترجیع مسنون ہے، اس لئے ان کے نزدیک اذان میں ۱۹ کلمات ہوتے ہیں، اقامت کے بارے میں امام احمد اور امام شافعی ہم خیال ہیں کہ اقامت کے کلمات گیارہ ہیں اسطرح کہ اقامت میں اللہ اکبر اور قد قامت الصلوٰۃ تو دو دو دفعہ اور باقی کلمات ایک ایک دفعہ پڑھے جائیں، دونوں مسلک حدیث سے ثابت ہیں لہٰذا دونوں صحیح ہیں۔ یہ اختلاف محض اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔ اس کو باہم افتراق و انتشار اور فتنہ و فساد کا موضوع نہیں بنانا چاہیے۔

اقامت کون کہے؟

یہاں یہ چیز دیکھنے میں آئی کہ جو شخص اذان نہ دے وہ اقامت نہیں کہہ سکتا بلکہ اذان دینے والا ہی اقامت کہتا ہے جب کہ پاکستان میں ایک آدمی اذان دے تو دوسرا اقامت کہہ سکتا ہے اس کی کیا وجہ ہے، اقامت اصلاً کس کا حق ہے؟

(محمد نذیر بٹ، بیشہ)

ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "جو شخص اذان دے وہی تکبیر اقامت کہے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کا اصل حقدار مؤذن ہی ہے، چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک یہ بات مکروہ ہے کہ مؤذن کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے (۲)

---

(۱) دیکھئے المغنی ۱/۲۴۴

(۲) المغنی ۱/۲۴۹

البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ کراہت اس وقت ہے جب کہ مؤذن سے اجازت نہ لی جائے یا مؤذن کو یہ بات ناگوار گذرے، ورنہ مؤذن اجازت دے دے تو مکروہ نہیں، کیونکہ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان کہتے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تکبیر کہتے تھے، بہر حال مؤذن کے اجازت کے بغیر دوسرے شخص کو تکبیر اقامت کہنا سب کے نزدیک مکروہ ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مؤذن ہی اقامت کہے اور اگر دوسرا شخص کہنا چاہے تو مؤذن سے اجازت لے لے۔ (۱)

منفرد کے لئے اقامت

اگر کوئی شخص فرض نماز انفرادی طور پڑھ رہا ہو تو کیا نماز شروع کرنے سے قبل اسے اقامت کہنی چاہیے یا نہیں؟۔

(عتیق احمد راز۔ نجران)

اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے مسجد نہیں جا سکا، گھر ہی میں تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کے لیے اقامت کہنا ضروری نہیں، اقامت اصل میں جماعت کی اطلاع ہے؛ لہٰذا اگر مسجد میں اقامت کہے بغیر نماز ادا کرے تب کراہیت ہوگی۔ و لو ترك الاقامة یکره (۲)

نماز باجماعت

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۵۵۹، المغنی ۱/۲۴۹، ہندیہ ۱/۵۴

(۲) ہندیہ ۱/۵۴

میرا ایک کرسچن ساتھی ہے، ہم نے ایک ساتھ پانچ سال ایک کمپنی میں کام کیا ہے، وہ بہت ہی با اخلاق ہے، اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا رہا ہے، ایک لحاظ سے میں اسکا احسان مند ہوں، اب دوسری کمپنی میں ملازمت کر رہا ہوں، میں جب آفس سے شام گھر واپس ہوتا ہوں تو میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ عشاء کی نماز راستے میں یا گھر پہونچ کر با جماعت ادا کروں، لیکن کبھی وہ دوست پیدل اپنے گھر واپس ہوتے ہوئے ملتا ہے تو اخلاقاً اسے اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھاکر گھر چھوڑتا ہوں ایسی صورت میں کبھی جماعت چھوٹ جاتی ہے، کیا مجھے میری نیت کی وجہ سے عشاء کی نماز باجماعت کا ثواب ملے گا یا میں جماعت کی خاطر اس سے انجان ہوں؟

(محمد عزیز قیصر۔ جدہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کی اطاعت ومحبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو یہ جائز نہیں ہے (مسند احمد ۱/۱۲۹)

آپ اپنے غیر مسلم دوست سے اپنی دوستی قائم رکھیں، انہیں گاہے گاہے اسلام کی دعوت بھی دیتے رہیں، لیکن ان کی دوستی اگر کسی فرض یا واجب کام میں رکاوٹ بن رہی ہے تو ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ حتی کہ اگر کوئی مسلمان رشتہ دار یا مسلمان دوست بھی اس سلسلے میں رکاوٹ بنتا ہے تب بھی یہ عمل ناجائز ہے، عشاء کی نماز اور ہر نماز کو اپنے صحیح وقت پر مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے، آپ راستے میں کسی بھی مسجد میں عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں، یا اپنے غیر مسلم دوست کے محلے میں اسے ڈراپ کرتے ہوئے عشاء

پڑھ سکتے ہیں۔

جماعت سے نماز ضروری ہے

دورانِ ملازمت ایک بجے سے چار بجے تک چھٹی ہوتی ہے تو میں کھانا کھانے کے بعد سو جاتا ہوں، چونکہ آج کل عصر کی جماعت ۳ بجکر ۲۰ منٹ پر ہوتی ہے، اس لئے اکثر جماعت نکل جاتی ہے، نماز باجماعت کا چھوڑنا مناسب ہے یا ہمیں جماعت سے ہی نماز ادا کرنی ہوگی؟ (عبدالرؤف شیخ۔ ریاض)

نیند کی وجہ سے مستقل عصر کی نماز چھوڑنا اور تاخیر سے پڑھنا شرعاً ناجائز ہے، ہر نماز اپنے وقت پر (جماعت سے مسجد میں) پڑھنی واجب ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا نماز اپنے وقتِ متعینہ پر پڑھنا ضروری ہے، سفر، حضر، اطمینان خوف ہر حالت میں اسی وقت ادا کرنا ضروری ہے، یہ نہیں کہ جب چاہو پڑھ لو، ہر حالت میں وقت کی پابندی ضروری ہے۔

مسجد کے بجائے گھر میں نماز پڑھنا

بعض لوگ بغیر کسی مجبوری کے گھر میں نماز پڑھتے ہیں، جب کہ مسجد گھر سے قریب ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کی نماز ہو جاتی ہے؟ (ع۔ ح جدہ)

امام احمد، داؤد ظاہری، عطاء، ابو ثور نے جماعت سے نماز پڑھنے کو فرض اور ضروری قرار دیا ہے، لیکن اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ جماعت واجب ہے (فتح القدیر ۱/۳۰)

لہٰذا اگر کوئی شخص گھر پر تنہا نماز پڑھتا ہو تو اس کی نماز صحیح ہے اور فرض ادا ہو جائے گی لیکن بلا وجہ مسجد سے غیر حاضری اور جماعت کا ترک کر دینا جائز نہیں، احادیث میں اس سلسلے میں سخت وعید بھی آئی ہے۔ چنانچہ بے شمار صحابہ کرام سے یہ بات منقول ہے کہ اس شخص کی نماز ہی نہیں ہوتی جو اذان سننے کے باوجود مسجد میں حاضر ہو کر جماعت سے نماز نہ پڑھے، اگرچہ علماء نے ان اقوال کو تنبیہ و تہدید پر محمول کیا اور یہ کہا کہ نماز کامل نہیں ہوگی اور اس کا حق ادا نہیں ہوگا، لیکن اس سے جماعت کی اہمیت کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات میں نمازیں پڑھتا ہے، مگر جمعہ اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا (یعنی جمعہ کی ادائیگی اور جماعت سے نماز پڑھنے مسجد نہیں آتا، اس سے اعراض کرتا ہے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے) تو آپ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔ (۱) ———— نیز جماعت کی فضیلت میں صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ جماعت سے ادا کی گئی نماز تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ (۲) اب اگر کوئی شخص عذرِ شرعی کی بنا پر جماعت میں حاضر نہ ہو سکا تو اس کے لئے تو اجازت ہے لیکن بلا وجہ جماعت ترک کر کے اتنے عظیم ثواب سے اپنے آپ کو محروم کر لینا کتنا عظیم خسارہ اور نقصان ہے؟ اس کا صحیح اندازہ ہمیں اس وقت ہوگا جب کہ

---

(۱) ترمذی باب ما جاء فی من سمع النداء فلا یجیب ابواب الصلوٰۃ

(۲) صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ (مشکوٰۃ عن ابن عمر ۱/۹۵ باب الجماعۃ وفضلها الفصل الاول)۔

یہی نیکیاں ہمارا سرمایہ اور سفینۂ نجات ہوں گی، آج ہماری اکثریت مادی نفع ونقصان کے پیچھے پڑکر اخروی نفع ونقصان کو بھلا بیٹھی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بلا عذر ترکِ جماعت گناہِ کبیرہ ہے۔

ایک صاحب پنجوقتہ نماز تو ادا کرلیتے ہیں مگر کبھی بھی جمعہ کی نماز کو نہیں جاتے، اور ایک ایسے ہیں جو پنجوقتہ نماز ادا نہیں کرتے اور باقاعدگی سے جمعہ نماز ادا کرتے ہیں جبکہ مسجدِ جمعہ کا فاصلہ تین یا چار کلومیٹر ہے، شرعاً کیا یہ صحیح ہے؟ (عبداللطیف۔ نجران)

نماز دین کا وہ اہم ستون ہے جس کے بغیر دینِ اسلام نامکمل ہے، ہر مسلمان پر پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھنا واجب ہے، بلا کسی شرعی عذر کے جماعت ترک کردینا بھی حرام اور کبائر میں سے ہے، وہ لوگ جو صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، ہفتہ بھر کوئی نماز نہیں پڑھتے، سنگین جرم کرتے ہیں کئی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جان بوجھ کر ایک نماز بھی ترک کردینا باعثِ کفر ہے۔ سستی وکاہلی سے نماز چھوڑنے میں آدمی دنیوی سزا کا بھی مستحق ہوتا ہے اور اخروی سزا کا بھی ——— اخروی سزا کی صراحت تو خود قرآن نے بارہا کی ہے، سورۂ مدثر میں ہے:

ماسلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین (۱) — تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے

سورۂ ماعون میں ہے:

فویل للمصلین الذین ہم عن صلاتہم ساہون (۲) — ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نمازوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔

---

(۱) مدثر / ۴۲ (۲) ماعون: ۴

سورہ مریم میں ہے :

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔ (مریم : ۵۹)	پھر ان کے بعد (بعض) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد برئت منہ ذمۃ اللہ ورسولہ۔	جس نے عمداً نماز چھوڑ دی تو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ اس سے بری ہو گیا

(مسند احمد عن مکحول وھو مرسل جید)

جہاں تک دنیوی سزا کی بات ہے تو امام ابو حنیفہ کے یہاں ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا، اور اتنی جسمانی سزا دی جائے کہ جسم سے خون نکل پڑے، نماز پڑھنے لگے اور توبہ کر لے یا قید ہی کی حالت میں موت واقع ہو جائے ۔

دوسرے ائمہ کے یہاں مرتد کی طرح اس کو تین دن کا موقع دیا جائے گا، اس درمیان ترکِ نماز سے توبہ کر لے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا ورنہ قتل کر دیا جائے گا ۔ امام احمدؒ کے یہاں ایسا شخص کافر ہو گیا، اس لئے بر بنائے کفر اسکو قتل کر دیا جائے گا ۔ (۱)

امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کرنا

کچھ لوگ مسجد ایسے وقت پہونچیں کہ امام سجدے میں ہو تو جماعت میں شریک نہیں ہوتے بلکہ امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کرتے رہیں ۔ کیا یہ عمل صحیح ہے ؟ (محمد عارف ۔ جدہ)

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۱/۵۰۳

یہ عمل صحیح نہیں ہے بلکہ امام سجدے میں ہو تب بھی اسی وقت جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کرنا درست نہیں۔ (۱)

دو آدمیوں کی جماعت

دو آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں تو تیسرے آدمی کے آنے کی صورت میں امام کو آگے جانا چاہیئے یا مقتدی کو پیچھے آنا چاہیئے؟ ——— (مختار احمد عباسی۔ الضبار الشمال)

دونوں صورتیں جائز ہیں، تیسرے آدمی کو چاہیئے کہ مقتدی کو پیچھے کر لے اور اگر پیچھے جگہ نہ ہو تو امام کو آگے کر دے۔ (۲)

جماعت کے وقت سنت کی ادائیگی

کچھ دوستوں کا کہنا ہے کہ ظہر کی نماز میں جو دو رکعت سنتِ مؤکدہ پڑھی جاتی ہے، وہ اگر نہ پڑھیں تو فرض نماز نہیں ہوتی۔ اس لئے بہت سے لوگ جماعت کھڑی بھی ہو تو پہلے دو رکعت سنت پڑھ کر امام کے ساتھ فرض نماز میں شامل ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے

(لیاقت یوسف سرنائیک۔ جدہ)

ظہر سے قبل چار رکعت سنت پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے (بعض روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے) اس کو ضرور پڑھنا

---

(۱) الفتاوی الہندیہ ۱/۹۱

(۲) الفتاوی الہندیہ ۱/۸۸

چاہیے، البتہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ یہ دو رکعت یا چار رکعت نہ پڑھیں تو فرض نماز بھی صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ فرض نمازوں کی صحت کے لیے سنت و نوافل کی ادائیگی شرط نہیں، ہاں بلاعذر کے کوئی سنتِ مؤکدہ ترک کردے تو گنہگار ہوگا۔ فرض نماز سے پہلے نہ پڑھ سکے تو فرض نماز پڑھنے کے بعد سنتِ مؤکدہ کو پڑھ لے، فرض نماز کے لیے اقامت ہونے کے بعد کوئی بھی سنت یا نفل پڑھنا درست نہیں لہٰذا کوئی شخص جماعت شروع ہوجانے کے بعد مسجد پہونچے تو اسے چاہیے کہ سنت پڑھے بغیر فرض نماز میں امام کے ساتھ شامل ہوجائے اور سنت بعد میں پڑھے۔(۱)

تاخیر سے جماعت میں شریک ہونے والے کیلئے ثناء

مقتدی نمازِ ظہر کی پہلی رکعت میں امام کے ساتھ آکر ملا کیا مقتدی ثناء پڑھے گا؟۔

اس سلسلہ میں احناف کے یہاں درج ذیل تفصیل ہے:

۱۔ جب امام قرارت کر رہا ہو اس وقت مقتدی پہونچے اور نماز جہری ہو تو جماعت میں شریک ہوتے وقت ثناء نہیں پڑھے، بلکہ جب چھوٹی ہوئی رکعتیں قضا کرے اس وقت وہ ثناء پڑھے گا۔ اور دوسری نماز ہو تو جماعت میں شریک ہوتے وقت ثناء پڑھے گا۔

۲۔ اگر مقتدی اس وقت پہونچا جب کہ امام رکوع یا سجدہ میں تھا تو اگر ثناء پڑھنے سے رکوع یا سجدہ چھوٹ رہا ہو تو ثناء نہیں پڑھے گا اور امام کی اتباع کرے گا، لیکن اگر ثناء پڑھنے کے باوجود رکوع یا سجدہ میں شریک ہوجانے کا

(۱) الفتاوی الہندیہ ۱/۱۱۲

غالب گمان ہو تو ثنار پڑھ لے گا۔

۳۔ اگر امام کو قعدہ میں پائے، یا رکوع وسجود کے علاوہ دوسری حالت میں پائے تو ثنار نہیں پڑھے گا، ایسی صورت میں چھوٹی ہوئی رکعتیں قضا کرتے وقت ثنار پڑھے گا۔ (۱)

پہلی جماعت بہتر ہے یا دوسری

اگر کوئی شخص اس وقت مسجد پہونچے جب کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہو تو کیا وہ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے یا دوسرے کسی شخص کا انتظار کر کے تکبیر تحریمہ کے ساتھ دوسری جماعت سے نماز پڑھے؟ ——— (احسان اللہ۔ جیزان)

ایسے شخص کو پہلی جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لینی چاہیئے، یہ صورت دوسری جماعت بنانے اور اس کا انتظار کرنے سے زیادہ بہتر ہے، ہاں اگر کوئی جماعت ختم ہونے کے بعد ہی پہونچے تب تو دوسری جماعت میں شریک ہو جائے نیز کوشش ہر ایک کو اس بات کی کرنی چاہیئے کہ مسجد میں پہلی جماعت تکبیر تحریمہ کے ساتھ ملے۔

بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم

کیا کسی بدعتی کے پیچھے نماز ہوتی ہے؟

(امیر زادہ نثار۔ بحرین)

---

(۱) الفتاوی الہندیہ ۱/۹۱-۹۰

اگر بدعت کفر کے درجہ کی ہو تب تو نماز ہی درست نہ ہو گی، اسلئے کہ کافر کی عبادت مقبول نہیں، اور اگر اس درجہ کی نہ ہو بلکہ بدعت عمل ہو تو ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے، گو نماز ہو جاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ ہندیہ میں ہے:

حاصله ان کانت هوی لا یکفر به صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الکراهة والا فلا۔ (هندية ۱/۸۴)

بے نمازی امام کی اقتدار

ہمارے محلے کی مسجد میں کوئی ایک امام متعین نہیں، کبھی کوئی امامت کرتا ہے اور کبھی کوئی دوسرا، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امامت کرنے والا خود پانچ وقت کا نمازی ہے یا نہیں۔ ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ (احسان اللہ۔ جیزان)

ہر ایک کے بارے میں حسن ظن (اچھا گمان) رکھنا چاہیئے، بدگمانی کبیرہ گناہ ہے، قرآن وحدیث میں اس سے روکا گیا ہے، اگر کسی شخص کے بارے میں آپ کو یہ گمان ہو کہ وہ پابندی سے نماز نہیں پڑھتا تب بھی اگر اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع آجائے تو اس کی اقتدار میں نماز پڑھنا صحیح ہے، یہ مستحب ضرور ہے کہ امامت کے لئے متقی و پرہیزگار شخص کو منتخب کیا جائے لیکن کبھی نوبت آجائے تو فتنہ و شر انگیزی سے بچنے کے لئے فاسق امام کی اقتدار بھی درست ہے، اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے صلوا خلف کل بر و فاجر، ہر نیک و بد کی اقتدار میں نماز پڑھو (نیل الاوطار ۳/۱۶۲) لیکن اس قدر ثواب نہیں ملے گا جتنا نیک و پرہیزگار عالم کی اقتدار میں نماز کا ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ غیاثیہ: ۳۱)

عمداً قتل کرنے والے کی امامت مناسب نہیں

اگر کسی نے جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دیا، بعد میں قاتل کے ورثاء نے اس سے خون بہا لیا اور اسے معاف کر دیا، اس شخص نے توبہ بھی کر لی، کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

(حفیظ الدین۔ ریاض)

کسی مسلمان کا قتل عمداً کبیرہ گناہوں میں بڑا کبیرہ گناہ ہے، اگرچہ قاتل نے دیت دے دی ہے اور توبہ کر لی ہے لیکن ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پھر بھی مناسب نہیں ہے، ایسے آدمی کو امام نہ بنایا جائے، ویسے فقہی اعتبار سے نماز ہو جائے گی۔ (١)

فاسق امام کی اقتداء

جو شخص تصویر والے کپڑے پہنتا ہو اور سونے کی انگوٹھی پہنتا ہو کیا اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟ (محمد اظہر الدین۔ دمام)

اگر کوئی شخص کسی کبیرہ گناہ کو سرِعام کھلم کھلا کرتا ہے اور منع کرنے کے باوجود اس گناہ کو ترک نہیں کرتا تو یہ شخص فاسق ہے، اور فاسق کی اقتداء میں نماز تو ہو جاتی ہے لیکن کراہت کے ساتھ ہوتی ہے۔ (٢)

---

(١) فتاویٰ عنایتیہ ۱/۳

(٢) الفتاوی الہندیہ ۱/۸۴

ولد الزنا کی امامت

جو لڑکا مرد وعورت کے ناجائز تعلقات کی بنا پر دنیا میں آیا ہو پھر وہ اپنی محنت سے پڑھ لکھ کر عالم فاضل بن جائے، اور تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی گذارنے لگے تو ایسے شخص کا اسلامی معاشرہ میں کیا مقام ہے؟ نیز اس کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بالخصوص جب کہ وہ اپنے محلے کی مسجد میں امامت کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی پیدائش کے متعلق علم بھی ہو، ہمارے یہاں ایک ایسا ہی معاملہ موضوع بحث ہے۔

(رئیس احمد بلال۔ مکہ مکرمہ)

سورۃ الحجرات آیت ۱۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "بلاشبہ اللہ کے یہاں تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو" نیز انسان جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے، قیامت کے دن کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ دوسروں کے بارے میں اس سے پوچھ گچھ ہوگی جیسا کہ قرآن پاک میں کئی جگہ اسکی صراحت مذکور ہے (سورۃ الاسراء آیت نمبر ۱۵، سورہ فاطر آیت نمبر ۱۸)

چنانچہ جو لڑکا مرد وعورت کے ناجائز تعلقات کے سبب پیدا ہوا ہو اس میں لڑکے کا کوئی قصور نہیں، پھر وہ علم حاصل کر کے تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرے تو انشاء اللہ اللہ کے یہاں اس کا مقام بھی بلند ہوگا، لہٰذا ایسے شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھنا درست نہیں۔

ایسے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، البتہ زنا چونکہ

بدترین گناہ اور برائی ہے، اور اس سبب سے پیدا ہونے والے لڑکے کو دیکھ کر فعلِ بد کا تصور جاگ اٹھتا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے ایسے شخص کے امامت کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے، اس صورت میں جب کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہو، اور وہ اس کی امامت کو ناگوار سمجھتے ہوں (۱)، اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر کراہت بھی نہیں ہوگی، کیونکہ ذاتی طور پر اس شخص کی امامت میں کوئی کراہت نہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلامی معاشرے میں برائیوں کا ذکر اور اس کی اشاعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ سورہ نور آیت نمبر ۱۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو لوگ ایمان والوں کے درمیان برائیوں کو پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے"۔ نیز احادیث میں بھی مسلمانوں کے عیوب کو چھپانے کی بڑی فضیلت اور ان کے عیوب کو ظاہر کرنے اور انہیں رسوا کرنے کی بڑی مذمت اور وعید آئی ہے، اس لئے اسطرح کے معاملات کی حتی الامکان پردہ پوشی کرنی چاہیے۔ اکثر کتب حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے "جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی دنیا میں پردہ پوشی کرے گا (یعنی اس کے گناہ اور عیوب کو چھپائے گا) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا"۔ (۲) اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے "اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام قبول کئے ہو اور ایمان ابھی دل میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کو اذیت نہ دو اور انہیں عار نہ دلاؤ، اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیوب تلاش

---

(۱) کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اہتمامہ بالدین فتجب اہانتہ شرعا، مراقی الفلاح ۲۰۴

(۲) بخاری عن ابن عمر باب لا یظلم المسلم ۔۔

کرتا ہے اللہ اس کے عیوب تلاش کرتا ہے اور اللہ جس کے عیوب تلاش کرے تو وہ اس کو رسوا کر دے گا چاہے وہ اپنے گھر کے اندر چھپا رہے۔ (۱)

بغیر داڑھی والے شخص کی اذان وامامت

کیا اذان دینے اور نماز پڑھانے کے لئے داڑھی کا ہونا ضروری ہے؟ ہمارے ہاں لوگ بغیر داڑھی والے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور نہ اسے اذان کا اہل سمجھتے ہیں، اذان تو پھر بھی ایسا شخص کبھی دے دیتا ہے لیکن امامت کے لئے اسے کبھی کھڑا ہونے نہیں دیا جاتا، اس سلسلے میں شرعی حکم وضاحت فرمائیں۔

دلال حسین بھادل شیر۔ جدہ)

داڑھی رکھنا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس کا حکم بھی دیا ہے، چنانچہ جمہور علماء نے اسے واجب قرار دیا ہے، لہٰذا جو شخص اس واجب پر عمل نہ کرے وہ مستقل ایک جرم اور گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اذان واقامت یقیناً ایسے اہم دینی منصب ہیں جس کے لئے متقی وپرہیزگار شخص کو منتخب کیا جانا چاہیئے لیکن کبھی موقع ہو تو بغیر داڑھی والا شخص بھی اذان دے سکتا ہے اور نماز پڑھا سکتا ہے، تاہم یہ مکروہ ضرور ہے، اذان وامامت کے لئے داڑھی کا ہونا شرط نہیں، لہٰذا اگر کبھی ایسا شخص نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیئے تاکہ لوگوں میں اختلاف وانتشار یا فتنہ پیدا نہ ہو، ایک حدیث میں (جو اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے) رسولِ کریم

---

(۱) ترمذی عن ابی ہریرۃؓ باب ماجاء فی الستر عن المسلمین

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آپ نے فرمایا "ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو" (۱) ہاں مستقل امامت کے لئے یقیناً ایسے شخص کو مقرر نہیں کرنا چاہیے۔

بخیل شخص کی امامت

ہمارے یہاں مسجد میں ایک صاحب امام ہیں اور لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں، ان کا ایک ہوٹل ہے، اور یہ لوگوں کو اپنے ہوٹل کا پانی بھی پینے نہیں دیتے، کیا اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے؟ ——————— (حاجی محمد ۔ ریاض)

جہاں تک نماز کا تعلق ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے اور اس کی اقتدار میں نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن اس شخص کا یہ عمل ناپسندیدہ ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین چیزیں کسی کو دینے سے مت روکو، پانی، گھاس اور (چولہا جلانے کے لئے) آگ۔ (۲)

عورت کی امامت

کیا حافظ عورت دوسری عورتوں کو جماعت سے تراویح پڑھا سکتی ہے؟ ——————— (محمد یٰسین قریشی ۔ کراچی)

عورت، عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھا سکتی ہے، حتی کہ اگر عورت گھر کے تمام افراد (جن میں مرد بھی شامل ہیں) سے زیادہ پڑھی لکھی ہے، یعنی عالمہ

---

(۱) نیل الاوطار ۳/۱۶۲

(۲) ابن ماجہ عن ابن عباس ۲/۱۷۰، باب المسلمون شرکاء فی الثلث

ہے تو گھر کے تمام افراد اس کی امامت میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ام ورقہ رض بنت نوفل سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "تم اپنے گھر والوں کو نماز پڑھا سکتی ہو" (۱) اس حدیث کے راوی عبدالرحمان بن خالد فرماتے ہیں کہ ام ورقہ بنت نوفل کا مؤذن ایک بوڑھا شخص تھا۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے کئی بار عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھائی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک لونڈی کو (جو کہ عالمہ تھیں) حکم دیا تھا، وہ ان کے گھر کی خواتین کو رمضان المبارک میں نمازیں پڑھائے (۲)

اگر خواتین کسی پردے وحفاظت کی جگہ جمع ہوتی ہیں، اور کوئی حافظہ خاتون یا قاریہ وعالمہ خاتون ان کو جماعت سے نماز پڑھاتی ہیں تو یہ عمل جائز ہے بلکہ امام شافعی کے یہاں خواتین کے لئے خاتون کی امامت کو یعنی جماعت سے نماز پڑھنے کو مستحب کہا ہے (۳)، امام احمد بن حنبل سے دو روایتیں منقول ہیں ایک مستحب ہونے کی، دوسری مستحب نہ ہونے کی (۴) ——— رمضان المبارک میں بھی خواتین کسی حافظہ خاتون کی امامت میں نمازِ تراویح باجماعت ادا کر سکتی ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی امامت مکروہ ہے

مسجد سے دور امام کی اقتداء

---

(۱) ابوداؤد عن ام ورقہ بنت نوفل ۱/۸۷ باب امامۃ النساء۔

(۲) المحلی ۳/۱۱۷

(۳) المجموع ۴/۹۶ (۴) المغنی ۲/۱۷

حرمین شریفین میں حج وغیرہ کے موقعوں پر جب کہ رش بہت زیادہ ہوتا ہے، لوگ مسجد سے دور سڑکوں پر ہی صفیں باندھ کر جماعت میں شریک ہوجاتے ہیں اور درمیان میں راستہ اور سڑک بھی آجاتے ہیں۔ کیا اس طرح نماز درست ہے؟

(ملک امجد تبریز اعوان۔ ریاض)

رش اور اژدہام کی وجہ سے دور دور تک کی صفوں کی نماز بھی امام کے پیچھے جائز ہے، چونکہ یہ فاصلہ خواہ درمیان میں سڑک ہو، عذر اور ضرورت کے تحت ہے اور تمام صفیں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ اور آگے پیچھے ہیں لہٰذا یہ عمل جائز ہے اور نماز درست ہے۔ اس سلسلہ میں صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اقتدار کی صحت کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ درمیان میں شارعِ عام نہ ہو، یعنی ایسی سڑک نہ ہو جس پر گاڑیاں وغیرہ چلتی ہوں، اگر ایسی سڑک درمیان میں آجائے اور اس پر کوئی صف نہ ہو اور سڑک سے ہٹ کر صف باندھی جائے تو یہ اقتدار درست نہیں ہوگی ——— چونکہ حرم میں نماز ادا کرتے ہوئے سڑکوں پر بھی صفیں بندھی رہتی ہیں، اور ٹرافک بند رہتی ہے، اس لئے اقتدار درست ہوگی۔

اگر صفوں کے درمیان ایسی سڑکین ہوں جن پر پیدل ہی چلا جاسکتا ہو گاڑی نہ چل سکتی ہو تو ایسی سڑک کے ہوتے ہوئے بھی اقتدار درست ہے۔(۱)

ٹی وی کے ذریعہ امام حرمین کی اقتدار

ٹی وی پر بیت اللہ شریف کی نماز کو دکھلایا جاتا ہے، کیا اسکی

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۸۶

مدد سے گھر پر رہتے ہوئے امامِ حرم کی اقتدار میں نماز درست ہے یا نہیں؟ ——— (محمد عبدالعزیز۔ ریاض)

ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ امام کی اقتدار درست نہیں، ایسی نماز صحیح نہ ہوگی۔

ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ امام کی اقتدار

ہمارے ہاں ایک نئی تحریک شروع ہوئی ہے جس کے بارے میں یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ لوگ ریڈیو اور ٹی وی پر حرمین شریفین کی اذان اور نماز کو سن کر اور دیکھ کر نمازیں پڑھتے ہیں، تراویح کی نماز بھی اسی طرح ادا کی جاتی ہے، عیدین اور روزوں میں بھی اسی معیار کو بنایا جاتا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے روزوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ کھولو (یعنی شوال کا چاند دیکھ کر اختتامِ رمضان اور دخولِ شوال کا اعلان کرو) اگر آسمان ابر آلود ہو جس کی وجہ سے چاند دکھائی نہ دے تو تیس کی گنتی پوری کرو (یعنی پورے تیس روزے رکھو) روزہ کا وقت صبحِ صادق سے غروبِ شمس تک رکھا گیا ہے، اسی طرح نمازوں کے اوقات ہیں، اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مختلف ممالک کے درمیان کم زیادہ اور کچھ نہ کچھ وقت کا فرق ہوتا ہے کہیں تو بارہ گھنٹوں کا فرق ہے، سحر و افطار اور نمازوں میں ان اوقات کو یکجا کیسے کیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا ہر ملک میں اپنے وقت کے لحاظ سے نماز روزہ وغیرہ عبادات ادا کی جائیں گی، اور پھر ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ اقتدار کرنا بھی

صحیح نہیں ہے۔

مقتدی کیا کرے؟

میں آخری قعدہ میں بہ مشکل درود ہی پڑھ رہا ہوتا ہوں کہ امام صاحب سلام پھیر دیتے ہیں، کیا امام کی اتباع کرکے میں بھی فوراً سلام پھیر دوں؟ ——— (محمد فہیم الدین۔ الاحسار)

اس مسئلہ میں ذرا تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر مقتدی درود یا درود کے بعد والی دعا بھی پڑھا نہ ہو کہ امام سلام پھیر دے تو اس صورت میں امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے گا، لیکن اگر تشہد یعنی التحیات مکمل بھی نہ پڑھ سکا ہو اور امام اس درمیان سلام پھیر دے تو ایسی صورت میں امام کی اقتدار واجب نہیں، وہ پہلے تشہد مکمل کرے پھر سلام پھیرے، تاہم اگر تشہد مکمل کرنے سے پہلے ہی سلام پھیر دے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (۱)

مسبوق کس طرح نماز ادا کرے؟

اگر کوئی شخص امام کے ساتھ چار رکعت فرض نماز ادا کر رہا ہو اور اس کی پہلی دو رکعات چھوٹ جائیں، یعنی وہ تیسری رکعت میں امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا ہو تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی نماز کس طرح ادا کرے گا؟۔

(ف اکرام خاں۔ ریاض)

---

(۱) دیکھئے الفتاوی الہندیہ ۱/۸۶

ایسا شخص پہلی دو رکعتیں جس طرح پڑھی جاتی ہیں اسی طرح اس کو پڑھے گا، یعنی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ضمِ سورہ پڑھنے کے بعد رکوع وسجود کرے، اور دوسری رکعت کے لئے اٹھ جائے (قعدہ نہ کرے) پھر اس دوسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ اور ضمِّ سورہ پڑھے، رکوع وسجود کے بعد قعدۂ اخیرہ میں تشہد و درود پڑھ کر سلام پھیر دے۔ (۱)

امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے والا

اگر امام رکوع میں ہو اور کوئی شخص اسی حالت میں جماعت میں شامل ہو جائے تو کیا اسے وہ رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھنی ہوگی یا یہ سمجھا جائے کہ اس نے وہ رکعت پالی؟

(محمد عبد المناف۔ ریاض)

حدیث میں صراحت ہے کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا گویا اس نے وہ رکعت پالی۔ (۲) لہٰذا ایسے شخص کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ امام کو رکوع کی حالت میں پانا ضروری ہے، چاہے ایک لمحہ کے لئے ہی ہو، بعض لوگ جلدی سے رکعت باندھ کر اس وقت رکوع کر لیتے ہیں جب کہ امام رکوع سے سر اٹھا چکا ہوتا ہے یا اٹھا رہا ہوتا ہے یہ عمل درست نہیں، اس طرح وہ شخص رکعت پانے والا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اسے بعد میں (جب امام سلام پھیر دے) اس رکعت کا اعادہ کرنا ہوگا۔ (۳)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۲۱۰

(۲) سنن النسائی: ۱/۹۵ من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ

(۳) حوالہ سابق، المغنی ۲/۳۵

دوسری بات جو اگرچہ آپ کے سوال میں مذکور نہیں لیکن اس کی طرف تنبیہ ہم نے مناسب اور ضروری سمجھی، وہ یہ کہ آپ اپنا نام بدل دیں تو زیادہ بہتر رہے گا، لفظِ عبد کی اضافت اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی طرف کر کے نام کا رکھا جانا بہتر و پسندیدہ ہے، جیسے عبداللہ، عبدالرحمان، عبدالخالق، عبدالرزاق وغیرہ لیکن اللہ کے ناموں کے علاوہ کسی اور لفظ یا کسی اور نام کی طرف عبد لگا کر نام رکھنا مناسب نہیں، زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے نام پر نام رکھنے کا رواج تھا جیسے عبداللات، عبدالعزّیٰ وغیرہ، اسی طرح عبد مناف اگرچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ایک جدِّ امجد کا نام ہے، لیکن مناف درحقیقت ایک بت کا نام تھا، اسی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کا نام عبد مناف رکھا گیا۔ ان کے والد قصی سے منقول ہے کہ "میں نے اپنے دو بیٹوں کا نام بتوں (دیویوں) کے نام پر رکھا یعنی عبد مناف اور عبدالعزّیٰ" ایک وجہ تسمیہ یہ بھی منقول ہے کہ ان کی والدہ نے انہیں اس بت کی خدمت کے لئے دے دیا تھا، نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے والد نے اس بت کی خدمت کی اس بناء پر ان کے بیٹے عبد مناف سے موسوم ہوئے۔ (ملاحظہ ہو شفاء الغرام باخبار الحرام جلد ۲، صفحہ ۱۱۷) مناف کے معنی باعتبارِ لغت بلندی کے ہیں، اس طرح عبد مناف کے معنیٰ "بلندی کا غلام" ہے، پھر مناف چونکہ زمانۂ جاہلیت میں بت کا نام تھا اس لئے عبد مناف یا عبدالمناف نام رکھنے میں اور زیادہ قباحت ہے۔

نماز کے دوران امام کی تبدیلی

ہمارے ایک دوست مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے

توایک مرتبہ یہ عجیب اتفاقی واقعہ پیش آیا کہ امام صاحب نماز پڑھاتے ہوئے درمیان میں کسی عذر کی بنار پر پیچھے ہٹ گئے اور صف سے ایک دوسرے صاحب نے آگے بڑھ کر امام کی جگہ لے لی اور نماز مکمل کی، کیا اس طرح سب لوگوں کی نماز درست ہو گئی؟ ——— (حسیب اعظمی)

جی ہاں! اس طرح سب لوگوں کی نماز درست ہو جائے گی، کسی عذر کی بنار پر امام پیچھے ہٹ جائے تو مقتدیوں میں سے کسی کو آگے بڑھ کر نماز مکمل کرنی چاہیئے اور سب لوگوں کی امامت کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ (۱)

یہ بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمارے کچھ دوست ایسے ہیں جو یہاں حرمین شریفین اور دوسرے شہروں میں مقامی ائمہ کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے، کہتے ہیں کہ یہ لوگ نماز غلط وقت میں پڑھتے ہیں اور یہ کہ یہ لوگ وہابی اور گستاخِ رسول ہیں، ہم انہیں کیسے سمجھائیں؟۔

(شاہین اختر وحید۔ جدہ)

اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کو اندھیرے میں نہیں رکھا، ہر ایک کے لئے ہدایت و گمراہی دونوں کو بیان فرما دیا، یہ لوگوں کی اپنی بدبختی ہوتی ہے کہ وہ ہدایت کے بجائے گمراہی کو قبول کر لیتے ہیں، قرآن نے سب سے زیادہ خسارے اور نقصان والا ان لوگوں کو بتایا ہے جو گناہوں کو نیکیاں سمجھ کر زندگی بھر انجام

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۲۵۰، بدائع ۱/۲۲۰، قاضی خاں ۱/۱۱۵

دیتے رہیں جیسا کہ سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۰۴ میں ارشاد ہے ۔

آپ نے جن لوگوں کا حوالہ دیا ہے، یہ ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرنے والے لوگ ہیں کاش کہ یہ لوگ عقل و انصاف سے کام لیں اور سمجھیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ جہاں تک عصر یا دوسری نمازوں میں وقت کا اختلاف ہے تو یہ فقہی اختلاف ہے، حنابلہ اور احناف کے درمیان اوقاتِ نماز میں تھوڑا سا اختلاف ہے لیکن دونوں اوقات صحیح احادیث سے ثابت ہیں، صرف اپنے مسلک اور اپنی بات کو صحیح قرار دے کر دوسروں کی رائے کو غلط کہنا کہاں کا انصاف ہے؟۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو یہ بھی ہم سب جانتے ہیں کہ یہ محض ایک الزام اور جھوٹا بہتان ہے، یہاں کے مقامی مسلمان درود و سلام کثرت سے پڑھتے ہیں، کیا آپ نے خود محسوس نہیں کیا کہ ہر مقامی عرب مسلمان سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر علیہ الصلاۃ والسلام یا صلی اللہ علیہ وسلم ضرور پڑھتا ہے، صرف غلط فہمی یا کج فہمی اور ہٹ دھرمی کی بنا پر مسجد میں جماعت سے نماز نہ پڑھنا اور حرمین شریفین میں بھی جماعت ترک کر دینا یقیناً بہت بڑا گناہ اور ایک بہت بڑی سعادت سے محرومی ہے، اسے بدبختی اور بدنصیبی نہیں تو اور کیا کہیں؟ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے، اور ہر قسم کے گمراہی سے محفوظ رکھے ۔

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا

میری عمر اس وقت پچاس سال سے زیادہ ہے اور بچپن سے آج تک الحمدللہ نمازوں کی پابندی کرتی رہی ہوں، اب ایک

صاحب کا کہنا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی (یعنی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے) جب سے یہ سنا ہے، دن رات پریشانی میں گذرتے ہیں کہ سابقہ نمازوں کا کیا ہوگا؟

ظلم کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو غلط جگہ رکھ دینا، ہمارے ہاں بہت سارے لوگ ظلم کی اس قسم پر بلا سوچے سمجھے اور بلا دریغ عمل کرتے ہیں اور اپنے سادہ لوح بھائیوں اور بہنوں کے ذہنوں کو پریشان کرتے ہیں، سورۂ فاتحہ واجباتِ نماز میں سے ہے، لیکن امام کے پیچھے مقتدی کے بارے میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرارت کہلاتی ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کسی کا امام ہو تو امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے" (ابن ماجہ عن جابر، باب اذا قرأ الامام فانصتوا)

امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ (۱)

مسبوق کس طرح نماز ادا کرے؟

اگر مقتدی امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو، یا تیسری رکعت میں شامل ہو تو اپنی باقی ماندہ رکعات کیسے ادا کرے؟ نیز مغرب کی نماز میں اگر صرف ایک رکعت ملے تو باقی دو رکعت کیسے ادا کرے؟

(عبدالرحیم محمد بامعروف، جدہ)

---

(۱) المغنی ۱/۲۳۲-۲۳۱، فتح القدیر ۱/۲۹۴

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ ہر نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا فرضِ عین ہے، جیسا کہ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اسی طرح یہ بات بھی قرآن پاک سے ثابت ہے کہ نماز کو (مسجد میں) جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۴۳ میں ارشاد ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں (بلا عذرِ شرعی) سستی و کاہلی کرنا منافقت ہے، اور یہ ایک سنگین جرم ہے جیسا کہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اگر کسی وجہ سے کبھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور مسجد پہونچنے میں تاخیر ہو جائے اور ایک یا دو رکعت چھوٹ جائیں تو انہیں امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کیا جاتا ہے، اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کو امام کے ساتھ پوری رکعت ملی ہو اسے "مُدرِک" کہتے ہیں، اگر کسی شخص سے جماعت کی ایک رکعت یا کئی رکعتیں رہ گئی ہوں تو اسے "مسبوق" کہتے ہیں۔ اپنی چھوٹی ہوئی رکعات یوں پوری کی جائیں کہ یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور جو رکعات چھوٹ گئی ہیں ان کو اس طرح سے پورا کرے گویا کہ اس نے ابھی نماز شروع کی ہے، مثلاً ایک رکعت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پہلے ثناء پھر تعوّذ و تسمیہ، سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورۃ پڑھ کر یہ ایک رکعت پوری کی جائے، کسی بھی نماز کی ایک رکعت ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے ظہر، عصر، عشاء یا فجر میں، اگر دو رکعتیں رہ گئی ہیں تو پہلی رکعت میں ثناء، تعوّذ و تسمیہ کے بعد سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھ کر ایک رکعت ادا کر کے دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھ کر رکوع سجدہ کریں اور قعدہ میں بیٹھ کر پوری التحیات پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے۔ ظہر و عصر یا عشاء کی صرف ایک رکعت امام کے ساتھ ملی ہو اور تین رکعات چھوٹ گئی ہوں تو ان کو اس طرح سے پورا کیا جائے کہ پہلی رکعت میں فاتحہ و سورۃ پڑھ کر رکوع

سجدہ کرکے چھوٹے قعدہ میں بیٹھ کر کھڑا ہو یا جائے اور فاتحہ و سورت پڑھی جائے پھر تیسری رکعت میں صرف فاتحہ پڑھ کر رکوع سجدہ کرکے آخری قعدے میں بیٹھ کر نماز مکمل کی جائے، مغرب کی نماز میں اگر امام کے ساتھ آخری کی ایک رکعت ملی ہو تو اپنی باقی نماز اس طرح سے پوری کرے کہ ایک پہلی رکعت میں فاتحہ و سورت پڑھ کر چھوٹے قعدے میں بیٹھے پھر اٹھ کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں بھی فاتحہ اور سورت پڑھے اور پھر آخری قعدے میں بیٹھ کر سلام پھیر دے۔

فجر کی سُنّت کب پڑھیں؟

اگر کوئی شخص فجر کی سنت نہ پڑھ سکے اور فرض نماز کی جماعت میں شامل ہو جائے تو کیا سنتِ فجر کی قضاء ضروری ہے؟ نیز اس سنتِ نماز کو کب پڑھا جائے، فرض کے بعد فوراً یا سورج طلوع ہونے کے بعد؟ یہاں لوگ اکثر فرض کے بعد پڑھ لیتے ہیں؟ ـــــــ محمد عقیل خاں۔ الدادمی۔ خورشید احمد جدہ)

فجر کی نماز سے قبل دو رکعت سنت کی احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی تاکید منقول ہے چنانچہ ائمہ و فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر فرض سے قبل انہیں ادا نہ کرسکیں تو بعد میں اس کی قضاء کی جائے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ قضاء کب کریں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو فرض نماز کے بعد فوراً ہی قضا درست ہے (۱) جب کہ احناف کے ہاں یہ جائز نہیں بلکہ سورج طلوع ہونے کے بعد (یعنی اشراق کے وقت) سنتِ فجر

---

(۱) المغنی ۱/ ۴۳۱

کی قضا کرنی ہوگی، فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی میں علامہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ نمازِ فجر کے بعد ہی سنتوں کی قضا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبل نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ چاشت کے وقت (یعنی سورج کچھ بلند ہو جائے) اس کی قضاء کی جائے اور کہا کہ اگر فجر کے بعد ہی ان دو رکعتوں کو پڑھ لیں تب بھی کافی ہے[1] دراصل اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے نمازِ فجر کے بعد مطلقاً سورج نکلنے تک نماز کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، البتہ محدثین نے اس کی سند پر کلام بھی کیا ہے، نیز ترمذی کی ایک روایت جو فجر کے بعد سنتِ فجر کی قضا کے جواز کے سلسلے میں بطورِ دلیل کے پیش کی گئی ہے اسی روایت سے ممانعت بھی سمجھی جا سکتی ہے، چنانچہ صاحبِ المغنی نے بھی اس احتمال کی گنجائش ذکر کر کے لکھا ہے کہ "جب یہ معاملہ ہے تو اس کو (یعنی سنتِ فجر کو) چاشت کے وقت تک مؤخر کرنا ہی بہتر ہوگا" تاہم فقہ حنبلی کی رو سے فرض کے بعد سنت کی قضا اگرچہ پسندیدہ نہیں لیکن، جائز ہے، اسی لئے یہاں اس پر عمل ہے کہ جبکہ احناف کے نزدیک یہ جائز نہیں، سنتِ فجر کی قضاء سورج طلوع ہونے کے بعد ہی کرنا ہوگا۔

ظہر اور عصر میں سرّی قرأت

ظہر اور عصر کی نمازیں اگر تنہا پڑھی جائیں تو کیا آواز سے قرأت کرنا جائز ہے؟ —————— (ذاکر حسین۔ الحسار)

ظہر اور عصر کی نمازیں سرّی پڑھی جائیں گی چاہے جماعت کے ساتھ

---

(۱) المغنی ۱/۴۳۱

نماز ہو رہی ہو یا کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہو آواز سے قرارت کرنا جائز نہیں، جہری نمازیں ہوں تو منفرد کو اس میں اختیار ہے چاہے تو بلند آواز سے قرارت کرے یا آہستہ قرارت کرے، اس پر لازم نہیں ہے کہ بلند آواز ہی سے قرارت کرے ——— جہری نمازیں منفرد آہستہ قرارت کرے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا، سرّی نمازوں میں جہراً قرارت کرے گا تو سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔ (۱)

امام احمد بن حنبل کی بھی رائے یہی ہے، تاہم ان کے نزدیک جہری نمازوں میں جہری قرارت اور سری نمازوں میں سرّی قرارت کا لحاظ رکھنا مستحب ہے، اگر کوئی جہری نمازوں یعنی مغرب، عشاء، فجر میں سرّی قرارت کرلے یا سرّی نمازوں یعنی ظہر اور عصر میں جہری قرارت کرے تو اس کا یہ عمل خلافِ سنت تو ضرور ہوگا لیکن اس سے نماز کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑیگا نماز درست ہو جائے گی۔ (۲)

عصر بعد ذکر و اذکار

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عصر بعد قرآن پڑھنا صحیح نہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ ——— (زکی احمد۔ الخبر)

عصر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت، اور دوسرے اذکار وغیرہ کرنے جائز ہیں، ممانعت صرف نماز اور سجدۂ تلاوت کی ہے۔ (۳)

---

(۱) دیکھئے بدائع الصنائع ۲/۱۶۰۔۱۶۱

(۲) المغنی ۱/۳۳۲ (۳) ہدایہ مع الفتح ۱/۲۰۴

ظہر اور عصر میں سری قرأت کیوں؟

فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قرارت بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے لیکن نمازِ ظہر و عصر میں کیوں اونچی آواز سے قرارت نہیں کی جاتی ؟ ——— (اصغر علی سامی . بن لادن)

ظہر و عصر کی نمازوں میں آہستہ اور مغرب، عشاء و فجر کی نمازوں میں بلند طریقہ پر پڑھنے کا حکم نہایت مناسب اور حکمتِ الٰہی پر مبنی ہے، چونکہ مغرب اور عشاء و فجر میں لوگوں کو اکثر کاموں اور باتوں، حرکتوں، آوازوں سے خاموشی رہتی ہے، اور ان سے آرام و سکون ملتا ہے، ان اوقات میں افکار کا ہجوم بھی کم رہتا ہے، اس لئے ایسے وقت کی قرارت دلوں میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے، اس بات کی طرف، خود قرآن میں اشارہ ملتا ہے کہ ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا ہ یعنی رات کو اٹھنے سے نفس خوب پامال ہوتا ہے اور کچلا جاتا ہے تجربہ شاہد ہے کہ خوش الحان آدمیوں، پرندوں اور باجوں وغیرہ کی آواز دن کے بہ نسبت رات میں دلوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے، اور زیادہ اثرانداز ہوا کرتی ہے، اس لئے ان اوقات میں جہری قرارت کرنے کا حکم ہوا۔

اس کے بالمقابل دن کے وقت بازاروں اور گھروں میں شور و شغب رہتا ہے، ظہر اور عصر کے اوقات میں کاروبار اور دوسرے دنیوی مشاغل سے دل کو فراغت نہیں مل پاتی اور بات کی طرف توجہ جمتی نہیں ہے، زیادہ اثرانداز ہوتی نہیں ہے، اس لئے ان اوقات میں جہری قرارت کا حکم نہیں ہوا خود قرآن بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے ان لک فی النھار سبحا طویلا ہ یعنی دن میں تم کو دور دراز کا شغل رہتا ہے، اس وقت پوری توجہ

نہیں ہو پاتی، یہی باتیں ہیں جن کے تناظر میں شریعت نے ان کو سری اور رات میں جہری قرارت کا حکم دیا ہے۔ (۱)

عصر بعد کھانا پینا

پاکستان میں ہماری ایک پڑوسن کہہ رہی تھیں کہ عصر بعد مغرب کی اذان تک پانی نہیں پینا چاہیئے، میں نے پوچھا کہ کیوں تو جواب دیا کہ اس وقت زندہ انسان پانی پیتے ہیں تو اس سے مردوں کو تکلیف ہوتی ہے، کیا یہ خیال درست ہے؟۔

عصر کی نماز کے بعد کھانا پینا جائز ہے، یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ عصر کے بعد کچھ کھانا پینا جائز نہیں ہے، یہ اغلاط العوام میں سے ہے اور اسکی دینی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔

نمازِ مغرب میں چار مرتبہ تشہد

اگر کوئی شخص نمازِ مغرب میں اس وقت شریک ہو جب کہ امام دوسری رکعت کا سجدہ کر رہا ہو، ظاہر ہے امام اس کے بعد پہلے قعدہ میں بیٹھے گا اور تشہد پڑھے گا، پھر تیسری رکعت ادا کرنے کے بعد قعدۂ اخیرہ میں بھی امام تشہد، درود اور دعاءِ ماثورہ پڑھے گا تو کیا اس تاخیر سے آنے والے شخص کو بھی ان دونوں رکعتوں میں امام کے ساتھ تشہد وغیرہ پڑھنا ہوگا؟ اور

---

(۱) المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ ۱/۹۱

پھر یہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی دوسری اور تیسری رکعت میں بھی تشہد پڑھے گا؟ اس صورت میں یہ تاخیر سے آنے والا شخص چار مرتبہ تشہد پڑھتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟۔

(عبید اللہ انور۔ ریاض)

قعدۂ اولیٰ و اخیرہ میں مسبوق یعنی تاخیر سے آنے والا مقتدی بھی امام کے ساتھ تشہد پڑھے گا، اسی طرح امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب وہ اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پوری کرے گا تو بھی قعدہ اولیٰ میں تشہد اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے ساتھ درود شریف اور دعاء ماثورہ پڑھنا ہوگا، البتہ امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد مسبوق کو کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں، مذکورہ بالا صورت میں مسبوق کی طرف سے چار مرتبہ تشہد پڑھا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ھندیہ ۹۱/۱)

نمازِ عشاء کا مستحب وقت

نمازوں کے بارے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا وہی وقت ہے جو مقرر ہے، لیکن ہمارے ایک دوست یہ فرماتے ہیں کہ نمازِ عشاء جتنی دیر سے پڑھی جائے اتنا ہی بہتر و افضل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عموماً میری نمازِ فجر قضا ہو جاتی ہے، طبیعت میں اتنی سستی و کاہلی رہتی ہے کہ اٹھ کر پانی میں ہاتھ ڈالنے کو جی نہیں چاہتا، کیا اس بارے میں کوئی وظیفہ ہے؟۔

(محمد محی الدین حسن۔ مدینہ منورہ)

احناف کے یہاں عشاء کی نماز کا وقت مغرب کے بعد شفق کی سرخی

کے ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور یہ صبح صادق تک رہتا ہے، افضل و بہتر وقت تہائی رات کا وقت ہے"(۱) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کی نماز شفق (کی سرخی) ڈوبنے سے لے کر پہلی تہائی رات گذرنے تک پڑھا کرتے تھے

(صحیح بخاری)

صحیح بخاری میں امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے جس کے مطابق عشاء کا مستحب وقت آدھی رات تک ہے (۲)، امام احمد کی رائے یہی ہے(۳) ابوبرزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں دیر کرنا پسند فرماتے تھے، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز بہت دیر سے پڑھائی (آدھی رات کے وقت)، اور فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت وتکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ اسی وقت نمازِ عشاء پڑھا کریں(۴)

رہا آپ کا دوسرا سوال کہ فجر کی نماز کے وقت اٹھنے کے لئے کوئی دعا یا وظیفہ بتایا جائے تو میرے بھائی! سب سے اچھا وظیفہ آپ کی قوتِ ارادی ہے، کیا اپنے مولیٰ ومالک کو خوش کرنے کے لئے آپ کے پاس اتنی بھی قوت نہیں ہے کہ آپ فجر کے وقت اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھیں۔

نمازِ عشاء میں دو یا تین رکعت پر سلام

---

(۱) فتح القدیر ۱/۲۰۰

(۲) بخاری عن انس ۱/۸۱ باب وقت العشاء الی نصف اللیل (۳) المغنی: ۱/۲۳۱

(۴) بخاری عن انس ۱/۸۱ باب النوم قبل العشاء۔

میں عشاء کی نماز چار رکعت فرض پڑھ رہا تھا، غلطی سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر دوبارہ چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کیا اور تین رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا، پھر چار رکعت کی نیت سے تیسری بار نماز شروع کیا اور مکمل نماز ادا کی، اگر کبھی ایسا اتفاق ہو جائے کہ چار رکعت والی نماز میں دو یا تین رکعت کے بعد کوئی سلام پھیر دے تو اس کو باقی نماز کس طرح ادا کرنی چاہیئے، کیا دوبارہ چار رکعات کی نیت سے چار رکعت نماز پڑھے یا دو رکعت ادا کرے؟ اس بارے میں حکمِ شرعی سے آگاہ فرمائیں۔ ——— (میاں جان۔ ریاض)

اگر کوئی شخص چار رکعت والی نماز میں بھول کر دو یا تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر یاد آئے کہ اس نے مکمل چار رکعت ادا نہیں کی ہے، تو اسے چاہیئے کہ یاد آتے ہی کھڑا ہو کر بقیہ نماز پوری کر لے اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لے (الگ سے ایک رکعات کی نیت سے نماز شروع کرنے کی ضرورت نہیں)، بشرطیکہ کوئی مفسدِ نماز عمل نہ پایا گیا ہو، مثلاً دو یا تین رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد اس نے کسی سے بات چیت کی یا وہاں سے اٹھ کر دوسری طرف چلا گیا اور اس کا سینہ قبلہ سے پھر گیا یا اس شخص کا وضو ہی ٹوٹ گیا وغیرہ، ایسی صورتوں میں نماز کا اعادہ یعنی دوبارہ مکمل چار رکعات نماز ادا کرنا ضروری ہے، پہلی نماز اس کے حق میں نفل ہو جائے گی۔ (۱)

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۳۰

بیت المقدس کو قبلہ اوّل بنانے کی حکمت

بیت المقدس کو قبلۂ اول کیوں کہا جاتا ہے جب کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر اس سے قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی مرضی سے اس کی عبادت کے لئے کی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا مسجد حرام میں (ہجرت سے قبل) بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ اس میں کیا حکمتِ الٰہی ہے کہ خود عبادت کے لئے گھر تعمیر کرنے کا حکم ہو اور پھر رخ بیت المقدس کی طرف کیا جائے؟ —— (عارف حسین و محمد علی نیازی. جدہ)

نماز کے لئے قبلہ کی وحدت ایک اہم چیز ہے، اور وہ یہ چیز ہے جس سے دنیا کے سارے مسلمان کی وحدت و اجتماعیت کا آسان ذریعہ ہے، نماز کے لئے قبلہ کون ہو؟ کون سی سمت متعین کی جائے؟ اگر عام اجازت دے دی جاتی کہ جس کا جدھر جی چاہتا ہو رخ کر کے نماز پڑھے، تو اس سے مسلمانوں کے درمیان مطلوب اجتماعیت اور وحدت باقی نہ رہتی، کوئی پچھم رُخ کھڑا ہوتا تو کوئی اتر رُخ، کوئی دکھن رخ کھڑا ہوتا تو کوئی پورب رُخ —— اسلئے ضروری تھا کہ یہ رُخ اللہ ہی کی طرف سے متعین ہو، حضرت آدم علیہ السّلام کو دنیا میں اتارا گیا تو فرشتوں کے ذریعہ بیت اللہ کی بنیاد پہلے ہی رکھ دی گئی تھی، اس لئے حضرت آدم علیہ السّلام اور ان کی اولاد کا سب سے پہلا قبلہ یہی بیت اللہ اور خانہ کعبہ بنا دیا گیا۔ نوح علیہ السّلام تک تمام انبیار کا یہی قبلہ رہا، جب طوفانِ نوح آیا تو اس میں بیت اللہ کی عمارت بھی منہدم ہو گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ کے حکم سے دوبارہ بیت اللہ کو تعمیر کیا

تو یہی ان کا اور ان کی امت کا قبلہ رہا، اس کے بعد بنی اسرائیل کے نبیوں کے لئے بیت المقدس قبلہ قرار دیا گیا، اور ابو العالیہ کے بقول انبیاء سابقین جو بیت المقدس میں نماز پڑھا کرتے تھے تو وہ بھی ایسا عمل کرتے تھے کہ صخرہ بیت بھی سامنے رہے اور بیت اللہ بھی (۱)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نماز فرض کی گئی تو بعض علماء کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ کا قبلہ بیت اللہ ہی رہا، مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد جب آپ مدینہ میں قیام پذیر ہوئے تو یہودیوں کی تالیفِ قلب کی خاطر نیز اس امید میں کہ یہ عمل یہودیوں کو اسلام سے قریب ہونے میں مددگار ثابت ہوگا، آپ کو حکم ہوا کہ آپ بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنائیے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ نے سولہ سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز ادا فرمائی، آپ حکمِ خداوندی کے مطابق نماز بیت المقدس کی طرف ادا فرماتے رہے لیکن آپ کی طبعی خواہش اور رغبت تھی کہ کعبۃ اللہ کو قبلہ قرار دیا جائے، اور اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھی جائے (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۴) چنانچہ جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان نماز ادا فرماتے، اس طرح بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ ہو جاتا لیکن جب آپ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو وہاں یہ صورت ممکن نہ تھی کہ وہاں سے ایک طرف کعبۃ اللہ ہے تو بالکل دوسری سمت بیت المقدس، لیکن چونکہ ابھی کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم نازل نہ ہوا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بیت المقدس کی طرف رخ کرکے

---

(۱) قرطبی: ۱۰۲/۲ ط: دار الکتب العلمیہ بیروت

نماز پڑھتے، ہجرت کے تقریباً سولہ سترہ ماہ بعد تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ (کعبہ مشرفہ) قرار دے دیا گیا، چوں کہ ابتدا میں بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم برقرار تھا اور کافی عرصہ تک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی ہیں اس لئے بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلۂ اول کہا جاتا ہے۔

جہاں تک حکمت و مصلحت کا تعلق ہے تو اگر ایک ہی جہت یا مکان کو ہمیشہ قبلہ قرار دیا جاتا تو ایک عرصہ گزرنے کے بعد لوگ اس جہت یا مکان کے بارے میں غلط عقائد کا شکار ہو سکتے تھے، اس لئے کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا، گویا یہ حقیقت ذہن نشین کرائی تھی کہ فی نفسہٖ کسی جہت میں کوئی خوبی نہیں، مومن فقط حکمِ الٰہی کا پابند ہے، اسے جس طرف رخ کرنے کا حکم ہو اسی طرف رخ کرنا اس کے لئے عبادت ہوگا، اس کے علاوہ اور بھی بے شمار حکمتیں ہیں جسے علماء نے بیان کیا ہے (اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۴ کی تفسیر اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ ملاحظہ کی جا سکتی ہے)۔

تقاضۂ حاجت کے وقت نماز

وضو کرنے کے بعد یا نماز باجماعت ادا کرنے کے درمیان اگر ہوا خارج ہونے کا اندیشہ ہو اور ہوا خارج ہونے سے روک لیا جائے تو کیا وضو اور نماز پر کوئی اثر پڑے گا؟

(الطاف حسین ہاشمی۔ مکہ مکرمہ)

اگر ہوا خارج نہ ہو تو اس شخص کا وضو برقرار رہے گا اور نماز ہو جائے گی، لیکن ایسے موقع پر جب کہ ہوا خارج ہونے کا یا بول و براز کا شدید تقاضہ ہو تو اسے روک کر نماز پڑھنے سے نمازی کا خشوع و خضوع متاثر ہوتا ہے اس لئے ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، چنانچہ بہتر بات یہی ہے کہ پہلے طبعی تقاضے کو پورا کیا جائے پھر دوبارہ وضو کر کے خشوع و خضوع سے نماز پڑھی جائے، چاہے یہ حالتِ نماز سے پہلے پیش آئے یا نماز کے دوران یعنی نماز کے دوران بھی بول و براز وغیرہ کا تقاضہ ایسا شدید ہو جائے کہ نمازی کی توجہ نماز میں نہ رہے، تو ایسی صورت میں نماز کا توڑ دینا ہی بہتر ہے۔[1]

نماز میں صف بندی

نماز میں کس طرح کھڑا ہونا چاہیئے، سنت طریقہ کیا ہے؟

(لیاقت۔ ریاض)

بہتر اور مسنون طریقہ یہی ہے کہ صفیں بناتے ہوئے کندھا سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا رہے تاکہ شیطان کو صفوں میں داخل ہونے کا موقع نہ ملے، ویسے اس سلسلہ میں مسلک کی تفصیل یہ ہے:

حنفیہ کے یہاں مستحب یہ ہے کہ قیام کی حالت میں دونوں قدم کے درمیان چار انگلیوں کے بقدر فصل رہے، اس لئے کہ یہ صورت خشوع و خضوع پیدا کرنے میں زیادہ مُعین ہے۔

شوافع کے یہاں مستحب یہ ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان ایک

---

(۱) قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۱/۱۱۹، ہندیہ ۱/۱۰۷

بالشت کے بقدر فصل رہے ——— مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں قدموں کو اس طرح کشادہ رکھے کہ نہ بالکل ملے ہوئے ہوں اور نہ ہی زیادہ دور دور رہوں (۱)

صف چھوڑ کر دوسری صف بنانا

حرم شریف میں عموماً اگلی صفوں میں جگہ خالی ہوتی ہے، اور پیچھے والے لوگ صفیں بنا کر نماز پڑھتے ہیں، کیا اسطرح نماز ہو جاتی ہے؟

جی ہاں! کراہت کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی، اور اگر کوئی تنہا کھڑا ہو جائے تو بھی اس کی نماز درست ہو گی، لیکن امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کی نماز درست نہ ہو گی، اور اس نماز کا اعادہ لازم ہو گا۔(۲)

حرمین کی تصویروں والے مصلّے پر نماز

بکر کے والد ایک مسجد میں منصبِ امامت پر فائز ہیں، بکر نے اکثر انہیں اس مصلّے پر پاؤں رکھتے دیکھا جس پر مسجدِ نبوی اور گنبدِ خضرا کے نقش ہیں، نیز بعض مصلّوں پر خانہ کعبہ کے نقش ہوتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً لوگ اس پر پاؤں رکھ دیا کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا گناہ نہیں ہے؟ نیز اس قسم کے مصلوں پر نماز پڑھنا کیسا ہے جب کہ احتیاط مشکل ہو؟ (محمد یاسین۔ ریاض)

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۱/۹۹۵

(۲) المغنی ۲/۲۲

ہر مسجد کا احترام بالخصوص مسجدِ نبوی اور بیت اللہ شریف کا احترام نہایت ہی ضروری ہے، ان کی بے حرمتی کسی صورت میں جائز نہیں، اس طرح ان کی تصاویر کا بھی احترام کیا جانا چاہیے، یہ اگرچہ اصل نہیں لیکن چونکہ انہی کے نقوش ہیں، اور ان تصاویر سے ذہن اصل کی طرف منتقل ہوتا ہے، اس لئے ان کی بے حرمتی جائز نہیں، جیسے چھپے ہوئے قرآن مجید، یہ کلام اللہ کے نقوش ہی تو ہیں، کیونکہ کلام وہ ہوتا ہے جو تلفظ کے وقت زبان سے ادا ہوتا ہے، اللہ کا کلام جب کسی کاغذ پر نقش کر دیا جائے (لکھ دیا جائے) تو اس کا احترام جس طرح ضروری ہے اسی طرح مسجدِ نبوی اور کعبۃ اللہ وغیرہ کے نقوش اور تصاویر کا احترام بھی کیا جانا چاہیے، اگر کوئی شخص ایسی جانمازوں پر جن پر ایسی مقدس تصویریں ہوں، عمداً وقصداً بے ادبی کی نیت سے پیر رکھتا ہے تو وہ یقیناً گنہگار ہوگا، لیکن اگر سہواً بغیر ارادہ کے اور بے حرمتی کی نیت کے بغیر پیر پڑ جائے تو انشاء اللہ اس سے عند اللہ کوئی مواخذہ نہ ہوگا، لیکن احتیاط کرنی چاہیے اور جہاں احتیاط مشکل ہو وہاں ایسی جانمازوں کو استعمال نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (۱)

سترہ کس طرح رکھا جائے؟

نمازی اپنے سامنے سترہ کس طرح اور کیسے رکھے، جس کی وجہ سے سامنے سے گذرنے والے گذر سکیں؟

(عبدالخالق قریشی۔ ریاض)

---

(۱) مصلی او بساط فیہ اسماء اللہ یکرہ بسطہ واستعمالہ فی شئی (الفتاوی الہندیہ ۱/۱۰۹)

آبادی سے باہر میدان میں یا عام گذرگاہ پر نماز ادا کی جائے، تو نماز پڑھنے والے کو سامنے سترہ کھڑا کر لینا چاہئے تاکہ سامنے والے کے گذرنے سے اس کی نماز میں فرق نہ آنے پائے، سترہ لگانے کے سلسلہ میں فقہاء کی مختلف رائیں ہیں، احناف اور مالکیہ کا خیال ہے کہ سامنے سے کسی آدمی کے گذرنے کا اندیشہ ہو تو امام اور منفرد کے لئے سترہ رکھنا مستحب ہے، اور اندیشہ نہ ہو تو سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (۱)

شوافع اور حنابلہ کی رائے یہ ہے سترہ کا استعمال بہر صورت مستحب ہے، چاہے میدان میں نماز پڑھ رہا ہو یا آبادی میں، مسجد میں پڑھ رہا ہو یا گھر میں، گھر یا مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو بہتر یہ ہے کہ دیوار کو آڑ بنالے یا گھر کے ستون کو آڑ بنالے، دیوار، ستون یا لکڑی نہ ملے تو کسی آدمی کو یا کسی اور جانور کو سترہ بنالے اور کچھ نہ ملے تو ہلالی شکل میں لکیر کھینچ دے۔ (۲)

احناف کے نزدیک لمبائی میں سترہ ایک ذراع یعنی ۴۶،۲ سنٹی میٹر (دو بالشت)، اور موٹائی میں انگلی کی موٹائی کے بقدر ہونی چاہیئے، سترہ کو زمین میں گاڑنا چاہیئے، صرف رکھ دینا کافی نہیں (۳)، حنابلہ کے یہاں بھی لمبائی میں سترہ ایک ذراع کے بقدر ہونی چاہیئے، لیکن موٹائی اور باریکی کی ان حضرات کے یہاں کوئی حد متعین نہیں ہے تیر کی طرح پتلا بھی ہو سکتا ہے اور دیوار کی طرح موٹا بھی۔

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۷۵۳

(۲) المغنی ۲/۳۸

(۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۷۵۴

جوتوں کے ساتھ نماز کی ادائیگی

جوتوں سمیت نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(راجہ احسان اللہ شاکر۔ ضبار)

اگر جوتے پاک صاف ہیں، تو ان میں نماز پڑھی جا سکتی ہے، البتہ جہاں جوتے پہن کر عبادت خلافِ ادب تصور کی جاتی ہو وہاں اس سے احتراز بہتر ہے۔

نماز میں اللہ کا تصور

ایک نمازی جو کہیں بھی نماز پڑھ رہا ہو، دورانِ نماز یہ تصور کرے کہ وہ حرم میں کعبۃ اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہا ہے تو کیا یہ مناسب ہے؟ ——— (انجمن آرا۔ ریاض)

نماز پڑھتے ہوئے نمازی کو یہ تصور کرنا چاہیئے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہوں، اور اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ تصور جتنا مضبوط ہو گا اتنا ہی نماز میں خشوع و خضوع پیدا ہو گا، یہ حقیقت بھی ہے اور اس کا حکم بھی دیا گیا ہے، حدیث میں ہے، جبریل امین کے سوال پر کہ احسان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اسطرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو نہ دیکھو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔[1] اس کے برخلاف حرم میں کعبۃ اللہ کے سامنے نماز پڑھنے کا تصور کرنا خلافِ واقعہ

---

(۲) مسلم عن ابی ھریرۃ ۱/۲۹ کتاب الایمان۔

بھی ہے اور بے سود بھی، لہٰذا یہ صحیح نہیں۔

نمازی کے سامنے سے گذرنا

کیا نمازی کے سامنے سے گذرنا کبیرہ گناہ ہے، کچھ لوگ دیوار سے تکیہ لگا کر نماز پڑھتے ہیں، کیا یہ عمل جائز ہے؟

(محمد عباس۔ الجمعہ)

نمازی کے سامنے سے گذرنا کبیرہ گناہ ہے، اور احادیث میں اس کی شدید ممانعت ہے، ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو شیطان قرار دیا ہے (۱) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تم اپنے سامنے سے کسی کو بھی گذرنے نہ دو (۲)، ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اگر جان لیتا کہ اس کی سزا کیا ہے یا وہ کتنا بڑا گناہ ہے تو وہ نمازی کے سامنے سے گزرنے کے بجائے چالیس (دن ماہ یا سال) ٹھہرے رہنے کو بہتر سمجھتا (۳) حدیث کے ایک راوی ابوالنضر کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن فرمایا یا چالیس ماہ یا چالیس سال (۴) ——— عذر کی صورت میں دیوار یا لاٹھی کا سہارا لے کر نماز پڑھنا جائز ہے، عذر بیماری، کمزوری اور بڑھاپا ہے، بلا عذر جائز نہیں (۵)۔

---

(۱) ابن ماجہ عن ابی سعید باب ادرأ ما استطعت

(۲) ابن ماجہ عن ابن عمر باب ادرأ ما استطعت

(۳) ابن ماجہ باب المرور بین یدی المصلی

(۴) ابوداؤد باب ماینھی عنہ من المرور بین یدی المصلی

(۵) کبیری۔ ص: ۲۵۹

نمازی کے آگے سے گذرنا جائز نہیں

کیا نماز پڑھنے والے شخص کے آگے سے گذرنا گناہ ہے؟ نیز اگر کوئی شخص آگے سے گزر رہا ہو تو کیا ہم دورانِ نماز اس کو ہاتھ سے روک سکتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

(ظاہر شاہ۔ مکہ مکرمہ)

نمازی کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے، متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے بجائے چالیس .... تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے اور اس کو ترجیح دے، اس حدیث کے ایک راوی ابو نضر کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ چالیس دن کہا گیا یا چالیس مہینے یا چالیس سال (۱)، سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ابن ماجہ کی ایک حدیث میں سو سال کا ذکر ہے (۲)! موطا امام مالک میں کعب احبار کا یہ قول مروی ہے " اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس کے اس جرم کی سزا کیا ہے تو اس کو زمین میں دھنسایا جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے زیادہ بہتر معلوم ہو " (۳)

بہر حال اس میں شک نہیں کہ نمازی کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس جرم کی سزا بہت سنگین ہے، لہٰذا اس سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے

---

(۱) ابوداؤد باب ماینھی عنه من المرور بین یدی المصلی۔

(۲) ابن ماجہ عن ابی ہریرہ باب المرور بین یدی المصلی (۳) مؤطا امام مالک باب التشدید فی ان یمر بین یدی المصلی

نمازی کو بھی چاہیے کہ اگر وہ کھلی جگہ نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے آگے لکڑی وغیرہ کی کوئی چیز "سترہ" (آڑ) کے طور پر رکھ لے، ایسی صورت میں سترہ سے آگے اگر کوئی شخص گزرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، سترہ نہ ہونے کی صورت میں اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرے تو نماز پڑھنے والا شخص اس گزرنے والے کو روک سکتا ہے، بلکہ متفق علیہ حدیث میں پوری طاقت وقوت کے ساتھ اس کو روکنے کا حکم موجود ہے، اور ایسے شخص (گزرنے والے) کو شیطان بھی کہا گیا ہے (۱)۔

البتہ حدیث میں مذکور وعید کو امام احمد بن حنبل نمازی کے سجدہ کی جگہ تک محمول کرتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک نمازی کے سجدہ کرنے کی جگہ کے آگے سے اگر کوئی شخص گزر جائے تو یہ جائز ہے، اس سے پہلے سے گزرنا جائز نہیں، جب کہ احناف کے نزدیک مسجد اگر چھوٹی ہو تو نمازی کے آگے سے گزرنے کی کوئی گنجائش نہیں (۱)، بڑی مسجد وہ ہے جس کی لمبائی چوڑائی چالیس ہاتھ ہو اور جس کی لمبائی چوڑائی اس سے کم ہو وہ چھوٹی مسجد ہے، ہاں اگر مسجد بڑی ہے، یا نمازی کھلی فضا، میدان وغیرہ میں نماز پڑھ رہا ہو تو دو تین صف تک کی جگہ چھوڑ کر اس کے آگے سے گزرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح حرم میں طواف کرنے والا شخص نمازی کے آگے سے گزر سکتا ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔

نمازی کے آگے سے گزرنے کا حکم کیا ہے؟

نمازی کے آگے سے گزرنا سخت ترین گناہ ہے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم

---

(۱) ابن ماجہ عن ابی سعید باب ادرأ ما استطعت (۲) الفتاوی الہندیہ ۱/۱۰۴

ہو جائے کہ اس میں کتنا گناہ ہے (یا اس پر کتنی سزا ہے) تو وہ نمازی کے آگے سے گزرنے کے مقابلے چالیس (دن یا چالیس ماہ یا چالیس سال) تک بھی ٹھہرنا پڑے تو ٹھہرا رہے (ابوداود) حدیث کے ایک راوی کو شک ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کہا یا ماہ یا سال (۱) بہرحال جو بھی ہو اس حدیث سے یہ بات باآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو اپنے آگے سے گزرنے والے کو روکنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر وہ انکار کرے اور نہ رکے تو اس سے قتال کرو کیونکہ وہ شیطان ہے (۲) اگر کوئی شخص کھلی جگہ نماز پڑھے تو اس کو اپنے آگے کوئی چیز سترہ (آڑ) کے طور پر رکھ لینے کا حکم دیا گیا، نمازی کے آگے سترہ ہو تو اس کے آگے سے گزرنے میں کوئی قباحت نہیں البتہ حدیث میں جو وعید بتلائی گئی ہے، اس کا تعلق بھی امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں اس صورت سے ہے جب کہ کوئی شخص نمازی اور اس کے سجدہ کرنے کی جگہ کے درمیان سے گزرے، اگر نمازی کے سجدہ کرنے کی جگہ کے آگے سے کوئی شخص گزرے تو یہ جائز ہے، احناف کے یہاں اگر مسجد چھوٹی ہو تو دیوارِ قبلہ تک بھی مصلی کے آگے سے گزرنا منع ہے، اور اگر مسجد بڑی ہے یا کوئی کھلی جگہ صحرا وغیرہ میں نماز پڑھ رہا ہے تو پھر نمازی کے سجدے کی جگہ کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔

---

(۱) ابوداؤد باب ماینھی عنہ من المرور بین یدی المصلی۔

(۲) ابن ماجہ عن ابی سعید: باب ادرأ ما استطعت

بلند آواز سے آمین

میں حنفی ہوں، کیا میں بلند آواز سے آمین کہہ سکتا ہوں؟

(محمد سلیم۔ بحرین)

بلند آواز یا آہستہ سے آمین کہنے کا جو اختلاف احناف اور بعض دوسرے فقہاء کے درمیان ہے، وہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے، اور دونوں ہی حضور سے ثابت ہیں، اس لئے اگر کوئی حنفی آمین بالجہر کرے تو اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور ایک بات جو گو سوال میں مذکور نہیں ہے لیکن پھر بھی ذہنی خلجان دور کرنے کے لئے عرض کرتا ہوں کہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کے اختلاف کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش نہ کرنا چاہیئے، اور نہ ہی ایمان اور عقیدہ کا مسئلہ بنانا چاہیئے۔

کعبۃ اللہ میں نماز

کعبۃ اللہ میں اگر داخل ہونے کا موقع ملے تو اندر نماز ادا کی جا سکتی ہے یا صرف دعائیں مانگی جائیں، اور نماز کی ادائیگی کسی بھی سمت ہو گی یا نہیں؟ ——— (سید مخدوم، جدہ)

کعبۃ اللہ میں دعا مانگی جا سکتی ہے، بلکہ یہ قبولیتِ دعاء کا ایک اہم موقع ہے، البتہ نماز کی صحت کے لئے استقبالِ قبلہ (یعنی قبلہ رخ ہونا) ضروری ہے اور کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنے کی صورت میں کعبۃ اللہ کا مکمل استقبال نہیں ہوتا اس لئے کعبۃ اللہ کے اندر نماز کی ادائیگی میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جس کی تفصیل عبد الرحمان الجزیری نے "کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ"

میں اس طرح بیان کی ہے کہ احناف کے ہاں کعبۃ اللہ کے اندر نماز مطلقاً (چاہے فرض ہو یا نفل اور اندر کہیں بھی پڑھی جائے) درست ہے، اسی طرح کعبۃ اللہ کی چھت پر بھی نماز درست ہے، البتہ اس میں تعظیم کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کراہت ہے، جب کہ حنابلہ کا قول یہ ہے کہ کعبہ کے اندر اور اس کی چھت پر فرض نماز کی ادائیگی درست نہیں، البتہ کعبۃ اللہ کے باہر اس طرح ٹھہر کر نماز پڑھے کہ سجدہ کعبۃ اللہ کے اندر ہو، یا نماز پڑھتے ہوئے کعبۃ اللہ کے ابتدائی سرے پر اس طرح ٹھہرے کہ کعبۃ اللہ کا کچھ حصہ بھی اس کی پشت کی طرف نہ ہو تو ایسی صورت میں نماز درست ہے، اسی طرح نفل اور نذر کی نماز بھی کعبۃ اللہ کے اندر درست ہے، البتہ نفل نماز سطح کعبہ پر اس وقت درست ہوگی جب کہ وہ کعبۃ اللہ کے آخری حصہ پر سجدہ نہ کرے، کیونکہ ایسی صورت میں وہ شخص کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنے والا نہ سمجھا جائے گا۔ (کتاب الفقہ ۱/۲۰۴ ط: ترکی)

مالکیہ کے نزدیک (بھی کعبۃ اللہ کے اندر فرض نماز درست نہیں، جبکہ ایک قول یہ ہے کہ) فرض نماز شدید کراہت کے ساتھ درست تو ہے لیکن وقت کے اندر اس کا اعادہ بہتر ہے، سنن غیر مؤکدہ اور نوافل کی ادائیگی کعبہ کے اندر کراہت کے بغیر درست ہے، جب کہ سنن مؤکدہ کراہت کے ساتھ، البتہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ شوافع کے نزدیک فرض ونفل سب نمازیں کعبۃ اللہ کے اندر درست ہیں، ہاں اگر کعبۃ اللہ میں دروازے کی طرف رخ کرکے نماز پڑھے اور دروازہ کھلا ہو تو اس صورت میں نماز درست نہیں۔

تصاویر کی جگہ نماز پڑھنا

جہاں تصاویر ہوں کیا اس جگہ نماز پڑھنی جائز ہے؟ (شاہد ریاض دمام)

اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کو تصویر واضح طور پر نہ دکھائی دے رہی ہو تو اس طرح کی تصویر والے کپڑے میں نماز مکروہ نہیں ہے، البتہ تصویر بڑی ہو اور تصویر سامنے ہو یا سر کے اوپر ہو' یا دائیں یا بائیں تصویریں ہیں' اور دیکھنے والے کو وہ تصویر کسی تکلف کے بغیر نظر آرہی ہو تو اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے' اگر تصویر فرش پر ہو' اور تصویر کی جگہ پر سجدہ نہ کر رہا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں —— اگر کپڑے پر سر کٹی تصویریں ہوں تو اس صورت میں بھی نماز میں کراہت نہیں آتی ہے۔

سب سے زیادہ کراہت اس بات میں ہے کہ تصویر نمازی کے سامنے ہو، پھر اس صورت میں کہ نمازی کے سر کے اوپر تصویر ہو، پھر اس صورت میں جب کہ دائیں جانب تصویر ہو، پھر اس صورت میں جب کہ وہ بائیں طرف ہو[1]

گھڑی پہن کر نماز کی ادائیگی

کیا گھڑی پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ہمارے ایک مولوی صاحب اگر کسی کو گھڑی پہنا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پہلے گھڑی اتار دو پھر نماز پڑھو، کیا یہ بات صحیح ہے؟ (اشفاق احمد۔ مکہ مکرمہ)

گھڑی پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے' اس میں کوئی قباحت نہیں۔

عمداً نماز چھوڑنا

میں اور میرے دوست زیادہ مصروفیت کی وجہ سے کبھی کبھی

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۰۷

پانچ وقت کی نماز ادا نہیں کر سکتے، کبھی عصر اور کبھی مغرب کی نماز چھوٹ جاتی ہے، مسئلہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے ہم سے کہا کہ اگر نماز چھوٹ جائے تو دن میں کسی نماز کا ثواب نہیں ملتا چنانچہ میرے بعض دوست ایسے ہیں کہ اگر ان سے فجر کی نماز چھوٹ گئی تو وہ سارا دن کوئی نماز نہیں پڑھتے، کیا یہ صحیح ہے کہ دن میں ایک دو نمازیں پڑھیں تو ان کا کوئی فائدہ اور ثواب نہیں؟ ——— (اختر حسین۔ بریدہ)

نماز اسلام کے پانچ اہم بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے، ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا فرض ہے، جیسا کہ سورۃ نسار آیت ۱۰۳ میں ارشاد باری ہے۔ بلا عذرِ شرعی نماز کو مؤخر کرنا کبیرہ گناہ اور عمداً اس کو ترک کر دینا بعض علمار و ائمہ کے یہاں حقیقتاً کفر ہے (۱)، جیسا کہ ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے عمداً نماز کو ترک کر دیا اس نے کفر کیا" (مختصر الترغیب والترہیب)، اگر کسی وجہ سے یا انسان کی اپنی سستی کی وجہ سے کوئی نماز چھوٹ جائے تو اسے جب بھی احساس ہو اسی وقت اس نماز کو ادا کرے، اگر ایک نماز رہ جائے تو اس کا اثر باقی چار نمازوں پر اسطرح نہیں پڑتا کہ ان نمازوں کا کوئی ثواب ہی نہ ملے، ہر نماز الگ الگ مستقل طور پر فرض ہے اور ہر ایک کا وقت الگ ہے۔ ایک نماز کے چھوٹ جانے پر عمداً دوسری نماز کو چھوڑ دینا مزید گناہ مول لینا اور فعلِ کفر کو قبول کرنا ہے، اگر کوئی نماز چھوٹ جائے تو موقع ملتے ہی فوراً اس کی قضار کر لی جائے اور تمام نمازوں کو

---

(۱) علامہ شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے (نیل الاوطار ۱/۲۹۱)

صحیح وقت پر ادا کرنے کی پوری کوشش کی جائے کہ نماز فرض و ضروری اور دین کا اہم رکن اور ستون ہے۔

ترکِ نماز کیلئے حیلہ جوئی

کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور برائیاں بھی کرتے ہیں، کچھ لوگ صرف اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے کہ وہ کسی بڑے گناہ کے عادی ہوتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم جب سارے گناہ چھوڑ دیں گے تب نماز پڑھنا شروع کریں گے، آپ کا کیا خیال ہے؟

(عبدالغفور قیصرانی۔ خف)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارے میں فرمایا "بے شک نماز برائی سے روکتی ہے" (عنکبوت / ۴۵) ——— لیکن اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ جو شخص نماز پڑھے اس سے گناہ بالکل سرزد نہ ہوں، اور وہ گناہوں سے پاک ہو جائے، اگرچہ نماز کے مقاصد و فوائد میں سے یہ ایک اہم فائدہ اور اہم مقصد ہے کہ نماز نمازی کو برائی سے روکے لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہے، جب کہ یہ نماز صحیح طریقے پر ادا کی جائے، نماز سنت کے مطابق پڑھی جائے، نماز میں حضورِ قلب ہو، خشوع و خضوع ہو، نمازی کو نماز کے ترجمہ اور مفہوم کے بارے میں مکمل علم ہو ورنہ صرف رٹی ہوئی کوئی عبارت پڑھ لینے اور چند اعضائے جسم کی حرکت کا نام تو نماز نہیں ہو سکتا، علماء نے اسی لئے نماز کے ترجمہ کا جاننا ضروری قرار دیا ہے تاکہ نمازی کو یہ علم ہو سکے کہ وہ دورانِ نماز اپنے مولا سے کیا کچھ رہا ہے، نماز اگر صحیح طریقے پر ادا کی جائے تو یہ نماز جلد یا بدیر کبھی نہ کبھی ضرور نمازی کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اس کی کہی ہوئی ہر بات حق ہے۔

جو لوگ یہ بہانا بنا کر نماز ترک کرتے ہیں کہ چونکہ ہم گنہگار ہیں، لہٰذا ہم نماز نہیں پڑھتے، یہ ایک شیطانی دھوکہ ہے، شیطان اس قسم کے خیالات اور وساوس کے ذریعے بہت سارے مسلمانوں کو نماز کی طرف جانے سے روکتا ہے آپ باقاعدگی سے صحیح طریقے پر نماز پڑھنی شروع کریں، آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ چند ہی دنوں بعد سارے گناہ ایک ایک کرکے چھوٹ جائیں گے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے ہی ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو نماز بھی پڑھتا تھا اور چوری بھی کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اس کی نماز عنقریب اس برائی سے روک دے گی۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

بے نمازی کے ساتھ اچھا سلوک

میرے گاؤں میں لوگ نماز روزے کے پابند نہیں ہیں، لڑائی جھگڑا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کیا یہ ہمسایہ کے حقوق کے مستحق ہیں؟ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیئے یا علاحدگی اختیار کرنا چاہیئے؟

(عبدالغفور قیصرانی بلوچ۔ خف)

یقیناً ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں اور ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید اور تلقین فرمائی ہے (۱)، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، پھر آپ کی یہ بھی دینی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنی استطاعت کی حد تک انہیں نماز روزہ کی

---

(۱) بخاری عن عائشۃ باب الوصایا بالجار، کتاب الادب

اور نیکیوں کی حکمت کے ساتھ تلقین کرتے رہیں، اگر وہ نہ مانیں تب بھی انکے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہیں، علاحدگی اختیار کرنا مناسب نہیں، ہاں اگر دعوت و تبلیغ اور نصیحت و تلقین کے بعد بھی ان کی اصلاح نہ ہو اور ان کی اصلاح کی نیت سے ذاتی عناد اور دشمنی کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اگر ان سے علاحدگی اختیار کی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ننگے سر نماز

ننگے سر نماز پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(عبدالرشید خان۔ ریاض)

ننگے سر چلنا پھرنا آج کل جدید فیشن بن گیا ہے اور سر کھلا رکھنے کی عادت سی بن گئی ہے یہ غیر اسلامی سوچ اور طرز عمل ہے علامہ ابن جوزی تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں کہ ہر عاقل پر یہ واضح ہونا چاہئے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور شریفانہ لباس تہذیب کے خلاف ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے ـــ جب نماز سے خارج سر کھولنے کا یہ حکم ہے تو نماز کے اندر بدرجۂ اولیٰ مکروہ تحریمی ہوگا۔ درمختار میں مکروہاتِ نماز کے بیان میں ہے: وصلاتہ حاسراً ای کاشفاً (درمختار مع الرد ۱/۶۹۱ ط: بیروت) تاہم مکروہ ہونے کے باوجود نماز ہو جائے گی۔

خارج صلوٰۃ کا لقمہ

ہمارے کیمپ میں ایک مسجد عارضی بنی ہوئی ہے، ہم لوگ اسی میں نماز پڑھتے ہیں، ایک مرتبہ امام صاحب سے قرآن پڑھتے ہوئے کچھ غلطی ہو گئی، ایک صاحب جو جماعت میں شامل نہیں تھے بلکہ ابھی مسجد میں داخل ہو رہے تھے، انہوں نے امام

کو لقمہ دیا، کیا اس طرح نماز میں شامل نہ رہنے والے شخص کا لقمہ دینا درست ہے۔ اسی طرح امام صاحب نے ایک ہی رکعت میں تین بار غلطی کی، نماز کے بعد کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، اور بعض اس پر مصر تھے کہ سجدۂ سہو لازم نہیں، شرعاً صحیح بات کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں؟

(شمس الدین احمد۔ جدہ)

جو شخص نماز میں شامل نہ ہو اس کا امام کو لقمہ دینا درست نہیں، اگر امام ایسے شخص کا لقمہ قبول کرلے تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (۱) البتہ نماز میں تین بار یا اس سے زیادہ غلطی (قرأت قرآن میں) ہونے پر نہ سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ اس سے نماز ٹوٹتی ہے، بشرطیکہ وہ غلطی ایسی نہ ہو جس سے کہ معنی میں بہت زیادہ تبدیلی پیدا ہو جائے، اگر معنی ہی بدل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی چاہے ایسی غلطی ایک ہی بار ہو (۲) نیز بار بار غلط پڑھنے اور لقمہ لینے سے بہتر یہ ہے کہ امام کوئی دوسری سورت شروع کرے یا رکوع میں چلا جائے، اگر اتنا قرآن پڑھ چکا ہو جتنا کم از کم نماز کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے (یعنی ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں)۔

پینٹ پہن کر نماز کی ادائیگی

اگر پینٹ پہن کر نماز پڑھی جائے اور اس کے نیچے کوئی شخص نیکر

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۲

(۲) الفتاوی الہندیۃ ۱/۸۰

یا انڈر ویر بھی پہنا ہو تو کیا نماز ہو جائے گی؟

(محمد لئیق۔ مکہ مکرمہ)

اگرچہ یہ پسندیدہ لباس نہیں لیکن اس طرح نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، کیونکہ نماز کی صحت کے لئے لباس کی کوئی خاص قسم ضروری نہیں، صرف "سترِ عورت" شرط ہے۔

نماز پڑھنے والے کی نگاہ کہاں ہو؟

کیا حرم شریف میں نماز پڑھتے وقت نمازی کی نگاہ سجدہ کی جگہ پر ہونی چاہیے یا کہ خانۂ کعبہ پر؟ (علی حیدر۔ جدہ)

نماز پڑھتے ہوئے قیام میں نمازی کی نگاہ سجدے کی جگہ پر ہونی چاہیے رکوع کی حالت میں پاؤں کے ظاہری حصہ پر، سجدہ کی حالت میں ناک پر، قعدہ میں گود کی طرف، پہلا اسلام پھیرتے وقت دائیں کندھے پر اور دوسرا اسلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رہنی چاہیے۔ (ھندیہ ۱/۷۲)

دوسروں کی طرف سے نماز کی ادائیگی

کیا ہم دوسروں کی طرف سے نماز روزہ ادا کر سکتے ہیں؟ چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ؟ اگر یہ جائز ہو تو نیت کس طرح کریں گے، میرے والد کافی بیمار رہتے ہیں، اگر میں ان کی طرف سے بھی روزے رکھوں تو کیا یہ عمل شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

(عبدالرحیم خاں۔ مکہ مکرمہ)

موطا امام مالک میں ایک روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جاتا تھا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ "نہ تو کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے، اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے روزے رکھے" (۱)، چنانچہ جمہور ائمہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کا بھی مسلک یہی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز روزہ ادا نہیں کرسکتا، چاہے وہ دوسرا شخص جس کی طرف سے نماز روزہ ادا کیا جارہا ہے، زندہ ہو یا مردہ (۲)، ہاں اگر کسی شخص کا انتقال اس حالت میں ہوگیا کہ اس پر رمضان کے روزوں کی قضاء باقی تھی تو ورثاء کو چاہیئے کہ روزوں کے بدلے فدیہ ادا کردیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ میت کا حق ہے، وراثت کی تقسیم سے پہلے اس کے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا جبکہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو تو وصیت کے شرعی اصول کے مطابق ایک تہائی مال میں سے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا، اور اگر وصیت نہ کی گئی ہو تو ورثاء کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ فدیہ ادا کریں، اگر اپنی خوشی سے ادا کردیں تو یہ عمل نہ صرف جائز بلکہ میت پر ایک طرح کا احسان بھی ہوگا، اور اگر وہ نہ ادا کریں تو ورثاء پر کوئی گناہ نہیں۔ ترمذی کی روایت ہے سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں (امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے،

---

(۱) الموطا الامام مالک : ۹۳ النذر فی الصیام والصیام عن المیت

(۲) العبادۃ المالیۃ تقبل النیابۃ والبدنیہ لا (درمختار ۲/۶۵۸ باب الحج عن الغیر

آپ نے فرمایا "جس شخص کا انتقال ہوجائے، اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہیئے۔ اس سلسلے میں امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ میت کی طرف سے اس کا وارث روزہ بھی رکھ سکتا ہے، اور یہی ایک متفق علیہ روایت کا ظاہری مفہوم بھی ہے، جبکہ جمہور ائمہ اس سے روزہ کا فدیہ ہی مراد لیتے ہیں۔ (۱)

بہرحال زندہ شخص کی طرف سے نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نہ روزہ کی ادائیگی درست ہے، اور میت کی طرف سے نماز تو نہیں پڑھی جاسکتی البتہ اس کے روزوں کے بدلے فدیہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

سہواً کسی غلطی پر مواخذہ نہیں

اگر کوئی شخص قرآن وحدیث پر عمل کرتا ہے مگر کسی حدیث وغیرہ کے سمجھنے میں اس سے غلطی ہوجائے اور وہ غلطی عقائد پر اثر انداز نہ ہوتی ہو تو کیا وہ اسلام سے خارج ہوجائے گا؟ (محمد شاہد محمدی، مکہ مکرمہ)

جی نہیں! اگر وہ غلط عقائد پر اثر انداز نہ ہو تو وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا، خلوص نیت سے اگر اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ پر پہونچے تو دو ثواب اور سمجھنے میں غلطی ہوجائے تو کم از کم ایک ثواب اجتہاد اور محنت کا ملتا ہی ہے۔ (۲) مگر قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے اپنی ذاتی کوشش کے ساتھ اہل علم سے استفادہ اور ان کی طرف رجوع بھی ضروری ہے۔

---

(۱) ترمذی عن ابن عمر باب ما جاء فی الکفارۃ، ابواب الصوم

(۲) نسائی عن ابی ہریرۃ باب الاصابۃ فی الحکم۔

نماز کے بعد مصافحہ

آج کل عام طور پر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ چند آدمی اکٹھے (خواہ ایک ہی گھر سے آرہے ہوں) مسجد میں آتے ہیں، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک دوسرے سے ضرور ہاتھ ملاتے ہیں اور کچھ لوگ ہاتھ ملانے کے بعد اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا نماز کے بعد اس طرح مصافحہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟۔

(عتیق احمد راز۔ نجران)

فی نفسہٖ مصافحہ کرنا نہ صرف ثابت ہے بلکہ پسندیدہ ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جب آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو محبت ومسرت کے اظہار میں مصافحہ بھی کیا کرتے تھے طبرانی کی ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی کہ "جب دو مومن ملتے ہیں اور سلام کے بعد مصافحہ کیلئے ایک دوسرے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو دونوں کے گناہ (صغیرہ) اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے سوکھے پتے"(۱) اسی طرح ایک دوسرے (مسلمان بھائی) کو سلام کرنے کی بھی قرآن وحدیث میں بڑی فضیلت اور تاکید آئی ہے ان سب کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ نماز کے آخری عمل "سلام" کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا اور ہاتھ ملانا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

---

(۱) جمع الفوائد ۲/۱۴۳ کتاب الآداب والسلام الخ ط: جدة

ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، اگر یہ عمل بغیر التزام کے کبھی کبھار ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر التزاماً نماز کے بعد مصافحہ کا معمول بنالیا جائے تو یہ عملاً نماز کا ایک حصہ اور جزبن کر بدعت میں شامل ہوگا، اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے، اسی طرح ایک دوسرے سے ملاقات اور سلام و مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ کو اپنے سینے پر رکھنا ضروری نہیں، یہ ان لوگوں کا ذاتی عمل ہے، دین و شریعت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱)

تعداد رکعات میں شک

اگر چار رکعت نماز پڑھتے ہوئے تیسری رکعت میں یہ بھول جائے کہ یہ کونسی رکعت ہے، تیسری ہے یا چوتھی، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ —— (عقبہ نواز احمد۔ جدہ)

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں:

اس کو شک کی عادت نہ ہو اور کبھی کبھی شک ہو جایا کرتا ہو تو نماز توڑ دے گا اور از سرِ نماز پڑھے گا، لیکن اگر شک کی عادت ہو تو ایسی صورت میں جس طرف رجحان زیادہ ہو اس پر عمل کرے، مثلاً گمانِ غالب یہ ہے کہ یہ تیسری رکعت ہے تو اس کو تیسری ہی شمار کر کے اپنی نماز مکمل کرے، اور اگر یہ خیال غالب ہے کہ یہ چوتھی رکعت ہے تو اس کو چوتھی ہی تصور کرے، لیکن اگر کسی طرف بھی غالب گمان نہیں اور شک برقرار ہے کہ یہ رکعت تیسری ہے یا آخری، تو پھر اس رکعت کو تیسری رکعت تصور کرے، پھر اس رکعت کے بعد قعدہ بھی کرے (کیونکہ وہ

---

(۱) حلال و حرام ۲۱۸

آخری رکعت بھی ہو سکتی ہے، اور آخری رکعت میں قعدہ کرنا فرائض نماز میں سے ہے) اس کے بعد چوتھی رکعت مکمل کرے، اور پھر قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کرے۔ (۱)

فرض نماز میں شمولیت

ظہر و عصر یا عشاء وغیرہ میں نماز سے قبل اگر کوئی چار رکعت سنت کی نیت کر کے نماز پڑھ رہا ہو لیکن ابھی دو ہی رکعت ادا کیا ہو اور وہ پہلے قعدہ میں ہو کہ فرض نماز شروع ہو جائے تو کیا ایسی صورت میں تحیات و درود شریف پڑھ کر سلام پھیر دینا چاہیے، یا پھر چار رکعت پوری کر کے فرض جماعت میں شامل ہونا چاہیے؟ ——— (خورشید احمد۔ جدہ)

ایسی صورت میں دو رکعت پر ہی نماز ختم کر کے فرض جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے، بلکہ اگر کوئی تیسری رکعت کے لئے کھڑا بھی ہو جائے، اور اس کے تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے جماعت شروع ہو جائے تب بھی سلام پھیر کر فرض جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔ (۲)

مسجد نبوی ﷺ میں نماز

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی میں نماز نہیں ہوتی، کیونکہ اندر

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۳۰

(۲) ہندیہ ۱/۱۱۹

روضۂ مبارک ہے، اس کی وضاحت فرمائیں۔

(صوفی محمد نذیر۔ مدینہ منورہ)

اس قسم کی باتیں کرنے والے بیوقوف اور جاہل ہیں، مسجد نبوی میں کوئی بھی قبر نہیں ہے، سوائے تین قبروں کے، یہ قبریں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر کی ہیں، جو حجرۂ مبارکہ میں ہیں، یہ حجرہ مسجدِ نبوی کی توسیع سے قبل مسجد کی حدود سے باہر تھا (اگرچہ متصل تھا) خود صحابہ کرام، کے عہد میں بھی یہ حجرہ مسجد سے متصل رہا، پھر تابعین کا دور آیا، سب حضرات مسجدِ نبوی میں نمازیں پڑھتے رہے خیر القرون میں کسی بھی مسلمانوں نے اعتراض نہیں کیا آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد لوگوں کو نئے نئے فتنے گھڑنے کا شوق پیدا ہوا تو اعتراض کرنے کے لئے سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ نہ ملی۔ پھر قبر بھی اس طرح ہے کہ نماز پڑھنے والوں کے سامنے بلا فاصلہ قبر نہیں آتی، یا تو حجرۂ فاطمہ کا فاصلہ ہے یا نمازی کے دائیں بائیں یا پشت کی طرف قبرِ اطہر ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی فضیلت یہ بیان فرمائی ہے: میری مسجد (مسجد نبوی) میں مسجدِ حرام کو چھوڑ کر دنیا کی تمام مسجدوں کے بہ نسبت ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے برابر ملتا ہے (۱)، اس لئے اس طرح کی باتیں خلافِ شرع اور جاہلانہ ہیں۔

مسجد قبا میں نماز کی فضیلت

مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی فضیلت کیا ہے؟ کیا وہاں نماز

---

(۱) ابن ماجہ ۱/۱۰۱ باب ماجاء فی فضل الصلوٰۃ فی المسجد الحرام ومسجد النبی۔

پڑھنے کا ثواب عمرہ کے برابر ہے؟ (محمد حنیف کاروانی۔ ریاض)

مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے ثواب کے برابر ہے، مسند احمد نسائی، ابنِ ماجہ، ابنِ ابی شیبہ، مستدرک حاکم اور بعض دوسری کتبِ حدیث میں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی مسجد قبا آکر نماز پڑھے تو اس کے لئے عمرہ کے برابر اجر و ثواب ہے۔ اسید رضی اللہ عنہ بن ظہیر الانصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مسجدِ قبا میں نماز عمرہ کے برابر ہے۔ (۱)

تسبیحاتِ فاطمی

ہر فرض نماز کے بعد تسبیحات یعنی ۳۳ بار اللہ اکبر، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھنا کیا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

جی ہاں! یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور بعض دوسری کتبِ حدیث میں اس بارے میں دو مشہور حدیثیں ہیں، ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا جائے دوسری حدیث میں یہ ہے کہ ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا جائے، یہ ۹۹ ہو گئے، پھر ایک بار یہ دعا پڑھ کر سو کا عدد پورا کر دیا جائے۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئٍ قدیر۔ (۲)

---

(۱) ابن ماجہ عن سھل بن حنیف باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی مسجد قباء

(۲) مسلم عن کعب بن عجرۃ باب استحباب الذکر بعد الصّلاۃ الخ کتاب المساجد

جس کسی نے یہ پڑھا، اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں تب بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔ (سبل السلام ۱/۱۹۸)

آپ نے اپنے سوال میں ان تسبیحات کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام پر موسوم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کو تسبیحاتِ فاطمی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے (جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں پر گھر کے کام کاج پر اور چکی میں آٹا پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے" اور وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرنے حاضر ہوئی تھیں کہ میرے لئے کسی غلام یا خادمہ کا بندوبست ہو جائے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود نہ تھے، بعد میں جب آپ واپس گھر تشریف لائے تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) آپ سے ملنے حاضر ہوئی تھیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی سے ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اپنی بیٹی اور داماد (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ میں تمہیں غلام، خادم یا خادمہ سے بہتر بات بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم جب رات کو سونے کا ارادہ کرو تو سونے سے قبل ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہہ دیا کرو، یہ تم دونوں کے لئے غلام سے بہتر ہے۔

نماز میں ٹخنے کھلے رکھنا

کیا حالتِ نماز میں ٹخنوں کا کھلا رکھنا ضروری ہے، اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ لوگ تو دورانِ نماز ٹخنے کھلے رکھتے ہیں، اور کچھ لوگ نماز کے وقت بھی ٹخنوں پر سے کپڑا نہیں ہٹاتے، کیا یہ درست ہے؟

پاجامہ، شلوار یا تہبند جو بھی ہو اسے ٹخنوں سے اوپر رہنا چاہیئے، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ٹخنوں سے نیچے تہبند پہنے دیکھ کر فرمایا، جاؤ وضو کرو، اس نے دوبارہ وضو کیا، پھر نماز پڑھ کر آپ کے پاس آیا، آپ نے فرمایا جاؤ اور وضو کرو نماز پڑھو، آپ سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ آپ نے بار بار وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا، آپ نے فرمایا کہ وہ ٹخنہ سے نیچے کپڑا کئے نماز ادا کر رہا تھا، اور اللہ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا، اس لئے میں نے یہ حکم دیا (۱) غرض ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا تہبند پہننے کی احادیث میں سخت وعید آئی ہے، اور یہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے، چاہے نماز کی حالت ہو یا نماز کے علاوہ، البتہ نماز کی حالت میں کم از کم حرام کے ارتکاب سے بچنے کے لئے نماز سے پہلے کپڑا ٹخنوں سے اوپر کر لینا چاہئے، ورنہ نماز تو بہر حال ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔

ہوائی جہاز میں نماز کی ادائیگی

جہاز کے لمبے سفر کے دوران قبلہ کی سمت کا تعین مشکل ہوتا ہے اور بعض اوقات کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے، ایسے میں کیا کیا جائے؟ ــــــــ (عارف خاں۔ الخرج)

جہاز کے سفر کے دوران اگر نماز کا وقت ہو جائے تو پوری کوشش کی جائے کہ یہ نماز صحیح وقت پر، صحیح سمت پر اور کھڑے ہو کر ادا کی جائے، اگر جہاز میں ایسا ممکن نہ ہو تو جس طرف بھی رخ ہو اور جیسے پڑھ سکے (خواہ بیٹھ کر) نماز ادا کی جائے، نماز پڑھے اور اسے قضا نہ کرے۔ امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق ہوائی جہاز میں نماز بیٹھ کر درست ہے، چاہے عذر ہو یا نہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر

---

(۱) ابو داؤد ۱/۹۳ عن ابی ھریرۃ باب الاسبال فی الصلوٰۃ

نماز جائز نہیں (عذر کا مفہوم یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے سر چکراتا ہو یا جہاز سے نکلنا مشکل ہو) نماز پڑھتے وقت اس کا ضرور خیال کیا جائے کہ ابتداءً نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کریں، اور جوں جوں قبلہ سے جہاز رُخ پھیرے، اسی طرف گھومتا چلا جائے، اگر قبلہ کی طرف رُخ ذرا بھی نہیں کرے گا تو نماز درست نہیں ہو گی، ہوائی جہاز کی نظیر کشتی میں نماز پڑھنے کا مسئلہ ہے، مسئلہ کی جو تفصیل در خدو خال اس میں ہے بعینہ اس میں بھی ایسی ہی ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۵۴)

حالت نماز میں رونا

نماز میں جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اور شرمندگی کی حالت میں رو جاتا ہے تو کیا اس طرح نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

(صوفی محمد نذیر۔ مدینہ منورہ)

اللہ کے خوف اور اپنی بد اعمالیوں پر شرما کر رونا اچھی بات ہے اور یہی خوف و خشیت تو دین میں مطلوب اور نماز کا مقصود ہے؛ اس لیے اگر اللہ کے خوف سے اور جنت و دوزخ کے ذکر پر رویا جائے، تو گو آواز سے رونا آجائے پھر بھی مضائقہ نہیں، لیکن اگر تکلیف یا درد سے رونا آئے اور اس طرح روئے کہ آواز سے حروف بن جائیں، تو نماز فاسد ہو جائے گی؛ ہاں! اگر بلا آواز روئے، صرف آنسو نکل آئے تو حرج نہیں (۱)

اگر کوئی پانچ رکعتیں پڑھے

عشار کی آخری رکعت میں ایک شخص شامل ہوتا ہے، اس کو پتہ

---

(۱) رد المحتار، باب ما یفسد الصلوٰۃ۔ ۱/۶۶۷ ط: دار الفکر بیروت

ہے کہ یہ آخری رکعت ہے لیکن امام صاحب قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے (پانچویں رکعت کے لئے) کھڑے ہو جاتے ہیں، مقتدیوں کی طرف سے بیٹھنے کے لئے لقمہ بھی دیا جاتا ہے لیکن امام صاحب کھڑے ہی رہتے ہیں، ایسی صورت میں جو شخص آخری رکعت میں شامل ہوا اس کے بارے میں کیا یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے امام کے ساتھ دو رکعات پالیں؟ لہٰذا وہ بعد میں دو رکعات پڑھے گا یا تین رکعات؟۔

اگر یہ یقین ہو کہ امام نے پانچ رکعات ادا کی ہیں تو مذکورہ صورت میں امام اور مقتدیوں میں سے کسی کی نماز بھی نہیں ہوئی، دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، وہ شخص جو کہ آخری رکعت میں شامل ہوا اس کی نماز بھی صحیح نہیں، چاہے وہ بعد میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت پڑھے یا تین رکعات، لہٰذا اس شخص کو امام کے ساتھ سلام پھیر کر دوبارہ سب کے ساتھ نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے، امام کے ساتھ اس کی دو رکعتیں اور اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد مزید دو رکعات پڑھی ہوں تو یہ چاروں رکعات نفل ہو جائیں گی۔

دورانِ نماز جمائی یا چھینک

دورانِ نماز اگر جمائی آجائے تو ہمیں لاحول پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟۔

نماز کے دوران اگر جمائی یا چھینک آئے تو حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اور اگر اس پر قابو نہ پایا جاسکے، تو اس وقت یعنی چھینک اور جماہی کے وقت اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیں، لیکن زبان سے اس کا جواب نہ دیں، نہ

الحمدللہ کہیں، اور نہ استغفراللہ یالاحول ولاقوۃ الاباللہ، بلکہ اگر کوئی شخص عمداً یہ الفاظ زبان سے ادا کرے تو اس کی نماز بھی اس سے متاثر ہوگی۔

نماز کے بعد سلام

ہم نے اپنے وطن کی بہت سی مسجدوں میں دیکھا ہے کہ لوگ جمعہ کی نماز کے بعد سلام پڑھتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے، اور کھڑے ہوکر سلام پڑھنا چاہیئے کہ نہیں؟ (محمد اظہر انصاری خمیس مشیط)

سوال کے جواب سے پہلے اتنی بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ نماز، روزہ ذکر الٰہی، تلاوتِ قرآن سب کے لئے کچھ آداب وشرائط اور حدود وقیود ہیں، ان شرائط کی رعایت کی جائے تو بہت بڑا ثواب اور کامیابی کا باعث ہے، اور اگر ان حدود کی رعایت نہ کی جائے تو ثواب کے بجائے عذاب اور گناہ ہے۔ درود وسلام بھی افضل عبادت اور دینی ودنیوی سعادت وخوش بختی کا ضامن ہے، نماز روزہ کی طرح اس کے بھی کچھ آداب وشرائط ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے سے بجائے ثواب کے گناہ لازم آتا ہے۔

مسجدوں میں جس اجتماعی طریقے سے درود وسلام کے نام پر ہنگامہ آرائی کی جاتی ہے، اس کو نمائش تو کہہ سکتے ہیں، درود وسلام نہیں کہہ سکتے، اسی ہنگامہ آرائی وہنگامہ خیزی کا سبب بننے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

مسجد چونکہ پوری امت مسلمہ کی عبادت گاہ ہے، اس میں کسی ایسے عمل

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۸۷۷

کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو دوسرے لوگوں کی انفرادی عبادت نماز، تسبیح درود، تلاوتِ قرآن میں خلل انداز ہو، بلکہ فقہاء نے تو اس خلل اندازی سے بچانے کے لئے بلند آواز سے تلاوتِ قرآن، جہراً ذکرِ الٰہی مسجد میں کرنے کو حرام لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کو بلند آواز سے مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں تو درود وسلام کے لئے کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟۔

کسی نماز کے بعد اجتماعی طور پر بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا نہ حضور سے ثابت ہے، نہ صحابہ وتابعین سے، اور نہ ائمہ ومجتہدین، اور نہ علماء وسلف میں سے کسی سے اگر یہ عمل پسندیدہ ہوتا تو صحابہ وتابعین پوری پابندی کے ساتھ ادا فرماتے، لیکن پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ پابندی سے بلند آواز کے ساتھ اجتماعی طور پر درود وسلام پڑھنے کو یہ حضرات بدعت اور ناجائز سمجھتے تھے، اور حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کی عبادت صحابہ کرام نے نہیں کی تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو، بلکہ اپنے اسلافِ صحابہ کا طریقہ اختیار کرو۔ (۱)

ایک وقت میں دو نمازیں

اگر کوئی شخص مسافر ہو تو قصر نماز ظہر وعصر ملا کر اسی طرح مغرب و عشاء ملا کر ایک ہی وقت میں پڑھنا بہتر ہے یا اپنے اپنے وقت میں پڑھنی چاہیئے؟ —— (مختار احمد عباسی۔ الضیاء الشمال)

صرف حج کے موقع پر یوم عرفہ کو ظہر کے وقت میں ظہر وعصر کی نماز

---

(۱) الاعتصام للشاطبی ۲/۳۱۱

اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء کی نمازیں ملاکر پڑھی جاتی ہیں، اس کے علاوہ ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جائے گی، یہی احناف کا مسلک ہے البتہ دیگر ائمہ کے نزدیک حالتِ سفر میں مسافر کے لئے ظہر وعصر کی نمازیں ایک ہی وقت میں (ظہر کے وقت یا عصر کے وقت) اور اسی طرح مغرب وعشاء کی نمازیں (مغرب کے وقت یا عشاء کے وقت میں ملاکر پڑھنا جائز ہے۔ (۱)

نماز کی فضیلت: حرم شریف میں یا حدودِ حرم میں؟

حرم شریف میں جو نماز کی فضیلت ہے، وہ صرف مسجدِ حرام ہی میں ہے، یا حدودِ حرم کی ہر مسجد اور ہر گھر میں یکساں ہے؟۔

(محمد احسن۔ مکہ مکرمہ)

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجدِ حرام کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ مسجدِ حرام ہی کے ساتھ خاص ہے، حدودِ حرم میں کسی اور جگہ نماز پڑھنے سے وہ فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ حدیث میں حرم ہی کا ذکر ہے۔

ناپاک کپڑوں میں نماز

میں جہاں کام کرتا ہوں وہاں نماز پڑھنے کے لئے مصلّی ہے، نمازوں کے لئے کوئی مستقل امام نہیں، ہمارے ہی بعض بھائی نماز پڑھاتے ہیں جو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے اور کھڑے کھڑے ہی طہارت لیتے ہیں، ظاہر ہے پیشاب کے قطرے لازماً کپڑوں

---

(۱) المغنی ۲/۲۳۵

پر کریں گے، اسی بنا پر میں اسٹور میں الگ نماز پڑھ لیتا ہوں، میرے ساتھی تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے طہارت کپڑوں کے ساتھ امامت کرنے والوں کے پیچھے بھی ہماری نماز ہو جاتی ہے، کیا یہ بات درست ہے، اور میرا عمل کیسا ہے؟

(محمد فاروق۔ جدہ)

نماز صحیح اور درست ہونے کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے[1] لہٰذا اگر آپ کو یقین ہے کہ نماز پڑھانے والے کے کپڑے ناپاک ہیں اور اسے اس کا علم بھی ہے، اس کے باوجود وہ ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھا رہا ہے، تو آپ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، لیکن محض شک و شبہ کی بنا پر کسی کے بارے میں سوءِ ظن رکھنا گناہ ہے، عام مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ حسن ظن رکھیے، اور سوائے مشرک و بدعتی کے ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھیے، اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہو اور پاکی وصفائی کا خیال رکھتا ہو تو اس کے کپڑوں کا ناپاک ہونا ضروری نہیں، اگر کسی کو اپنے کپڑوں کے ناپاک ہونے کا شبہ ہو تو اسے ان کپڑوں میں نماز پڑھنے اور بالخصوص امامت کرنے سے احتیاط کرنا چاہیئے۔

نماز میں رونا

ہمارے محلے کے امام صاحب جب نماز پڑھاتے ہیں تو رونے لگتے ہیں، کیونکہ اکثر وہ ایسی آیات پڑھتے ہیں جن میں جنت و دوزخ

---

(۱) یہی رائے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کی ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۵۶۲)

کا ذکر ہوتا ہے، جب وہ رونے لگتے ہیں تو کبھی پانچ پانچ منٹ
تک روتے رہتے ہیں، پھر دل پر قابو کر کے آگے بڑھتے ہیں، کیا
اس طرح نماز ہو جاتی ہے اور نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا؟

(کبیر احمد۔ الاحساء)

نماز میں رونا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جو لوگ نماز کے دوران آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت یا سماعت پر غور و فکر اور تدبر کرتے ہیں وہ لوگ یقیناً شوق و تمنائے رحمتِ الٰہی اور خوفِ الٰہی سے روتے ہیں، یہ رونا تو ایک مسنون عمل ہے اور اچھا کام ہے، اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ یہ تو نماز کے خشوع و خضوع کی علامت ہے، البتہ اگر مصیبت یا تکلیف کی وجہ سے رو پڑے اور رونے کا انداز ایسا ہو کہ اس سے الفاظ کی صورت پیدا ہو گئی ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ (۱)

داڑھی نہ رکھنے کا اثر عبادت پر

میں نے ابھی تک داڑھی نہیں رکھی ہے، ایک جگہ پڑھا ہے کہ داڑھی
کا منڈانا حرام ہے، اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ کیا داڑھی
منڈانے سے انسان کی دوسری عبادات مثلاً نماز روزہ اور حج
وغیرہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

(محمد اکرام۔ ینبع البحر)

داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کا ترک گناہِ کبیرہ ہے، آپ کوشش کریں

(۱) بدائع ۱/۲۳۵

آپ ڈاڑھی رکھ لیں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا بھی کرتے رہیں، داڑھی نہ رکھنا بذاتِ خود ایک گناہ ہے لیکن اس کا دوسری عبادات اور ارکان و واجبات سے کوئی تعلق نہیں۔

ملازمت کے اوقات میں نماز کی ادائیگی

میرے ساتھ ڈپارٹمنٹ میں بعض ایسے حضرات ہیں جن کا تعلق ایک خاص جماعت سے ہے، یہ حضرات ظہر کی نماز کی ادائیگی کے لئے اذان سے پندرہ منٹ پہلے ہی سے اپنی کرسی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، خاصا اہتمام سے استنجاء اور وضو کرتے ہیں، پھر سنت و نوافل پڑھتے ہیں، جماعت سے نمازِ ظہر پڑھتے ہیں، پھر سنت ونفل ادا کرتے ہیں، بعد میں دعا ہوتی ہے، اور اس طرح یہ لوگ نمازِ ظہر کے لئے کم از کم ڈیڑھ گھنٹے کا استعمال کرتے ہیں اور سرکاری دفتری کام چھوڑ دیتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟۔

عبادات اور دین کا غلط تصور اور غلط مفہوم بسا اوقات انسان کو اصل ہدف سے بہت دور لے جاتا ہے جو کہ بندگیٔ رب ہے، یہ بندگی صرف نماز، روزے اور حج زکوٰۃ کا نام نہیں، بلکہ انسان کی پوری زندگی کے اعمال پر محیط ہے، حلال کمانا بھی عبادت ہی ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم جو اپنی بیوی (بچوں) کو کھلاتے پلاتے ہو یہ بھی عبادت ہی ہے۔

ملازمت و نوکری کے سلسلہ میں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ یہ ایک دینی عمل ہے، اور ذمہ داری کا کام ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ تم اگر کوئی کام (ملازمت و تجارت وغیرہ) کرنا چاہو تو اس کام کو صحیح طریقہ پر انجام دو" جتنے گھنٹے کام کرنے کی تنخواہ آپ کو ملتی ہے، اتنے گھنٹے کام کرنا آپ پر فرض ہے، اگر اس دوران بغیر عذرِ شرعی، آپ اپنے اوقات کو فضول استعمال کریں گے تو آپ کی تنخواہ کا یہ حصہ حرام ہو جائے گا۔

دورانِ ملازمت اور کام کرتے ہوئے صرف فرض نماز کے لئے وقت نکالنا ضروری ہے اور اس کے لئے صاحبِ عمل کی اجازت و رضامندی ضروری نہیں، فرض نماز سے مراد صرف فرض رکعات ہیں نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ اسی طرح استنجاء اور وضو پر کئی گھنٹے اور بہت سارا وقت صرف کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اسلام تو کام کا دین ہے، اور قوت و طاقت اور چستی کا دین ہے نہ جانے آرام و راحت اور سستی کاہلی کہاں سے لوگوں نے اپنا لی۔ ایسے لوگ دین اور دینداروں کو بدنام کرتے ہیں جو محض اپنے ذہنی خیالات کی پیروی میں اپنے اوقات کو صرف کرتے ہیں، اور اسے دینداری کا نام دیتے ہیں۔

آپ جہاں ملازم ہیں، وہاں آپ کا معاہدہ اس بات پر ہوا ہے کہ روزانہ مخصوص اوقات میں چند گھنٹے کام کرنا ہے، گویا یہ وقت اور یہ کام آپ کے پاس امانت ہے اور آپ اس کے ذمہ دار و نگہبان ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم میں سے ہر ایک نگہبان و ذمہ دار ہے، اور ہر ایک سے اس کی نگہبانی و ذمہ داری کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ (۱) .... یہ سوال بھی ہوگا کہ اس نگہبانی و ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا کیا تھا یا اسے ضائع کر دیا تھا۔ (۲)

---

(۱) بخاری عن ابن عمر باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن کتاب الجمعۃ

(۲) مسند احمد ۲/۵۴

امانت کو صحیح طریقہ پر ادا کرنا فرض ہے، اپنے لئے اور گھر والوں کیلئے رزق حلال تلاش کرتے ہوئے کام کرنا بھی فرض اور عبادت ہے، کسی شخص سے کئے گئے وعدے کو پورا کرنا بھی ضروری ہے جب کہ سنت و نوافل کا ادا کرنا نفلی عبادت ہے، یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ لوگ نفل کو فرض پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ فرض کو صحیح طریقہ پر ادا نہیں کرتے اور نفل کی ادائیگی کا اچھا خاصا اہتمام کرتے ہیں، یاد رکھیئے دورانِ ڈیوٹی جو وقت بھی (خواہ وہ چند منٹ ہی کیوں نہ ہوں)، آپ اِدھر اُدھر ضائع کرتے ہیں اور اپنے اصل کام سے دور بھاگتے ہیں، اس وقت کے بدلے میں تنخواہ لینا آپ کے لئے شرعاً حرام ہے۔

اپنی ڈیوٹی و ملازمت امانت کے ساتھ صحیح طریقے پر ادا کیجئے، اور اپنی تنخواہ کو حلال بنایئے کہ حرام غذا سے ساری عبادتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

چھ ماہ تک کے دن رات ہوں

دنیا میں جہاں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن رہتا ہو وہاں نماز وغیرہ کس طرح پڑھیں گے؟ اور وہاں کے احوالِ زندگی کیا ہیں؟ اور یہ جگہ دنیا میں کہاں ہے؟ —— (شیخ احمد۔ جیزان)

جہاں تک ان ممالک کے محلِ وقوع اور وہاں کے احوالِ زندگی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں صحیح تبصرہ کوئی مورخ اور جغرافیہ داں ہی کر سکتا ہے بہر حال ایسی جگہوں پر اندازے سے نماز ادا کی جائے گی، یعنی اس سے قریبی جگہوں اور ممالک میں جتنے گھنٹے کے دن اور رات ہوتے ہوں اس پر قیاس کرتے ہوئے نماز پڑھی جائے گی۔ کتبِ حدیث میں دجّال کے سلسلے میں ایک طویل حدیث مذکور ہے، جس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا، اور طویل الاوقات جگہوں پر نماز دن

کے بارے میں یہ رائے قائم کی۔ حدیث میں ہے کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دجال کے ظہور اور اس کی فتنہ انگیزیوں کا ذکر فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وہ زمین میں کتنے دن رہے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس دن، پھر شروع کے تین دنوں کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اس کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر، پھر صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، اس میں ایک دن کی نماز پڑھنا کافی ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں، بلکہ اندازہ کرکے نماز پڑھتے رہو۔" سنن ترمذی عن نواس بن سمعان باب ماجاء فی فتنہ الدجال ابواب الفتن

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث موجود نہ ہوتی اور ہم اپنے اجتہاد پر اعتماد کرتے تو نماز کو معروف اوقات تک محدود رکھتے جیسا کہ دوسرے دنوں میں ہم کرتے ہیں۔ بہرحال جب طلوع صبح بہت طویل ہو جائے تو اندازہ کیا جائے کہ صبح کے نماز ظہر کتنی دیر بعد پڑھی ہے' اسی اعتبار سے نماز پڑھی جائے گی، اسی طرح ظہر و عصر کے درمیان پھر مغرب عشاء پھر فجر پھر ظہر عصر وغیرہ یہاں تک کہ یہ لمبی مدت گزر جائے۔ یہ حدیث اگرچہ دجال کے سلسلے میں ہے جس کی آمد اور اس موقع پر طویل دنوں کا مشاہدہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے، لیکن اس حدیث کی بناء پر جہاں مستقل طور پر غیر معمولی طویل دن و رات ہوتے ہوں' وہاں کے لوگوں کے لئے علماء نے فرمایا کہ وہ بھی اندازے سے نماز پڑھیں گے' اور اندازے کی ......

صورت یہ ہے کہ اس معاملہ میں قریبی جگہوں اور قریبی ممالک کا اعتبار کیا جائے یا پھر چوبیس گھنٹوں کو ایک دن و رات تسلیم کرکے ہر دو نماز دں کے درمیان

اتنا وقفہ رکھا جائے کہ جتنا کہ عموماً دوسری جگہوں پر ہوا کرتا ہے، روزوں کو بھی اسی طرح قیاس و اندازے سے رکھا جائے۔ (۱)

نماز کے شرائط فرائض اور واجبات

نماز میں فرض اور واجب کیا ہیں اور ان کا حکم کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ ——— (محمد شفیع۔ مکہ مکرمہ)

نماز میں چودہ چیزیں فرض اور ضروری ہیں، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی چاہے سہواً چھوٹ جائے نماز نہیں ہوگی بلکہ دوبارہ نماز کا لوٹانا ضروری ہوگا ان میں سے سات چیزیں نماز سے پہلے کی ہیں جن کو اصطلاح میں "شرائطِ نماز" کہا جاتا ہے، اور سات چیزیں نماز کے اندر کی ہیں جن کو اصطلاح میں "ارکانِ نماز" یا "فرائضِ نماز" کہا جاتا ہے، دونوں کا حکم ایک ہی ہے کہ اگر شرائطِ نماز یا ارکانِ نماز میں سے ایک چیز بھی چھوٹ جائے نماز نہیں ہوگی، اور سجدۂ سہو سے بھی اسکی تلافی ممکن نہیں، بلکہ نماز کا اعادہ (دوبارہ پڑھنا) ضروری ہوگا۔

شرائطِ نماز

شرائطِ نماز یہ ہیں (۱) نماز وقت پر پڑھنا، وقت سے پہلے نماز معتبر نہیں، وقت نکلنے اور ختم ہو جانے کے بعد نماز پڑھی گئی تو وہ ادا نہیں بلکہ قضا ہوگی، (۲) بدن کا پاک ہونا، یعنی نمازی کا بدن نجاستِ حقیقی و حکمی سے پاک ہو، نجاستِ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ظاہری نجاست بدن پر لگی ہو تو اس کو دھو ڈالے، اور نجاستِ حکمی کا

---

(۱) جدید فقہی مسائل ۱/۴۶

مطلب یہ ہے کہ کوئی باطنی نجاست ہو تو اس سے پاکی حاصل کرلے یعنی وضو نہ ہو تو وضو کرلے اور غسل کی حاجت ہو تو غسل کرلے، نجاستِ حقیقی و حکمی سے بدن کی پاکی کے بغیر نماز معتبر نہیں (۳) کپڑوں کا پاک ہونا یعنی جن کپڑوں میں نماز پڑھی جارہی ہے اگر ان پر نجاست لگی ہو تو اس کو دھو کر پاک کرلے (۴) نماز کی جگہ کا پاک ہونا یعنی جس جگہ نماز پڑھے یا جس چٹائی یا جائے نماز پر پڑھے اس کو پاک ہونا چاہیئے۔ (۵) سترِ عورت کا ہونا یعنی نمازی کا قابلِ ستر حصہ چھپا ہونا۔ مرد کے لئے کم سے کم گھٹنے سے لے کر ناف تک کا حصہ اور عورت کے لئے دونوں ہاتھ کے پہنچوں، دونوں پیروں اور چہرہ کے علاوہ سارا بدن نماز کی حالت میں کپڑے سے چھپا ہونا ضروری اور شرطِ نماز ہے (۶) نماز پڑھتے ہوئے قبلہ کی طرف رخ ہونا۔ (۷) نماز کی نیت کرنا البتہ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، دل میں اتنا ارادہ کرلینا بھی کافی ہے کہ میں فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں۔

فرائض نماز

نماز کے اندر جو چیزیں فرض ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) تکبیر تحریمہ یعنی نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہنا (۲) قیام یعنی کوئی عذر نہ ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں (البتہ نفل نماز بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں لیکن اس سے ثواب میں کمی واقع ہوگی جیسا کہ احادیث میں یہ صراحت مذکور ہے) (۳) قرأت یعنی قرآن کریم کی کم از کم تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کا پڑھنا۔ (۴) رکوع کرنا (۵) دونوں سجدے کرنا (۶) قعدۂ اخیرہ میں جتنی دیر تشہد پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر بیٹھنا (۷) اپنے ارادہ سے نماز سے باہر ہونا (دوسرے ائمہؒ کے نزدیک لفظ

"السلام علیکم" کے ذریعہ نماز ختم کرنا فرض ہے ، یہ چیزیں نماز میں فرض ہیں ، اگر ان میں سے کوئی چیز سہواً بھی چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوگی ، نماز کو لوٹانا ضروری ہوگا۔

واجباتِ نماز

نماز میں جو چیزیں واجب ہیں وہ یہ ہیں (۱) فرض نماز کی پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت کرنا (سنت ونفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرارت قرآن واجب ہے) (۲) سورہَ فاتحہ پڑھنا ، فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں اور سنت ونفل اور وتر کی تمام رکعات میں سورہَ فاتحہ پڑھنا واجب ہے (۳) ضمِ سورہ یعنی سنن ونوافل اور وتر کی تمام رکعات میں سورہَ فاتحہ کے ساتھ کم از کم تین آیات یا ایک بڑی آیت کا پڑھنا واجب ہے اور فرض نمازوں میں صرف پہلی دو رکعتوں میں ضمِ سورہ واجب ہے (۴) سورہَ فاتحہ کا ضمِ سورۃ سے پہلے پڑھنا ۔ (۵) تمام ارکان کو پے درپے ادا کرنا یعنی اگر ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کے ادا کرنے میں بھول کر اتنی دیر ہو جائے کہ جتنی دیر میں ایک سجدہ یا رکوع کرنے میں ہوتی ہے تو سجدہَ سہو کرنا واجب ہے ، البتہ دعا ، تسبیح وغیرہ پڑھنے میں چاہے کتنی دیر ہو جائے سجدہَ سہو واجب نہیں ہوگا (۶) قیام ، قرارت ، رکوع اور سجدہ میں ترتیب کا قائم رکھنا ۔ (۷) رکوع اور سجدہ میں کم از کم اتنی دیر رہنا جتنی دیر میں کہ ایک مرتبہ سبحان ربّی الاعلیٰ یا سبحان ربی العظیم پڑھا جا سکتا ہو ۔ (۸) قومہ کرنا یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح سیدھا کھڑا ہونا ۔ (۹) جلسہ کرنا یعنی ایک سجدہ کر کے اچھی طرح بیٹھنا پھر دوسرا سجدہ کرنا ۔ (۱۰) قعدہَ اولیٰ یعنی تین اور چار رکعت والی نمازوں میں دو رکعت کے بعد بقدرِ تشہد بیٹھنا ۔ (۱۱) دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا ۔ (۱۲) تعدیلِ ارکان یعنی تمام ارکان قومہ ، رکوع ، سجدہ ، جلسہ وغیرہ کو اطمینان وسکون سے ادا کرنا (۱۳) سرّی نمازوں میں قرارت آہستہ

پڑھنا اور جہری نمازوں میں زور سے پڑھنا (۱۴) سلام کے ذریعہ نماز ختم کرنا (۱۵) وتر کی تیسری رکعت میں قنوت کے لئے تکبیر کہنا اور دعائے قنوت پڑھنا (۱۶) عیدین کی نمازوں میں تکبیراتِ زوائد کہنا.

نماز میں مذکورہ بالا چیزیں واجب ہیں، اور واجباتِ نماز کا حکم یہ ہے کہ عمداً ان میں سے کوئی چیز چھوڑ دی جائے تو نماز درست نہیں، اور نماز کو لوٹانا ضروری ہے، ہاں اگر سہواً یعنی بھول کر ان میں سے کوئی واجب چھوٹ جائے تو نماز مکمل طور پر فاسد نہیں ہوگی البتہ سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا، اور اگر سجدۂ سہو بھی نہ کر سکے سلام پھیرنے اور قبلہ سے سینہ پھیرنے کے بعد یاد آئے کہ فلاں واجب چھوٹ گیا تھا تو اب ایسی صورت میں نماز کو لوٹانا ضروری ہوگا۔ (جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو نہیں ہوتا)(۱)

مشکل وقت میں نماز

مشکل وقت میں کونسی نماز پڑھنی چاہیئے؟

جب بھی کوئی مشکل پیش آئے یا کسی پریشانی ومصیبت کا سامنا ہو تو دو رکعت نفل نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بارے میں بھی روایتوں میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ جب بھی انہیں کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ فوراً نماز کی طرف دوڑتے (۲) یعنی نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کیطرف متوجہ ہوتے اور دعا کرتے تھے، البتہ یہ عام نفل نمازوں کی طرح ایک نماز ہے، اس کا کوئی خاص طریقہ یا نام نہیں، مشکل اور پریشانی میں پڑھنے کے لئے بے شمار

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۵۶۳ ومابعدہ

(۲) مسند احمد ۱/۲۰۶

دعائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اس میں سے جو دعا رکھی اپنے مناسب حال نظر آئے ایسے موقع پر کثرت سے پڑھنا چاہیئے.

جیب میں تصویر کے ساتھ نماز کی ادائیگی

یہاں ہر ریال پر تصویر ہوتی ہے نیز اقامہ پر بھی اپنی تصویر ہوتی ہے اور یہ چیزیں اکثر جیب میں ہر نماز میں ساتھ رہتی ہیں، کیا اسطرح نماز درست ہے؟ ——— (عبدالقادر جیلانی۔ مائل)

چونکہ تصویر جیب میں بند اور چھپی ہوئی ہوتی ہے اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں اور نماز درست ہے، تصویر اگر نمازی کے سامنے ہو اور اس طرح ٹنگی ہوئی یا رکھی ہو کہ اس دیکھنے والے کو اس کی عبادت یا تعظیم کا شبہ پیدا ہوتا تو اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱)

کیا ران ستر میں شامل ہے؟

کیا مرد اپنی رانیں بھی چھپائے رکھے گا؟ کیا ران ستر میں شامل ہے ہم چند نوجوان مل کر جب کھیلتے ہیں تو کھیل کے لباس میں ہماری رانیں کھلی ہوتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (فاروق احمد خاں۔ ریاض)

ران ستر میں شامل ہے، لہٰذا مرد اپنی رانوں کو کپڑے سے ڈھکے رکھیں امام طبرانی کی معجم کبیر میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مسلمان کی ران اس کی ستر میں سے ہے" (۲)، جب کہ ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۰۶

(۲) ترمذی: عن جرھد الاسلمی باب ماجاء ان الفخذ عورۃ ابواب الادب

نے ایک شخص کی ران کھلی دیکھ کر فرمایا "اپنی ران کو ڈھکو کہ ران ستر میں سے ہے"(۱)
اس لئے آپ کھیلتے ہوئے ایسا لباس پہنیں جسے پہن کر رانیں چھپ جائیں۔ ــــــــــ
امام احمد بن حنبل کے نزدیک ستر گھٹنے اور ناف کے درمیان کا حصہ ستر میں داخل ہے، اس لحاظ سے ران کا حصہ ان کے نزدیک ستر میں داخل ہے۔ (۲)

نماز میں سورتوں کی ترتیب

جہری نماز میں امام اگر سورۂ فاتحہ کے بعد والی سورتیں پہلی اور دوسری رکعت میں ترتیب کا لحاظ نہ رکھ سکے تو کیا امام کی نماز ہو جائے گی اور مقتدیوں کی نماز کا کیا بنے گا؟ (محمد شاہد۔ ریاض)

نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورتوں کا ترتیب کا خیال رکھنا افضل اور بہتر ہے لیکن ضروری اور واجب نہیں، لہٰذا اگر اس کے برخلاف بھی ہو جائے تو امام اور مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی۔ (۳)

تشہد کی دعا

نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد اور درودِ ابراہیمی کے بعد جو بھی دعا یاد ہو پڑھ سکتے ہیں یا سلام پھیرنا چاہیے؟

اس سلسلے میں جو مشہور دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، وہی پڑھیں تو زیادہ بہتر ہے، ورنہ قرآن وحدیث میں مذکور دوسری کوئی دعا بھی پڑھی

---

(۱) تبیین الحقائق ۱/۹۷-۹۵

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۵۹۱۔ المغنی ۱/۳۴۸

(۳) غیاثیہ /۲۵

جا سکتی ہے، نیز درودِ ابراہیمی اور دعائے ماثورہ کا پڑھنا فرائض یا واجباتِ نماز میں سے نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مجبوری یا طبعی ضرورت کے پیشِ نظر (انفرادی نماز میں) تشہد کے بعد ہی سلام پھیر دے تو بھی اس کی نماز ادا ہو جائے گی، اگرچہ ناقص ہوگی۔ (۱)

نماز کے اوقات میں کاروبار

یہاں سعودی عرب میں رہ کر جہاں کئی بری عادتیں چھوٹیں وہیں اچھی عادات بھی سیکھیں، انہی میں ایک نماز کی پابندی ہے لیکن جب چھٹی پر ہم اپنے ملک جاتے ہیں، تو یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات میں بھی دکانیں کھلی رہتی ہیں، اور تمام کاروبار چلتے رہتے ہیں، نماز کے وقت بھی لوگ خرید و فروخت اور دوسرے دنیاوی مشاغل میں مگن رہتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ ہمارے ملک میں کب ایسا مبارک ماحول بنے گا جب نماز کے اوقات میں تمام مسلمان مساجد میں نظر آئیں۔

(مستفیض الرحمان محمد۔ مدینہ منورہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے صالح متقی بندوں کو زمین پر خلافت وحکومت (اقتدار و بادشاہت) کے عطا ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان صالح بندوں کو اقتدار ملتا ہے تو وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کے نظام کو نافذ کرتے ہیں، نیکیوں کا حکم کرتے ہیں، اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) فتح القدیر ۱/۲۷۴ (۲) حج ۴۱/

یہ سعودی عرب مہبطِ وحی ہے، ارضِ حرمین شریفین ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس ارضِ مقدس کی مناسبت سے حکومت واقتدار بھی اپنے ایسے بندوں کو عطا کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدوں کو نافذ کئے ہوئے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل درآمد کروا رہے ہیں، دو بڑے ائمہ امام محمد بن سعود اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہما نے یہاں اس ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا آغاز کیا تھا جو بحمد اللہ آج تک قائم ودائم ہے، اسی نظام کی برکت سے آپ کو یہاں نمازوں کا ماحول ملتا ہے اور خیر وبھلائی کی چرچے سننے کو ملتے ہیں۔

ہمارے ملکوں میں چونکہ جمہوریت اور جمہوری نظام ہے جس میں انسان اور گدھے مسلمان اور غیر مسلم، صالح ومتقی اور فاسق وفاجر سب کے ووٹ برابر ہیں (بلکہ اب تو غیر مسلموں کا ووٹ مسلمانوں سے دوہرا ہے) لہٰذا ایسے نظام (نظامِ جمہوریت) کے ہوتے ہوئے اسلامی نظام اور عدل وانصاف قائم نہیں ہو سکتا نماز کو قائم کرنا اور اسے قائم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، اگر غیر اسلامی نظام کی وجہ سے حکومت ایسا کرنا نہیں چاہتی تو علماء، دوسرے اچھے مسلمان شہریوں اور دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام الناس کے تعاون اور سرپرستی سے یہ نظام نافذ کروالیں کہ نمازوں کے اوقات میں کم از کم بر سرِ عام خرید وفروخت نہ ہو، اور بازار دکانیں وغیرہ بند ہوں تاکہ ہر شخص کو نماز کی طرف رغبت پیدا ہو، اسی طرح تعلیمی وغیر تعلیمی، حکومتی ونجی تمام ادارے اور ان کی انتظامیہ اپنے یہاں نمازوں کے اوقات میں تمام کارکنوں اور طلباء کو نماز کی پابندی کروائیں۔

لوگوں کے ڈر سے نماز

زید دفتر کے اوقات میں پابندی سے نماز ادا کرتا ہے، کیونکہ اس کو ڈر لگتا ہے اور شرم آتی ہے کہ اگر نماز نہیں پڑھی تو لوگ کیا کہیں گے؟ دفتر کے بعد اور چھٹی کے دنوں وہ مسجد کا رخ بالکل نہیں کرتا، آیا اس کی نماز جو دفتر میں پڑھتا ہے وہ ادا ہوگی یا نہیں کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے؟۔

(سراج قمرالدین ۔ ریاض)

اگر کوئی شخص نماز کے ارکان فرائض و واجبات وغیرہ مکمل ادا کر کے نماز پڑھتا ہے تو ایسے شخص کی نماز صحیح ہے، نماز یا کسی بھی عمل کی صحت کا دارومدار عام طور پر حسن نیت پر موقوف نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس عمل کے فوائد قبولیت اور اجر و ثواب کا تعلق حسن نیت اور اخلاص سے ہوتا ہے کہ جو عمل جس درجہ اچھی نیت اور اخلاص کے ساتھ (یعنی اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر) انجام دیا جائے گا وہ اتنا ہی زیادہ مقبول اور باعث اجر و ثواب ہوگا، نماز کی صحت اور قبولیت دو الگ چیز ہیں، پھر دلوں کے حال سے صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، لہٰذا کسی بارے میں ہمیں یہ فیصلہ کرنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے یا ان کے ڈر و شرم سے نماز پڑھتا ہے، اس لئے اس کی نماز مقبول نہیں۔ زید اگر گھر پر یا چھٹی کے دنوں میں نماز نہیں پڑھتا تو حکمت کے ساتھ اسے نماز کی تلقین کی جائے تاکہ وہ پنج وقتہ نمازوں کا پابند ہو جائے ۔ ب

قعدہ میں درود شریف

نماز کے قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ ثانیہ میں کیا درود شریف کا پڑھنا ضروری ہے؟

نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے درود شریف کی اہمیت کے پیش نظر اسے قعدۂ اولیٰ میں بھی واجب (ایک روایت میں سنت) قرار دیا ہے جب کہ قعدۂ ثانیہ میں ان کے یہاں درود شریف پڑھنا فرض ہے، احناف کے یہاں قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ (۱)

نماز میں خشوع وخضوع

میں نے سنا ہے کہ نماز میں ہاتھ پاؤں بلکہ کوئی بھی عضو کو حرکت نہیں دینا چاہیے اور یہ کہ تین مرتبہ ہاتھ چھوڑ دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے، اس بارے میں رہنمائی فرمائیں؟۔

(محمد اقبال۔ القصیم)

نماز پڑھتے ہوئے نمازی کی تمام توجہ حضورِ قلب پر ہونی چاہیئے کہ دل حاضر ہو اور دل میں اس بات کا احساس ہو بلکہ یقین ہو کہ یہ احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری ہے (۲) اسی احساس سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے، جو نماز کی جان ہے نمازی اگر نماز پڑھتے ہوئے دل کے حضور سے نماز پڑھے تو یہ نماز کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر آیت وجملے پر غور کرتا ہے، اور یہی تدبر وغور وفکر اس کی نماز میں وہ طاقت پیدا

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۱/۱۹۔

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۲۶۔

کر دیتے ہیں جس کے ذریعے یہ نمازی گناہوں سے دور رہتا ہے، نماز کے دوران فضول حرکتیں اِدھر اُدھر دیکھنا، دل میں دنیا کا دنیا والوں کا خیال آنا یہ بتاتا ہے کہ نمازی کا دل نماز میں نہیں ہے کہیں اور ہے، بقول شاعرِ مشرق کہ

کبھی سر بہ سجدہ ہوا جو میں تو زمیں سے آنے لگی صدا

ترا دل تو ہے صنم آشنا مجھے کیا ملے گا نماز میں

اگرچہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ تین بار یا تین بار سے زائد حرکت کرنے سے نماز میں نقص واقع ہو جاتا ہے لیکن یہ کوئی تین بار یا تین سے زیادہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نماز کی جان اور روح حضورِ قلب ہے، اگر یہ کیفیت موجود نہیں ہے تو نماز بے اثر اور بے جان ہے۔

حالتِ نماز میں کعبہ پر نظر

خانہ کعبہ (مسجدِ حرام) میں نماز پڑھتے ہوئے حالتِ نماز میں کعبہ شریف کو دیکھتے رہنا درست ہے یا نہیں؟۔

نماز جہاں بھی پڑھی جائے حالتِ قیام میں نمازی کی نگاہ سجدہ کی جگہ ہونی چاہیئے، نماز میں خانہ کعبہ کو دیکھتے رہنا درست نہیں۔ (۱)

ٹخنوں سے اوپر کپڑا

کیا دورانِ نماز ٹخنوں پر کپڑا (تہبند یا پاجامہ وغیرہ) رہ سکتا ہے یا ٹخنوں سے اوپر ہونا چاہیئے؟۔

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۱/۲۶۷

یہ بات نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام حالات میں بھی تہبند پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اوپر ہی ہونا چاہیئے۔ ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے دیکھا تو فرمایا "نصف پنڈلی تک اسے اونچا کرلو، اگر یہ پسند نہ ہو تو ٹخنوں تک کرلو لیکن ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر وغرور کی علامت ہے، اور اللہ تکبر وغرور کو پسند نہیں فرماتا" (ابوداؤد عن جابر بن سلیم باب ماجاء فی اسبال الازار۔)

ایک اور حدیث میں جو ابوداؤد ہی میں سیدنا ابوذر غفاری سے مروی ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائے گا، اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا، اور نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا بلکہ ان کے لیئے دردناک عذاب ہے، میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ کون ہیں؟ یقیناً وہ بڑے خسارے میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی، میں نے پھر پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ کون ہیں؟ یقیناً وہ بڑے خسارے میں ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا (پاجامہ یا تہبند) ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا کسی پر احسان کرکے، احسان جتانے والا، اور اپنے سامان کو جھوٹی قسم کھا کر فروخت کرنے والا" (ابوداؤد عن ابی ذر باب ماجاء فی اسبال الازار ۴۰۸۷)

جب عام حالات میں بھی کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی اجازت نہیں تو پھر نماز کی حالت میں جو کہ عبادت ہے، اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، اگر کوئی اس طرح نماز پڑھے تو اس کی نماز تو ہوجائے گی لیکن اس کا یہ عمل مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نماز کو غیر مقبول قرار دیا، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جاؤ وضو کر آؤ، وہ شخص گیا اور وضو کیا، جب وہ آیا تو پھر آپ نے فرمایا جاؤ وضو کر آؤ، ایک شخص کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسے کیوں وضو کا حکم فرما رہے ہیں، پھر وہ خاموش ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ اپنا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا،" (۱)

نماز میں آنکھیں بند کرنا

آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا کہاں تک درست ہے؟ بعض لوگ خشوع وخضوع حاصل کرنے کے لئے نماز میں آنکھیں بند کرتے ہیں، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنکھیں بند کرنے یا بند رکھنے سے نماز نہیں ہوتی کیا یہ صحیح ہے؟۔

یہ بات درست نہیں کہ نماز میں آنکھیں بند کرنے یا بند رکھنے سے نماز نہیں ہوتی، البتہ ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں، نمازی کو چاہیئے کہ نماز میں جب اللہ کے سامنے کھڑا ہو تو سجدہ کی جگہ اپنی نگاہ جمائے رکھے نہ اِدھر اُدھر دیکھے اور نہ آنکھیں بند کرے، آنکھیں بند کئے بغیر بھی خشوع وخضوع نماز میں پیدا ہو سکتا ہے، اس کا ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ نماز میں جو کچھ پڑھ رہا ہو اس کو غور وفکر سے پڑھے، سمجھ کر پڑھے، اور اسی پر تدبر کرتا رہے تو انشاء اللہ آہستہ آہستہ خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوگی۔ (۲)

---

(۱) ابوداؤد عن ابی ہریرہ باب الاسبال فی الصلوٰۃ ۱/۹۳

(۲) الفتاوی الہندیہ ۱/۱۰۷، المغنی ۱/۳۰۷

نماز لوٹانا ضروری ہے

امام صاحب نے مغرب کی نماز میں سورۃ العلق کی تلاوت کی پھر سورۃ کے ختم پر اللہ اکبر کہتے ہوئے سیدھے رکوع میں چلے گئے، سجدۂ تلاوت کرنا شاید بھول گئے، لیکن میں اور اکثر لوگ تکبیر سن کر سجدہ میں چلے گئے، امام صاحب چونکہ رکوع میں تھے، انہوں نے جب سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سجدہ سے اٹھے اور پھر امام کے ساتھ سجدہ میں چلے گئے، اس طرح اب جن لوگوں نے رکوع نہیں کیا ان کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟۔

(عبدالحکیم۔ طائف)

رکوع نماز میں ایک اہم رکن اور فرض ہے اور فرض کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی، لہٰذا جن لوگوں نے رکوع نہیں کیا ان کی نماز صحیح نہیں ہوئی، انہیں چاہیے کہ اپنی نماز دوبارہ پڑھیں، اسی طرح یہ مسئلہ بھی ذہن میں رہے کہ مقتدیوں پر امام کی اقتدار ضروری ہے، اگر کسی ایک رکن میں مکمل طور پر امام کی اقتدار ترک ہو جائے تو ایسے مقتدی کی بھی نماز باطل ہو جائے گی (۱)، اس طرح مذکورہ صورت میں اگر کوئی شخص "سجدۂ تلاوت" سے اٹھ کر رکوع کر لے جب کہ امام صاحب رکوع کر چکے ہوں تب بھی اس شخص کی نماز (ایک رکن میں امام کی اقتدار چھوٹ جانے کی وجہ سے) باطل ہو گی، اسے بھی اپنی نماز لوٹانا ضروری ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ نماز میں آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد اگر فوراً رکوع پھر سجدہ کرے تو اس نماز والے سجدے سے آیت

---

(۱) مسند ۱/۲۱۹

تلاوت کا سجدہ بھی ادا ہو جائے گا، اگر آگے تلاوت کا تسلسل رکھنا ہو تو سجدۂ تلاوت کر کے پھر آگے قرآن پڑھے، پھر رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کرے

نماز میں تلاوتِ قرآن کی مقدار

ایک رکعت میں کم از کم تین آیات پڑھی جاتی ہیں، کیا صرف آیۃ الکرسی کو ایک رکعت میں پڑھ سکتے ہیں؟ اسی طرح سورہ بقرہ کی آخری تین آیات دو رکعتوں میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(احسان اللہ۔ جیزان)

نماز کی جن رکعات میں بھی سورۂ فاتحہ کے بعد ضمِ سورہ یعنی قرآن پاک کی تلاوت ضروری ہے، اس کی مقدارِ واجب یہ ہے کہ کم از کم تین چھوٹی آیات کے بقدر ہو، اگر کوئی ایک آیت تین چھوٹی آیات کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہے، تو ایسی ایک آیت پر اکتفاء کر لینا بھی کافی ہے، جیسا کہ ایک چھوٹی سورت قرآن پاک کی سورت الکوثر ہے جس میں تین آیات ہیں، ایک رکعت میں اس ایک سورت کا پڑھ لینا کافی ہے، آیۃ الکرسی یقیناً اس سورہ (اور اس کی تین آیات) سے کئی گنا بڑی ہے، لہٰذا ایک رکعت میں صرف آیۃ الکرسی پڑھ کر رکوع کر لینا صحیح ہے، اسی طرح سورۃ البقرہ کی آخری تین آیات بھی بڑی ہیں، اس لئے انہیں دو رکعات میں تقسیم کر کے پڑھا جا سکتا ہے، یعنی پہلی رکعت میں دو آیتیں اور دوسری رکعت میں ایک آیت پڑھ لینا درست ہے۔ (۱)

---

(۱) فتاویٰ غیاثیہ ۲۵/

نماز کی اصل روح

بعض لوگ نماز پڑھتے ہوئے سر کھجاتے، ناک صاف کر کے ٹیشو پیپر جیب میں رکھتے، اور بیجر بج اٹھے تو جیب سے نکال کر نمبر دیکھ کر رکھتے ہیں، کیا ان حرکات سے نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟

(سجاد علی۔ دمام)

نماز کا اصل ہدف اور مقصد اس تقویٰ کا حصول ہے جس کی بدولت نمازی گناہوں سے دور رہے اور نیکیوں کی طرف لپک لپک کر جائے، نماز کی جان اور روح نماز کا خشوع وخضوع ہے، جو لوگ نماز میں بے جا اور کثرت سے حرکات کرتے ہیں، وہ نماز کی اصل روح اور جان سے محروم رہتے ہیں، البتہ نماز کو فاسد کرنے والی چیزیں الگ ہیں، جنہیں علماء نے مفسداتِ صلاۃ اور مبطلاتِ صلاۃ کے نام سے مستقل الگ بیان کیا ہے، جن حرکات کا آپ نے ذکر کیا ہے، اگر اس میں "عملِ کثیر" پایا جائے تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی ورنہ نہیں۔

عملِ کثیر نمازی کا وہ عمل ہے کہ جس کو کرتے ہوئے کوئی غیر نمازی دیکھ لے تو اس کو یقین ہو جائے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے، اگر غیر نمازی کو اس آدمی کے نماز میں مشغول ہونے یا نہ ہونے میں شک وشبہ ہو جائے تو وہ عملِ قلیل شمار ہوگا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس کام میں دو ہاتھ کی ضرورت پڑے وہ عملِ کثیر ہے، اور جس میں صرف ایک ہاتھ کی ضرورت پڑے وہ عملِ قلیل ہے۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ مبتلی بہ جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر اور جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہوگا، یہ آخری قول امام ابوحنیفہ کے نقطۂ نظر سے ملتا جلتا نقطۂ نظر ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہ اس طرح کے مسائل میں مبتلی بہ ہی کی رائے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ (فتح القدیر ۱/۳۵۱)

امام احمد بن حنبل کے یہاں بھی عملِ کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، چاہے وہ عمل ضرورت کی بنیاد پر ہو یا بلا ضرورت ہو، البتہ ان کے نزدیک عملِ کثیر اور عملِ قلیل کا معیار ایک تو عرف ہے کہ عرفِ عام میں نماز کے اندر جس عمل کو کثیر سمجھا جاتا ہو وہ عملِ کثیر ہوگا، اور جس کو قلیل سمجھا جاتا ہو وہ عملِ قلیل ہوگا۔ دوسرا معیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل ہے، آپ نے دورانِ نماز جو کام انجام دیئے، وہ سب عملِ قلیل ہے، اور جو آپ کے عمل سے زائد ہو وہ کثیر ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ نماز میں بھی مشغول رہتے اور حضرت امام کو بھی گود لیے ہوتے، اسی طرح حضرت حسن کا دورانِ نماز آپ کی گردن پر چڑھنا، سامنے سے گذرنے والے کو دفع کرنا وغیرہ، یہ تمام امور آپ سے نماز میں ثابت ہیں، اس لئے اسی طرح کے امور درمیانِ نماز بلا کراہت درست ہوگا۔ (۱)

نماز کے دوران آسمان کی جانب دیکھنا

دورانِ نماز آسمان کی طرف بار بار دیکھنا کیسا ہے؟ کیا یہ عمل جائز ہے؟۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے، جو خشوع وخضوع کا نام ہے، اسی لئے دورانِ نماز نمازی ہر ایک حرکت سے پرہیز کرے جو خشوع وخضوع کے خلاف ہو، کئی احادیث سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ نماز آسمان کی طرف دیکھنے کو سخت ناپسند فرمایا ہے، اور ارشاد فرمایا "جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، وہ اس بات سے ڈریں کہ کہیں اللہ تعالیٰ

---

(۱) دیکھئے، المغنی ۲/۴۲

ان کی شکلیں گدھے کی سی نہ بنا دے" ایک دوسری روایت میں ہے "کہیں ایسا نہ ہو کہ ان سے ان کی نگاہیں ہی اچک لی جائیں" (۱)

فرض نماز کے بعد دعاء کی قبولیت

آپ نے پچھلے دنوں اخبار میں ذکر کیا تھا کہ دعاء کی قبولیت فرض کے بعد ہوتی ہے، تو پھر یہ بتا دیں کہ تمام نماز پڑھنے کے بعد دعاء مانگی جائے یا نہیں؟ (ایک بہن۔ ابہا)

فرض نمازوں کے بعد دعاء کرنا احادیث میں بکثرت وارد ہوا ہے، ترمذی میں حضرت ابوامامہ سے مروی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ:

ای الدعاء اسمع؟ قال جوف اللیل ودبر الصلوٰۃ۔

کون سی دعائیں اللہ کے یہاں زیادہ سنی جاتی ہے، آپ نے فرمایا کہ رات کے حصہ میں اور نمازوں کے بعد۔ (۲)

اس لئے نمازوں کے بعد دعا قبول کیا جانا ایسی حقیقت واقعہ ہے، جس سے انکار شرعاً جائز نہیں ہے۔

ہر نماز سے قبل استنجاء

عام طور سے دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ عین نماز کے وقت بھی استنجاء خانوں میں قطار بنائے اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں، یہاں تک کہ نماز شروع ہو جاتی ہے، اور وہ استنجاء پھر وضو سے

---

(۱) مسلم ۱/۱۸۱ باب النہی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ

(۲) ترمذی: عن ابی امامہ احادیث شتی من ابواب الدعوات

فارغ ہوکر جماعت میں شریک ہوتے ہیں، کوئی ایک رکعت کے بعد کوئی دو رکعت کے بعد، اور کوئی آخری رکعت میں شامل ہوتا ہے، کیا ہر نماز سے پہلے استنجاء کرنا ضروری ہے، چاہے جماعت پوری ہوجائے؟ —— (قاسم فاروقی۔ بحرین)

ہر نماز سے قبل استنجاء وطہارت کا حصول ضروری نہیں، اس سے پہلے ضرورت سے فارغ ہوکر حاصل کی ہوئی طہارت بھی کافی ہے اور نماز کے وقت وضو نہ ہو تو وضو کرلیں، ہاں اگر کسی کو پیشاب وغیرہ کا تقاضہ شدید ہو تو چوں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۱) اس لئے پہلے اس ضرورت سے فارغ ہوکر بعد میں نماز پڑھیں، لیکن ایسی صورت میں اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ سارے کام جماعت سے پہلے ہوجائیں تاکہ مکمل طور پر جماعت سے نماز مل سکے، اور جماعت کے ثواب سے محرومی نہ ہو، اگر تقاضہ شدید نہ ہو تو خواہ مخواہ قطار میں کھڑے رہنا اور جماعت چھوڑ دینا یقیناً درست نہیں۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

کچھ لوگ سلام پھیرتے وقت خود کو اتنا آگے جھکا کر نماز میں سلام پھیرتے ہیں کہ دائیں جانب سلام پھیرتے وقت اس صف کے پہلے آدمی پر نظر ڈالتے ہیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت اس صف کے آخری کونے تک نظر دوڑاتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے؟ (لیاقت یوسف۔ ریاض)

---

(۱) الفتاوی الہندیہ ۱/۱۰۷

یہ صورت جو آپ نے دریافت کی ہے، نماز کے ادب کے خلاف ہے بہتر یہ ہے کہ پہلے سلام میں دائیں جانب رُخ کرے تو نگاہ اپنے کندھے پر اس طرح رہے کہ گوشۂ چشم سے دائیں رخسار پر نظر پڑے، اور دوسرے سلام میں بائیں جانب رخ کرے تو نگاہ بائیں رخسار پر پڑے۔[1] چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں سلام میں اس طرح دائیں طرف متوجہ ہوتے کہ دائیں رخسار مبارک کی سفیدی پر نظر پڑتی، اسی طرح بائیں جانب سلام پھیرتے تو بائیں رخسار کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔[2]

عام لباس میں نماز

آج کل بعض لوگ ایسے لباس میں نماز پڑھتے ہیں جو کہ عام محفل میں ناپسندیدہ ہوتا ہے، جیسے ٹریکیٹ سوٹ اور رات سوتے وقت استعمال کرنے والا سوٹ وغیرہ، اور بعض لوگ تو اس سے بھی نازیبا لباس میں نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، کیا ایسے لباس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا، نماز پڑھنا، امامت کرنا اور ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(عبدالمنان۔ ابہا)

ایسے لباس میں نماز پڑھنا، پڑھانا درست ہے، اور ایسے شخص کی اقتداء میں نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے، لیکن کوئی ضرورت اور مجبوری نہ ہو تو ایسے نازیبا

---

(۱) ہندیہ ۱/۷۶، المغنی ۱/۳۲۵ (۲) ابوداؤد عن ابن مسعود باب فی السلام

اور عام محفلوں میں ناپسند کیے جانے والے لباس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے۔"[1]
کیونکہ نماز پڑھتے ہوئے بندہ اللہ کے دربار میں اور اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے،
لہٰذا بہتر اور مناسب پسندیدہ بات یہ ہے کہ بندہ رب حقیقی کے سامنے اچھی حالت
اور اچھے لباس میں حاضر ہو کر نماز و طواف کے وقت اپنی استطاعت کے مطابق
اچھا لباس اختیار کرے۔

سورۂ اعراف آیت ۳۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے اولادِ آدم ہر
مسجد (نماز و طواف) کے وقت اپنی زینت کو اختیار کرو" اگرچہ آیت کے شانِ
نزول کا اعتبار کرتے ہوئے اکثر مفسرین نے اس سے "سترِ عورت" مراد لیا ہے یعنی
نماز و طواف کے وقت اپنے جسم کے قابلِ ستر حصے کو چھپاؤ اور ننگے طواف نہ کرو۔
جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار کعبۃ اللہ کا ننگے ہو کر طواف
کیا کرتے تھے، چاہے مرد ہو کہ عورت، چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اور
نماز و طواف میں سترِ عورت کو ضروری قرار دے دیا گیا۔

لیکن آیت کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ نماز کے وقت زیب و زینت یعنی
اچھا اور عمدہ لباس پہنا جائے، چنانچہ اسی آیت کی روشنی میں بعض علماء نے
اسے مسنون و مستحب قرار دیا ہے، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے
کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے لباس میں جو سب سے عمدہ ہوتا اسے
زیب تن فرماتے، جب پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ
جمیل ہے اور وہ جمال و خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے، لہٰذا میں اپنے رب کے لئے
زینت والا لباس اختیار کرتا ہوں، کیونکہ وہ خود فرماتا ہے "ہر نماز کے وقت

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۸۲۷

زینت اختیار کرو" لہٰذا مجھے عمدہ لباس پہننا پسند ہے۔ (ملاحظہ ہو، تفسیر روح المعانی تفسیر سورۂ اعراف آیت ۳۱ ۸/۱۰۹

ننگے سر نماز

کیا ننگے سر بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا صحیح ہے، اور کیا اس سے نماز ہو سکتی ہے؟ ——— (امتیاز الدین واجدہ۔ جدہ)

ہاں ننگے سر بھی نماز پڑھنے سے نماز تو ہو جائے گی، مگر بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا مکروہ اور خلافِ ادب ہے۔(۱)

ہوائی جہاز پر نماز

دورانِ سفر کیا ہوائی جہاز پر نماز کی ادائیگی درست ہے؟

(محمد عثمان عباسی۔ جدہ)

جی ہاں درست ہے، کشتی پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے ہوائی جہاز پر بھی نماز کی ادائیگی کو درست قرار دیا ہے۔(۲)

نماز میں سورت کی تبدیلی

نماز میں کوئی سورہ پڑھ رہے ہوں، اگر وہ بھول جائیں تو کوئی دوسری سورہ شروع کر سکتے ہیں یا نماز توڑ کر دوبارہ پڑھنا ہوگا؟

---

(۱) الفتاوی الہندیہ ۱/۱۰۶

(۲) الفقہ الاسلامی ۲/۵۴

ایسے موقع پر نماز توڑنے کی ضرورت نہیں، بلکہ دوسری سورت شروع کرسکتے ہیں، اگر مقدارِ واجب تلاوت ہوچکی ہو (یعنی کم از کم چھوٹی تین آیتیں یا بڑی ایک آیت)، تو فوراً رکوع بھی کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

کلمۂ شہادت کے وقت انگلی اٹھانا

بعض لوگ اذان اور اقامت کے وقت جب کلمۂ شہادت سنتے ہیں تو شہادت کی انگلی اٹھا دیتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے' یا شہادت کی انگلی صرف نماز ہی میں اٹھانا چاہیئے؟

کلمۂ شہادت کے الفاظ شہادت کے وقت شہادت کی انگلی اٹھانا مستحب ہے۔ (۲)

اونٹ کا گوشت کھا کر نماز کی ادائیگی

کسی نے کہا کہ اونٹ کا گوشت کھا کر نماز پڑھیں تو نماز مکروہ ہوگی کیا یہ صحیح ہے؟

یہ بات صحیح نہیں کہ اونٹ کا گوشت کھا کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہوگی البتہ صحیح مسلم کی ایک روایت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنا چاہیئے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، نماز پڑھنے کے لئے دوبارہ وضو کرنا ضروری

---

(۱) فتاویٰ غیاثیہ ۲۵

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۱۶۷

ہے، جب کہ جمہور ائمہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ چونکہ اس میں چکنائی اور گوشت کی بو زیادہ ہوتی ہے، اس لئے اس کے کھانے کے بعد نماز سے پہلے، اچھی طرح ہاتھ منہ دھولینا چاہیئے جو کہ نظافت و پاکیزگی کا طبعی تقاضہ ہے۔ (۱)

دوسرے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا

اپنے محلے کی مسجد چھوڑ کر دوسرے محلے کی مسجد میں جانا شرعًا کیسا ہے؟ ——— (احسان اللہ۔ جیزان)

افضل اور بہتر تو یہی ہے کہ ہر شخص اپنے محلے کی مسجد میں ہی تمام نمازیں ادا کرے، لیکن اگر کسی دوسری مسجد میں اس کا دل زیادہ لگتا ہے، اور امام کی قرارت یا علمی درس وغیرہ کی وجہ سے دوسری مسجد جاتا ہے تو یہ عمل جائز ہے۔

نماز کے بعد صلاۃ وسلام

ہماری مسجد میں کچھ لوگ نماز کے بعد کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں، اور نمازی کو جبرًا اپنے ساتھ شریک کرتے ہیں، کیا اس طرح درود وسلام پڑھنا جائز ہے؟

(ایس۔ کے۔ ذاکر۔ الریاض)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام بھیجنا ہر امتی پر آپ کا حق ہے کسی صاحب ایمان کیلئے اس

---

(۱) المغنی ۱/۱۲۱

سے انکار کی قطعاً گنجائش نہیں ہے جب بھی آپ کا نام آئے، بعض اہل علم کے نزدیک ہر مرتبہ صلوٰۃ وسلام کے کلمات کہنا واجب ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ مجلس میں اگر متعدد بار آپ کا ذکر آئے تو ایک مرتبہ صلوٰۃ وسلام کہدینا کافی ہے تاہم بہتر یہی ہے کہ ہر دفعہ صلوٰۃ وسلام کے کلمات کہے۔ تاہم دو اصول یاد رکھنے چاہئیں، اول یہ کہ کتاب وسنت میں جس عبادت کے لئے کوئی کیفیت اور ہیئت متعین نہیں اُسکے لئے کسی خاص کیفیت کا تعیین، دوسرے جس کام کے لئے کسی خاص وقت کو اہمیت نہ دی گئی ہو اسکے لئے اس وقت کا تقرر، یہ دونوں ہی چیزیں سنت کو بدعت بنا دیتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو: الاعتصام للشاطبی ۱/۳۹)

جمعہ یا کسی خاص نماز کے بعد خصوصیت سے صلوٰۃ وسلام نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ حضراتِ صحابہ کرام سے، نہ کتبِ فقہ میں اسکا ذکر ہے، بلکہ اس کے لئے وقت کی تعیین بے معنی ہے کیونکہ نمازِ جمعہ میں اور خود خطبہ جمعہ میں صلوٰۃ وسلام موجود ہے، پھر نماز کے بعد علیحدہ صلوٰۃ وسلام کا التزام کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں صلوٰۃ وسلام اجتماعی صورت میں ہوتا ہے اور جو اعمال خیر القرون میں اجتماعی طور پر ثابت نہ ہوں، ان کو اجتماعی ہیئت کے ساتھ انجام دینا بدعت ہے۔ (ہندیہ ۴/۹۱) پس کسی خاص نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام وہ بھی کھڑے ہو کر اور اجتماعی صورت میں بدعت ہے، شریعت میں اسکی کوئی اصل نہیں۔

نماز میں انگلی چٹخانا

نماز میں انگلیاں توڑنا کیسا ہے؟ (فیاض احمد۔ عنیزہ)

مکروہ ہے اس سے بچنا چاہیئے، اگر یہ عمل کثیر کی حد تک پہونچ جائے تو نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ (۲)

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۰۷

(۲) قولہ: لاتفرقع اصابعك وانت فی الصلوٰۃ۔ (المغنی ۱/۳۷۰)

مسجد میں بیٹھ کر انگلیاں چٹخانا

بعض لوگ مسجد میں بیٹھ کر انگوٹھے اور انگلیاں چٹخاتے رہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟۔

مسجد میں ادب سے بیٹھا جائے، یا تو سنت و نوافل ادا کیے جائیں یا تلاوت و ذکر کیا جائے، فضول بیٹھنا بھی مناسب نہیں ہے، مسجد میں بیٹھ کر انگوٹھے یا انگلیاں چٹخانا معیوب بات ہے۔

اذکار نماز اگر یاد نہ ہوں

اگر کسی شخص کو سورۂ فاتحہ یا قرآن کی کوئی سورت اور التحیات و درود شریف وغیرہ کچھ بھی یاد نہ ہو تو وہ نماز کس طرح پڑھے؟ ——— (عبداللطیف۔ درعیہ)

نماز پڑھنے والے نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ اور دیگر اذکارِ نماز وغیرہ زبانی یاد کر کے نماز پڑھے، البتہ اگر کوئی شخص ذہنی اعتبار سے کمزور ہو تو وہ جو کچھ یاد کر سکتا ہو یاد کر کے نماز پڑھتا رہے، اور باقی اذکار رفتہ رفتہ یاد کرنے کی کوشش جاری رکھے۔

سنّت کی ادائیگی کے لئے جگہ بدلنا

فرض نماز کے بعد کیا سنّت نماز اسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ یا اس جگہ سے تھوڑا ہٹ کر پڑھنا چاہیے؟ بعض لوگ لوگ جبراً نمازی کو دائیں یا بائیں ہٹا کر سنّت نماز ادا کرتے

ہیں۔ کیا یہ عمل صحیح ہے؟ —— (ایم احمد۔ جدہ)

فرض نمازوں کے بعد سنت یا نفل پڑھنے کے لئے جگہ بدلنا ضروری نہیں ہے، اگرچہ بعض علماء نے اسے پسند کیا ہے، لیکن اس کے لئے کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔

فرض نماز کے بعد ہاتھ ملانا

فرض نماز سے فارغ ہوتے ہی چند لوگ اپنے دائیں بائیں نمازی سے ہاتھ ملاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگ اس کے لئے اصرار کرتے ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟ (ایم احمد۔ جدہ)

فرض نمازوں یا سنت نمازوں کے بعد اہتمام سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا بدعت ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔ (۱)

سجدۂ سہو کے مسائل

مقتدی کی غلطی پر سجدۂ سہو

امام کے ساتھ فرض نماز ادا کر رہے ہوں اور نماز میں ایسی غلطی ہو جائے جس سے کہ سجدۂ سہو لازم آتا ہے، تو نماز کس طرح درست کریں؟ کیا امام کے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنا ہوگا؟

(عقبہ نواز احمد۔ جدہ)

---

(۱) اشعۃ اللمعات ۴/۲۲، مرقاۃ المفاتیح ۴/۵۵، باب المصافحہ والمعانقہ

امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی صورت میں اگر مقتدی سے کچھ سہو ہو جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں، اور اس کی نماز بھی امام کی متابعت میں درست ہو گی، اگر امام سے سہو ہو جائے تو امام پر سجدۂ سہو لازم ہے، اور اس کی اتباع میں مقتدی بھی سجدۂ سہو کریں گے (۱) اگر کوئی مقتدی "مسبوق" ہو یعنی اس کی چند رکعات چھوٹ گئی ہوں، اور وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کر رہا ہو اور اس حالت میں اس سے سہو ہو جائے تو "منفرد" یعنی تنہا نماز پڑھنے والے شخص کی طرح وہ قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کر کے اپنی نماز مکمل کرے گا (۲) ورنہ اس کی نماز درست نہ ہو گی اور اعادہ ضروری ہو گا۔

مسبوق سجدۂ سہو کب کرے؟

اگر کوئی شخص درمیان میں امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائے اور امام قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کرے تو یہ شخص کیا کرے؟ کیا امام کے ساتھ سجدۂ سہو کر کے اپنی نماز مکمل کرے گا، یا پہلے اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پڑھ کر آخری قعدہ میں سجدۂ سہو کرے؟ یا دونوں وقت (یعنی امام کے ساتھ اور پھر اپنے آخری قعدہ میں) سجدۂ سہو کرے؟ ——— (عبدالحمید۔ ریاض)

ایسا شخص امام کے ساتھ امام کی اتباع میں سجدۂ سہو کرے گا، اس کے بعد دوبارہ سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر اپنی نماز مکمل کرتے ہوئے اگر

---

(۱) المغنی ۱/۳۸۸، ہندیہ ۱/۱۲۸

(۲) المغنی ۱/۳۸۹، ہندیہ ۱/۱۲۹

کوئی غلطی ہو جائے تو اس پر (قعدۂ اخیرہ میں) سجدۂ سہو کرنا لازم ہے۔ (۱)

سجدۂ سہو میں غلطی

ہم مسجد میں نماز باجماعت ادا کر رہے تھے، غالباً امام صاحب سے کچھ بھول ہو گئی، لیکن جس طرح انہوں نے سجدۂ سہو کیا اس سے میں مطمئن نہیں، کیونکہ انہوں نے دونوں نے دو سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا جب کہ مقتدی بھی دونوں طرف سلام پھیر چکے تھے، گویا فرض نماز ختم ہو چکی تھی، کیا ہماری نماز درست تھی میرے خیال میں امام صاحب سجدۂ سہو کرنا بھی بھول گئے تھے اگر کبھی ایسا اتفاق ہو تو اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟۔

(مشتاق احمد شاہد۔ ریاض)

اگر کوئی شخص سجدۂ سہو کرنا بھول جائے اور دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے پھر وہ سجدۂ سہو کر لے تب بھی نماز درست ہے، بشرطیکہ دونوں طرف سلام پھیرنے اور سجدۂ سہو کرنے کے درمیان زیادہ وقفہ نہ ہو، نیز نماز کو باطل کرنے والا کوئی عمل بھی نہ پایا گیا ہو، جیسے قبلے سے پھر جانا، بات چیت کرنا، سنّت ونفل کی ادائیگی میں مشغول ہو جانا یا اور کوئی دوسرا عمل کرنا، ایسی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں، بلکہ نماز کو دہرانا ہوگا۔ (۲)

---

(۱) المغنی ۱/۳۸۹، ہندیہ ۱/۱۲۸

(۲) المغنی ۱/۳۸۵

مقتدی سے غلطی پر سجدۂ سہو

نماز میں مقتدی سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو کیا اس مقتدی کو سجدۂ سہو کرنا چاہیے؟ ——— (محمد حنیف کاروانی۔ ریاض)

جی نہیں! مقتدی امام کا تابع ہوتا ہے، سجدۂ سہو کا تعلق امام سے ہے، اگر امام سے کوئی سہو ہو جائے تو وہ سجدۂ سہو کرے گا اور اس کے ساتھ سب مقتدی بھی امام کے تابع ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ سجدۂ سہو کریں گے، لیکن اگر مقتدی سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس سے کہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہو تو ایسی صورت میں نہ امام پر سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ مقتدی پر، بلکہ دونوں کی نمازیں بغیر سجدۂ سہو کے صحیح ہو جائیں گی، ہاں اگر کسی مقتدی سے ایسی غلطی ہو جائے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہو تو اس کو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی، امام اور دوسرے لوگوں کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ (۱)

سجدۂ تلاوت کے مسائل

لاؤڈ اسپیکر پر آیتِ سجدہ

میرا مکان مسجد کے روبرو ہے، اور مسجد سے ہونے والی اذان اور تلاوت کی آواز میرے مکان میں آتی ہے، اکثر اوقات مسجد کے امام صاحب نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیات تلاوت کرتے

---

(۱) المغنی ۱/ ۳۸۸، ہندیہ ۱/ ۱۲۸

ہیں، گھر میں موجود خواتین اس تلاوت کو سنتی ہیں، ایسی صورت میں سننے والی خواتین پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

(سید حشمت اللہ قادری دا اہلیہ عزیزیہ۔ جدہ)

لاؤڈ اسپیکر پر سننا براہِ راست سننے کے حکم میں ہے، لہٰذا احناف کے نزدیک اس صورت میں سجدہ واجب ہے، جب کہ دوسرے فقہاء کے ہاں سنتِ مؤکدہ ہے۔ (۱)

سجدۂ تلاوت واجب نہیں

جب میں قرآن کی اپنی ترتیب کے لحاظ سے مطلوبہ سورت کی تلاوت کے لئے ورق گردانی کرتا ہوں تو بسا اوقات آیاتِ سجدہ پر بھی نظر پڑ جاتی ہے تو کیا آیتِ سجدہ پر نظر پڑنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے، جب کہ میں نے اسے پڑھا نہیں اور نہ اپنے ہونٹوں کو جنبش دی، ویسے جتنی بار میرے ساتھ ایسا اتفاق ہوا میں نے سجدۂ تلاوت کیا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟ مطلع فرمائیں؟۔

(مصنف خاں۔ جدہ)

آیتِ سجدہ کو پڑھنے یا سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، صرف دیکھنے سے نہیں۔ کیونکہ حدیث میں سجدۂ تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر واجب قرار دیا گیا ہے، تلاوت زبان کا عمل ہے اور سننا کان کا، ان میں کوئی بھی عمل صرف آنکھ کا نہیں ہے، اس لئے محض دیکھنے سے سجدۂ تلاوت نہیں ہے

---

(۱) المغنی ۱/۳۶۱

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

میں ایک دکان پر کام کرتا ہوں، کبھی کبھار دکان پر بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتا ہوں اور سجدہ کی آیت آتی ہے تو کرسی پر بیٹھے بیٹھے میز پر سر رکھ کر سجدہ کرلیتا ہوں، جب کہ میرا رخ قبلہ کی طرف بھی نہیں ہوتا، کیا یہ عمل صحیح ہے یا دوبارہ سجدہ کرنا پڑے گا اگر دوبارہ سجدہ کرنا ضروری ہو تو کیا آیتِ سجدہ کو بھی دوبارہ پڑھنا ہوگا؟ ——— (محمد افضل کھوکر۔ بحرین)

سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے، رخ قبلہ کی طرف ہو، اور سجدہ اسی طرح کرے جیسا کہ نماز میں کیا جاتا ہے، سجدہ میں کم از کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے، پھر سجدہ سے سر اٹھانا چاہے تو تکبیر کہتے ہوئے سجدہ سے سر اٹھائے، سجدہ کے بعد نہ تشہد پڑھے اور نہ سلام پھیرے اسی طرح سجدہ میں جانے کے لئے تکبیر کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے، اگر سجدہ میں کچھ بھی نہ پڑھے تو یہ بھی جائز ہے ——— آپ نے سجدۂ تلاوت کا جو طریقہ لکھا ہے وہ صحیح نہیں، اب تک اس طرح کے جتنے سجدہ کئے ہوں، ان کو دوبارہ کرنا ہوگا۔ (۱) امام احمد کے نزدیک نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کرنا ہو تو اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھانا چاہئے کہ یہ تکبیر افتتاح (تحریمہ) ہے، اور نماز کے اندر کرنا ہو تو بھی ہاتھ اٹھائے کہ اس کے لئے رفعِ یدین مسنون ہے۔ (۲)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۱۷، ہندیہ ۱/۱۳۵

(۲) المغنی ۱/۳۶۰

سجدۂ تلاوت کس طرح ادا کریں؟ میں نے کئی حضرات کو بیٹھے بیٹھے
ایک سجدہ کر کے دونوں طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھا اور کئی
لوگوں کو اس طرح دیکھا کہ کھڑے ہو کر پہلے ہاتھ باندھتے، پھر سجدہ
کرتے اور دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں، واضح فرمائیں کہ کون سا
طریقہ صحیح ہے؟

سجدۂ تلاوت بیٹھے بیٹھے بھی کیا جا سکتا ہے، البتہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ کھڑے ہو کر ادا کریں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو کھڑے ہونے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جائیں، سجدہ میں سجدۂ تلاوت کی دعا، یا تسبیح پڑھیں، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ جائیں، سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے تکبیر کے موقع پر نہ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی ضرورت ہے اور نہ ہاتھ باندھنے کی، اسی طرح سجدہ کرنے کے بعد قعدہ کرنے یا سلام پھیرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ (۱)

امام احمد کے نزدیک نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کرنا ہو تو اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھائے گا، اس صورت میں اس تکبیر کی حیثیت تکبیر تحریمہ کی ہوگی، اور تکبیر تحریمہ میں رفعِ یدین مسنون ہے، اگر نماز کے اندر سجدۂ تلاوت کر رہا ہو تو بھی رفعِ یدین کرے گا، کیونکہ تکبیرات کہتے ہوئے ان کے نزدیک ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔ (۲)

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۳۵

(۲) المغنی ۱/۳۶۰

سجدۂ تلاوت کا طریقہ اور دعاء

سجدۂ تلاوت کا طریقہ کیا ہے؟ کیا سجدۂ تلاوت کے لئے کوئی خاص دعاء ہے؟

سجدۂ تلاوت وہاں کیا جاتا ہے جہاں قرآن پاک میں باقاعدہ نشان لگے ہوئے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں نیت کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کیا جائے اور دورانِ سجدہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ لیا جائے، اور پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھا لیا جائے، سجدۂ تلاوت ایک ہی سجدہ ہوتا ہے، سجدۂ تلاوت کی خاص دعاء یہ ہے :۔

"سجد وجھی للذی خلقه وشق سمعه وبصره بحوله وقوته" (۱)

ترجمہ : میرے چہرے نے سجدہ کیا اس ذات کے لئے جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی طاقت وقوت سے اس کے کان اور آنکھ بنائے۔

سجدۂ تلاوت کی دعاء

سجدۂ تلاوت کی دعاء بتایئے۔ (محمد ناصر ربانی ۔ ریاض)

سجدۂ تلاوت میں یہ دعاء پڑھی جائے۔ سجد وجھی للذی خلقه وشق سمعه وبصرہٗ بحوله وقوته فتبارك الله احسن الخالقین (میرے چہرے نے سجدہ کیا، اس ذات کے لئے جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور

---

(۱) ابوداؤد عن عائشہ باب مایقول اذا سجد ۔ المغنی ۱/۳۶۰

کھولا اس کے کان اور آنکھ کو اپنی قدرت و قوت سے، جو برکت والا احسن الخالقین ہے۔

نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت

کیا نماز میں سجدہ والی سورۃ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھی جائے تو کس طرح؟

نماز میں جیسے عام سورتیں پڑھی جاتی ہیں اسی طرح سجدہ والی سورۃ بھی پڑھی جا سکتی ہے، گو نماز میں ایسی سورت کا پڑھنا بہتر نہیں ہے، بلکہ بعض فقہاء کے ہاں تو مکروہ بھی ہے، بہرحال اگر آیتِ سجدہ تک تلاوت کی جائے تو آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد سیدھے سجدہ میں چلے جائیں پھر سجدۂ تلاوت سے اٹھ کر قیام کی حالت میں آجائیں اور آیتِ سجدہ کے بعد تسلسل سے جہاں تک چاہیں تلاوت جاری رکھیں۔ احناف کے نزدیک اگر آیتِ سجدہ کے بعد فوراً رکوع میں چلے جائیں تو یہ بھی سجدہ کی طرف سے کافی ہے۔

نماز میں سجدۂ تلاوت بھول جائے

اگر کوئی شخص کسی نماز میں یا تراویح میں آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کرنا بھول جائے تو کیا کرے، کیا اس کی نماز ہو جائے گی یا سجدۂ سہو کرنا پڑے گا؟ ——— (عبدالحکیم۔ طائف)

نماز میں آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً رکوع اور پھر نماز کا سجدہ کر لے تو اس سے سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی سجدۂ تلاوت نہ کرے اور آیت سجدہ کے پڑھنے کے بعد مزید تلاوت کا تسلسل جاری رکھے تو سجدۂ تلاوت کے

چھوڑنے سے اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں، بغیر سجدۂ سہو کے بھی نماز ہو جائے گی، اگرچہ سجدۂ تلاوت کے ترکِ کرنے کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا۔ (۱)

ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ سجدۂ تلاوت

اگر ٹیپ ریکارڈ میں کیسٹ لگا کر قرآن پاک کی تلاوت سنی جائے اور سجدۂ تلاوت آجائے تو کیا سننے والوں پر سجدہ واجب ہے؟

(احسان اللہ۔ جیزان)

ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ قرآن پاک کی تلاوت سنی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے کہ اگر کوئی طوطے کو آیتِ سجدہ پڑھنا سکھا دے اور وہ طوطا اسی طرح پڑھتا اور رٹتا رہے تو جو شخص بھی طوطے کی اس آواز کو سنے اس پر سجدۂ تلاوت نہیں ہوگا، ایسے ہی یہ مسئلہ بھی ہے کہ آواز بازگشت سے اگر کوئی آیتِ سجدہ سنے تو اس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا، ٹیپ ریکارڈ بھی بعینہٖ اسی طرح ہے، اس لئے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔ (۲)

ریڈیو سے سجدۂ تلاوت

میں اکثر سعودی ریڈیو سے تلاوتِ قرآن کریم سنتا ہوں، اور حافظِ قرآن بھی نہیں ہوں، اس لئے پتہ نہیں چلتا کہ آیتِ سجدہ کب آجائے، کیا مجھ پر سجدۂ تلاوت نہ کرنے کا گناہ ہوگا؟۔

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۳۴

(۲) فتاویٰ غیاثیہ ۳۵/، ہندیہ ۱۳۲/۱، جدید فقہی مسائل ۶۵/۱

سجدۂ تلاوت خود پڑھنے یا براہِ راست کسی سے سننے پر واجب ہوتا ہے ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ سے قرآنِ کریم کی تلاوت سنتے ہوئے آیتِ سجدہ آجائے تو سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اس لئے کہ یہ پڑھنے والے کی براہِ راست آواز نہیں ہوتی، بلکہ اسی کی ریکارڈ کی ہوئی آواز ہوتی ہے، اس کے برخلاف لاؤڈ اسپیکر سے آیتِ سجدہ کی تلاوت سنی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ براہِ راست پڑھنے والے ہی کی آواز ہوتی ہے، اسپیکر کا کام صرف یہ ہے کہ وہ آواز بڑھا کر دور تک پہونچاتا ہے۔

آیتِ سجدہ کی بار بار تلاوت

سورۃ العلق میں آیتِ سجدہ ہے، میں اس سورہ کو زبانی یاد کر رہا ہوں کیا جتنی مرتبہ آیتِ سجدہ پڑھوں اتنی دفعہ سجدہ کرنا ہوگا؟

(اشفاق خاں۔ مکہ مکرمہ)

ایک ہی مجلس میں ایک آیتِ سجدہ کو چاہے جتنی دفعہ پڑھا جائے ایک ہی مرتبہ سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، ہاں اگر مجلس بدل جائے مثلاً دوسری جگہ آپ اٹھ کر چلے جائیں اور وہاں پھر وہی آیت تلاوت کریں یا کسی کام سے جگہ سے اٹھ کر پھر اسی پرانی جگہ آکر بیٹھ جائیں اور اسی آیت کی تلاوت کریں تو چونکہ مجلس بدل گئی، اس لئے اب اس تلاوت سے نیا سجدہ واجب ہوگا، گویا اب دو سجدے کرنے ہوں گے، اسی طرح پھر مجلس بدلے تو تیسرا سجدہ کرنا ہوگا، بالکل اسی طرح آیتِ سجدہ بدل جائے تب بھی نیا سجدہ کرنا ہوگا، مثلاً دیکھا جائے، ایک ہی مجلس میں کوئی شخص تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے تین آیاتِ سجدہ کی تلاوت کرلے تو تین سجدے کرنے ہوں گے، اس صورت میں مجلس کا کوئی اعتبار نہیں، گویا سجدۂ تلاوت میں اضافہ یا تکرار مجلس بدلنے

سے ہوگا یا آیتِ سجدہ کے بدلنے سے، آپ سورۃ کو یاد کرتے ہوئے ایک ہی مجلس میں آیتِ سجدہ کو جتنی دفعہ چاہیں پڑھ لیں، آخر میں ایک سجدہ کر لیں۔ (۱)

سجدۂ تلاوت کی ادائیگی میں تاخیر

قرآنِ کریم میں تلاوت کے دوران جو سجدۂ تلاوت آتا ہے اسے کتنے دن کے اندر اندر لازماً ادا کر دینا چاہیئے؟ کیا تاخیر سے ادا کرنے پر آدمی گنہگار ہوگا؟۔

قرآن پاک میں سجدۂ تلاوت پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا ضروری ہے جس وقت سہولت ہو اس وقت یہ سجدہ کر لیا جائے، اس کے لئے وقت کی قید نہیں ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ فوراً سجدہ کر لیا جائے، یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ آیتِ سجدہ کی تلاوت نماز سے باہر کی گئی ہو، لیکن آیتِ سجدہ کی تلاوت نماز کے اندر کی گئی ہو تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہوگا، تاخیر جائز نہیں۔ (۲)

قضا کے مسائل

فوت شدہ نماز روزوں کی قضا

ایک شخص نے پندرہ بیس سال تک نہ نماز پڑھی اور نہ ہی روزے رکھے، اب اس نے توبہ کر لی ہے، گذشتہ نمازوں اور روزوں

---

(۱) فتاویٰ غیاثیہ: ص: ۳۶

(۲) الفقہ الاسلامی ۲/۱۱۲، غیاثیہ/۳۵

کا کیا ہو گا؟ ــــــــ (صلاح الدین خطال۔ دمام)

پندرہ بیس سال کا یہ طویل عرصہ اتنے اہم فرائض و واجبات کے بغیر گذارنا یقیناً بہت بڑا گناہ اور بدترین جرم ہے، اب اگر ایسے آدمی کو توبہ کی توفیق ملے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہیئے، بلکہ ایسے شخص کا بال بال بھی اگر سجدہ شکر میں پڑا رہے تب بھی حقیقی شکر ادا نہیں کرسکتا (حقیقی شکر تو کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا) کہ اللہ تعالیٰ نے باوجود اتنے بڑے گناہوں کے، توبہ کی توفیق دی اور ھدایت سے نوازا۔

گذشتہ نمازوں کا معاملہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد ــــــــ اس وقت کی ایک فرض نماز پڑھ لے، دل میں یہ نیت ہو کہ گزشتہ قضا نمازوں میں سے یہ ایک نماز تھی، کثرت سے نوافل ادا کیے جائیں تاکہ محدود حساب پورا ہو جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن بعض لوگوں کی فرض نمازیں کم ہوں گی تو ان کے نوافل کو فرضوں کا قائم مقام بنا جائے گا"۔

ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ باب ماجاء فی اول مایحاسب بہ العبد الصلوٰۃ، مسند احمد ۴/۶۵

نماز دینِ اسلام کا ایک اہم ستون اور رکن ہے، دن میں پانچ مرتبہ ہر بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے، اس کا چھوڑنا کفر کو دعوت دینا ہے، بالغ ہونے کے بعد سے کبھی بھی معاف نہیں ہے، یہاں تک کہ بیمار کو بھی بیٹھ کر لیٹ کر یا اشارہ سے جس طرح قدرت ہو ادا کرنا لازم ہے، آج لوگ دین سے بالخصوص نماز سے سب سے زیادہ بے توجہی برتتے ہیں، کچھ لوگ صرف جمعہ پڑھ لیتے ہیں کچھ وہ ہیں جو دن میں ایک دو نمازیں پڑھ لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن واقعہ ہے کہ بے توجہی کے باوجود عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں اپنی اس کوتاہی کا خیال آہی جاتا ہے اور نماز کی پابندی کرنے لگتا ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جو نمازیں چھوٹ گئی

ہوں ان کو کیسے ادا کیا جائے؟۔

اس کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد اس وقت کی قضا، پڑھ لیں اور یہ نیت کر لیں کہ گذشتہ زندگی کی فوت شدہ نمازوں میں ایک کی قضا کر رہا ہوں، اس طرح روزادا کرتے رہیں ——— دوسری صورت یہ بھی ہے کہ کوئی ڈائری یا کاپی اس کے لئے مخصوص کر لیں، جتنی نمازیں قضا ہیں اندازہ لگا کر لکھ لیں، پھر اس کے نیچے تاریخ کے ساتھ لکھتے جائیں کہ آج آپ نے کتنی نمازیں قضا پڑھ لی ہیں، ایک مہینہ کے بعد حساب کر لیں کہ آپ نے ایک ماہ میں کتنی نمازیں ادا کر لیں، اور آئندہ مہینہ کا ایک نشانہ مقرر کر لیں کہ اتنی نمازیں آئندہ ماہ ادا کرنی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ نوافل اور سنتِ غیر مؤکدہ کے بدلہ میں قضا نماز ہی پڑھ لیا کریں، رمضان کے مہینہ میں آدمی جب کہ کثرت سے نوافل و تہجد میں مشغول رہا کرتا ہے، ان کے بجائے فرض ہی کی قضا کر لیں، فجر کی سنت کے بعد، نیز فجر اور عصر کی فرض کے بعد گو نوافل کی اجازت نہیں لیکن قضا نماز پڑھنا جائز ہے، ان اوقات میں بھی قضا پڑھ سکتے ہیں ——— البتہ تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا، طلوعِ آفتاب کے وقت، نصف نہار کے وقت اور زوال کے وقت ان اوقات میں قضا نماز نہ پڑھیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بیت اللہ شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر اور مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نماز کے برابر ملتا ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہاں ایک نماز پڑھ لی تو زندگی بھر کی قضا نمازوں کے لئے کافی ہو جاتی ہے، یہ سوچ اور عقیدہ غلط ہے، تمام فرائض جب تک ادا نہ کی جائیں معاف نہ ہوں گی۔

روزوں کے بارے میں ایسے آدمی کو چاہیئے کہ وہ ہر ماہ چند روزے رکھ

لیا کرے اور اس طرح گذشتہ پندرہ بیس سالوں کے روزے پورے کرے، اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو ہر ایک کے بدلے فدیہ دیدے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس قسم کے آدمی کے لئے گزشتہ نمازوں اور روزوں کی قضاء ضروری نہیں ہے بلکہ صرف صدق دل سے توبہ کرے۔

جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں کیا ان کی قضاء پڑھنی چاہیئے؟۔

ہر فرض نماز کے بعد (سوائے فجر وعصر کے) گزشتہ قضاء نمازوں کی نیت کر کے کم از کم ایک نماز ضرور پڑھ لیا کرے، اس طرح نمازیں بھی ادا ہو جائیں گی اور زیادہ نمازیں نفل بن جائیں گی۔ (۱)

قضا یا فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی

قضا یا فوت شدہ نمازوں کو کس طرح سے ادا کیا جائے؟۔

نمازوں کے بارے میں سب سے پہلی بات یہ جان لی جائے کہ اگر یہ کام عمداً جان بوجھ کر بلا عذر کے ہوا ہے تو صدق دل سے توبہ کرنا ضروری ہے کیونکہ احادیث میں جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنے کو کفر کہا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم اور دوسری کتب احادیث میں کئی احادیث سے ثابت ہے، اگر یہ گناہ کم علمی یا کسی اور مجبوری کے تحت ہوا ہے تب بھی توبہ واستغفار ضروری ہے، قضا نمازوں کو یاد آجانے پر فوراً ادا کر لینا چاہیئے اور ان نمازوں کی ادائیگی صرف فرض اور واجب رکعات کی ادائیگی کی صورت میں ہوگی، اگر ایک سے زائد قضا نمازیں ہو گئی ہیں تو ان کو ترتیب سے ادا

---

(۱) فلیصلھا اذا ذکرھا بخاری ۲/۷۰، باب من نسی صلوۃ الخ کتاب المواقیت مسلم باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ۔

کرلیا جائے، اگر کئی مہینوں اور کئی سالوں کی نمازیں ادا کرنی ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد (فجر اور عصر کے علاوہ) اس وقت کی فرض نماز پڑھ لی جائے اور دل میں یہ نیت ہو کہ میری گذشتہ زندگی کی قضاء نمازوں میں سے ایک نماز، اس طرح ہر نماز کے بعد اس وقت کی ایک نماز پڑھ لی جائے، فجر اور عصر کی قضاء نمازیں ظہر، مغرب و عشاء کے بعد ادا کی جاسکتی ہیں، یہ عمل ہمیشہ کیا جانا چاہیئے تاکہ قضا ہونے والی نمازیں جلد از جلد مکمل ہو جائیں، ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار بھی کی جاتی رہے۔

اگر انسان یہ سمجھے کہ اب قضاء نمازیں پوری ہو گئی ہوں گی، اور زیادہ نمازیں پڑھ لی گئی ہیں تو یہ زائد رکعتیں نفل ہو جائیں گی، اس کے ساتھ ساتھ سنتِ مؤکدہ کا اہتمام بھی کیا جائے یہ شدید اور سنگین غلطی ہے کہ لوگ بلا عذر سنتِ مؤکدہ ترک کر دیتے ہیں، روزانہ بارہ رکعات سنتِ مؤکدہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھی ہیں، لہٰذا ہمیں بھی ان کا اہتمام کرنا چاہیئے اور بلا عذر و سفر انکو ترک نہیں کرنا چاہیئے، ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن جب بندے کی فرض نمازیں کم پڑ جائیں گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ اس بندے کے نوافل کو فرض کے قائم مقام بنا دو (مسند احمد ۶۵/۴) اس طرح نوافل (جس میں سنت بھی شامل ہیں) کام آئیں گی، اور فرضوں کے قائم مقام بنا دیئے جائیں گے (ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ باب ما جاء فی اول ما یحاسب بہ العبد الصلوٰۃ)

اوقاتِ مکروہہ میں قضاء نماز پڑھنا

اوقاتِ مکروہہ کیا کیا ہیں؟ اور کیا ان میں قضاء نماز پڑھی جاسکتی ہے؟۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقاتِ مکروہہ کے بارے میں مختلف احادیث میں جو ارشادات موجود ہیں ان کی روشنی میں اوقاتِ مکروہہ پانچ ہیں:

۱. سورج طلوع ہوتے وقت یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور دھوپ کی زردی جاتی رہے۔

۲. سورج غروب ہوتے وقت۔

۳. نصف النہار کے وقت، جب سورج بالکل بیچ آسمان کے ہو جائے، اسے زوال کا وقت کہا جاتا ہے۔

ان تین اوقات میں احناف کے ہاں کسی بھی قسم کی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے، نہ نفل، نہ قضا، نہ سجدۂ تلاوت، مکروہ اوقات میں اور دو وقت بھی ہیں جن میں قضا نماز ادا کی جاسکتی ہے سجدۂ تلاوت بھی جائز ہے، البتہ نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے نمازِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب سے پہلے دھوپ کے زرد ہونے تک۔

قضا نماز کی جماعت

کیا فرض نماز کی قضا جماعت بنا کر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ہم تین دوست ہیں، فجر کی نماز اگر چھوٹ جائے تو الگ الگ پڑھیں یا جماعت بنا کر؟

(محمد اظہر احمد۔ ابہا)

کوشش تو کریں کہ ہر نماز اپنے وقت پر مسجد میں جماعت سے ادا کریں لیکن اگر کبھی کسی عذر کے سبب چند آدمیوں کی نماز چھوٹ جائے تو وہ جماعت

---

(۱) مشکوٰۃ عن ابن عمر باب اوقات النھی۔ ص: ۹۴ (متفق علیہ)

سے قضا نماز پڑھ سکتے ہیں بلکہ یہی بہتر ہے۔ (۱)

سنتوں کی قضا

قضاء نمازوں کے ساتھ سنتیں پڑھنا بھی ضروری ہیں یا کہ صرف فرض نماز ہی قضاء پڑھیں گے؟ —— (علی حیدر۔ جدہ)

سنت نمازیں اپنے وقت کے اندر ہی ادا کی جائیں گی، وقت گزر جانے کے بعد سنتوں کی قضا نہیں، اگر سنتوں کی قضا بھی کرلی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قضا نماز کا وقت

میری ظہر اور عصر کی نمازیں عام طور پر رہ جاتی ہیں، کیوں کہ میں ڈیوٹی پر ہوتا ہوں اور ڈیوٹی بھی رہائش سے تقریبًا سو کلومیٹر دور ہے سفری نماز پڑھ سکتا ہوں لیکن کپڑے نمازی نہیں ہوتے، کیا میں اسی دن مغرب کے ساتھ یا عشاء کے ساتھ قضاء نماز پڑھ سکتا ہوں؟ —— (محمد آصف۔ ابہا)

قضا نماز کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، مکروہ اوقات کے علاوہ دن کے کسی بھی حصے میں کوئی بھی قضاء نماز پڑھی جا سکتی ہے، ایسا نہیں کہ ظہر کی قضا ظہر ہی کے وقت میں اور عصر کی قضا عصر ہی کے وقت میں کی جائے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر کسی عذرِ شرعی کی بناء پر کوئی نماز چھوٹ جائے تو موقع ملتے ہی اسے فوراً پڑھ لیا

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۳۷

(۲) حوالۂ سابق۔

جائے، اس سلسلے میں تاخیر مناسب نہیں۔ (۱)

نیز ملازمت یا ڈیوٹی پر ہونا ترکِ نماز کے لئے کوئی معتبر عذر نہیں، آپ نمازوں کو اس کے صحیح اوقات میں پڑھیں قضا نہ کریں، بلا وجہ نمازوں کو چھوڑنا یا اس کو موٴخر کرنا (قضا کرنا) بہت بڑا گناہ ہے، نیز نماز کی ادائیگی کے لئے کوئی مخصوص کپڑوں کا ہونا ضروری نہیں کسی بھی کپڑے میں نماز ادا کی جاسکتی ہے (جب کہ وہ پاک ہو اور اس سے قابلِ ستر حصہ چھپ جاتا ہو) ہاں اگر آپ کے ساتھ کوئی مجبوری ہو تو نماز کے لئے الگ کپڑے اپنے ساتھ رکھیں یا ملازمت کرنے کی جگہ رکھ دیں تاکہ اسے پہن کر نماز پڑھی جاسکے، رہائش سے تقریباً سو کلومیٹر دور ہونے کی بنا پر ظہر و عصر کی نمازیں قصر کریں (یعنی چار رکعات کے بجائے دو دو رکعات پڑھیں)۔

کیا سنتوں کی قضا ضروری ہے

میری ڈیوٹی رات بارہ بجے تک رہتی ہے، گھر آکر کھا پی کر سونے تک کافی دیر ہوجاتی ہے، اور اکثر نمازِ فجر میں اٹھ نہیں پاتا ہوں، صبح اٹھتے ہی نمازِ فجر کی قضا کرلیتا ہوں، اور نمازیں الحمد للہ باجماعت ادا ہوتی ہیں۔ نماز قضا ہوجائے تو صرف فرض کی قضا ہوگی یا سنتوں کی بھی قضا کرنی ہوگی؟ ——— (بونیر خاں۔ جدہ)

فجر کے علاوہ کوئی اور نماز چھوٹ جائے تو صرف فرض کی قضا کرنی ہوگی، سنت نمازوں کی قضا نہیں، البتہ احادیث میں سنتِ فجر کی بڑی تاکید آئی ہے اس لئے فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ فجر کی اگر صرف سنت بھی چھوٹ

---

(۱) ترمذی: عن ابی قتادہ باب ماجاء فی النوم عن الصلوٰۃ

جائے تو اس کو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھا جائے اور اگر سنت و فرض دونوں چھوٹ جائیں تب بھی طلوعِ شمس کے بعد زوال سے پہلے تک سنت و فرض دونوں کی قضا کریں، البتہ اگر زوال تک قضا نہ کرسکیں تو پھر بعد میں کبھی بھی صرف فرض کی قضا کی جائے (۱) لیکن نماز کی ادائیگی میں اتنی سستی و کاہلی درست نہیں، اپنی عادت بدلیں اور نمازِ فجر کو بھی وقت پر جماعت سے ادا کرنے کا معمول بنائیں، اپنی طرف سے بھرپور کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد و توفیق کی دعا مانگتے رہیں۔

فرض نماز کی صحت سنّت کی ادائیگی پر موقوف نہیں

زید جمعہ کے دن خطبہ کے وقت مسجد میں داخل ہوتا ہے اور امام کے سلام پھیرتے ہی مسجد سے نکل جاتا ہے، بعد کی سنتیں بھی نہیں کرتا، کیا اس کی نماز درست ہوجائے گی؟

(سراج قمرالدین ۔ ریاض)

فرض نماز کی اپنی مستقل حیثیت ہے، اس کی صحت یا قبولیت نوافل یا سنت پر موقوف نہیں، اگر کوئی سنتِ مؤکدہ چھوڑتا ہے تو اس کے ترک کرنے کا گناہ ہوگا لیکن فرض نماز صحیح ہوجائے گی، نیز اگر کوئی شخص مسجد میں سنت نماز نہیں پڑھتا تو اس کے بارے میں یہ بدگمانی کرنے کی ضرورت نہیں کہ سنت نمازیں نہیں پڑھتا ہوسکتا ہے کہ وہ فرض سے پہلے کی سنتیں گھر سے پڑھ کر آتا ہو اور بعد کی سنتیں بھی گھر میں جا کر پڑھتا ہو، اس لئے کہ فرض نمازوں کے علاوہ سنت و نوافل کا مسجد کے بجائے گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر و افضل ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۴۱)

---

(۱) المغنی ۱/۴۳۱

فجر کی سنّت

فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا دو رکعت سنّت ادا کی جائے یا امام کے ساتھ جماعت میں شمولیت کی جائے، سنّتِ فجر کب پڑھی جائے؟ (محمد سلیم۔ بحرین)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب جماعت کھڑی ہو جائے تو دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی" (متفق علیہ) آپ جماعت میں شامل ہو جائیں اور فجر کی سنتیں بعد میں پڑھیں۔ یہ امام احمد کی رائے ہے (۱) لیکن امام ابوحنیفہ کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور فجر کی سنّت نہ پڑھ سکا ہو، تو یہ دیکھنا چاہیے کہ فجر کی سنّت پڑھ کر جماعت میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر غالب گمان ہو کہ وہ سنّت سے فارغ ہو کر جماعت میں شریک ہو سکتا ہے، چاہے دوسری رکعت ہی میں شریک ہونے کا موقع ملے تو سنّت پڑھ لے، ورنہ اگر یقین ہو کہ سنّتِ فجر میں شریک ہونے سے جماعت میں شریک نہیں ہو سکے گا تو جماعت ہی میں شریک ہو جائے اور ہرگز سنّت پڑھے، آپؐ نے فرمایا کہ

رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیھا۔ (نیل الاوطار ۳/۱۹)	فجر کی دو رکعت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

لاتدعوا رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل۔ (۲)	فجر کی سنّت نہ چھوڑو کہ گھوڑے تم کو روند ڈالیں۔

---

(۱) المغنی ۱/۴۳۱ (۲) ابوداؤد عن ابی ھریرۃ باب فی تخفیفھا

جماعتِ فجر شروع ہوجائے

میں نے ایک دفعہ فرض سے تھوڑی دیر پہلے سنّت پڑھنا شروع کیا تھا اور ابھی ایک رکعت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ جماعت شروع ہوگئی، میں سنّت نماز پوری کرکے جماعت میں شامل ہوگیا اس وقت تک میری ایک رکعت چھوٹ گئی جسے میں نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد مکمل کرلیا، مجھ سے قریب ایک مصلّی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ میں نے غلط کیا، مجھے سنّت چھوڑ کر گویا نماز توڑ کر فرض نماز میں شامل ہوجانا چاہیئے تھا، ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیئے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب نماز کے لئے اقامت ہوجائے تو فرض نماز کے سوا کوئی دوسری نماز نہیں" (۱) لہٰذا ایسے موقع پر سنت نماز شروع کرنا درست نہیں، اور اگر کوئی شخص پہلے ہی سنت شروع کرچکا ہو پھر اسی درمیان جماعت کھڑی ہوجائے تو ایسے موقع پر تفصیل یہ ہے کہ اگر سنت کی پہلی رکعت مکمل نہ ہوئی ہو یعنی ابھی پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو نماز توڑ کر فرض جماعت میں شامل ہوجانا چاہیئے، اور اگر سنت نماز کی ایک رکعت پڑھ چکا ہو تو ایسی صورت میں نماز توڑنے کے بجائے مختصراً دوسری رکعت پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیر کر نماز مکمل کرلینا چاہیئے، چاہے چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کی ہو، اسی طرح چار رکعت کی صورت میں تین رکعت مکمل کرلینے کے بعد جماعت

---

(۱) مسلم باب کراھیۃ الشروع فی نافلۃ، کتاب المسافرین۔

شروع ہوئی ہو تو جلدی سے چوتھی رکعت بھی مکمل کر کے جماعت میں شامل ہونا چاہیے"[1]

فرض وسنّت نماز کے بعد دعا

ہمارے ہاں دو گروہ ہیں، ایک گروہ کہتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا ثابت ہے، جب کہ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ سنتوں کے بعد بھی اجتماعی دعا ثابت ہے، کون سا مسلک صحیح ہے؟۔

(عنایت الرحمان توحیدی۔ ریاض)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاؤں کی قبولیت کے اوقات کے بیان میں ارشاد فرمایا "رات کے آخری حصے کی دعا اور فرض نمازوں کے فوراً بعد کی دعا زیادہ سنی جاتی ہے" (یعنی دعا قبول کی جاتی ہے) اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے،[2] اس صحیح حدیث سے فرض نمازوں کے بعد مطلق دعا کرنا ثابت ہے، البتہ اجتماعی طریقے سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا نہ فرض کے بعد ثابت ہے اور نہ سنتوں کے بعد۔

بلا عذر بیٹھ کر نفل پڑھنا

ہمارے ہاں کچھ لوگ بلا عذر بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، یہ عام عادت بن گئی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟۔

(عامر حسین بھٹی۔ قطیف)

نماز کو اس طریقے پر ادا کرنا چاہیئے جس طریقے پر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) الفتاوی الہندیہ ۱/۱۱۹ (۲) ترمذی: عن ابی امامہ احادیث شتیٰ مِن ابواب الدعوات

اور صحابہ کرام نے ادا کیا ہے، اگرچہ بلا عذر بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے لیکن اس پر آدھا ثواب ملتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھے اس کا عمل افضل ہے، اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والے کے ثواب کا آدھا ثواب ملے گا، اور سو کر پڑھے تو بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کے ثواب کا آدھا ثواب ملے گا (۱) جیسا کہ سنن ابن ماجہ اور مسندِ احمد بن حنبل میں ایک حدیث ہے" بلا عذر اور بلا ضرورت اپنے ثواب میں کمی کرنا کہاں کی عقلمندی ہے"۔ پھر یہ بات بھی مناسب نہیں ہے جو ہمارے ہاں ایک عام عادت بن گئی ہے کہ ہر نماز کے بعد بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں بعض علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

نفل کی ادائیگی یا فرض میں شمولیت

مسجد میں داخل ہوتے کے بعد جب ہم تحیۃ المسجد یا کوئی اور نفل یا سنت نماز پڑھ رہے ہوں، اسی دوران فرض نماز کے لئے اقامت شروع ہو جائے تو ہم کیا کریں، نماز پوری کریں یا توڑ دیں؟ آیا توڑنے کے لئے سلام پھیرنا ضروری ہے یا صرف ہاتھ چھوڑ دینا کافی ہے؟ ——— (عمر بدر انصاری۔ ابہا)

جب فرض نماز کے لئے اقامت شروع ہو جائے تو اس فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز پڑھنا درست نہیں، حدیثِ پاک میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلے میں صاف ارشاد موجود ہے کہ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (۲)

---

(۱) ترمذی، عن عمران بن حصین باب ماجاء ان صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم

(۲) ابوداؤد باب اذا ادرك الامام ولم يصل ركعتی الفجر، کتاب الصلوٰۃ۔

لہٰذا اس وقت کوئی نفل یا سنت نماز شروع نہ کی جائے، ہاں اگر اقامت سے پہلے ہی تحیۃ المسجد، سنت یا کوئی اور نفل نماز شروع کر چکے ہوں تو اب اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اقامت کے شروع ہوتے وقت تک پہلی ہی رکعت پڑھ رہے ہوں تو ہاتھ چھوڑ کر نماز توڑ دیں اور فرض نماز کی جماعت میں شامل ہو جائیں، اور اگر اس وقت تک ایک رکعت مکمل کر چکے ہوں تو پھر نماز توڑنے کے بجائے جلدی سے دو رکعت مکمل کر کے قعدہ کریں اور سلام پھیر کر نماز مکمل کریں، پھر فرض نماز کی جماعت میں شریک ہوں۔ (۱)

فرض نماز کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھنا

بعض لوگ فرض و سنت نماز پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں، کیا یہ جائز ہے۔

اس سلسلے میں دو باتیں آپ سمجھ لیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ نفل نماز کے لئے (سوائے چند مخصوص نوافل کے) کوئی وقت مقرر و مخصوص نہیں ہے، کوئی بھی مسلمان دن اور رات کے کسی بھی حصے میں سوائے اوقاتِ مکروہہ کے نفل نماز پڑھ سکتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر فرض کے آخر میں دو رکعت نفل ضرور پڑھے جائیں۔

دوسری بات یہ کہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے سنن ترمذی میں امام سفیان ثوری اور امام حسن بصری کا قول ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر نفل ادا کرنے والے کو آدھا ثواب ملتا ہے (۲) لہٰذا بلا عذر بیٹھ کر نفل پڑھنا اور اپنا ثواب آدھا کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ پھر بیٹھ کر نفل پڑھنے کو مسلسل عادت

---

(۱) ہندیہ ۱/ ۱۱۹ (۲) بخاری، عن عمران بن حصین باب صلوٰۃ القاعد

بنا لینا بھی مناسب نہیں ہے۔

افضل نفل نماز

کون سی نفل نمازوں کا ثواب زیادہ ہے؟

نفل نمازوں میں سب سے زیادہ افضل اور زیادہ ثواب والی نماز رات کی نماز یعنی "تہجد" ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد ادا کرنے کا حکم فرمایا:

ومن اللیل فتهجد به نافلة لك. (اسراء ۶/۷۹)	رات کے کچھ حصے میں آپ جاگتے رہتے، یہ آپ کے لیے زائد (ذمہ داری) ہے

خود آپؐ کا ارشاد ہے کہ

افضل الصلوة بعد الفريضة صلوٰة الليل۔	فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل رات کی نماز یعنی تہجد ہے۔

نیز رات کو جاگنا، وضو کرنا اور عبادت کرنا یہ نفس پر بڑا گراں گزرتا ہے، اور دوسرے اوقات میں نیند کو قربان کرنے کی نوبت نہیں آتی ہے، اس لئے رات کی نفل نماز بمقابلہ دن کے زیادہ افضل اور ثواب والا ہے۔ (۱)

سفر میں سنتوں کی ادائیگی

سفر کی حالت میں فرض نماز قصر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، کیا سفر میں سنت و نوافل پڑھی جائیں گی یا نہیں اور اگر پڑھی جائیں؟

---

(۱) ترمذی عن ابی ھریرۃ باب ما جاء فی فضل صلوٰۃ اللیل۔ (۲) المغنی ۴۳۹/۱

توقصر کے ساتھ یا بغیر قصر کے۔ (محمد مبین ۔ مدینہ منورہ)

اگر موقع ہو اور زیادہ دشواری نہ ہو تو سفر میں بھی سنت و نوافل پڑھنا چاہیے؛ لیکن حالتِ سفر میں ان کی ادائیگی ضروری نہیں، اگر کوئی شخص بغیر عذر کے بھی سفر کی حالت میں سنت نماز ترک کردے تو وہ گنہگار نہیں، البتہ سنتِ فجر کی ادائیگی کے بارے میں حدیث میں زیادہ تاکید آئی ہے' اس لئے اسے سفر میں بھی نہ چھوڑا جائے' حالتِ سفر میں قصر صرف فرض نمازوں میں ہے' سنت ونفل میں نہیں اگر یہ پڑھی جائیں تو مکمل پڑھی جائیں گی۔ (۱)

نوافل کی گھر میں ادائیگی

مسجد میں باجماعت فرض نماز ادا کرنے کے بعد باقی نماز سنت و نوافل بھی مسجد میں ادا کئے جائیں یا گھر آکر، کس میں ثواب زیادہ ہے؟۔

فرض نمازوں کے علاوہ باقی سنت و نوافل گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر و افضل ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی تھا اور حکم بھی یہی ہے' البتہ مسجد میں پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ (۲)

نفل نماز کی نیت اور سجدہ میں تسبیحات کے

سنت, نفل اور واجب نمازوں میں کیا وقت کی صراحت ضروری

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۳۴۹

(۲) المغنی ۱/۴۳۵

ہے جیساکہ فرض نماز میں ہوتی ہے، مثلاً وقتِ ظہر اور وقتِ عصر وغیرہ، اسی طرح سجدہ میں تسبیح تین بار، پانچ بار یا سات بار پڑھتے ہیں، کیا اسے گن کر پڑھنا چاہیے، اگر کچھ کم زیادہ ہو جائے تو کیا کوئی حرج ہے؟ ——— (اختر عالم۔ بریدہ)

نیت، حقیقت میں دل کے ارادہ کا نام ہے، نیت کرتے ہوئے خاص الفاظ کا زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں، فرائض کی ادائیگی کے وقت بھی صرف دل میں یہ ارادہ کر لینا کافی ہے کہ میں فلاں نماز مثلاً فجر، ظہر یا عصر کی نماز پڑھ رہا ہوں، اسی طرح سنت و نفل اور واجب نمازوں کی ادائیگی کے وقت بھی جو سنت یا نفل، نماز پڑھی جارہی ہو، اس کا دل میں ارادہ کر لینا کافی ہے، زبان سے وقت وغیرہ کی صراحت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ فقہاء یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر ارادہ کے خلاف سہواً زبان سے کوئی لفظ نکل جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور نیت صحیح سمجھی جائے گی، مثلاً دل میں ارادہ اور نیت تو یہ ہے کہ ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں لیکن سہواً زبان سے عصر کا لفظ نکل گیا تو ظہر کی ادائیگی صحیح ہو جائے گی۔(۱)

رکوع اور سجدہ میں تسبیح سات بار سے زیادہ بھی پڑھی جاسکتی ہے، کمی زیادتی سے کوئی فرق نہیں ہوتا، البتہ طاق عدد ہو تو زیادہ بہتر ہے، اسی طرح گن کر پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ انگلیوں پر گن کر پڑھنا خلافِ ادب ہے، ذہن و دماغ حاضر رکھ کر خشوع و خضوع سے تسبیح وغیرہ پڑھنا چاہیے تاکہ بغیر گنے بھی طاق عدد کا اندازہ لگایا جاسکے، ویسے کم زیادہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) المغنی ۲۹۷/۱

تاخیر سے وتر کی ادائیگی

عشاء کی فرض نماز مسجد میں پڑھ کر سنت و وتر وغیرہ رات بارہ بجے یا اس سے پہلے یا بعد میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

(احسان اللہ۔ جیزان)

وتر اور سنت ونفل رات میں کبھی بھی پڑھ سکتے ہیں، البتہ عشاء کے بعد دو رکعت سنتِ مؤکدہ فوراً پڑھ لینا یعنی فرض کے بعد ہی پڑھ لینا بہتر ہے جب کہ وتر کی نماز رات کے آخری حصے میں پڑھنا زیادہ افضل ہے، بشرطیکہ اس وقت اٹھنے کا یقین ہو، اگر نیند سے بیدار ہونے کا یقین نہ ہو تو سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا چاہیے، اسی طرح رات میں نوافل یا تہجد وغیرہ پڑھنے کا ارادہ ہو تو وتر کو مؤخر کر کے سب سے اخیر میں پڑھنا چاہیے۔ (۱)

اذانِ تہجد کے بعد وتر کی ادائیگی

یہاں پر جب تہجد کی اذان ہوتی ہے تو کیا اس اذان کے بعد نمازِ تہجد اور وتر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ نیز اذانِ فجر سے کتنی دیر پہلے تک نفل یا وتر پڑھ سکتے ہیں ؟ —— (عبدالستار۔ جدہ)

فجر کا وقت ہونے ہونے تک تہجد نماز اور وتر پڑھی جا سکتی ہے، اور یہاں عموماً وقت شروع ہوتے ہی اذان ہوتی ہے، لہٰذا اذانِ فجر سے چند لمحات پہلے تک بھی نفل یا وتر پڑھ سکتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) المغنی ۱/۴۵۳ ، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۸۲۳

(۲) حوالہ سابق

اذان فجر کے بعد وتر

اگر تہجد کی نماز کے دوران فجر کی اذان ہو جائے تو عشاء کے وتر پھر اذان کے بعد پڑھے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

(دلشاد نثار۔ رابغ)

تہجد کی نماز ادا کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وتر اپنے وقت پر ادا کر لیں، تاکہ وتر جیسی اہم نماز قضا نہ ہونے پائے؛ تاہم اگر فجر کی اذاں ہو گئی اور وتر نہ پڑھ سکا تو فجر کی سنت سے پہلے، فرض اور سنت کے درمیان بھی اور فریضۂ فجر ادا کرنے کے بعد بھی جب تک کہ آفتاب کا طلوع شروع نہ ہو جائے، وتر کی نماز ادا کی جا سکتی ہے، کراہت نفل کی ہے، نہ کہ واجب کی اور یہ واجب ہے (کبیری: ۲۳۶) مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۱)

نماز وتر میں دعائے قنوت

وتر کی نماز میں کبھی میں دعاءِ قنوت پڑھنا بھول جاتا ہوں، اگر نماز میں یاد آجائے تو سجدۂ سہو کر لیتا ہوں، کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے یا دوبارہ پڑھنا پڑے گا، کبھی وقت کی کمی کے باعث دعاءِ قنوت چھوڑ بھی دیتا ہوں۔

عمداً دعاءِ قنوت ترک کرنا مناسب نہیں، نمازِ وتر میں دعاءِ قنوت پڑھنی ضروری ہے، دورانِ نماز اگر نہ پڑھی جائے اور آخر میں یاد آجائے تو سجدۂ سہو

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۵۲۸

کیا وترِ کے بعد نفل ہے؟

کیا وتر کے بعد کوئی نفل، سنت وغیرہ ادا کئے جاسکتے ہیں؟۔

(محمد طاہر شیر دل ۔ بحرین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ" (۱)
اسی لئے علماء نے فرمایا کہ وتر رات کی آخری نماز ہے، اس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، البتہ ایک صحیح حدیث سے یہ ضرور ثابت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کے بعد ۲ دو رکعت نفل پڑھے ہیں۔ (۲)

رمضان المبارک میں وتر کی جماعت

رمضان المبارک میں تراویح کے بعد یہاں جو وتر پڑھے جاتے ہیں وہ حنبلی طریقے سے پڑھے جاتے ہیں، کیا ہم اسی طرح امام کے پیچھے نماز پڑھیں یا الگ وتر پڑھیں؟۔

(محمد خاں حاجی عطاء اللہ ۔ مدینہ منورہ)

آپ جہاں کہیں بھی ہوں، امام کی متابعت اختیار کریں، امام جس طرح نماز پڑھائے آپ اسی طریقے سے نماز پڑھیں لیکن جماعت کو چھوڑ کر الگ نماز پڑھنا خواہ وتر ہی کیوں نہ ہو مناسب نہیں ہے۔ فقہاء حنفیہ میں ابو بکر جصاص رازی نے وتر میں دوسرے مکتب فقہ کے امام کی اقتداء کی اجازت دی ہے اور یہی رائے علامہ ابن ہمام کی ہے (۳)۔

---

(۱) بخاری عن عبد اللہ باب لیجعل آخر صلوتہ وترًا

(۲) ترمذی عن ام سلمہ، باب ما جاء لا وتران فی لیلۃ

(۳) فتح القدیر ۱/۱۸۳، باب الوتر

نمازِ وتر کا حکم

کیا عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھنا لازم ہے؟ اگر کوئی وتر کی نماز نہ پڑھے تو کیا اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ (الطاف حسین ہاشمی۔ مکہ مکرمہ)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں نمازِ وتر کا تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے اور اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ روزانہ نمازِ تہجد کے بعد آپ وتر پڑھا کرتے تھے۔ سننِ ترمذی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر ایک نماز کا اضافہ فرمایا ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں کی (دولت) سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر ہے، اور اس کا وقت نمازِ عشاء اور صبحِ صادق کے درمیان رکھا ہے۔(۱) اس سلسلے میں اور بھی روایتیں کتبِ حدیث میں مذکور ہیں جس کی بناء پر امام ابوحنیفہ نے اس نمازِ وتر کو واجب کہا ہے۔ (۲) بعض دوسرے ائمہ اگرچہ اس کو واجب نہیں کہتے لیکن وہ بھی اس کے سنت ہونے (یعنی سنتِ مؤکدہ قریب بواجب ہونے) کے قائل ہیں۔(۳) لہٰذا نمازِ وتر کو ضرور پڑھیں، ترک نہ کریں لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے نمازِ وتر نہ پڑھ سکے تو اس کی عشاء کی نماز پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اس کی نماز صحیح اور درست سمجھی جائے گی، کیونکہ یہ دو الگ نمازیں ہیں، نمازِ عشاء کی صحت وتر کے پڑھنے پر

---

(۱) سنن بیہقی، باب تاکید صلوٰۃ الوتر کتاب الصلوٰۃ ۲/۴۶۹، مستدرک ۱/۳۰۶ باب الوتر حق کتاب الوتر۔

(۲) بدائع ۱/۲۷۰

(۳) المغنی ۱/۴۵۲، بدائع ۱/۲۷۰

موقوف نہیں۔

کیا نمازِ تہجد کے لئے کوئی خاص سورت ہے؟

تہجد کی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد پڑھنے کے لئے کیا کوئی خاص، سورت یا دعا متعین ہے، یا کوئی بھی دعا پڑھ سکتے ہیں؟

تہجد یا کسی بھی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد کسی خاص سورہ کا پڑھنا متعین اور ضروری نہیں ہے بلکہ جو بھی سورت یاد ہو پڑھی جا سکتی ہے (۱) البتہ بعض نمازوں میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے بعض سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے، ایسی جگہوں پر اس کی رعایت کرنا مسنون ہے، واجب و ضروری نہیں، جیسے فجر کی سنتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھا کرتے تھے (۲) جمعہ کے دن نمازِ فجر میں سورۃ السجدہ اور سورۃ الانسان (الدہر) پڑھا کرتے تھے (۳) اور نماز جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور الغاشیہ، نمازِ وتر میں سورۃ الاعلیٰ — الکافرون اور الاخلاص پڑھنے کا معمول تھا (۴) اس طرح ایسی جگہوں پر اسکی رعایت کرنا مسنون ہے، واجب و ضروری نہیں، بلکہ عملاً وجوب کی طرح اس کا التزام کرنا بھی درست نہیں، کبھی اس کے برخلاف بھی کرنا چاہیئے۔

---

(۱) المغنی ۱/۳۴۴

(۲) ترمذی: عن ابن عمر باب فی تخفیف رکعتی الفجر والقراءۃ فیہا

(۳) ترمذی عن ابن عباس باب ماجاء فی مایقراء فی صلوٰۃ الصبح یوم الجمعۃ

(۴) ابن ماجہ باب ماجاء فی القراءۃ فی الصلوٰۃ یوم الجمعۃ

نمازِ تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنا

کیا امام دورانِ تراویح قرآن مجید دیکھ کر پڑھ سکتا ہے؟۔

تراویح کی نماز چونکہ سنت ہے، فرض نہیں ہے، لہٰذا تراویح کی نماز میں امام کا قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ عمل عملِ کثیر نہ ہو، صحیح بخاری میں ہے کہ

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں نماز درست نہیں ہو گی، لیکن صاحبین کے نزدیک بھی کراہت کے ساتھ نماز درست ہو جاتی ہے۔

اشراق کا وقت

لوگ کہتے ہیں کہ نماز پڑھ کر اشراق کے وقت تک جانماز پر بیٹھے رہیں، پھر اشراق کے بعد نفل پڑھ کر اٹھیں، کیا یہ بات درست ہے اگر ہاں تو پھر اشراق کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور اس کی کتنی رکعتیں ہیں؟ ——— (شہنیلہ اسماعیل۔ مکہ مکرمہ)

اشراق کے وقت نفل پڑھنے کی حدیث میں فضیلت بیان کی گئی ہے، سورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد (تقریباً دس منٹ بعد) اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے، چاشت کا وقت تقریباً نو بجے شروع ہوتا ہے، جب سورج اپنی گرمی پھینکنا شروع کرتا ہے، صلوٰۃ اشراق دو رکعت ہے، جب کہ صلاۃِ چاشت دو رکعت سے زیادہ بھی پڑھی جا سکتی ہے (دو رکعت یا چھ رکعت) اور اشراق و چاشت دونوں نفل نمازیں ہیں۔ (۲)

---

(۱) بخاري باب امامة العبد والمولى ۱/۲۸، ط: بيروت.

(۲) الفقه الاسلامي وادلته ۲/۴۶

اذانِ مغرب کے بعد نفل نماز

مغرب کی اذان کے اور جماعت کھڑی ہونے سے قبل یہاں عام طور پر دو رکعت (نفل)، نماز پڑھی جاتی ہے، لیکن ہمارے ملک میں کسی بھی جگہ اذانِ مغرب کے بعد جماعت سے قبل یہ دو رکعت نہیں پڑھتے، چنانچہ یہاں ہمارے دوستوں میں بعض یہ دو رکعت پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے' اور پڑھنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت نفل پڑھی جائے یا نہیں، نیز اگر کوئی شخص اسی وقت مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟۔

(عنایت الرحمان۔ ع ع)

مغرب کی اذان کے بعد فرض نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مستحب ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے نقل کیا ہے، لیکن ابن قدامہ حنبلی نے اپنی مشہور تالیف المغنی میں جواز کا قول نقل کیا ہے کہ مغرب کی اذان اور فرض نماز کے درمیان دو رکعت نماز پڑھنا جائز ہے (۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے جائز کہتے ہیں، البتہ متقدمین احناف اور مالکیہ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں لیکن اس کے جائز ہونے کے سلسلے میں بعض روایات اتنی مضبوط اور صحیح و صریح ہیں کہ اس کی بنا پر اس نماز کو مکروہ یا ناجائز نہیں کہا جا سکتا، چنانچہ متاخرینِ احناف نے اذانِ مغرب کے بعد فرض سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے (۲) جن میں علامہ ابن ہمامؒ اور

---

(۱) المغنی ۱/۴۳۶

(۲) فتح القدیر ۱/۳۸۸

ماضی قریب کے مشہور محدث علامہ انور شاہ کشمیری خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ البتہ روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نماز (دو رکعت) کی حیثیت سنت کی نہیں، نیز صحابہ میں سے اکثریت کا معمول نہ پڑھنے کا تھا، لہٰذا اس کے ترک کرنے اور معمول نہ بنانے کو بہتر سمجھا جاسکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص پڑھ لے تو وہ بھی قابلِ ملامت نہیں، اس سلسلے میں بعض روایات یہ ہیں، صحیح بخاری میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تین مرتبہ) ارشاد فرمایا "مغرب سے قبل نماز پڑھو تیسری مرتبہ کہا جو چاہے" (یعنی جو چاہے پڑھے) اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ کہیں لوگ اسے سنت نہ بنالیں (۱)۔ سنن ابوداؤد میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مغرب سے قبل دو رکعت نماز پڑھی، ان کے شاگرد نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیکھا؟ جواب دیا کہ ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا، پھر نہ ہمیں منع کیا اور نہ اس کا حکم فرمایا (۲) ابوداؤد ہی کی روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے اس نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو یہ (دو رکعت) پڑھتے نہیں دیکھا تھا (۳)۔

بہرحال یہاں عام طور پر مساجد میں اذانِ مغرب کے بعد بھی (دیگر نمازوں کی طرح) کچھ مختصر وقفہ دیا جاتا ہے، اور روایات سے اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کبھی کبھار اس پر عمل کرلے تو کوئی حرج

---

(۱) بخاری: عن ابن بریدۃ باب الصلوٰۃ قبل المغرب، ابواب التطوع

(۲) ابوداؤد عن انس باب الصلوٰۃ قبل المغرب

(۳) ابوداؤد عن ابن عمر باب الصلوٰۃ قبل المغرب

اور مضائقہ نہیں، البتہ اس کا معمول نہ بنالیا جائے اور اس کو ضروری نہ سمجھا جائے نیز اس مسئلے کی وجہ سے ایک دوسرے پر ملامت یا تنقید و اعتراض بھی نہ کیا جائے اسی طرح اگر کوئی شخص اذانِ مغرب کے بعد مسجد میں داخل ہو اور نماز فرض شروع ہونے میں ابھی وقت ہو تو وہ بلاکراہت نماز تحیۃ المسجد بھی ادا کرسکتا ہے۔

مغرب سے قبل عصر کی ادائیگی

کیا نمازِ عصر کے بعد کا وقت مکروہ وقت ہے؟ اس میں ہم نمازِ عصر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (محمد اسماعیل، محمد شریف، نجران)

اگر آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو اسے مغرب سے قبل پڑھ سکتے ہیں البتہ نمازِ عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱)

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ

صلاۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مبارک اور فضیلت والی نماز اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو سکھائی اور فرمایا کہ یہ نماز تمہارے گناہوں کی مغفرت کا باعث بن سکتی ہے۔ (۲) یہ چار رکعت نماز ہے، اور ہر رکعت میں پچھتر ۷۵ مرتبہ تسبیح پڑھی جاتی ہے، تسبیح یہ ہے:

سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ للہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَر

ہر رکعت میں ۷۵ بار پڑھنے سے مجموعی طور پر چار رکعتوں میں یہ تسبیح تین سو بار

---

(۱) کبیری ۲۳۶-۲۳۷

(۲) سنن ابن ماجہ عن ابی رافع باب ماجاء فی صلوٰۃ التسبیح

پڑھی جاتی ہے، ترتیب اور طریقہ یہ ہے:

پہلی رکعت میں قرارت سے فارغ ہو کر رکوع میں جانے سے پہلے یہ تسبیح پندرہ بار پڑھیں، (۲) رکوع میں جا کر سر اٹھانے سے پہلے دس بار، (۳) رکوع سے سر اٹھانے کے بعد قومہ میں دس بار، (۴) پہلے سجدہ میں دس بار، (۵) دونوں سجدوں کے درمیان دس بار، (۶) دوسرے سجدے میں دس بار، (۷) دوسرے سجدے سے اٹھ کر دوسری رکعت کے لئے اٹھنے سے پہلے بیٹھ کر دس بار، یہ عمل ہر رکعت میں اسی ترتیب سے کریں"[1]

مغرب کی اذان کے بعد نفل

مغرب کی اذان اور نماز کے دوران اگر وقفہ ہو تو کیا دو رکعت نفل پڑھ سکتے ہیں؟

مغرب کی اذان اور نماز کے دوران اگر وقت ہو تو دو رکعت نماز ادا کی جا سکتی ہیں (۲) ——— مغرب کی فرض سے پہلے احناف کے نزدیک دو رکعت نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ سنت میں مشغولیت فرض میں تاخیر کا سبب بنے گی جو کہ مکروہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدین میں سے کسی کا معمول اس طرح کا نہیں تھا۔

فجر کی سنت

اگر فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو ہم جماعت میں شامل ہوں کہ پہلے دو سنتیں پڑھیں؟ اگر دو سنتیں نہ پڑھ سکیں تو کب انہیں ادا کیا جائے؟

---

(۱) المغنی ۱/۴۳۷

(۲) المغنی ۱/۴۳۶، فتح القدیر ۱/۳۸۸

اگر جماعت کھڑی ہو جائے تو سنتیں یا نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں، بلکہ جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے (۱) فجر کی دو رکعت سنت اگر دو رکعت فرض سے قبل ادا نہ کی ہوں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت سنّت ادا کی جا سکتی ہیں (۲) لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ یہ دو رکعت سنت طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھی جائے۔ (۳)

عصر کے بعد قضاء نماز کی ادائیگی

کیا عصر کی نماز کے بعد ..... نماز عصر کے علاوہ ظہر وغیرہ کی قضاء بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن قضاء نماز پڑھی جا سکتی ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، اسی طرح مکروہ اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت کوئی بھی قضا نماز پڑھ سکتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ ظہر کی قضا ظہر ہی کے وقت میں کی جائے، اور عصر کی قضا عصر میں، بلکہ دن و رات کے کسی بھی وقت میں پانچوں نمازوں میں سے ہر نماز کی قضاء درست ہے، واضح رہے کہ تین اوقات میں ہر طرح کی نماز مکروہ ہے چاہے نفل ہو یا فرض و واجب کی قضاء سورج طلوع ہوتے وقت جب تک کہ زوال نہ ہو جائے (یعنی مغرب کی طرف کچھ ڈھل جائے، سورج غروب ہوتے وقت جب تک کہ مکمل غروب نہ ہو جائے، اس آخری وقت میں اگر اسی دن کی عصر کی نماز نہ پڑھی ہو تو پڑھ سکتا ہے، اگرچہ یہ بھی مکروہ ہے لیکن قضا کرنے سے بہتر ہے۔ (۴)

---

(۱) ترمذی عن ابی هریرة باب ماجاء اذا اقمیت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المکتوبة

(۲) المغنی ۱/۴۳۱

(۳) حوالہ سابق

(۴) ہدایہ ۱/۶۸ ط: رشیدیہ دہلی

آیت الکرسی کی فضیلت

قرآن پاک میں افضل آیت کونسی ہے اور اس کی فضیلت کیا ہے؟

(محمد طیب حسین۔ طائف)

صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن پاک کی سب سے عظیم اور افضل ترین آیت آیت الکرسی ہے' ایک حدیث میں اسے قرآنی آیات کی سردار کہا گیا (ترمذی) ایک روایت میں ہے کہ سید الکلام (تمام کلاموں کا سردار) قرآن ہے، سید القرآن (قرآن کا سردار) سورہ البقرہ ہے' اور سید البقرہ آیت الکرسی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی کتب احادیث میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم جس کے ذریعے کوئی بندہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے' تین سورتوں میں ہے، سورۃ البقرہ' آلِ عمران اور طٰہٰ بعض راوی اور سلفِ صالحین سے مروی ہے کہ اس سے مراد سورہ البقرہ میں اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم (آیت الکرسی)، آل عمران میں الم اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم اور سورہ طٰہٰ میں وعنت الوجوہ للحی القیوم ہے' اور ان تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ کا اسم مشترک "الحی القیوم" ہے (ابن ماجہ باب اسم اللہ الاعظم)

بہر حال آیت الکرسی قرآن پاک کی افضل ترین آیت ہے' اور جہاں تک اس کی فضیلت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کئی احادیث مروی ہیں، ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ "جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا' اس کے جنت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے کوئی مانع نہیں"

عورتوں کی نماز

کیا عورتوں کو بھی مسجد میں نماز ادا کرنا چاہیے؟ ہمارے یہاں مسجدوں میں عورتوں کے لئے کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہے، اس لئے ہمارے گھر اور محلے کی عورتیں اپنے اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھتی ہیں، نیز نمازِ تراویح میں عورتیں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی بھی سورت پڑھ سکتی ہیں یا کوئی خاص سورت پڑھنی ہوگی؟ وضاحت فرمائیں؟ ——— (اشفاق خان۔ مکہ مکرمہ)

عورتیں مسجد میں بھی نماز باجماعت ادا کر سکتی ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معمول تھا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت کے باوجود یہ بات بھی ثابت ہے کہ عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔ ——— سیدنا عمر، ام المومنین عائشہ اور بعض اکابرِ صحابہ رضی اللہ عنہم فتنے کے خوف سے عورتوں کو مسجد جانے کو ناپسند فرماتے تھے، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیتے۔[1] بہر حال عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا ہی زیادہ بہتر اور افضل ہے، تاہم وہ مسجد جا کر نماز پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکتی ہیں، بشرطیکہ مسجد میں عورتوں کو الگ نماز پڑھنے اور وضو کرنے کی مستقل جگہ ہو جو مردوں سے الگ ہو، نیز عورتوں کا آنا جانا مکمل شرعی پردے میں ہو، اور عورتوں کے آنے سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، اگر یہ شرائط پائی جائیں تو عورتیں مسجد جا کر نماز پڑھ سکتی ہیں۔ سورہ فاتحہ کے بعد نمازِ تراویح اور دوسری نمازوں میں بھی کوئی بھی سورت پڑھی جا سکتی ہے، کوئی مخصوص سورت نہیں، چاہے مرد ہو یا عورت۔ (۲)

---

(۱) مسلم ۱/۱۸۳ (۲) مراقی الفلاح ۱/۱۶۶ ط: بولاق

شوہر کی اجازت کے بغیر مسجد جانا

کیا شوہر سے اجازت لئے بغیر تراویح کے لئے مسجد جانا جائز ہے
اسی طرح اگر شوہر اجازت نہ دے تو درسِ قرآن کی محفل میں جانا (جبکہ
تمام شرعی آداب ملحوظ رکھے گئے ہوں) کیسا ہے؟۔

(ایک بہن۔ ینبع)

اگرچہ شوہر اپنی بیوی کو تراویح کے لئے مسجد جانے سے نہ روکے، بشرطیکہ عورت کے مسجد جانے سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی تراویح کے لئے مسجد نہیں جا سکتی، اسی طرح کسی دینی مجلس و محفل میں شرکت کے لئے بھی شوہر کی اجازت ضروری ہے۔ (۱)

سنت و نفل نماز میں ضمِ سورت

فرض نماز یا سنت نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف
سورۃ فاتحہ پڑھنا کافی ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ بھی پڑھنا
چاہیئے؟۔

فرض نمازیں تو تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا کافی ہے ضمِ سورت کی ضرورت نہیں، البتہ سنت و نفل اور واجب نماز کی ہر رکعت میں (یعنی تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی) سورۃ فاتحہ کے ساتھ ضمِ سورت ضروری ہے۔ (۲)

---

(۱) فتح القدیر ۲/۲۰۸، البحر الرائق ۲/۱۹۵، درمختار علی ہامش ۲/۶۶۵

(۲) المغنی ۲/۱۸

مسجد کی جماعت سے قبل خواتین کی جماعت

کیا خواتین گھر میں محلہ کی مسجد کی جماعت سے پہلے نماز پڑھ سکتی ہیں؟ ——— (ایک بہن، جدہ)

اگر نماز کا وقت داخل ہو چکا ہے تو خواتین اپنے گھر میں محلہ کی مسجد کی جماعت سے قبل بھی نماز ادا کر سکتی ہیں۔

جوتا پہن کر نماز

کیا جوتا پہن کر نماز صحیح ہے؟ ——— (محمد نثار، عنیزہ)

اگر جوتا پاک ہے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنی جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جوتا اتار کر نماز ادا کرے کہ ایسا کرنا ادب واحترام سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

ہوائی جہاز پر نماز

دورانِ سفر کیا ہوائی جہاز پر بھی نماز کی ادائیگی درست ہے؟ ——— (محمد عثمان عباسی، جدہ)

جی ہاں درست ہے کشتی پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے ہوائی جہاز پر بھی نماز کی ادائیگی کو درست قرار دیا ہے۔ (۱)

نمازِ جمعہ

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۵۴

مجھے ایک صاحب نے کہا کہ جمعہ سے قبل کوئی بھی نماز پڑھنی (سنت یا نفل) ثابت نہیں ہے، اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟ ——— (محمد اشرف علی۔ ابہا)

بلا علم و تحقیق کسی بھی مسئلے کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں ہے، دینی مسائل خواہ وہ عقائد سے متعلق ہوں کہ اعمال و معاملات سے، ان کے بارے میں ہمیں اہل علم سے رجوع کرنا چاہیے، بغیر علم کے خود کوئی رائے دیدینا زیادتی ہے اور قطعاً نامناسب ہے کسی بھی صورت میں اس کا جواز نہیں۔

امام ترمذی نے اپنی کتاب "سنن الترمذی" کے ابواب الجمعۃ میں ایک باب کا عنوان رکھا ہے (جمعہ سے قبل اور جمعہ کے بعد نماز کا بیان) پھر اس باب میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نمازِ جمعہ سے قبل اور نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔

امام ترمذی نے مزید لکھا کہ عبداللہ بن المبارک اور سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہم نے بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ (۱)

جمعہ میں سنت نماز کی رکعات

نماز جمعہ میں کتنی رکعات سنت ہیں؟

(سید آغا ایوب صابری، البارق)

جمعہ سے قبل چار رکعات سنتِ موکدہ پڑھنی چاہیے، نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعت بھی پڑھنی ثابت ہے، دو رکعت بھی پڑھنا جائز ہے، اور چھ رکعات پڑھنے کی روایات بھی موجود ہیں۔ (۲)

تارک جمعہ کا حکم

---

(۱) ترمذی باب فی الصلوٰۃ قبل الجمعۃ وبعدھا

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۱۴۳

جو شخص مسلسل تین جمعہ نماز نہیں پڑھتا، ایسے شخص کے بارے میں اسلام نے کیا کہا ہے؟ ——— (محمد عارف، نجران)

نماز دین کے اہم بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے، نماز نہ پڑھنے والوں کے بارے میں قرآن و حدیث میں شدید وعیدیں موجود ہیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز قرار دی ہے، اسی طرح ایک اور صحیح حدیث میں ارشاد ہے "جس کسی نے عمداً نماز ترک کی اس نے کفر کیا" (۱) اسی لئے بعض علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ بلا عذر جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے، بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے منع کیا گیا ہے، بے نماز کی کوئی بھی عبادت قبول نہیں کی جاتی، بے نمازی کے چہرے سے ایمان کا نور اٹھالیا جاتا ہے، بے نمازی کو مرتے ہوئے کلمۂ شہادت بھی نصیب نہیں ہوتا۔

یہ تو عام فرض نمازوں کی چند وعیدیں ہیں، نمازِ جمعہ کے بارے میں تو حدیث میں آتا ہے کہ "جو شخص بلا عذر تین جمعوں کی نماز نہیں پڑھتا، اللہ تعالیٰ اس کے دل مہر لگا دیتا ہے" (۲)

ابنِ خزیمہ اور ابنِ حبان کی ایک روایت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ "جس کسی نے بلا عذر تین جمعے چھوڑ دیئے وہ منافق ہے" ایک اور حدیث میں ہے جو شخص تین جمعے مسلسل چھوڑ دیتا ہے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے" (ابو یعلی)

---

(۱)

(۲) ترمذی عن ابی الجعد باب ما جاء فی ترک الجمعۃ من غیر عذر

عورتوں پر جمعہ کی نماز

کیا عورتوں پر جمعہ کی نماز ۲ رکعت فرض ہے، یا وہ جمعہ کے وقت ظہر کی چار رکعت فرض پڑھیں، جب کہ وہ گھر میں نماز ادا کر رہی ہوں؟ (یوسف قاضی، مکہ مکرمہ۔ لیاقت یوسف سرنائیک)

عورتوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں، بلکہ وہ گھر پر ظہر کی نماز یعنی چار رکعت فرض پڑھیں گی (۱)، ہاں اگر وہ کسی ایسی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں جہاں عورتوں کے لئے علیحدہ نماز کی جگہ مختص ہو، اور پردے وغیرہ کا بھی انتظام ہو تو پھر اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ امام کی اقتدا میں جمعہ کی نماز ادا کریں، لیکن اگر گھر پر نماز پڑھیں تو ظہر ہی کی نماز پڑھنا ہوگی، یہ حکم تو مردوں کے لئے بھی ہے کہ اگر کسی وجہ سے نماز چھوٹ جائے تو تنہا ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی جائے گی نہ کہ جمعہ کی دو رکعت، کیونکہ نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے کی اہم شرط جماعت اور خطبہ بھی ہے، اس کے بغیر جمعہ کی ادائیگی درست نہیں۔

اگر جمعہ چھوٹ جائے تو کیا کرے؟

کسی مجبوری کی وجہ سے نمازِ جمعہ باجماعت پڑھنے سے رہ جائے تو کیا اذان دے کر ظہر کی نماز باجماعت پڑھ سکتے ہیں، جبکہ ہم چند آدمی ہیں یا پھر ایسے وقت کیا کیا جائے؟ (محمد عثمان، جدہ)

---

(۱) بدائع ۱/۲۵۸ عن جابر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فعلیہ الجمعۃ الا مسافرا او مملوکا او صبیا او امراۃ او مریضا۔

اگر شرعی عذر اور مجبوری کی وجہ سے جمعہ کی نماز چھوٹ جائے تو ایسے شخص پر ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے، اگر ایسے کئی آدمی ہوں تو جماعت کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کر لینی چاہیئے، اذان دینے کی ضرورت نہیں، مسجد کی اذان کافی سمجھی جائے گی، صرف اقامت کہیں، اور نماز ادا کر لیں، ہاں اگر سفر پر مساجد سے دور صحرا وغیرہ میں ہوں تو پھر اذان واقامت دونوں کہیں۔ (۱)

خطبہ کے دوران سنت کی ادائیگی

جمعہ کے دن جب خطبہ شروع ہو جائے تو کیا سنت نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ —— (محمد صادق، ابہا)

احناف کے یہاں خطبہ کے دوران بات چیت یا کوئی بھی نماز ادا کرنا درست نہیں، جب کہ دیگر ائمہ کے یہاں اگر کوئی شخص خطبہ کے وقت مسجد پہونچے تو وہ اسی وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے۔ (۲)

جمعہ کے دن کی ڈیوٹی

میں یہاں ملازمت کرتا ہوں، وہاں جمعہ کے دن بھی کام کرنا پڑتا ہے، ہم چار آدمی ملازم ہیں، اور ہر ایک کی ڈیوٹی کم از کم ایک جمعہ کو ضرور آتی ہے، جس کی وجہ سے ہماری جمعہ کی نماز چلی جاتی ہے ہم کیا کریں؟ (محمد عمران، مکۃ المکرمہ)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۳۱۲

(۲) المغنی ۲/۸۳

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " مخلوق کے جس کام میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو ایسے کام میں کسی کی کبھی اطاعت نہ کرو"[1] آپ اپنے کام کی نوعیت اور اوقات کار کے بارے میں ایسی ترتیب پر عمل کریں کہ آپ کی نماز نہ چھوٹے اور کام کاج کا حرج کبھی نہ ہو

خطبہ جمعہ کی حیثیت

ابھی حال میں ۸ ا اگست کا خطبہ جمعہ میرے لئے عجیب سا رہا خطیب منبر پر آئے اذان کے بعد سورۂ ق کی تلاوت شروع کی، چار پانچ منٹ کے بعد چند سکنڈ کا وقفہ کر کے پھر باقی سورت مکمل کی، اور منبر سے اتر آئے، اس طرح دس بارہ منٹ میں خطبہ اور نماز ختم ہوگئی، خطبہ میں نہ حمد وثنا ہوئی اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام، نہ کسی طرح کا خلاصہ اور تفسیر بیان کی گئی، میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا اس طرح خطبہ صحیح ہے؟۔

(شاہ نواز حسین، ینبع الصناعیہ)

خطبہ جمعہ کی حیثیت تذکیر یعنی لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کی ہے، اگر مختصر سے مختصر تذکیر بھی خطبۂ جمعہ میں ہو جائے تو خطبہ درست ہے اور قرآن سے بڑھ کر تذکیر اور نصیحت کس میں ہے؟ لہٰذا یہ خطبہ بالکل درست ہے خطبۂ جمعہ میں حمد وثنا یا صلاۃ وسلام اور قرآنی آیات یا حدیث کا پڑھنا اور اس کی تفسیر وتشریح کرنا واجب وضروری نہیں۔ اس کے بغیر بھی تذکیر کے مقصد کو ادا کر دیا جائے

---

(۱) سنن ابن ماجہ عن ابی سعید الخدری باب لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ کتاب الجہاد

توخطبہ درست تصور کیا جائے گا۔ (۱)

بروز جمعہ قبولیت دعاء کا وقت

کیا جمعہ کے دن بعد از عصر دعاء قبول کی جاتی ہے؟۔

صحیح حدیثوں میں ہے کہ جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے، مگر اس وقت کے تعین میں روایات بھی مختلف ہیں، اور علماء کے بھی کئی اقوال ہیں محققین علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ گھڑی جمعہ کے دائر سائر رہتی ہے، کبھی بھی کسی وقت یہ ساعت آسکتی ہے مگر صحابہ وتابعین کے اقوال اور کثرتِ روایت کے پیشِ نظر دو وقتوں کو ترجیح حاصل ہے۔

۱۔ جس وقت سے امام خطبہ کے لئے بیٹھے، اس وقت سے لے کر نماز ختم ہونے تک (۲) ______ اس صورت میں یہ ضرور واضح رہے کہ زبان سے دعا نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ دل ہی دل میں دعا مانگے، یا خطبہ میں خطیب جو دعاء مانگتا ہے دل ہی دل میں ان پر آمین کہے۔

۲۔ دوسرا وقت عصر سے لے کر غروب تک ہے (۳)

ضرورت مندوں کو ان دونوں اوقات کو دعا میں مشغول رکھنا چاہیئے۔

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلۃ ۲/۲۸۴

(۲) مسلم عن ابی موسیٰ اشعری فصل فی ذکر الساعۃ التی تقبل فیھا دعوۃ العباد الخ

(۳) ترمذی عن عبداللہ بن سلام باب فی الساعۃ التی ترجیٰ فی یوم الجمعۃ

خطبہ کے دوران آمین کہنا

جمعہ کے دن دوسرے خطبہ کے دوران خطیب جب دعا مانگتا ہے تو چند لوگ ہاتھ اٹھا کر اور چند لوگ بغیر ہاتھ اٹھائے آمین کہتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ ———— (ایم احمد، جدہ)

جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے اس دوران دوسرا کوئی کام بھی نہ کیا جائے خطبہ کے دوران امام کی دعا پر ہاتھ اٹھائے بغیر آمین کہا جا سکتا ہے۔ (۱)

قصر نماز کی مدت

میں ٹریلر ڈرائیور ہوں، دور دور تک میرا جانا ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ گھر سے کتنے کلومیٹر دوری پر قصر کرنا واجب ہے اور کیا سنتوں کی بھی قصر کریں گے یا انہیں پورا پڑھنا ہوگا اور اگر نہ پڑھیں تو کوئی گناہ تو نہیں؟ نیز میرا اگریمنٹ دو سال کا ہے، تو کیا جب تک میں یہاں رہوں قصر ہی پڑھتا رہوں؟ ۔

(شاہ نواز حسین، ینبع الصناعیہ)

۴۸ میل (یعنی ۷۲ کلومیٹر) کی مسافت کا سفر کرنے والا شخص شرعاً مسافر سمجھا جائے گا، اگر کوئی شخص اتنی دور سفر کے ارادہ سے گھر سے باہر نکلے تو وہ نمازیں قصر سے ادا کرے گا جب تک کہ وہ اپنے گھر نہ لوٹ جائے، یا کسی جگہ پندرہ دن سے اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرلے (۲)، اگر حالتِ سفر میں کسی مقام پر پندرہ دن یا

---

(۱) المغنی ۲/۸۶

(۲) المغنی ۲/۴۷

اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت اور ارادہ کرلے تو اب وہ اس جگہ شرعاً مسافر نہیں سمجھا جائے گا، ایسی صورت میں جب تک وہ وہاں رہے قصر صحیح نہیں بلکہ پوری نماز پڑھے گا، (۱) پھر جب وہ وہاں سے نکل جائے تو گھر لوٹنے تک قصر کرے گا، اگر کسی شخص کی ملازمت یا ڈیوٹی ایسی ہو کہ وہ ہر روز ۷۲ کلومیٹر یا اس سے زیادہ دور کا سفر کرتا ہو تو وہ روزانہ جو نمازیں سفر میں پڑھے گا وہ قصر کے ساتھ پڑھے گا، اور جس نماز کا وقت گھر پہونچنے کے بعد شروع ہوا ہو اور وہ اپنے گھر یا شہر میں نماز ادا کر رہا ہو تو اس نماز کو مکمل پڑھے گا، سفر میں سنت نمازوں کی ادائیگی ضروری نہیں، اگر موقع ملے اور پڑھنا چاہے تو پوری پڑھنا ضروری ہے، اس میں قصر درست نہیں، قصر صرف فرض نمازوں میں ہے، سفر میں سنت چھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں، یہ بھی ذہن میں رہے کہ مسافر پر قصر (فرض نمازمیں بھی) اسی وقت ہے جب وہ فرض نماز تنہا پڑھ رہا ہو، اگر وہ مسجد میں یا کہیں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو اور اس کا امام مسافر نہ ہو تو اس کی اتباع واقتدار میں مسافر بھی پوری نماز پڑھے،(۲) مقیم امام کے پیچھے مسافر کا قصر کرنا درست نہیں۔

مسافر کیلئے قصر بہتر ہے یا مکمل نماز؟

میں دمام میں رہتا ہوں، ہر دو تین دن بعد الجبیل آنا جانا ہوتا ہے، ایسی صورت میں مجھے الجبیل پہونچنے پر قصر نماز پڑھنی چاہیئے، یا چار رکعت پوری کرنی چاہیئے، اگر جماعت ہو رہی ہو یا جماعت مل سکتی ہو تو جماعت میں شامل ہو جاؤں یا الگ سے قصر پڑھوں؟

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۳۹ (۲) ان اقتدیٰ مسافر بمقیم فی الوقت صح واتمھا اربعۃ مراقی الفلاح ص ۲۷۹

فقہاء احناف کے یہاں سفر کی مسافت اگر ۴۸ میل (۷۲ کلو میٹر) ہو تو وہ شخص شرعاً مسافر ہے اور اسے نماز میں قصر کرنا ضروری ہے، سوائے اس کے کہ جماعت سے نماز پڑھے اور امام مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو، ایسی صورت میں امام کی اقتداء میں مکمل نماز پڑھی جائے گی، قصر کرنا صحیح نہیں، اگر کہیں جماعت ہو رہی ہو یا جماعت سے نماز مل سکتی ہو تو جماعت سے نماز پڑھنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے جلد نماز پڑھ کر فارغ ہونا چاہے تو مسافر صرف فرض پر اکتفا کر سکتا ہے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قصر رخصت ہے، اور مسافر کو اختیار ہے کہ چار رکعت پڑھے یا دو رکعت پڑھے (۱)

مقیم کی اقتداء میں مسافر کی نماز

مسافر سفر میں قصر نماز پڑھتے ہیں، امام مقامی ہو تو مسافر کو چاہیے کہ امام کی اقتداء میں مکمل نماز پڑھے، اس کے لئے قصر جائز نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ امام تو مقامی ہے، اور اس نے دو رکعت نماز پڑھادی، اب تیسری رکعت میں اگر کوئی مسافر نماز میں اس امام کے ساتھ شامل ہوتا ہے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد امام کے ساتھ چھوٹی ہوئی دو رکعت پڑھے یا امام کے ساتھ پڑھی ہوئی دو رکعتیں اس کے لئے کافی ہو جائیں گی؟ —————— (عتیق احمد راز، نجران)

ایسی صورت میں مسافر کو چاہیے کہ امام کے ساتھ چھوٹی ہوئی دو رکعات

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳۱۸/۲

امام کے سلام پھیرنے کے بعد مکمل کرے، امام کے ساتھ پڑھی گئی دو رکعات کافی نہیں، امام مقیم ہو تو مسافر کو بھی امامِ مقیم کی اقتدا میں مکمل نماز پڑھنا ضروری ہے، چاہے مسافر پہلی رکعت سے امام کے ساتھ شامل ہو یا درمیان میں کسی بھی رکعت میں شامل ہوا ہو۔ (۱)

سفر میں قصر اور دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے کا حکم

میں روزانہ تقریباً ایک ہزار کلومیٹر کا سفر طے کرتا ہوں، کیا میں دورانِ سفر نماز قصر پڑھوں اور کیا میں دو وقت کی نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتا ہوں؟ (غلام محمد، حفر الباطن)

دورانِ سفر بہر حال نماز قصر ہی ادا کی جائے گی، البتہ دو نمازوں کو جمع کرنے کے بارے میں احناف کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ دو نمازیں جمع کر کے پڑھنی جائز نہیں ہے جب کہ باقی ائمہ کے یہاں مسافر کو سفر میں یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ قصر اور جمع دونوں پر عمل کرے اور یہی مسلک زیادہ بہتر اور عمدہ ہے۔ (۲) بعض فقہاء حنفیہ نے اس پر عمل کی اجازت دے دی ہے۔ (۳)

یوم عرفہ اور نماز قصر و جمع

یومِ عرفہ کے دن جو لوگ مسجد نمرہ میں نماز نہیں پڑھتے، اپنے خیموں میں نماز پڑھتے ہیں، ان کے لئے آپ نے فرمایا ہے کہ وہ نمازیں تو

---

(۱) المغنی ۲/ ۱۳۳

(۲) المغنی ۲/ ۵۷ (۳) رد المحتار ۱/ ۴۱۲، قبیل باب الاذان

قصر پڑھیں لیکن ظہر اور عصر کو نہ ملائیں بلکہ ان کے وقتوں پر ادا کریں،
آپ کا یہ جواب سنّتِ مطہرہ کے خلاف ہے، امت کے تمام
علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عرفہ کے دن سنت طریقہ یہ ہے کہ
نماز قصراً و جمعاً ادا کی جائے۔

چونکہ سوال کرنے والے کی اکثریت کا تعلق فقہ حنفی سے ہے، لہٰذا عموماً ان لوگوں کو ان کے مسلک کے مطابق جواب دیا جاتا ہے، امام السرخسی المتوفی ۴۹۰ھ امام الکاسانی ۵۸۷ھ اور امام محمد بن الحسن الشیبانی ۱۸۹ھ نے اپنی اپنی کتب فقہ میں یہی بات لکھی ہے کہ عرفات میں جمع صلاتین امام کے ساتھ مسجد نمرہ پڑھنے کے لئے خاص ہے، اگر مسجد نمرہ میں یہ دونوں نمازیں امام کے ساتھ نہ پڑھی جائیں تو پھر ہر نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائے گی، کیونکہ سورہ نساء آیت ۱۰۳ صاف صاف حکم ہے کہ بے شک ایمان والوں پر ہر نماز اپنے وقت پر پڑھنا ضروری ہے علامہ عینی (۸۵۵ھ) نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں امام ابو حنیفہ کے اس قول کی تائید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہی مذہب مشہور تابعی امام ابو سفیان الثوری ۱۶۱ھ اور امام النخعی ۹۴ھ کا ہے (واللہ اعلم)

کیا شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

اگر بیوی فوت ہو جائے تو کیا شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے
اور اگر شوہر فوت ہو جائے تو کیا بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی
ہے؟ ——— (فاروق محمد شفیع، مدینہ منورہ)

اس بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بوقت ضرورت بیوی اپنے شوہر کو اس کے انتقال کے بعد غسل دے سکتی ہے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ شوہر

اپنی بیوی کو اس کے انتقال کے بعد غسل دے سکتا ہے کہ نہیں؟ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ شوہر اپنی میت بیوی کو غسل دے سکتا ہے (۱) اور اس بارے میں ان کی دلیل دو احادیث ہیں، ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب زوجہ محترم ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "اگر تم مجھ سے پہلے مر گئیں تو میں تمہیں غسل بھی دوں گا اور کفن بھی پہناؤں گا" (۲) دوسری حدیث دار قطنی اور البیہقی کی ہے، جس میں آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے انتقال کے بعد خود غسل دیا (۳) —— حنفیہ کے یہاں شوہر بیوی کو غسل نہیں دے گا، کیونکہ انتقال کے ساتھ ہی اس کا نکاح ختم ہو چکا ہے، اور اب وہ اس کے حق میں ایک اجنبی عورت کے درجہ میں ہے۔

کفن کا انتظام کرنا

کسی کو کفن پہنانا اور کفن کا انتظام کرنا کیا یہ بڑی نیکی ہے؟۔

(ابو عامر، راشد علی، احمد جان، بیشہ)

جس طرح کسی مسلمان کی زندگی میں اس کے ساتھ کوئی بھی نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور اس پر بہت زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے، اسی طرح اگر کسی کے مرنے کے بعد اس کا جنازہ پڑھنا، اسے کفن دینا، اس کے جنازے کو کندھا دینا اور اس کے لئے دعا کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) المغنی ۲/۲۰۱

(۲) ابن ماجہ: ۱۰۵ باب ماجاء فی غسل الرجل امرأتہ وغسل المرأۃ زوجہا

(۳) بیہقی، باب الرجل یغسل امرأتہ اذا ماتت ۳/۳۹۶

نے ارشاد فرمایا "جس کسی نے مردے کو غسل دیا اور اس کی ستر پوشی کی، اللہ تعالیٰ اس شخص کی ستر پوشی فرمائے گا، اور جس نے کسی مردے کو کفن پہنایا (کفن دیا یا پہنایا) اللہ تعالیٰ اس شخص کو (جنت کے) قیمتی واعلیٰ ریشمی کپڑے پہنائے گا (۱)

نمازِ جنازہ میں ایک سلام یا دو سلام

ہمارے یہاں نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرا جاتا ہے جبکہ یہاں صرف دائیں طرف سلام پھیرتے ہیں، کون سا طریقہ صحیح ہے؟ ——— (دایم احمد، جدہ)

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بارے میں مختلف احادیث موجود ہیں، حنابلہ کے یہاں ایک طرف سلام پھیرنے والی احادیث زیادہ معتبر ہیں، جبکہ احناف کے نزدیک دونوں طرف سلام پھیرنے والی احادیث کو لیا گیا ہے۔ (۲)

غیر مسلم سے قبر کی کھدوائی

کیا کسی غیر مسلم سے قبر کھدوائی جاسکتی ہے، جب کہ گاؤں میں نوجوانوں کی کمی ہو یا روزگار وغیرہ کے سلسلے میں باہر مقیم ہو۔

(طاہر دبیر کوکنی، بحرین)

اگر اس علاقے میں کوئی مسلم اس کام کے لئے نہیں ملتا تو یہ جائز ہے،

---

(۱) جمع الفوائد: ۱۳۳/۱ باب غسل المیت وکفنہ

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۹۳/۲

(۳)

میّت کا غسل

ہمارے یہاں جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کو پانی میں بیری کا پتہ ڈال کر غسل دیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ ——— (سید امان اللہ، نجران)

صفائی و پاکیزگی کے اہتمام کے پیش نظر ایسا کیا جاتا ہے، اور حدیث سے اس کا ثبوت موجود ہے، ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ارشاد فرمایا کہ "انہیں تین مرتبہ، پانچ مرتبہ یا ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی زیادہ غسل دو، پانی اور بیری کے پتے سے، اور آخر میں کافور بھی استعمال کرو"[1] چنانچہ میت کے غسل کے لئے بیری کے پتے اور پھر کافور یا کوئی خوشبو کی چیز کا استعمال کرنا مسنون و مستحب ہے۔

قبروں کو پکا کرنا

بعض لوگ محرم میں قبروں کو پکا کرتے ہیں، بعض لوگ قبروں پر پانی چھڑکتے ہیں، کیا یہ عمل ثواب والا عمل ہے؟

(حاجی ظہیر احمد واثق، ابھا)

محرم میں یا یوم عاشورا کو قبریں پکی کرنا ان پر پانی چھڑکنا وغیرہ بدعت ہے[2]۔

---

(۱) ابوداؤد عن ام عطیہ باب غسل المیت کتاب الجنائز، ابن ماجہ باب فی غسل المیت کتاب الجنائز۔

(۲) المغنی ۲/۱۹۲، مسلم باب النھی عن تجصیص القبر، کتاب الجنائز

دفن کے بعد میت کی منتقلی

شرعاً میت کو کسی جگہ کچھ مدت کے لئے امانتاً دفنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کو دفنانے کی کوئی مدت مقرر ہے؟

(نواب، مدینہ منورہ)

میت کے حقوق میں اہم حق یہ ہے کہ اسے فوراً دفن کیا جائے، جہاں انتقال ہوا ہے وہیں پر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے، البتہ اگر قبر کے بہہ جانے یا کسی اور نقصان کا اندیشہ ہو تو میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا حنابلہ اور مالکیہ کے یہاں جائز ہے، بشرطیکہ یہ میت کی مصلحت میں ہو (میت کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو) اور منتقل کرنا بر بناء ضرورت ہو، بلا ضرورت میت کی منتقلی جائز نہیں ہے، شوافع کے یہاں دفن کے بعد میت کی منتقلی حرام ہے، البتہ اگر قبر کے ضائع ہو جانے، بہہ جانے کا خطرہ ہو یا اسی طرح کسی دوسری ضرورت کے تحت کراہت کے ساتھ جائز ہے، احناف کے یہاں اس مسئلے پر شدید موقف ہے، اور حرمت کا فتویٰ ہے کہ احناف کے یہاں دفن کرنے کے بعد مردے کو کسی بھی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا (۱)

دفن کے وقت روپیہ تقسیم کرنا

بعض لوگ مردہ دفن کرتے وقت روپیہ تقسیم کرتے ہیں، اگر کوئی نہ کرے تو کہتے ہیں کہ یہ لاوارث میت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۵۲۹ - ۵۳۰، المغنی ۲/۱۹۴

یہ غلط رسم ہے، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (۱)

قبروں پر چادر چڑھانا

بعض لوگ قبروں پر چادریں چڑھاتے اور جھنڈے لگاتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

یہ سب خود ساختہ رسوم اور بدعتیں ہیں، دین میں اسکی کوئی اصل نہیں۔ (۲)

جھنڈا لگانا

میرے والد مرحوم آزاد کشمیر کے ممتاز عالم دین تھے جن کا انتقال مارچ ۱۹۹۳ء میں ہوا، اور انہیں شہری قبرستان کے بجائے مقامی قبرستان کے مالک کی رضامندی بلکہ اصرار کی وجہ سے وہاں دفنایا گیا، اب قبرستان کے مالک کے ساتھ کچھ اختلافات ہو گئے ہیں، اور اس نے کہا ہے کہ اپنے والد مرحوم کی میت کو یہاں سے نکال کر کہیں اور دفنائیں، چنانچہ اب ہم قبر کی تبدیلی چاہتے ہیں، تو کیا دوبارہ تکفین اور نمازِ جنازہ بھی پڑھنی ہوگی، کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں (ایم آر ملک، ریاض)

تدفین کے بعد قبر کھود کر مردہ کو قبر سے نکالنا جائز نہیں ہے، تاہم بعض

---

(۱) ہندیہ میں ہے: ویکرہ عند القبر مالم یعهد من السنة والمعهود منها الیس الا زیارته والدعاء عنده قائما (ہندیہ ۱/۱۶۶)

(۲) حوالہ سابق

کی صورتوں میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، جیسے بلا اجازت کسی دوسرے کی زمین پر مردہ کو دفن کیا گیا ہو اور اس زمین کا مالک اس پر راضی نہ ہو، صورتِ مسئولہ میں چونکہ قبرستان کے مالک نے خود ہی اپنے قبرستان میں تدفین کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اصرار بھی کیا، لہٰذا اب اسے اس بات کا حق نہیں کہ وہ میت کو منتقل کرنے کا حکم کرے، بلکہ خود اس کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کیا جائے گا[۱]، پھر جب تدفین کو تین سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہو تو کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میت اپنی اصل حالت پر ہوگی، ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھ کر مردہ کو دفن کر دینے کے بعد اب دوبارہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی، ہاں اگر کسی شخص کو بغیر نمازِ جنازہ کے ہی دفن کر دیا گیا ہو تو فقہاء نے قبر پر ہی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے، وہ بھی صرف اس وقت تک جب تک کہ مردہ کے اصلی حالت پر قائم رہنے کا یقین ہو، اگر یہ شک پیدا ہو جائے کہ مردہ کا جسم سڑ گل گیا ہوگا تو پھر قبر پر بھی نمازِ جنازہ درست نہیں چاہے بغیر نمازِ جنازہ کے ہی اسے دفن کر دیا گیا ہو۔ [۲]

شوہر کے لئے بیوی کی تدفین

اگر بیوی کا انتقال ہو گیا تو کیا شوہر اس کو دفن کرنے کے لئے قبر میں اتر سکتا ہے؟۔

اتر سکتا ہے، یہ جائز ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خود ہی قبر میں اتارا تھا۔

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۲/ ۵۲۹

(۲) المغنی ۲/ ۱۹۵

کفن پر کلمۂ طیبہ لکھنا

مردے کو کفن پہنانے سے پہلے کفن پر کلمۂ طیبہ لکھا جاتا ہے، اور خوشبو بھی لگائی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

(انور ساجد، جدہ)

کفن پر خوشبو لگانا جائز ہے، البتہ اس پر کلمۂ طیبہ لکھنے کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا اس طرح کی رسومات سے بچنا چاہیے۔ (۱)

زیارتِ قبور کی دعاء

جب قبرستان میں جائیں تو کون سی دعاء پڑھنی چاہیے؟

جب قبرستان سے گذر ہو یا خاص کر زیارتِ قبور کے ارادے سے قبرستان جائیں تو موت و آخرت کو یاد کر کے اپنے لئے اور اہلِ قبور کے لئے کوئی بھی مغفرت کی دعا کی جاسکتی ہے، اور اہلِ قبور کو سلام بھی حدیث سے ثابت ہے، اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعاء یہ منقول ہے:

"السَّلام عَلَیکُم یَا اَھلَ القبور یَغفِرُ اللّٰہُ لَنا وَلکُم اَنتم سَلفنا وَنحنُ بالاثر" (۳)

ترجمہ: اے اہلِ قبور تم پر سلامتی ہو، اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے، تم ہم سے پہلے جانے والوں میں ہو اور ہم تمہارے بعد آنے والوں میں ہیں۔ (۲)

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۶۶

(۲) المغنی ۲/۲۲۵

(۳) ترمذی عن ابن عباسؓ باب ما یقول الرجل اذا دخل المقابر

قبروں پر پھول چڑھانا

کیا قبروں پر پھول چڑھانا جائز ہے؟ (محمد جمال، جدہ)

قرآن وحدیث یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی عمل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا یہ ناجائز اور بدعت ہے۔ (۱)

کفن آبِ زمزم سے دھونا

کفن کا کپڑا آبِ زمزم سے دھونا کیسا ہے؟

(محمد خان۔ مدینہ منورہ)

اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (۲)

ایصالِ ثواب کا غلط طریقہ

ہمارے علاقے کے کچھ لوگوں نے یہ طریقہ بنا لیا ہے کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد ہر روز کھانا کھانے سے پہلے فوت ہونے والوں کی روح کو ایصالِ ثواب کے لئے قرآنِ پاک کی چند سورتیں پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ یا اور کوئی طریقہ ہو تو ضرور بتلائیں؟

(محمد اعظم، محمد طاہر، ابھا)

جس رسم اور طریقے کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کی حیثیت بدعت سے زیادہ

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۶۶

(۲) حوالہ سابق

کچھ نہیں اور ہر ہر بدعت ناجائز ہے جس سے بچنا ضروری ہے، میت کو فائدہ پہنچانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے وقتاً فوقتاً دعائے مغفرت کی جائے۔ (۱)

موت کا اعلان

اذان کے مقام سے موت کا اعلان اور جنازہ کے لئے پکارنا ٹھیک ہے یا نہیں؟۔

اگر اس اعلان کی ضرورت ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اسے مستقل عادت بنا لینا مناسب نہیں ہے۔ (۲)

نمازِ جنازہ کا طریقہ

نمازِ جنازہ کا طریقہ کیا ہے، اور اس کی نیت کس طرح کریں؟ اور نماز کے دوران کن چیزوں کا پڑھنا ضروری ہے؟ نیز حرم شریف میں اکثر نمازِ جنازہ میں شرکت کا اتفاق ہوتا ہے، لیکن کبھی یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ میت بالغ مرد و عورت کی ہے، یا نابالغ لڑکا یا لڑکی کی، ایسی صورت میں کیا کریں، اور کس طرح نماز پڑھیں؟ یہاں ایک ہی طرف سلام پھیرا جاتا ہے جب کہ ہمارے ملکوں میں دونوں طرف کون سا طریقہ صحیح ہے؟ نیز نمازِ جنازہ شروع ہونے کے بعد اگر کوئی شخص پہونچے تو وہ کس طرح نمازِ جنازہ پڑھے، عورت کیلئے

---

(۱) مسلم عن عائشہ باب نقض الاحکام الباطلۃ کتاب الاقضیۃ

(۲) فتاویٰ عبدالحی (اردو) ص: ۲۲۸ ط: دیوبند

نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(شاہ نواز، ینبع الصناعیہ، محمد نذیر بٹ، بیشہ، عدیل احمد مسعود، جدہ)

نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ امام جب تکبیرِ تحریمہ کہے تو آپ بھی تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور پھر باندھ لیں، جیسے نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، پھر دعائے استفتاح یعنی ثناء پڑھیں، پھر امام دوسری تکبیر کہے تو آپ بھی آہستہ سے دوسری تکبیر کہیں، پھر دوسری تکبیر کے بعد درودِ ابراہیمی یا کوئی بھی درود شریف پڑھیں، پھر امام ساتھ تیسری تکبیر آہستہ سے کہہ کر نمازِ جنازہ کی دعاء پڑھیں جو کہ معروف ہے، احادیث میں اِس سلسلے میں دو دعائیں خصوصیت سے مروی ہیں، کوئی بھی دعاء پڑھی جا سکتی ہے، زیادہ بہتر ہے کہ دونوں پڑھیں، بالغ مرد و عورت کے لئے یہی دعائیں ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو جائیں۔

نابالغ لڑکے اور لڑکی کی نمازِ جنازہ میں کسی الگ دعاء کا ذکر کتبِ احادیث میں نہیں ملتا، البتہ بچوں کی موت اور ان کے اجر کے سلسلے میں کتبِ احادیث میں بعض دعائیں منقول ہیں، انہی کی روشنی میں بعض فقہاء نابالغ لڑکی اور لڑکے کی نمازِ جنازہ میں الگ الگ مستقل دعاء کے پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں، یہ دعائیں بھی اگرچہ پڑھی جا سکتی ہیں لیکن نابالغ لڑکی اور لڑکے کی نمازِ جنازہ میں بھی وہ دعاء پڑھیں جو کہ بالغ مرد و عورت کی نمازِ جنازہ میں پڑھتے ہیں تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں، بالخصوص میت کے بارے میں جب یہ علم نہ ہو سکے کہ یہ بالغ مرد و عورت کی ہے یا نابالغ لڑکی اور لڑکے کی تو وہی مسنون دعاء پڑھیں جو کہ بڑوں کے لئے پڑھی جاتی ہے، پھر نماز جنازہ میں ثناء، درود اور دعاؤں کا پڑھنا فرض و واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، اگر کوئی شخص کسی وجہ سے کچھ بھی نہ پڑھ سکے صرف کھڑے ہو کر چار تکبیریں کہہ کر سلام

پھیر دے تب بھی اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، اگر کوئی شخص بعد میں نمازِ جنازہ میں شریک ہو تو اسے چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو تکبیریں چھوٹی ہیں صرف اتنی تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دے، کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ امام کے سلام پھیر دینے سے پہلے جتنی تکبیریں اسے ملی ہیں اس میں دعا وغیرہ جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔ (۱)

امام ابو حنیفہ کے یہاں نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں، نیز چوتھی تکبیر کے بعد دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرنا ہے جیسا کہ فرض نمازوں میں ہے، بعض دوسرے ائمہ کے ہاں نمازِ جنازہ میں دائیں طرف ایک ہی سلام پھیرنا کافی ہے، یہی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے (۲)، اور دونوں طریقے صحیح ہیں، اسی طرح بعض صحابہ کرام سے ثنا کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی ثابت ہے، اسی پر بعض ائمہ کا عمل بھی ہے، لہٰذا اگر کوئی سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں (۳)

نمازِ جنازہ کون پڑھائے

نمازِ جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟ کیا امامِ علاقہ ہی نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے یا کوئی دوسرا شخص بھی؟

نمازِ جنازہ پڑھانے کا حق سب سے پہلے حاکمِ وقت (اسلامی حکومت کے

---

(۱) فتح القدیر علی الہدایہ ۲/۸۵

(۲) المغنی ۲/۱۸۳

(۳) المغنی ۲/۱۸۰

سربراہ، پھر اس کے نائب کو ہے، اس کے بعد جامع مسجد کے امام، پھر محلہ کی مسجد کے امام کو ہے، پھر میت کا ولی و سرپرست جیسے بیٹا، باپ، بھائی اور چچا وغیرہ زیادہ حقدار ہے، ان کے علاوہ کوئی دوسرا عام شخص بھی نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے، مگر اس کو چاہیئے کہ پہلے میت کے ولی سے اجازت لے لے، بلا اجازت نمازِ جنازہ پڑھا دے تو بہر حال نماز ہو جائے گی لیکن میت کے ولی کو یہ حق ہے کہ وہ دوبارہ نماز پڑھائے۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو آپ کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی؟

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ میں کوئی امام نہ تھا، بلکہ جب غسل اور تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی، اور نمازِ جنازہ تیار ہو گیا تو حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی میں رکھا رہا، اور لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے حجرۂ اقدس میں داخل ہوتے، اور نمازِ جنازہ پڑھ کر فارغ ہوتے، پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز پڑھی، جب سب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو حجرۂ اقدس میں جس جگہ آپکا انتقال ہوا وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ (۲)

حرمین شریفین میں نمازِ جنازہ

حرمین شریفین میں عموماً نمازوں کے جنازے کی نماز کا اعلان

---

(۱) ہدایہ مع الفتح ۱/۸۱۰ (۲) طبقات ابن سعد ۲/۲۹۳

ہوتا ہے، بعض اوقات ہمیں کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ مردہ مرد ہے کہ عورت بچہ ہے کہ بچی، ہم کون سی دعا پڑھیں؟

(محمد خان حاجی عطاء اللہ، مدینہ منورہ)

حرمین شریفین میں فرض نمازوں کے بعد جب جنازے کی نماز کا اعلان ہوتا ہے تو یہ بات بتلادی جاتی ہے کہ مرنے والا مرد ہے کہ عورت، اگر مرد ہو تو "الصلاۃ علی المیت" کہا جاتا ہے، اور اگر عورت ہو تو "الصلاۃ علی المیتۃ" اگر ایک سے زیادہ میت کے جنازے ہوں تو جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے "الصلاۃ علی الاموات" کہا جاتا ہے، بچے کا جنازہ ہو تو "الصلاۃ علی الطفل" اور اگر بچی کا جنازہ ہو تو "الصلاۃ علی الطفلۃ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی

جو شخص نہ مرد ہو نہ عورت کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟

(فضل حسین، بحرین)

ہر مسلمان میت کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی (۱) ——— ابنِ قدامہ نے لکھا ہے کہ ایسے میت کا کوئی ایسا نام رکھ دیا جائے جو مرد و عورت دونوں کے لئے رکھے جانے کے قابل ہو جیسے مسلمہ، قتادہ، سعادہ، ہند، عتبہ وغیرہ

بے نمازی کی نمازِ جنازہ

بے نمازی مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) المغنی ۲/ ۲۰۱

حدیث میں آیا ہے صلوا علی کل بر و فاجر (

) اس حدیث کے مطابق ہر مسلمان میت کو غسل دینا اور نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے، چونکہ بے نمازی بھی مسلمان ہے، اس لئے اس کی نمازِ جنازہ اور غسل دینا ضروری ہے، فقہاء نے جن لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے ان میں بے نمازی کو شامل نہیں کیا ہے۔ (۱)

قصاصاً قتل کئے جانے والے کی نمازِ جنازہ

جن لوگوں کو بطورِ قصاص سزائے موت دی جاتی ہے، اور قتل قتل کر دیا جاتا ہے، ان کی نمازِ جنازہ اور تدفین کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ——— (ابرار احمد، الجوف)

عام میت ہی کی طرح ان کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی، اور دفن کیا جائے گا، اس سلسلے میں ان کے احکام الگ نہیں۔ (۲)

قبرستان کب جانا چاہیئے

قبرستان کب جانا بہتر ہے؟۔

مُردوں کے لئے دعاءِ مغفرت آخرت کی یاد دہانی اور عبرت حاصل کرنے کے لئے قبرستان کبھی بھی جا سکتے ہیں، بلکہ قبر کی زیارت کے لئے کسی خاص وقت کا متعین کر لینا درست نہیں۔

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۶۳

(۲) الفتادی الہندیۃ ۱/۱۶۳

میّت سے متعلق مسائل

میّت پر نوحہ و بین کرنا جائز نہیں

ہمارے علاقے میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو عورتیں بین کر کے روتی ہیں، سینہ کوبی کے ساتھ ساتھ مرنے والے کے قصّے بیان کیے جاتے ہیں، سنا ہے کہ ایسی عورتوں پر اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، پھر اس برائی کو کس طرح ختم کیا جائے؟ نیز رونا کہاں تک غلط ہے؟ کیونکہ کبھی مرنے والا اس قدر عزیز اور محترم ہوتا ہے کہ بے اختیار رونا آجاتا ہے، اور آدمی اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ ———— (چنگیز اقبال ثاقب، جدہ)

میت پر بین کرنا کبیرہ گناہ ہے بلکہ اسے کفر کہا گیا ہے، کسی کی جدائی اور مرنے پر رونا تو جائز ہے لیکن چیخنا چلانا، کپڑے پھاڑنا، سینہ کوبی کرنا، ماتم کرنا، چہرہ اور سر پیٹنا، کالے کپڑے پہننا، واویلا اور بین کرنا، نوحہ کرنا یہ سارے کے سارے شیطانی اعمال ہیں، اور کبیرہ گناہ ہیں بلکہ حرام ہیں، رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ و بین کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے (صحیح ابنِ حبان) ایک حدیث میں ارشاد ہے "لوگ کفر کے دو کام ابھی تک کر رہے ہیں، میت پر نوحہ کرنا اور کسی کے حسب نسب میں طعن و تشنیع کرنا"[1]

آپ اپنے خاندان اور محلے کی خواتین کو سمجھایئے کہ وہ اس حرام کام سے باز رہیں، اسلام نے کسی کے مرنے پر رونے اور شرعی حدود کے اندر رہ کر اظہارِ افسوس

---

(۱) مسلم عن ابی مالک الاشعری فصل فی النھی عن الفخر بالاحساب الخ کتاب الجنائز

کرنے سے منع نہیں کیا، یہ فطرت ہے بلکہ اس میں زیادتی و مبالغہ ہے۔

میت کو کب دفنایا جائے؟

کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کی تدفین میں کتنی تاخیر کی جا سکتی ہے؟ بعض جگہوں پر میت کے آخری دیدار کے لئے رشتہ داروں کی آمد کا انتظار کیا جاتا ہے، اور میت کو دس بارہ گھنٹے بغیر غیر عمل کے رکھا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(لیاقت یوسف سرنائیک، ریاض)

افضل و بہتر اور مسنون طریقہ یہی ہے کہ مردے کو فوراً دفن کیا جائے، اور دور سے کسی آنے والے کا انتظار نہ کیا جائے کہ اس سے لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور یہ طریقہ بہتر بھی نہیں ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جنازے میں جلدی کرو"۔(۱)، امام القرطبی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ میت کے جنازے و دفن میں تاخیر نہ کی جائے، البتہ اگر کسی قریبی رشتہ دار کی وجہ سے چند گھنٹے تاخیر ہو جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں بھی اسی مصلحت کے تحت تاخیر عمل میں آئی تھی۔

جنازے کے ساتھ بلند آواز میں ذکر

بعض لوگ جنازے کو قبرستان لے جاتے ہوئے بلند آواز سے کلمۂ شہادت کا ورد کرتے رہتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(افتخار حسین زکریا، خمیس مشیط)

---

(۱) مشکوٰۃ عن ابن عمر ۱/۱۴۹ الفصل الثالث باب دفن المیت۔

جنازے کو قبرستان لے جاتے ہوئے خاموش رہیں، یا ذکر کرنا ہو تو آہستہ ذکر کریں، کلمۂ شہادت بھی آہستہ پڑھا جاسکتا ہے، بلند آواز سے ذکر یا کلمۂ شہادت کا ورد درست نہیں، اس لئے کہ کسی حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ (۱)

قبر کی اونچائی

قبر زمین سے کتنی اونچی ہونی چاہیئے؟ (شوکت اعظمی، مکہ مکرمہ)

حدیث شریف میں ہے کہ قبر کو کھودو، اسکو وسیع کرو، گہری کرو اور اچھا کرو، (ترمذی عن ہشام باب ماجاء فی دفن الشہداء) اور فقہ کی کتابوں میں آتا ہے کہ قبر کی گہرائی کی مقدار آدھے قد کے برابر ہونی چاہیئے (درمختار ۲/ ۲۵۳) اور شامی میں ہے کہ اگر پورے قد کے برابر قبر کی گہرائی ہو تو بہت اچھا ہے۔ (حوالۂ سابق) اسلئے ادنیٰ درجہ قبر کا یہ ہے کہ آدھے قد کے برابر ہو تو یہ ادنیٰ درجہ ہے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ پورے قد کے برابر ہو۔

عورت کی میّت پر مردوں کی قرآن خوانی

عورت کی میت پر آدمی (غیر مرد) قرآن خوانی کرسکتا ہے یا نہیں (ممتاز احمد، ابہا)

اجرت لے کر قرآن خوانی کرے تو اس میں محققین نے لکھا ہے کہ میت کو ثواب نہیں پہونچتا ہے کیونکہ جب پڑھنے والا کو فاسد نیت کی وجہ سے ثواب نہیں ملتا تو میت کو کہاں سے ثواب ملے، البتہ اگر کوئی شخص للہ قرآن شریف پڑھ کر اسکا ثواب میت کو پہونچائے تو انشاءاللہ اس کا ثواب میت کو ملے گا، خواہ اپنے گھر پر پڑھ کر ثواب پہونچائے یا میت کے گھر پر۔ (۲)

عورتوں کا قبرستان جانا

(۱) الفتاوی الہندیہ ۱/ ۱۶۲ (۲) رد المحتار ۶/ ۴۷ مطلب فی الاستئجار علی الطاعات

کیا جنازے کے ساتھ عورتیں قبرستان جا سکتی ہیں؟

جنازے کے ساتھ عورتوں کا قبرستان جانا جائز نہیں۔ (۱)

کہیں جاتے ہوئے اگر راستہ میں قبرستان آجائے تو کیا عورت وہاں کھڑے ہو کر دعا کر سکتی ہے؟ (محمد اشرف جذبی، جدہ)

کر سکتی ہے۔ (۲)

میت کے ساتھ قرآن لے کر چلنا

ہمارے گاؤں میں جب کوئی میت ہوتی ہے تو نمازِ جنازہ کے بعد لوگ میت کو اٹھا کر چالیس قدم چلتے ہیں، میت کے آگے ایک آدمی قرآنِ پاک اٹھا کر چلتا ہے، اس کے اوپر کچھ رقم بھی رکھتے ہیں جو بعد میں مولوی صاحب کو دیدیتے ہیں، کیا اسلام میں ایسا کرنا جائز ہے؟ ——— (شیخ عبدالقدیر، بنی سعد)

یہ رسم ناجائز اور سنگین بدعت ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

غیر مسلم کی میت میں شرکت

کیا ایک مسلمان شخص غیر مسلم کی میت اور اس کی تدفین میں شامل ہو سکتا ہے؟ ——— (محمد نظام الدین، مدینہ منورہ)

مسلمان کے لئے غیر مسلم کی میت اور اس کی آخری رسومات میں شرکت

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۵۴۰

(۲) ہندیہ ۱/۱۶۲

جائز نہیں ، کیونکہ غیر مسلموں کے لئے استغفار اور انکی قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا ہے ۔ (توبہ/۸۴)

تاجر سے تعزیت

اگر کسی عزیز کا انتقال ہو جائے اور وہ شخص موجود نہ ہو، سفر وغیرہ پر ہو تو کیا وہ واپس لوٹنے پر اس میت کے گھر والوں سے تعزیت کا اظہار کر سکتا ہے ؟ —— (ندیم عمران، وادی الدواسر)

جی ہاں ! اگر کوئی شخص موجود نہیں ہے اور کسی کے ہاں میت ہو جاتی ہے تو یہ غائب شخص واپس آ کر اہلِ خانہ سے تعزیت کا اظہار کر سکتا ہے ۔ (۱)

تعزیت کے وقت دعاء

تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا کیسا ہے ؟ ۔

تعزیت کے وقت تسلّی بھرے جملے اور خصوصاً وہ جملے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں کہنے چاہئیں، میت کے لئے دعاء مغفرت بھی کی جا سکتی ہے (۲) جس کے لئے کوئی دعاء مخصوص نہیں ہے لیکن باقاعدہ اہتمام سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اسی لئے علماء نے اسے بدعت کہا ہے ۔

حیلۂ اسقاط سنگین بدعت ہے

---

(۱) ووقتہا من حین یموت لا ثلاثۃ ایام ویکرہ بعدھا الا ان یکون المعزی ...... غائباً (ہندیہ ۱/۱۶۷)

(۲) کما یستحب ان یقال لصاحب التعزیۃ غفر اللہ تعالیٰ لمیتک ۔ (ہندیہ ۱/۱۶۷)

ہمارے گاؤں میں میت کے ساتھ قرآن مجید کے نیچے پیسے رکھ کر دائرہ بنا کر حیلۂ اسقاط کرتے ہیں، یہ کام شریعتِ محمدی کی رو سے درست ہے یا نہیں؟ ———— (شیر محمد، ریاض)

کسی کے مرنے کے بعد میت کے گناہوں کو ختم کرنے کے لئے کفارہ کے طور پر حیلۂ اسقاط کے نام سے جو رسم انجام دی جاتی ہے، وہ سنگین بدعت ہے، دین و شریعت کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ تصور نہایت جاہلانہ ہے کہ اس طرح کرنے سے مرنے والا گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت کی دعا کی جائے اور بلا کسی رسم و رواج کے استطاعت ہو تو صدقہ و خیرات کیا جائے۔ (۱)

اس مسئلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر میت نے مال چھوڑا ہو اور وصیت کر رکھی ہو کہ میرے نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا کر دیا جائے، تو مالِ متروکہ سے پورا پورا فدیہ دینا واجب ہے، اور اگر میت نے وصیت نہ کی ہو یا مال نہ چھوڑا ہو تو وارثوں کے اوپر فدیہ دینا واجب نہیں ہے، اگر خود ادا کر دیں تو یہ تبرع اور احسان ہوگا، اسلئے اگر وارثوں سے ہو سکے تو فدیہ دے دیں، ورنہ اس طرح کے غیر شرعی حیلوں کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا

کیا جنازے کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہونا چاہیے؟ اس بارے میں قرآن و سنت نے کیا موقف اختیار کیا ہے؟

(عبد المقتدر، ۶۶ع)

جنازے کو دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے کہ آج وہ کل ہماری باری

ہے، ایک دن ہمیں بھی اسی طرح لوگ اپنے کندھوں پر اٹھاکر قبرستان لے جائیں گے اور منوں مٹی تلے دفن کر دیں گے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کو روایت کیا ہے جو صحیح مسلم میں ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک موت ایک گھبرا دینے والی چیز ہے، جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ"، علماء نے کہا کہ یہ حکم واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (۱)

میّت کا آخری دیدار

میت کا آخری دیدار کرنا کس کس کو جائز ہے، چاہے میت عورت ہو یا مرد، لڑکا ہو یا لڑکی، ہمارے علاقہ میں اس سلسلے میں اختلاف ہے کہیں میت پر حاضر ہونے والے سبھی لوگوں کو دیدار کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور کہیں اس کو ناپسند کیا جاتا ہے بلکہ اگر عورت یا جوان لڑکی کی میت ہو تو صرف ان لوگوں کو دیدار کی اجازت دی جاتی ہے جن سے وہ زندگی میں پردہ نہیں کرتی تھی، اس ضمن میں شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟ (شاہ نواز حسین، ینبع الصناعیہ)

اگر کوئی میت کا دیدار کرنا ہی چاہے تو اس کے لئے جائز ہے جس سے شرعاً پردہ نہ ہو یعنی غیر محرم عورتوں کا دیکھنا جس طرح زندگی میں جائز نہیں، اسی طرح غیر محرم کی میت کو دیکھنا یعنی اس کے چہرے کا دیدار کرنا بھی جائز نہیں۔

سوگ منانا

---

(۱) مسلم شریف کتاب الجنائز ۱/۳۱۰ ط: الہند

کسی کے مرنے پر اہلِ خانہ کو سوگ میں کتنے دن گزارنے چاہئیں
اور دوسرے رشتہ داروں کو کتنے دن سوگ کی اجازت ہے؟

(جمیل اختر مغل، النماص)

کسی شخص کے انتقال پر اس کے اہلِ خانہ یا رشتہ داروں میں سے کسی کو بھی تین دن سے زیادہ غم منانے اور سوگ میں رہنے کی اجازت نہیں، سوائے بیوی کے کہ اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو تو اس کے لئے شرعاً ضروری ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے یعنی سوگ میں رہے، اور زیب وزینت کو ترک کر دے، اس مدت میں اس کی شادی بھی دوسری جگہ نہیں ہوسکتی، بلکہ عدت گزرنے تک صراحتاً اس کو پیغامِ نکاح دینے سے بھی شریعت نے روکا ہے (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۵)

مرحوم بیوی کا چہرہ دیکھنا

آپ نے مرحومین کے ایصالِ ثواب کے بارے میں فرمایا کہ قرآن خوانی، زیارت، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی وغیرہ کوئی بھی احادیث سے ثابت نہیں ہے، پھر کیوں اس کا رواج پڑ گیا؟ نیز شوہر کا انتقال ہو جائے تو بیوی شوہر کو دیکھ سکتی ہے، اور اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر مرحوم بیوی کے چہرہ کو کیوں نہیں دیکھ سکتا اکثر لوگ ایسا کہتے ہیں، آخر اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟

(علی ظہیر، ریاض)

شرعی امور اور دینی مسائل کی بابت یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ فلاں مسئلے کا حکم کیا ہے؟ اس کے بارے میں علماء وفقہاء کی رائے کیا ہے لیکن کسی بھی مسئلے

کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ سوال نامناسب اور فضول ہے، کیونکہ نہ تو ہر شرعی مسئلے اور دینی معاملے کی حکمت بیان کی جاتی ہے، اور نہ ہی ان باتوں کو عام شخص سمجھ سکتا ہے، علمی بحثیں، فقہی اصطلاحات اور دوسرے کئی امور ایسے ہیں اگر ان کی حکمتوں وغیرہ کو بیان کر بھی دیا جائے تب بھی عام آدمی انہیں سمجھ نہیں سکتا، اگر ہر مسئلے کی بابت کیوں کا سوال ذہن میں بٹھا لیا جائے تو یہ آگے چل کر خود آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن جائے گا، آپ جس موضوع کی وجہ سے ذہنی الجھن میں مبتلا ہیں اس موضوع پر ایک سے زائد بار تفصیل لکھا جا چکا ہے جو سمجھنے کے لئے کافی ہے، اگر آپ جوابی لفافہ ارسال کریں تو ان تمام جوابات کی فوٹو کاپی ارسال کی جا سکتی ہے۔

انتقال کے بعد مرحوم بیوی کو غسل دینے اور اس کا چہرہ دیکھنے کے سلسلے میں امام الشوکانی نے نیل الاوطار میں جمہور علماء کی یہ رائے نقل کی ہے کہ انتقال کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتے ہیں، غسل بھی دے سکتے ہیں اور کفنا کر قبر میں اتار بھی سکتے ہیں کہ ایسا کرنا خود سیدنا ابو بکرؓ اور ان کی اہلیہ سیدنا علیؓ اور ان کی اہلیہ سے ثابت ہے (۱) جیسا کہ دار قطنی اور بیہقی میں ہے اور مسند احمد اور ابن ماجہ میں خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کر گئیں تو میں تمہیں غسل بھی دوں گا اور کفن بھی پہناؤں گا (۲)

---

(۱) نیل الاوطار ۲۷/۴

(۲) نیل الاوطار ۲۷/۴ باب ما جاء فی غسل احد الزوجین الآخر، ابن ماجہ عن عائشہ باب ما جاء فی غسل الرجل امرأتہ وغسل امرأۃ زوجہا ابواب ما جاء فی الجنائز۔

سیدنا علی رضؓ نے خود اپنی بیوی فاطمہ کو غسل دیا اور کفن پہنایا جب کہ سیدنا ابو بکر کو ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس نے غسل دیا، سیدنا ابو موسیٰ اشعری نے اپنی بیوی کو غسل دیا اور جابر بن زید نے وصیت کی کہ ان کو ان کی بیوی غسل دے۔

پھر اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا شوہر بیوی کو اسکے انتقال کے بعد غسل دے سکتا ہے کہ نہیں؟ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی میں حنابلہ نے امام احمد سے دو روایتیں لی ہیں، فرمایا ——— اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو اس کے انتقال کے بعد غسل دے سکتی ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا شوہر اپنی بیوی کے انتقال کے بعد اسے غسل دے سکتا ہے کہ نہیں؟ اس بارے میں امام احمد کی ایک رائے جمہور کی رائے کے ساتھ ہے کہ شوہر بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے (اور اس کا چہرہ بھی دیکھ سکتا ہے) لیکن امام احمد کی دوسری رائے امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق ہے کہ شوہر اور بیوی کا رشتہ نکاح بیوی کے مرنے پر ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو غسل نہ دے، البتہ حنابلہ کا کہنا ہے کہ اگر اس کی ضرورت ہو کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل دے تو ایسا کرنا جائز ہے، احناف کا مسلک جیسا کہ مشہور کتب احناف میں مذکور ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوی اپنے شوہر کا چہرہ بھی دیکھ سکتی ہے، اور اسے غسل دکفن بھی دے سکتی ہے لیکن شوہر کے لئے بیوی کے انتقال کے بعد اسے غسل دینا جائز نہیں ہے، چہرہ دیکھنا جائز ہے۔ (۱) اس میں شبہ نہیں کہ احناف کی رائے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔

---

(۱) المغنی ۲/۲۰۱

چالیس دنوں تک مردہ کی تعزیت

ہمارے یہاں کسی کے مرنے پر لوگ چالیس دن تک میت کے لئے دعا ر کرتے رہتے ہیں، محفل میں سوگ کے ساتھ ساتھ جب کوئی آدمی دعا ر کے لئے کہتا ہے تو کچھ لوگ سگریٹ یا حقہ پی رہے ہوتے ہیں، سگریٹ زمین پر رکھ کر دعا ر کر دیتے ہیں، کیا یہ دونوں کام ایک ساتھ جائز ہیں ؟

(محمد عرفان، ریاض)

کسی مرنے والے کی تعزیت اور سوگ صرف تین دن تک کی جا سکتی ہے کہ یہ مسنون عمل ہے، تعزیت کے لئے مستقل بیٹھنا اور اس کا اہتمام کرنا کسی بھی صحیح حدیث یا آثارِ سلف سے ثابت نہیں ہے، اگر ایسے موقع پر کچھ لوگ جمع ہوں تو ادب سے بیٹھیں، آخرت اور قبر کی باتیں کریں اور خلافِ شرع کاموں سے اجتناب کریں۔

مردہ کی فلم دیکھنا

جو آدمی اس دنیا سے سفر کر جاتا ہے کیا اس کی موت کے بعد اس کی فلم دیکھنا یا اسکی برائی بیان کرنا جائز ہے؟ نیز بلا وجہ مرنیوالے کی تعریف کرنا کیسا ہے؟ —— (چنگیز اقبال ثاقب، جدہ)

بحیثیتِ مسلمان ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے مردوں یعنی مسلمانوں کے وہ لوگ جو انتقال کر جائیں ان کے بارے میں اچھائی والی بات ہی کہنی چاہیئے اور ان کا ذکر اچھے جملوں سے کیا جانا چاہیئے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"مردوں کو برا بھلا مت کہو اس لئے کہ وہ وہاں چلے گئے ہیں جہاں اپنے اعمال (کا بدلہ) بھگت رہے ہیں" (۱) ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا تو بعض لوگوں نے اس میت کے بارے میں اچھے الفاظ کہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' واجب ہوگئی (جنت واجب ہوگئی یا جو خیر کے کلمات کہے گئے وہ واجب ہوگئے) پھر ایک دوسرا جنازہ، گذرا بعض لوگوں نے اس میت کے بارے میں غیر مناسب جملے کہے، اس پر بھی یہی ارشاد فرمایا کہ واجب ہوگئی، پھر ارشاد فرمایا، تم لوگ ایک دوسرے پر گواہ ہو، کسی عام مسلمان کے بارے میں تو عموماً لوگ اچھے دعائیہ جملے ہی ادا کرتے ہیں لیکن عادی مجرموں، شرپسندوں اور دوسرے بڑے بڑے مجرموں کے بارے میں سوائے بد دعاؤں اور برا بھلا کہنے کے اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ (۲)

پھر آپ اس بات کو بھی نہ بھولیں کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنی زندگی میں ایسے نیک اور اچھے کام کر جاتے ہیں (صدقہ جاریہ وغیرہ) کہ ان کے مرنے کے بعد بھی نیکی کا یہ پودا پھلتا پھولتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اس شخص کو برابر ثواب ملتا رہتا ہے، جب کہ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی زندگی میں برائی گناہ، نافرمانی، بغاوت اور سرکشی کا کام کرتے رہتے ہیں، اور پھر یہ لوگ ان مختلف قسم کی برائیوں کی ایسی نشو ونما کرتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان کی یہ برائی اور یہ گناہ زندہ رہتا ہے اور پھلتا پھولتا ہے اور جتنے لوگ بھی ان گناہوں میں شرکت کرتے ہیں ان سب کے گناہوں کے برابر گناہ اس مرنے والے کو بھی

---

(۱) بخاری عن عائشہ باب ما ینھی من سب الاموات

(۲) بخاری: عن انس باب ثناء الناس علی المیت

ملتا رہتا ہے، علماء نے ارشاد فرمایا خوش نصیب ہے، وہ آدمی جو خود تو مر جائے لیکن اس کا لگایا ہوا نیکی کا پودا باقی رہے اور پھلتا رہے، اور ظالم و بیوقوف ہے وہ آدمی جو خود تو مر جائے لیکن اپنے پیچھے کئی زندہ گناہ چھوڑ جائے، اور یہ گناہ پھلتے پھولتے رہیں وہ لوگ خود تو مر جاتے ہیں لیکن ان کے ناجائز قسم کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ موجود رہتے ہیں، اس دوسری قسم کے بدنصیب اور برے لوگوں میں شامل ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بات سمجھاتے ہوئے تنبیہ کر کے ارشاد فرمایا کہ ہم ان لوگوں کے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو بھی محفوظ رکھتے ہیں، اور جو کچھ یہ لوگ پیچھے چھوڑ کر آتے ہیں ان کو بھی محفوظ رکھتے ہیں) یٰس آیت ۱۲۔

شہداء کی اقسام

اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑتے ہوئے یعنی کفار سے جہاد کرتے ہوئے مرنے والا شہید ہے لیکن اس کے علاوہ کیا کوئی دوسرا بھی شہید ہے مثلاً اگر کوئی اپنی عزت و آبرو یا مال بچاتے ہوئے شہید ہو جائے، یا وہ پولیس اور فوجی جو مسلمان ملکوں کے اندرونی و بیرونی امن و امان اور سرحدوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں، یہ بھی اگر مارے گئے تو کیا یہ سب شہید کہلائیں گے؟۔

مرتبہ شہادت بہت بلند ہے، میدانِ جہاد میں لڑ کر مرنے والا، کفار و مشرکین اور منافقین سے لڑ کر مرنے والا تو شہید ہے ہی لیکن اس کے علاوہ بعض دوسرے لوگ بھی شہید کہلاتے ہیں جو ایسی حالت میں مر جائیں جن کا ذکر بعض احادیث میں ہے، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ بن عبد المطلب) ہیں، اور

وہ جو کسی حکمراں کو برائی سے روکے، اور نیکی کی تلقین کرے اور یہ حکمراں اس نصیحت کرنے والے کو قتل کر دے (یا قتل کروا دے تو یہ بھی شہید کے حکم میں ہے (۱) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کے راستہ میں لڑتے ہوئے مر کر شہید ہو جانے کے علاوہ سات قسم کے اور شہید بھی ہیں:

طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، غرق ہو کر مرنے والا شہید ہے، نمونیا کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، آگ میں جل کر مرنے والا شہید ہے، کسی مکان، دیوار، پہاڑی، تودہ یا کوئی بڑے پتھر وغیرہ کے گرنے سے دب کر مر جانے والا شہید ہے، اسی طرح جو عورت زچگی کے ایام میں اس مخصوص درد میں انتقال کر جائے تو وہ بھی شہیدہ ہے۔(۲)

ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے مرا وہ بھی شہید ہے۔ (۳)

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے جو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے یا ان کی آبرو بچاتے ہوئے مرا وہ بھی شہید ہے (۴)، ایک حدیث میں شہید کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص اپنے کسی جائز حق کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے۔ (۵)

---

(۱) الجامع الصغیر ۲/۶۳۱ ط: دارالفکر بیروت

(۲) ابوداؤد باب فی فضل من مات بالطاعون کتاب لجنائز

(۳) ابوداؤد عن سعید بن زید باب فی قتال اللصوص کتاب لسنۃ

(۴) حوالہ سابق: نیز الجامع الصغیر ۲/۶۳۱ ط دارالفکر بیروت

(۵) حوالہ سابق: عن عبداللہ بن عمرو

اللہ کے یہاں شہید کا کیسے اکرام کیا جاتا ہے اور اسے کتنا نوازا جاتا ہے اس سلسلہ میں ذرا یہ حدیثِ پاک پڑھیئے اور تمنائے شہادت لیئے ہوئے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی موت مانگیے، شہید کے لئے سات طرح کا اعزاز و اکرام اور اچھا بدلہ ہے:

خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے حقوق العباد کے وہ معاف نہیں ہوتے)، ۲۔ اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھادیا جاتا ہے، ۳۔ ایمان والا لباس و زیور پہنایا جاتا ہے، ۴۔۔۔۔۲، ۷ حوروں کے ساتھ اس کی شادی کردی جاتی ہے، ۵۔ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا، ۷۔ قیامت کے دن کی ہولناکی سے بھی محفوظ رہے گا، ۷۔ اس پر یاقوت کا تاج رکھا جائے گا اور یہ اپنے خاندان کے ستر افراد کی بخشش کے لئے سفارش و شفاعت کرے گا۔ (۱)

اب آخر میں خوشخبری و بشارت والی ایک اور حدیث بھی پڑھ لیجئے صحیح مسلم اور سننِ اربعہ کی کتب میں یہ حدیث موجود ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص صدق دل سے شہادت کی موت کی تمنا و دعا کرتا رہے، اگر یہ اپنے بستر پر طبعی موت مرجائے تب بھی اللہ تعالیٰ اسے شہید کا اجر اور رتبہ، عطا فرمائیں گے، (صدق نیت کی وجہ سے) (۲)

---

(۱) ترمذی عن مقدام بن معد یکرب، باب ابواب فضائل الجهاد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) ترمذی عن معاذ بن جبل باب ما جاء فیمن سأل الشهادة

دردِ زہ میں مرنے والی عورت شہیدہ ہے

کیا دردِ زہ میں مرنے والی عورت یا بچہ کی ولادت کے درد سے بعد میں مرنے والی عورت شہیدہ ہے؟۔

(شازیہ قدوائی، ینبع)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں شہید ہونے والے لوگوں کی قسمیں گنوائیں ہیں، ان میں ایک وہ عورت بھی ہے جو دردِ زہ کی وجہ سے مرجاتی ہے، یہ عورت واقعی شہیدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے بڑا اجر وثواب ہے، جیسا کہ حدیثِ مبارک میں ہے جسے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور امام نسائی، امام ابنِ حبّان، امام الحاکم، امام ابوداؤد، امام البیہقی اور امام مالک نے اپنی اپنی کتبِ حدیث میں روایت کیا ہے۔ (۱)

ایک شہید راہ حق

ایک شخص اپنے علاقہ کے لوگوں کو شرک وکفر سے روکتا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر منت و نذر نہ مانو، لوگ اس کی بات سننے کے بجائے اسے قتل کر دیتے ہیں، کیا یہ مقتول شہید ہے؟ ——— (الطیف درعیتہ، ریاض)

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور دوسرا آدمی

---

(۱) جمع الفوائد ۶/۲ فصل الشہادۃ والشہداء

مکھی کی وجہ سے جہنم میں گیا، صحابہ نے پوچھا، یارسول اللہ یہ کیسے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، یہ دونوں ایک جگہ پہونچے جہاں لوگ بتوں کو پوجتے تھے، لوگوں نے ان دونوں سے کہا کہ ہم یہاں سے کسی بھی شخص کو اس وقت تک گزرنے نہیں دیتے جب تک وہ ہمارے ان بتوں کے لئے کوئی چڑھاوا پیش نہ کرے، ان دونوں نے کہا کہ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، لوگوں نے کہا مکھی ہی مار کر چڑھاوا چڑھادو، اور جان بچالو، ان دونوں میں سے ایک نے مکھی کو چڑھاوے کے طور پر پیش کیا، اور لوگوں نے اس کی جان چھوڑ دی، اور یہ شخص (غیر اللہ کے نام پر چڑھاوا چڑھانے کے گناہ کی وجہ سے) جہنم میں جانیوالوں میں سے ہوگیا، دوسرے شخص نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر کچھ بھی پیش نہیں کرتا، لوگوں نے اسے قتل کردیا (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) اسے جنت میں داخل کردیا گیا۔ (۱)

جائز ایصالِ ثواب

کچھ عرصہ پہلے میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، میں ان کے ایصالِ ثواب کے لئے کیا کام کرسکتا ہوں؟ نیز ہمارے ایک بزرگ نے نصیحت کی تھی کہ روزانہ مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھوں اور دعائیں، چاروں قل کی سورتیں اور سورۃ الفاتحہ پڑھ کر والد صاحب کو بخش دوں، کیا میرا یہ عمل صحیح ہے؟۔

(غلام حسین، ریاض)

---

(۱) مسند احمد: طارق بن شہاب

والدین یا دوسرے مرنے والے لوگوں کے لئے ایصالِ ثواب کا بہترین طریقہ دعائے مغفرت ہے، اس کے علاوہ دوسرے ایصالِ ثواب کے جائز طریقے بھی اختیار کیے جا سکتے ہیں، مثلاً مساجد و مدارس کی تعمیر، غریب، نادار، بیواؤں اور فقیروں کی مدد، یا کہیں پانی کا انتظام کر دینا وغیرہ۔ آپ کو یہ جو دو رکعت نماز بعدِ مغرب پڑھنے کے لئے کہا گیا ہے، یہ عمل مناسب نہیں ہے، اس کے بجائے آپ ہر نماز کے بعد اپنے والدِ مرحوم کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہیں، اور فوقتاً فوقتاً ان کے لئے جائز ایصالِ ثواب کرتے رہیں۔



چوتھا باب

زکوٰۃ


قول معروف ومغفرة خير من صدقة يتبعها أذى والله غني حليم

مالِ زکوٰۃ پر سال گزرنے کا مطلب

میں ہر سال یکم رمضان المبارک کو زکوٰۃ کی رقم حساب کر کے ادا کرتا ہوں پچھلے سال زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اب تک جس رقم کی آمد ہوئی ہے کیا اس سال اس رقم کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگا، حالانکہ اسے ابھی سال مکمل نہیں ہوا یعنی جو رقم گزشتہ رمضان سے اب جمع ہوئی ہے اس کی زکوٰۃ کب ادا کرنا چاہیئے، اگر اگلے سال اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو جائز ہوگا یا اس سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے؟ ——————— (حبیب الرحمان مکہ مکرمہ)

یکم رمضان کو آپ کے پاس جتنی بھی رقم موجود ہو، ان سب کی زکوٰۃ (ڈھائی فیصد) ادا کرنا آپ پر ضروری ہے، مال زکوٰۃ پر سال گزرنے کا مطلب یہ نہیں کہ روپیہ پر سال گزرے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ پہلی مرتبہ نصاب زکوٰۃ کا مالک ہونے کے بعد اس پر سال گزر جائے اور سال کے اختتام پر بھی وہ نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو تو اب اس پر زکوٰۃ فرض ہے، سال کے اختتام پر اگر وہ شخص نصاب زکوٰۃ کا مالک نہیں رہا تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں رہا پھر درمیان سال میں کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ سال کے اخیر میں اس کے پاس جتنی بھی رقم ہو، ان سب کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے چاہے وہ ایک دن پہلے ہی اس کا مالک ہوا ہو۔ اب ہر سال اس شخص کے پاس انہی دنوں میں جتنی بھی رقم ہوئی، اس کی زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔(۱)

---

(۱) یہ رائے حنفیہ کی بھی ہے اور حنابلہ کی بھی، دیکھئے: المغنی ۲/۲۵۸، ہندیہ ۱/۱۷۴۔

مثال کے طور پر آپ ہر سال یکم رمضان کو زکوٰۃ ادا کرتے ہوں، اور اسی دن اپنی زکوٰۃ کا حساب کرتے ہوں تو یکم رمضان آپ کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کا دن ہے، ہر سال یکم رمضان کو آپ جتنی رقم (مالِ زکوٰۃ) کے مالک ہوں گے اس کی زکوٰۃ (ڈھائی فیصد) ادا کرنا آپ پر ضروری ہے، چاہے آپ اس میں سے ایک بڑی رقم کے مالک ایک دو دن پہلے ہی (۲۹ شعبان کو) ہوتے ہوں۔ اسی طرح اگر کسی مالی نقصان کا شکار ہو کر ایک دن قبل ہی آپ کے پاس کچھ رقم چلی جائے اور آپ یکم رمضان کو اتنی رقم کے مالک نہ رہیں جتنی کے ۲۹ شعبان کو رہے ہوں۔ مثلاً ۲۹ شعبان کو آپ کے پاس بیس ہزار روپے تھے پھر اچانک دس ہزار ہلاک ہو گئے اور یکم رمضان کو آپ کے پاس صرف دس ہزار روپے موجود تھے تو ہلاک شدہ روپوں کی زکوٰۃ آپ پر ضروری نہیں۔ خلاصہ یہ کہ آپ ہر سال یکم رمضان المبارک کو جتنی بھی رقم کے مالک ہوں، ان سب کی زکوٰۃ فی ہزار پچیس روپے کے حساب سے ادا کرنی ہوگی۔

کیا مجھ پر زکوٰۃ فرض ہے؟

میں نہ کوئی صاحبِ جائداد ہوں اور نہ شادی شدہ، بس یہی ملازمت کی تنخواہ ہے، ابھی اپنا ذاتی مکان بھی بنوانا ہے اور شادی بھی کرنی ہے، تنخواہ بھی یہاں کا اپنا خرچ وغیرہ نکال کر پانچ ہزار پاکستانی بنتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں مجھ پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ (محمد اکرام خان مغل، ریاض)

زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے نہ بہت زیادہ مال و جائداد کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہی شادی شدہ ہونا، شریعت نے زکوٰۃ کا نصاب یہ مقرر کیا کہ اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی خریدی

جا سکے اور اس رقم پر سال گزر جائے یعنی سال کے اختتام پر وہ اسی تعداد سے کم نہ ہوئی ہو (۱) یہ بات تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، چنانچہ ارشاد ہے لازکاۃ فی مال حتی یحول علیه الحول کسی مال میں زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے (دارقطنی عن ابن عمر باب وجوب الزکاۃ بالحول، ترمذی عن ابن عمر باب ماجاء لازکوۃ علی المال المستفاد حتی یحول علیه الحول ــــــ مثلاً فرض کیجیے کہ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت چار ہزار روپے ہو تو جس شخص کے پاس کھانے پینے اور کپڑے وغیرہ ضروریات کے علاوہ چار ہزار روپے ہوں تو وہ صاحبِ نصاب سمجھا جائے گا اور اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، البتہ اس پر سال گزرنا ضروری ہے یعنی پہلی مرتبہ جس وقت ایک شخص چار ہزار روپے کا مالک بنتا ہے تو آئندہ سال اسی تاریخ تک اگر اس کے پاس اتنی ہی یا اس سے زائد رقم موجود ہو تو اس کو کل موجودہ رقم کی زکوٰۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے ادا کرنا ضروری ہے ضروریات میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ ضرورت موجود ہو لیکن اس ضرورت کی تکمیل کے لئے پیسہ رکھا ہوا ہے تو جب تک اس رقم کو ضرورت میں خرچ نہیں کرتا اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ مثلاً مکان انسان کی ضرورت ہے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، اسی طرح مکان بنانے کے لئے زمین خریدے تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں لیکن ایک شخص مکان یا زمین کا مالک نہیں اور اس کو خریدنے کے لئے رقم جمع کئے ہوئے تو جب تک یہ رقم مکان وزمین کی خریداری میں استعمال نہ ہو جائے ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہوگی۔ اسی طرح

---

(۱) المغنی ۲/۳۲۰

اگر کوئی شخص اپنی یا اپنی لڑکی وغیرہ کے لئے شادی کی غرض سے رقم جمع کئے ہوئے ہے یا حج وغیرہ کے لئے رقم جمع کر رہا ہے تو جب تک یہ رقم استعمال میں نہ آئے ہر سال ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، خلاصہ یہ کہ آپ کے اپنے اخراجات وغیرہ کے بعد سال میں جو رقم بھی باقی ہے اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ کی نیت سے کسی مستحق زکوٰۃ کو دے دیا کریں۔

نابالغ کی طرف سے زکوٰۃ

اگر ہم سونا یا زیور اپنی بچیوں کے لئے لے کر رکھیں تو کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہے جبکہ یہ ابھی استعمال میں نہ آرہا ہو ——— (مسز راشد احمد، جدہ)

نابالغ پر جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے زکوٰۃ فرض نہیں، اگر آپ سونا یا اس کا کوئی زیور وغیرہ خرید کر بچیوں کو اس کا ملک بنا دیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔ جب وہ بالغ ہو جائیں تو سونا بقدرِ نصاب ہو تو پھر سال گزرنے پر وہ زکوٰۃ ادا کریں گی، لیکن اس ارادہ سے خریدنا کہ یہ بچی کے لئے اسے شادی میں دیں گے، اس سے بچی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ یہ تو ماں یا باپ ہی کی ملکیت ہے (جس نے بھی اپنی رقم سے اسے خریدا ہو) لہٰذا ایسی صورت میں اس زیور کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا، نیز سونا چاندی کی زکوٰۃ کے لئے اس کا استعمال میں آنا ضروری نہیں، یہ جب بقدرِ نصاب ہو جائیں اور صاحبِ نصاب کے پاس اس سونے چاندی پر سال گزر جائے تو بہر حال اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی چاہے اس کو استعمال کیا جاتا ہو یا نہ کیا جاتا ہو۔ یہ رائے احناف کی ہے (ہدایہ ۱/۱۷۵) شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نابالغوں کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کی طرف سے اس کا ولی زکوٰۃ ادا کرے گا (المغنی ۲/۲۵۶) اور ان حضرات

کے نزدیک استعمالِ زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

زکوٰۃ کی مقدار

میرے پاس تقریباً ۲۲ تولہ سونا ہے، اس پر مجھے کتنی زکوٰۃ دینی ہوگی، اس سونے کو میرے ساتھ دو سال ہوگئے تو کیا دونوں سالوں کی ایک ساتھ زکوٰۃ دینا ہوگا ____________ (ف اکرام خاں، ریاض)

ڈھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا۔ اگر کسی سال زکوٰۃ نہ نکالی ہو تو دوسرے سال دونوں سالوں کی زکوٰۃ ایک ساتھ بھی دی جاسکتی ہے ہے، اگر آپ دو سال قبل ہی اس سونے کے مالک ہوئے ہوں اور اس سے قبل آپ نصاب زکوٰۃ کے مالک نہ رہے ہوں تو پھر پہلے سال کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں کیونکہ نصابِ زکوٰۃ پر سال گزرنے کے بعد ہی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اور اگر پہلے سے آپ صاحبِ نصاب رہے ہوں (چاہے نقد روپوں کی شکل میں) تو پھر اس سونے کو بھی شامل کر کے دونوں سال کی زکوٰۃ ادا کرنا آپ پر ضروری ہے (الگ سے اس پر سال گزرنا ایسی صورت میں ضروری نہیں)، اس کے بعد ہر سال زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، بلا کسی عذر کے تاخیر مناسب نہیں۔

کن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے؟

کن کن چیزوں پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، نیز سونے میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کی مقدار کیا ہے مثلاً ایک آدمی کے پاس ۲۰ تولے سونا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیئے؟ ——————— (جمیل اختر مغل، النماص)

جہاں تک تعلق زکوٰۃ کا ہے تو زکوٰۃ سونا، چاندی ہر قسم کے مالِ تجارت اور نقد روپوں پر فرض ہے، چاہے روپے ہوں یا وہ سیونگ سرٹیفیکٹ، بانڈ اور سرکاری سند کی شکل میں ہو، چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے سونا ہے۔ یعنی کسی کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا اس سے زیادہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح کسی کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا اس سے زیادہ ہو تو اس پر اس سونے کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے، اموالِ تجارت اور نقد روپوں کا نصاب یہ ہے کہ وہ اتنی مقدار میں ہو کہ اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت کے برابر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ پھر آج کل چاندی کی قیمت سونے کے مقابلے میں کم ہے لہٰذا اگر کسی کے پاس مالِ تجارت یا نقد روپے اتنے ہوں جتنے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو اس شخص پر ان روپوں کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے، البتہ نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہونے کے بعد اس پر ایک سال کا گزرنا شرط ہے، ایک سال گزرنے کے بعد اگر اس کے پاس

نصابِ زکوٰۃ کے بقدر یا اس سے زیادہ رقم موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص گذشتہ سال یکم رمضان المبارک کو نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہوا ہو اور پھر اس سال یکم رمضان کو بھی وہ نصاب زکوٰۃ کا مالک رہے تو اس پر زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے، اگر اس رمضان میں اس کے پاس اتنی رقم موجود نہیں رہی (جس پر کہ زکوٰۃ فرض ہوتی ہے) تو اس پر زکوٰۃ نہیں واضح رہے کہ درمیانِ سال میں کمی بیشی کا اعتبار نہ ہوگا۔ روزمرہ استعمال میں آنے والی ضروریات کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں چاہے وہ قیمتی ہوں جیسے رہنے کے لئے گھر، کپڑے، برتن، واشنگ مشین وغیرہ۔

ان سب چیزوں میں زکوٰۃ کی مقدار ڈھائی فیصد ہے یعنی جتنے روپے موجود ہوں، یا اموالِ تجارت میں ان کی قیمت کا حساب کر کے جو بھی روپے بنتے ہوں اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں ادا کریں۔ سونے چاندی کی زکوٰۃ دیتے ہوئے سونا چاندی بھی دی جاسکتی ہے اور اس کی قیمت بھی، مثلاً کسی کے پاس بیس تولے سونا ہو تو وہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کسی مستحقِ زکوٰۃ کو آدھا تولہ سونا (بیس تولے سونے کا ڈھائی فیصد) بھی دے سکتا ہے یا اس کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے۔

اموالِ زکوٰۃ میں سونے چاندی، اموالِ تجارت اور نقد روپوں کے علاوہ زمین کی پیداوار، مویشی (بھیڑ بکری، گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ) بھی ہیں، نیز کسی کو اگر زمین سے کوئی دفینہ (خزانہ) ہاتھ لگ جائے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے (۱) ——— لیکن ان سب چیزوں میں زکوٰۃ کی مقدار اور ان کا نصاب الگ الگ ہے جو تفصیل طلب ہے جس کی یہاں ضرورت نہیں۔

---

(۱) اسلام کا نظام عشر و زکوٰۃ: ص ۵۶ تا ۹۰ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

سونے چاندی کی زکوٰۃ میں قیمت کا اعتبار

آج جتنی قیمت میں ایک تولہ سونا آتا ہے اتنی ہی قیمت میں رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی تولے سونا مل جایا کرتا تھا، تو کیا اس وقت اور زمانہ کے لحاظ سے آج ایک تولہ سونا رکھنے والے پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

(کمال الدین، الجبر)

شریعت نے زکوٰۃ کے وجوب کے سلسلے میں سونا چاندی کو معیار قرار دیا ہے نہ کہ اس کی قیمت کو (۱) ـــــــ قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، سونے میں زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے سات تولے سونا (۹۴ء۷۸ یعنی ۷۸ء۴۸ گرام) ہے، لہٰذا ہر زمانہ میں ساڑھے سات تولے سونا پر ہی زکوٰۃ فرض ہوگی اس سے کم پر نہیں۔ اگر کسی کے پاس سونا تو نہیں لیکن نقد شکل میں اتنے روپے ہیں جتنے میں کہ ساڑھے سات تولے سونا خریدا جاسکتا ہے تب بھی اس پر زکوٰۃ فرض ہے لیکن قیمت میں وہی قیمت معتبر ہوگی جو کہ اس وقت بازار میں ہو مثلاً اگر آج چالیس ہزار روپیہ ساڑھے سات تولے کی قیمت ہو تو اسی قیمت کا اعتبار ہوگا، گذشتہ یا آئندہ زمانے کی قیمت کا اعتبار درست نہیں، یہ قیاس صحیح نہیں کہ آج پانچ ہزار روپے میں ایک تولہ سونا آتا ہو لیکن گذشتہ زمانے میں اتنی ہی قیمت میں ساڑھے سات تولے سونا مل جاتا تھا تو آج بھی اسی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے پانچ ہزار روپے یا ایک تولہ سونا پر زکوٰۃ فرض ہو جائے۔ یہی معاملہ چاندی کا ہے کہ شریعت نے چاندی کا نصابِ زکوٰۃ ساڑھے باون تولے چاندی

---

(۱) ابوداؤد عن علی باب فی زکوٰۃ السائمۃ۔

مقرر کیا ہے، لہٰذا ہر زمانہ میں زکوٰۃ کے وجوب کے لئے یہی معیار برقرار رہے گا اور قیمت میں اسی زمانہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، قیمت کے اتار چڑھاؤ سے نصابِ زکوٰۃ میں کمی بیشی جائز نہیں، مثلاً اگر آج ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت چھ ہزار روپے ہو تو کسی کے پاس ضرورت سے زائد یہ رقم ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اگر مستقبل میں اس کی قیمت بڑھ کر بارہ ہزار ہو جائے تو اس وقت بارہ ہزار روپوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ نصابِ زکوٰۃ میں کمی کر کے ۲۶ تولہ پر زکوٰۃ واجب کر دی جائے۔ خلاصہ یہ کہ سونے چاندی کی زکوٰۃ کے سلسلے میں سونا چاندی کا نصاب اصل ہے نہ کہ اس کی قیمت۔ قیمت کے اتار چڑھاؤ سے سونے چاندی کے نصاب میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی بلکہ ہر زمانے میں سونا چاندی کی قیمت کے لحاظ سے نقد روپوں میں زکوٰۃ کے وجوب کے سلسلے میں روپوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہے گی۔

بیٹی کے لئے خریدے ہوئے سونے پر زکوٰۃ

میں نے اپنی بیٹی کی شادی کے لئے سونا خریدا ہے جو کہ ابھی زیور کی شکل میں نہیں ہے اور خریدے ہوئے ابھی چھ ماہ ہوئے ہیں، کیا اس سال اس سونے کی زکوٰۃ دینی واجب ہے یا جب تک یہ بیٹی کو نہیں چلا جاتا زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، اپنے زیور کی میں زکوٰۃ ادا کرتی ہوں۔ ____ (ش ح۔ ریاض)

آپ نے اپنی بیٹی کے لئے جو سونا خریدا ہے، نکاح کر کے وہ زیور لڑکیوں کی ملک میں نہ کر دیا جائے اس وقت تک زکوٰۃ آپ کے ذمہ لازم ہے، اور جس وقت وہ مالک ہو جائیں گی، زکوٰۃ ان کے ذمہ لازم ہوگی۔

لڑکی کے سونے پر زکوٰۃ

اگر چھوٹی بچیوں کے لئے سونا اس غرض سے خریدا جائے کہ یہ ان کی شادی پر دیا جائے گا تو کیا ایسی صورت میں اس سونے پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟

(کلیم النساء، جدہ)

اگر بچیوں کو اس سونے کا مالک بنا دیں تو آپ کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، صرف یہ ارادہ کرنے سے کہ شادی پر انہیں دیں گے وہ مالک نہیں ہوتیں۔ لہٰذا جب تک وہ آپ کے قبضہ اور ملکیت میں رہے آپ اس کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے کی شرعاً ذمہ دار ہیں۔

زیور پر زکوٰۃ

میری بیوی کے پاس ۱۸۰ گرام سونا ہے ان پر دو سال ہو گئے ہیں، کچھ زیور استعمال ہوتا ہے، کچھ گھر میں ویسے ہی پڑا رہتا ہے، کیا ان سب پر زکوٰۃ ہے؟ ———— (وارث علی بشیر المدینۃ المنورۃ)

سونا جب ساڑھے سات تولے یا اس سے زیادہ ہو تو سارے سونے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے خواہ وہ استعمال میں آتا ہو یا ویسے ہی رکھا ہوا ہو، سارے زیور پر ہر سال اس کی قیمت سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ دینی ہوگی۔

کیا ذاتی استعمال کے سونے پر زکوٰۃ ہے؟

زیور خواہ پہنا جائے یا نہ پہنا جائے ہر قسم کے زیور پر زکوٰۃ دینی پڑتی ہے، احناف کے نزدیک سونا اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے چاہے وہ زیورات کی شکل میں کیوں نہ ہوں (حلیۃ العلماء ۳/۹۲) ———— دوسرے فقہاء کے

نزدیک زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں چاہے ان کی تعداد کتنی بھی ہو، البتہ اگر زیورات کی تجارت کی جائے یا استعمالِ زیورات ہی میں تجارت کی نیت کرلی جائے یا زیورات اس طرح توڑ دیئے جائیں کہ قابلِ استعمال نہ رہیں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (المغنی ۲/۲۳-۳۳۲)

زیور کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟

کیا عورت اپنے زیورات کی زکوٰۃ دے گی (جب کہ وہ کماتی نہیں ہے) یا شوہر یہ زکوٰۃ ادا کرے گا؟ ———— (محمد حلیم فاروق، ریاض)

چونکہ زیور کی مالک خود عورت ہے اس لئے زکوٰۃ تو اسی پر ادا کرنا ضروری ہے، کیونکہ مرد ہو یا عورت ہر شخص اپنے فرائض کے بارے میں خود ہی ذمہ دار ہے تاہم شوہر کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کی طرف سے زیورات کی زکوٰۃ ادا کرے، اس پر شرعی ذمہ داری نہیں۔

روپیوں کی شکل میں ریال کی زکوٰۃ

اگر کسی کے پاس یہاں اتنے ریال ہوں کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے تو کیا وہ اپنی زکوٰۃ روپیوں کی شکل میں پاکستان میں ادا کر سکتا ہے؟۔

(محمد شریف لال، جدّہ)

فی زمانہ کاغذی نوٹوں اور مروجہ کرنسیوں اور سکوں کی حیثیت قریب قریب مکمل طور پر درہم و دینار کے نقرئی اور طلائی سکوں کی ہوگئی ہے، اور یہ زمانۂ قدیم کے انہی سکوں کی طرح تبادلۂ اشیاء کے لئے ذریعہ بنتے ہیں، اس لئے ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، یہی رائے حنفیہ، مالکیہ اور شوافع کی ہے، حنابلہ

طرف بھی منسوب ہے کہ وہ کاغذی نوٹوں میں زکوٰۃ واجب ہونیکے قائل ہیں"[1]

مشین اور گاڑی پر زکوٰۃ؟

میں یہاں خیاطۃ تطریز کا کام کرتا ہوں، آٹھ ماہ قبل میں نے تطریز کا کام کرنے والی مشین خریدی تھی جس کی قیمت چار ہزار ریال تھی، اسی پر محنت کرتا ہوں، کیا مجھے اس مشین پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟ نیز سال بھر جو میں نے محنت سے پیسے کمائے وہ ساتھ ساتھ وطن بھیجتا رہا جو گھریلو اخراجات پر خرچ ہوتے رہے، بینک میں کوئی پیسہ نہیں تو کیا کل آمدنی پر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی یا بچت پر؟

میرے بھائی نے یہاں دو سال قبل دس ہزار ریال میں سوزوکی وین خریدی تھی جس پر وہ محنت کا کام کر رہا ہے، کیا اسے گاڑی پر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی؟ ——— (ابوسعید برقی، جیزان)

جو سامان بھی تجارت و کاروبار کے لئے ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے[2] لیکن جو سامان خود بیچنے کے لئے نہ ہو بلکہ وہ کاروبار اور آمدنی کا ذریعہ ہو جیسے درزیوں کے لئے سلائی مشین اور دھوبی کا کاروبار کرنے والے کے لئے واشنگ مشین وغیرہ تو خود ایسی مشینوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کے ذریعے حاصل ہونے والی آمدنی اگر نصابِ زکوٰۃ تک پہونچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب

---

(۱) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۴۸۶

(۲) چنانچہ حضرت سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ آپ ہمیں اموال تجارت میں سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ کان یأمرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی یعد للبیع ابوداؤد عن سمرۃ بن جندب باب العروض اذا کانت للتجارۃ

ہوتی ہے (۱) لہذا آپ پر مشین کی زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں، اسی طرح آپ کے بھائی کی گاڑی پر بھی زکوٰۃ نہیں، اس لئے کہ وہ بھی ان کی آمدنی کا ذریعہ ہے اور ذاتی استعمال میں آنے والی گاڑی پر ویسے بھی زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ وہ ضروریاتِ زندگی میں سے ہے، نیز زکوٰۃ کل آمدنی پر واجب نہیں ہوتی بلکہ گھریلو اخراجات کے بعد جو بھی رقم بچ جائے وہ اگر نصابِ زکوٰۃ کی مقدار تک پہونچ جائے اور اس پر بھی سال گزر جائے تو اب زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر آپ کے پاس اتنی رقم محفوظ نہیں ہے تو آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں (خرچ شدہ رقم کا کوئی اعتبار نہیں۔)

سامان کی زکوٰۃ

میرا ایک ذاتی بقالہ ہے، اس سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ خرچ ہو جاتی ہے، سال بھر میں کوئی پیسہ جمع نہیں ہو سکا بلکہ دکان کا کرایہ بھی حال ہی میں کسی سے قرض لے کر دیا ہے، ایسی صورت میں کیا مجھ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ بعض احباب کہتے ہیں کہ بقالہ میں جو سامان پڑا ہے اس کی مالیت پر مجھے زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی، کیا یہ درست ہے؟ ——— (م ش۔ ریاض)

بقالہ میں موجود سامان چونکہ مالِ تجارت ہے اس لئے اس کی مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے (۲) البتہ اس میں سے قرض کی رقم منہا کی جائے گی۔ اگر بالفرض بقالہ میں سامان دس ہزار ریال کا ہو، اور آپ کا

---

(۱) والعروض اذا كانت لتجارة قومها اذا حال عليها الحول وزكاها (المغني ۳/۳۲)

(۲) الزكوة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب. (هداية ۱/۱۷۵)

قرض بھی دس ہزار یا اس سے زیادہ ہو تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں۔ قرض کی رقم منہا کرنے کے بعد جتنی مالیت کا سامان بچ جاتا ہے وہ اگر نصابِ زکوٰۃ تک پہونچ جائے تو آپ پر زکوٰۃ کی ادائے گی ضروری ہے ورنہ نہیں۔

ٹی وی اور وی سی آر پر زکوٰۃ

سونے چاندی کے علاوہ گھر کی کن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے میرے پاس دنیاوی آسائش کی بعض چیزیں ٹی وی، وی سی آر اور ٹیپ ریکارڈ وغیرہ ہیں، کیا ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

گھر کی وہ تمام اشیاء جو روزمرہ یا اکثر و بیشتر استعمال میں آتی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں جیسے کپڑے، فرنیچر، سواری وغیرہ، ٹی وی، وی سی ار اور ٹیپ ریکارڈ وغیرہ بھی استعمال میں آنے والی اشیاء ہیں اس لئے ان پر زکوٰۃ نہیں (۱) اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ ان آلات کا "ناجائز استعمال" گناہِ کبیرہ اور غضبِ الٰہی کا باعث ہے لیکن اصول زکوٰۃ کے لحاظ سے ان پر زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر کچھ چیزیں گھر میں ضرورت سے زیادہ ہیں جن کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مہر کی زکوٰۃ

شوہر اپنی شریکِ حیات کو جو مہر کی رقم ادا کرتا ہے اور وہ اس رقم سے کوئی زیور خریدتی ہے تو کیا اس زیور کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۷۲ اس مسئلہ میں حاجاتِ اصلیہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی کتاب "اسلام کا نظامِ عشر و زکوٰۃ" ص: ۴۶، ۴۷

اور اگر ضروری ہو تو کون دے گا؟ شوہر یا بیوی۔ (ضیاء الاسلام، جدہ)

جب تک بیوی کو مہر کی رقم نہ ملے، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، جب مہر کی رقم بیوی کو وصول ہو جائے اور اس کے بعد سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، بشرطیکہ وہ رقم نصابِ زکوٰۃ پہونچ جائے یعنی وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو (۱) پھر اگر بیوی نے نقد روپے رکھنے کی بجائے مہر کی رقم سے زیور خرید لیا ہو، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد رقم موجود نہ ہو تو اس زیور میں زیور کے نصاب سے زکوٰۃ فرض ہوگی، یعنی وہ زیور ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کا ہو یا اس سے زیادہ کا تو اس کی زکوٰۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے ادا کرنا ضروری ہے اگر اس سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں نیز زیور کی مالک چونکہ بیوی ہے نہ کہ شوہر اس لئے زکوٰۃ اصلاً بیوی پر فرض ہے لیکن اگر شوہر بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو بھی بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، پھر اگر بیوی کے پاس زکوٰۃ کی ادائیگی میں دینے کے لئے رقم وغیرہ نہ ہو تو نیک سلوک اور حسنِ معاشرت کا تقاضہ ہے کہ شوہر خود بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے لیکن اسے شوہر کی اخلاقی ذمہ داری تو کہہ سکتے ہیں شرعی نہیں، اگر شوہر اس قابل نہ ہو یا وہ کسی وجہ سے بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنا نہ چاہتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیوی پر زکوٰۃ فرض ہے تو بیوی ہی اس کے ادا کرنے کی ذمہ دار ہے، اسے چاہئے کہ اپنے زیور کا کچھ حصہ فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

---

(۱) امام احمد علیہ الرحمہ کے یہاں عورت مہر کے جتنے حصہ پر قابض ہو جائے اس پر اتنی ہی کی زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً آدھی یا ایک تہائی مہر پر قبضہ کیا ہو تو اس کے تناسب سے زکوٰۃ ادا کرے گا (المغنی ۲/۴۹-۳۴۸)

کرایہ کے مکان یا دکان پر زکوٰۃ:

کرایہ پر دی گئی دکان یا مکان پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا نہیں؟

کرایہ پر دیئے گئے دکان یا مکان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی یعنی کرایہ پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے بشرطیکہ کرایہ کی اس رقم پر سال گذر چکا ہو۔ (۱)

کرایہ پر زکوٰۃ ہے نہ کہ مکان پر

میرے ایک دوست کے پاس رہنے لے گھر کے علاوہ تین چار فلیٹ ہیں جو کرائے پر دیئے ہوئے ہیں کیا ان فلیٹوں کی مجموعی قیمت پر زکوٰۃ دینی ہوگی (جب کہ وہ لاکھوں میں ہے) یا ان سے حاصل ہونے والے کرایہ پر؟

(سید جمیل الدین۔ حفر الباطن)

جو مکان کرایہ پر دیئے جائیں ان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں، البتہ ان سے حاصل ہونے والے کرایہ کو اپنی مجموعی آمدنی میں شامل کرکے اگر وہ نصاب زکوٰۃ تک پہونچے تو اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

پلاٹ پر زکوٰۃ

میرے پاس شہر میں دو عدد پلاٹ ہیں جن پر انشاء اللہ مکانات تعمیر کرواکر کرایہ پر دوں گا، میرے یہاں سے واپس جانے کے بعد یہی آمدنی میرا ذریعۂ معاش ہوگی، ہوسکتا ہے حالات کے حساب سے ایک پلاٹ فروخت کردوں۔ کیا مجھے ان پلاٹوں پر زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے؟

(۱) من اجر دارہ فقبض کراھا فلا زکاۃ علیه فیه حتی یحول علیه الحول. (المغنی ۲/۳۳۴)

پلاٹ اگر آپ نے فروخت کرنے کے ارادے سے نہیں خریدا بلکہ مکان تعمیر کرکے خود رہنے یا کرایہ دینے کے ارادے سے خریدا تو اس کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں۔ پھر حالات کے لحاظ سے آپ نے اسے فروخت کر دیا، تو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ اس پر سال گزر جائے، اگر ابتدا ہی میں فروخت کے ارادے سے خریدا ہو تو پھر ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا، مکان تعمیر کرکے کرائے پر دینے کے بعد حاصل ہونے والا کرایہ اگر روزمرہ کے اخراجات وضروریاتِ زندگی میں استعمال ہوتا ہو اور اس میں سے کچھ بچتا نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں لیکن نصابِ زکوٰۃ کے بقدر بچ جائے تو سال گزرنے کے بعد ہر سال باقی ماندہ رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی (۱)

مکان کے کرائے پر زکوٰۃ

میرے تین مکانات ہیں، دو مکانات میں نے کرایہ پر اٹھا رکھے ہیں اور ایک مکان میں اپنے استعمال میں رکھتا ہوں، وہ دو مکانات جو جو کرائے پر ہیں ان پر زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی، آیا مکان کی مالیت پر زکوٰۃ دیں یا پھر اس سے آنے والے کرایہ کی رقم پر زکوٰۃ ادا کی جائیگی؟

مکانوں کے کرائے پر زکوٰۃ دی جائے گی بشرطیکہ کرایہ کی اس رقم پر سال گذر چکا ہو (۲)

---

(۱) المغنی ۲/۳۳۴

(۲) حوالہ سابق

تجارتی اشیاء پر زکوٰۃ

میری بہن نے ایک دکان خریدی ہے اسے تجارتی غرض سی خریدا گیا ہے کہ بعد میں اسے فروخت کیا جائے گا، اسکی زکوٰۃ کا کیا معاملہ ہے؟

تجارتی اشیاء پر زکوٰۃ دینی پڑتی ہے، اس دکان کی قیمت پر ہر سال ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے گی، اگر کرایہ پر دی گئی ہے تو سال بھر کے کرایہ پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔ (۱)

جائیداد پر زکوٰۃ

میں نے پانچ سال قبل تین پلاٹ خریدے تھے، ایک اپنی رہائش کے لئے مکان بنانے کی غرض سے، دوسرا دکانوں کے لئے اور تیسرا فروخت کرنے کی نیت سے کیا میں ان سب پر ہر سال زکوٰۃ دوں؟ اگر زکوٰۃ دوں تو کیا ان پلاٹوں کی قیمت خرید پر دوں یا ہر سال بازار میں قیمت معلوم کرنے کے بعد؟

آپ نے ان تین پلاٹوں میں جو پلاٹ ذاتی مکان بنانے کے لئے خریدا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، باقی دونوں پلاٹوں پر ہر سال زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ کیوں کہ یہ مال تجارت میں سے ہے اور مالِ تجارت میں آپ نے زکوٰۃ واجب قرار دی ہے (۲) اور زکوٰۃ ہر سال مارکیٹ میں زمینوں کی قیمت کے لحاظ سے ادا کرنا ہوگی۔ مثلاً آپ نے یہ پلاٹ پچاس ہزار میں خریدے تھے لیکن اب انکی قیمت

(۱) المغنی ۲/۲۳۵۔

(۲) ابوداؤد عن سمرہ بن جندب باب العروض اذا کانت للتجارۃ

ایک لاکھ ہے تو اب ایک لاکھ پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

رہائشی پلاٹ پر زکوٰۃ

ہندوستان میں میرے پاس ایک چھوٹا سا پلاٹ ہے جس کی قیمت ابھی ڈیڑھ لاکھ ہے جب کہ میں مقروض بھی ہوں اور میرے پاس زکوٰۃ کے مقدار سونا چاندی بھی نہیں، کیا اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ فرض ہے؟ وہ پلاٹ ویسے ہی پڑا ہے اور مجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(ذاکر حسین تنور۔ الرس)

اگر آپ نے ذاتی استعمال اور رہائشی مکان وغیرہ بنانے کی نیت سے یہ پلاٹ خریدا ہے تو اس پر کسی صورت میں زکوٰۃ فرض نہیں، چاہے آپ صاحبِ نصاب ہوں یا نہ ہوں (۱) —— ہاں اگر یہ پلاٹ فروخت کی نیت سے خریدا گیا کہ جب بھی اچھی قیمت آئے گی فروخت کردیں گے تو پھر اس کا شمار اموالِ زکوٰۃ میں ہوگا (۲) —— اور مارکیٹ کی قیمت کے لحاظ سے ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ ...... اگر آپ نے بیچنے کے ارادہ سے یہ پلاٹ خریدا ہو تو اس کی قیمت یعنی ڈیڑھ لاکھ روپے سے قرض کی رقم منہا کرنے کے بعد جو رقم باقی بچے وہ اگر زکوٰۃ کے نصاب تک پہونچتی ہو تو اس پر سال گزرنے کے بعد ہر سال زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور اگر پلاٹ خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہیں تھی تو پھر زکوٰۃ ادا کرنے

---

(۱) ومنها فراغ المال عن حاجته الاصلية فليس في دور السكنى و ثياب البدن واثاث المنزل .... زكاة (هندية ۱/۱۷۲)

(۲) ابوداؤد عن سمرة بن جندب: باب العروض اذا كانت للتجارة هل فيها زكوٰة

کی ضرورت نہیں۔

خالی پڑی ہوئی زمین یا دکان کی زکوٰۃ

دکانیں جو فی الوقت کرائے پر نہیں دی گئیں اور زمین جس کی قیمت تو کافی ہے لیکن ویسے ہی خالی پڑی ہوئی ہے، کیا اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟ شرعی حکم کیا ہے؟۔ ——— (عرفان محمد۔ ریاض)

زمین خریدتے وقت اگر اسے فروخت کرنے کی نیت تھی کہ جب بھی مناسب قیمت آئے گی، فروخت کردیں گے تو اس زمین اور پلاٹ کی حیثیت مالِ تجارت کی ہے (۱) ——— جس کی مالیت یعنی مارکیٹ ویلیو پر ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ مثلاً اگر آپ نے بیچنے کی نیت سے ایک لاکھ روپے کا ایک پلاٹ خریدا، سال بھر بعد اس کی قیمت بازار میں ڈیڑھ لاکھ ہوگئی تو آپ کو ڈیڑھ لاکھ روپے کی زکوٰۃ دینی ہوگی نہ کہ ایک لاکھ (قیمت خرید) کی، اسی طرح دوسرے سال کے ختم ہونے تک بھی آپ نے اسے نہیں بیچا اور اب اس کی مالیت دو لاکھ ہوگئی تو دو لاکھ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

زمین خریدتے وقت فروخت کا ارادہ نہیں تھا بلکہ یہ نیت تھی کہ اس پر مکان تعمیر کر کے خود رہیں گے تو ایسی صورت میں اس زمین کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں، نیز خریدتے وقت تو رہائش کی نیت تھی لیکن بعد میں زمین کے فروخت کرنے کا ارادہ کرلیا تو ایسی صورت میں بھی علماء کہتے ہیں کہ اس پر زکوٰۃ ابھی واجب نہیں بلکہ اس وقت واجب ہوگی جب کہ وہ اسے فروخت کر ڈالے۔

---

(۱) ابوداؤد عن سمرۃ بن جندب باب العروض اذا کانت للتجارۃ

اسی طرح خالی پڑی ہوئی دکان کا مسئلہ ہے کہ اگر دکان خریدتے وقت یا دکان کے لئے زمین خریدتے وقت یہ نیت تھی کہ اس پر دکان تعمیر کرکے فروخت کریں گے تو اس کی حیثیت مالِ تجارت کی ہوگی، اور ہر سال مارکیٹ قیمت پر زکوٰۃ ادا کی جاسے گی لیکن اگر دکان خریدتے وقت یہ نیت تھی کہ اسے کرایہ پر دینا ہے یا زمین خریدتے وقت یہ نیت تھی کہ اس پر دکانیں تعمیر کرکے کرایہ پر دیں گے تو پھر ان دکانوں پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس سے حاصل ہونے والے کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر فی الوقت وہ خالی پڑی ہوں تب بھی اس میں زکوٰۃ نہیں۔

زمین پر زکوٰۃ

میرے پاس رہائش کی غرض سے خریدی ہوئی کچھ زمین ہے اس وقت میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہا ہوں کیا مجھے اس زمین کی زکوٰۃ نکالنی چاہیے؟ ——— (شاہد علی خاں، جیزان)

چونکہ یہ ضروریاتِ زندگی میں سے ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں (۱) ——— اگر ضرورت سے زائد کاروبار وغیرہ کی غرض سے زمین خریدی جائے تو اس کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا۔ یا اگر کسی زمین سے کاشت کی جائے تو اس کی پیداوار پر زکوٰۃ (پیداوار کا بیسواں حصہ اور بعض صورتوں میں پیداوار کا دسواں حصہ) ادا کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) لیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنزل وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ (ھدایة ۱/۱۶۶)

خالی پلاٹس پر زکوٰۃ ہے

میں نے چار سال قبل یہ خیال کرکے کہ پیسے بینک میں رکھنے کے بجائے جائیداد خرید کر رکھنا بہتر ہے، ایک مکان اور دو پلاٹس ہندوستان میں خریدے، بعد میں یہ جائیداد میں نے اپنے تین بچوں کے نام لکھ دی، دو پلاٹس خالی پڑے ہیں اور مکان کو کرایہ پر دے رکھا ہے جس کے کرائے پر زکوٰۃ نکالتا ہوں اور باقی تمام نقد اور سونے پر زکوٰۃ نکالتا ہوں، کیا ان دونوں پلاٹس اور مکان کی قیمت پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

(محمد کلیم اللہ۔ ریاض)

اگر کوئی مکان یا پلاٹ اس نیت سے خریدا گیا ہو کہ مناسب قیمت آنے پر فروخت کر دیں گے تو اس کی حیثیت اموالِ تجارت کی ہوگی اور ہر سال اس کی مالیت (یعنی مارکیٹ قیمت) پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر رہائشی مقصد سے خریدا گیا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں (۱) —— اسی طرح مکان وغیرہ اس نیت سے خریدا کہ اس کو کرائے پر دیں گے تاکہ ہر ماہ اس سے کچھ آمدنی حاصل ہو، تب بھی مکان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں البتہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی (کرائے کی رقم) کو دوسری آمدنی اور نقد رقوم وغیرہ کے ساتھ شامل کرکے اس کی زکوٰۃ ہر سال نکالی جائے گی مکان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں، آپ نے یہ جائیداد اپنے بچوں کے نام کر دی ہو اور انہیں اس کا مالک بنا دیا ہو، تب تو زکوٰۃ کا معاملہ آپ کے بچوں سے وابستہ ہوگا نہ کہ آپ سے اگر آپ کے

---

(۱) ھندیہ ۱/۱۷۲

نچے بالغ اور صاحبِ نصاب ہوں تو وہ مذکورہ اصول کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں گے ورنہ نہیں ۔

زرعی اراضی پر زکوٰۃ کے ضروری مسائل

میں نے ہندوستان میں دس ایکڑ اراضی خریدی جس کی مجموعی قیمت تقریباً ایک لاکھ دس ہزار روپے ہیں، ابھی وہ زیر کاشت نہیں. میں یہاں سے ہندوستان جاکر اس زمین پر کاشت کا ارادہ رکھتا ہوں، کیا مجھے اس زمین کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے ——— (نواب حفظ الرحمن، ریاض)

میرے پاس تھوڑی سی زمین ہے جسے میں نے دو سال قبل خریدا ہے اس زمین سے کوئی پیداوار نہیں ہے، میں نے اس میں ایک جھونپڑی ڈال دی ہے کبھی کبھی گھر کے لوگ جاتے رہتے ہیں، بہرحال اس زمین سے ابھی کوئی فائدہ نہیں لیا جارہا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس زمین پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

(محمد نعیم خاں، بریدہ)

زرعی اراضی کی مالیت اور اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی البتہ اس زمین سے حاصل ہونے والے پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں عشر کہتے ہیں (۱) ——— زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کا حکم اور اس کی تفصیلات مستقل طور پر قرآن وحدیث میں موجود ہیں، سورۃ البقرہ آیت ۲۶۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : " اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی کمائی کی اچھی چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے بھی جو کچھ ہم نے تم کو زمین کے ذریعے

---

(۱) المغنی ۲/۲۹۳

پیداوار دی ہے" سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۲ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وہی اللہ ہے جس نے باغات اگائے، اس چیز کے باغ بھی جس کی بیلیں اوپر چڑھائی اور پھیلائی جاتی ہیں اور وہ بھی جن کی بیلیں نہیں ہوتیں اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار اور یہ سب آپس میں (ایک لحاظ سے) ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی، تو ان میں جب پھل آجائیں تو خود بھی کھاؤ، کاٹنے اور توڑنے کے وقت ان میں جو ان کا (شرعی) حق ہے (یعنی عشر) اس کو دے دو اور اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

زمین کی پیداوار اور دوسرے اموالِ زکوٰۃ سونا چاندی اور نقدی (وغیرہ) میں فرق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ یعنی عشر کے واجب ہونے کے لئے اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، بلکہ جو کچھ بھی پیداوار ہو اور جتنی بھی ہو اس میں عشر واجب ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے دو ممتاز شاگرد امام ابویوسف، امام محمد اور دیگر فقہاء امام شافعی و امام محمد وغیرہ کے نزدیک پانچ وسق سے کم پیداوار پر عشر واجب نہیں (پانچ وسق اسی تولے والے سیر سے ۲۵ من پونے ۲۴ سیر ہوتا ہے) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں احتیاط زیادہ ہے نیز اس میں تقویٰ کا پہلو اور غریبوں کے لئے فائدہ بھی ہے، اس لئے فقہاء احناف نے اسی قول کو اختیار کیا، اور اسی پر فتویٰ ہے یعنی پانچ وسق سے کم بھی پیداوار ہو تو اس میں اس کا حق عشر ادا کرنا چاہیئے۔

عشر کی ادائیگی کے لئے سال گذرنا شرط نہیں بلکہ جیسے ہی کوئی فصل کاٹ جائے اس میں اس کا حق شرعی عشر ادا کرنا واجب ہے اور اگر کسی کھیت

میں سال میں دو تین مرتبہ پیداوار ہو تو ہر مرتبہ عشر نکالنا ضروری ہے، اس میں عاقل و بالغ ہونا بھی شرط نہیں یعنی اگر کسی پاگل و مجنون یا نابالغ بچے کی زمین سے کوئی پیداوار ہو تو اس میں سے بھی عشر ادا کیا جائے گا۔ عشر کے وجوب کے لئے اصل زمین کا مالک ہونا بھی ضروری نہیں ہے اگر کوئی بٹائی پر یا کرایہ وغیرہ پر زمین لے کر کھیتی کرے تب بھی اس میں عشر واجب ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک ان چیزوں میں عشر واجب ہے جو کم از کم ایک سال تک باقی رہ سکتی ہوں جو چیزیں چند دنوں سے زیادہ نہیں رہ سکتیں جیسے ترکاری، سبزی وغیرہ تو اس میں عشر، واجب نہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار میں (جس میں سبزی و ترکاری بھی شامل ہے) عشر واجب ہے۔

عشر کا مطلب دسواں حصہ ہے یعنی زمین کی پیداوار کا اس کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کل پیداوار کا دسواں حصہ اللہ کی راہ میں فقراء و مساکین کو دے دیا جائے مثال کے طور پر اگر کسی کے کھیت سے سو کوئنٹل غلہ آئے تو اس کا دسواں حصہ دس کوئنٹل فقراء و مساکین کا حق ہے، ہاں البتہ یہ عشر کا حکم اس وقت ہے جب کہ پیداوار بغیر پانی ہی کے یا بارش کے پانی سے ہوئی ہو، اگر پیداوار کے لئے کاشتکار نے کنویں، نہر یا ٹیوب ویل وغیرہ کے ذریعہ کھیت باغ کی سینچائی کی ہو تو ایسی صورت میں پیداوار کا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ اس کی زکوٰۃ ہوگی (نہ کہ دسواں حصہ) (۱)

اگر کسی شخص کے پاس زرعی اراضی ہے اگر وہ کسی مجبوری اور ناسازگا

---

(۱) ابن ماجہ عن ابی ہریرہ باب صدقۃ الزروع والثمار

حالات کی وجہ سے کاشت کے قابل نہیں ہے تب توکوئی حرج نہیں لیکن وہ شخص کھیتی باڑی کرسکتا یا کراسکتا ہے پھر بھی عمداً وہ اس زمین کو خالی چھوڑے رکھے تو فقہاءً (تعزیراً) اس شخص پر عشر یا نصف عشر کو ضروری قرار دیتے ہیں، تاکہ زمین بیکار نہ چھوڑی جائے، یعنی اس زمین میں جتنا غلّہ عموماً پیدا ہوتا ہے اس کا عشر یا نصف عشر اس شخص کو ادا کرنا ہوگا۔ عشر زکوٰۃ ہی ہے لہٰذا اس کے مصارف اور مستحق وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔

زراعت کے اخراجات منہا نہیں ہوں گے

اگر میں نے پانچ ایکڑ اراضی پر جوار بوئی جس میں تقریباً ساٹھ کوئنٹل جوار نکلی اور ہم نے یہ زراعت قرضہ لے کر کی جس میں بیج اور دیگر مصارف میں پانچ ہزار روپے خرچ ہوئے تو مجموعی فائدہ یعنی ساٹھ کوئنٹل پر عشر نکالنا چاہیے یا قرض اور اخراجات کی رقم منہا کر کے عشر نکالنا ہوگا؟ نیز زکوٰۃ نکالتے وقت کیا اراضی کی قیمت پر بھی زکوٰۃ دینی چاہیے؟ —— (نواب حفظ الرحمٰن، ریاض)

زمین سے جو بھی پیداوار ہو اس کی کل مقدار پر عشر یا نصف عشر واجب ہے اس میں سے قرض یا بیج وغیرہ کے مصارف کو منہا نہیں کیا جائے گا (۱) مثلاً ساٹھ کوئنٹل جوار زمین سے نکلی ہو تو مکمل ساٹھ کوئنٹل پر عشر واجب ہوگا۔ یہ درست نہیں کہ قرض اور بیج مزدوری وغیرہ کے اخراجات میں دس پندرہ

---

(۱) علامہ کاسانی فرماتے ہیں لا یحتسب بصاحب الارض ما انفق علی الغلۃ من سقی او عمارۃ او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقۃ البقر (بدائع الصنائع ۲/۶۲)

کوٹینٹل وضع کر کے باقی کی زکوٰۃ دی جائے، البتہ کاشتکار کو ضروری اخراجات کے علاوہ کھاد سینچائی یا ٹریکٹر وغیرہ چلا کر زمین کو جوتنے میں اضافی اخراجات بھی برداشت کرنے پڑے ہوں تو ایسی صورت میں شریعت نے خود اس کا لحاظ رکھ کر پیداوار کی زکوٰۃ دسواں حصہ کے بجائے بیسواں حصہ (یعنی کم) مقرر کی ہے، بہرحال پیداوار پر عشر (دسواں) واجب ہو یا کہ نصف عشر (بیسواں حصہ) اس کا اعتبار اور حساب کل پیداوار سے ہوگا۔

پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر یا نصف عشر ادا کرتے وقت زمین کی قیمت کا اعتبار بھی نہیں کیا جائے گا یعنی اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں، صرف پیداوار کا عشر یا نصف عشر ادا کرنا ہوگا۔

قرض کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟

اگر ایک شخص کسی کو کچھ رقم بطورِ قرض کے دے اور قرض دیتے وقت کوئی صراحت بھی نہ کی گئی ہو کہ ادائیگی کب اور کس طرح ہوگی؟ تو کیا اس رقم کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی اور یہ زکوٰۃ کس شخص پر واجب ہے، قرض لینے پر یا قرض دینے والے پر؟ کیونکہ قرض دینے والے کے پاس تو وہ مال اب ہے نہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ رقم اسے کب واپس ملے گی؟۔

قرض کی زکوٰۃ قرض لینے والے (مقروض) پر واجب نہیں کیونکہ یہ روپیہ اس کی حقیقی ملکیت نہیں بلکہ قرض ہے جو بعد میں اسے ادا کرنا ہے، البتہ قرض دینے والے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس مسئلہ میں احناف نے کچھ تفصیلات ذکر کی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ایسا قرض جن کی وصولی کی امید ہو ان کی زکوٰۃ قرض وصولی ہونے کے بعد واجب ہوگی اور ان تمام دنوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی جتنے دن وہ دین مدیون کے پاس رہا۔

۲۔ ایسا قرض جن کی وصولی کی امید ہی نہ ہو اور اچانک حاصل ہو جائے تو وصولی کے بعد جیسے ہی ایک سال گذرے گا زکوٰۃ واجب ہوگی، اس صورت میں گذشتہ دنوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ حضرت علی نے فرمایا لا زکاۃ فی ضمار۔ (مجمع الانہر ۱/۱۹۴)۔ ضمار سے مراد وہ مال ہے جس کی واپسی کی امید نہ ہو (فتح القدیر ۲/۱۲۲)

احناف نے اصل میں دین کی تین قسمیں ہیں، قوی، وسط اور ضعیف ان میں سے ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں، اور ان کو ملاحظہ کرنے کے بعد میرا خیال ہے کہ اس کا جواب سمجھ میں آسکتا ہے۔

دینِ قوی: وہ دین جس کا مقروض اقرار کرتا ہو، خوش حال ہو، قرض ادا کرسکتا ہو یا وہ سامانِ تجارت کی قیمت ہو ——— اس صورت میں جتنے دن دائن کے پاس رقم نہیں رہی اتنے دنوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرے گا اگر ۱/۵ حصہ بھی اس کو حاصل ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا جتنی بھی رقم اس کو ملے اتنے کی زکوٰۃ ادا کر دے۔ (فتح القدیر ۲/۱۲۳، تاتارخانیہ ۲/۲۹۹)

دینِ وسط: وہ دین جو غیر تجارتی اشیاء کی قیمت کے طور پر حاصل ہو، جیسے رہائشی مکان کی قیمت، کام کی اجرت، مکان یا اشیاء کا کرایہ وغیرہ۔ اس صورت میں اسی وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ مکمل ۱/۲ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر دین پر قبضہ ہو چکا ہو۔ (تاتارخانیہ ۲/۲۹۹۔۳۰۰)

دینِ ضعیف: جو کسی مال کے بدلہ میں حاصل نہ ہو جیسے مہر، بدل خلع، میراث

اور وصیت کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال، اسی طرح اگر مقروض قرض کا اقرار تو کرتا ہو لیکن مفلس ہو چکا ہو اور قرض ادا نہ کر سکتا ہو، یا کوئی قرض لے کر قرض لینے یا باقی رہنے کا انکار کرتا ہو اور صاحبِ حق کے پاس کوئی ثبوت فراہم نہ ہو، تو یہ سب دینِ ضعیف میں شامل ہیں (تاتارخانیہ ۲/۳۰۴، فتح القدیر ۲/۱۲۴) ——— اس صورت میں قبضہ کے بعد سال گذر جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

(بدائع ۲/۱۰)

شوافع اور حنابلہ کا خیال یہ ہے کہ قرض کی زکوٰۃ بہر حال ادا کی جائے گی، خواہ مقروض اقرار کرتا ہو یا انکار قرض دہندہ کے پاس اپنے دعویٰ کا ثبوت ہو یا نہ ہو، اور مقروض قرض ادا کرنے کے موقف میں ہو یا نہ ہو یہ زکوٰۃ دین کی وصولی کے بعد ادا کرے گا اور گذشتہ پوری مدت کی ادا کرے گا جتنی مدت اس کا دین دوسرے کے پاس رہا ہے۔

(شرح مھذب ۵/۳۴۰، المغنی ۳/۴۶)

بیوی کی طرف سے زکوٰۃ

میری بیوی کے پاس زیور ہے جو انہیں میں نے خرید کر دیا ہے اس زیور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کون کرے گا؟ بیوی یا میں؟

اگر بیوی برسرِ روزگار ہے اور اس کے پاس پیسے ہیں تو وہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ خود ادا کرے گی، اور اگر اس کے پاس رقم نہیں ہے، اور وہ ملازمت نہیں کرتی تو ہر سال آپ یہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔

شوہر مقروض ہو تو کیا بیوی پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟

میرے پاس اتنا سونا ہے جس پر ڈھائی ہزار روپے زکوٰۃ نکلتی ہے، مگر میرے شوہر پر اس سے دوگنا قرض ہے، ایک صاحب کا کہنا یہ ہے کہ قرض کی صورت میں زکوٰۃ دینی ضروری نہیں ہو۔ کیا یہ صحیح ہے؟ نیز میں گھر میں بچوں کو پڑھا کر کچھ پیسے بھی کما لیتی اور الحمد للہ مجھ پر کوئی قرض نہیں ہے، کیا مجھے زکوٰۃ دینی چاہئے یا نہیں؟ ——— (مسز ندیم، جدہ)

آپ کو اپنے سونے کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، شوہر کے مقروض ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے کہ زکوٰۃ کے سلسلے میں زکوٰۃ ادا کرنے والے (صاحبِ نصاب) شخص کے قرض کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ اس کے عزیز و قریب جیسے شوہر، بیوی یا والدین وغیرہ کے قرض کا۔ نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اگر کسی شخص پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ مقروض بھی ہو تو اس کے اموالِ زکوٰۃ کی مجموعی مالیت میں سے قرض کی رقم منہا کرکے باقی مالیت کی ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جائے گی، بشرطیکہ وہ مال نصابِ زکوٰۃ کے بقدر رہو، اگر کسی پر اتنا زیادہ قرض ہے کہ قرض ادا کر دیا جائے یا قرض کی رقم الگ کر دی جائے تو وہ صاحبِ نصاب ہی باقی نہیں رہتا تو پھر اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہیں (واجب الادا ڈھائی فیصد) زکوٰۃ سے قرض کی رقم منہا کرنا درست نہیں ہے، مثلاً آپ کے پاس سونا چاندی اور نقد روپے کی شکل میں اتنا مال ہے جس پر ڈھائی ہزار روپے کے مقروض بھی ہیں تو ایسا نہیں کہ آپ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی بلکہ آپ کی مجموعی رقم اور زیور کی مالیت وغیرہ سے ڈھائی ہزار روپے الگ

کر کے باقی رقم پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔

بالاقساط زکوٰۃ کی ادائیگی

اپنے زیور کی جو بھی زکوٰۃ بنتی ہو کیا اسے تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کیا جاسکتا ہے؟ مثلاً ہزار ریال زکوٰۃ ہو تو ہر مہینہ پچاس ریال نکال دیں یا پانچ سو ریال زکوٰۃ بنتی ہو تو ماہانہ پچیس تیس ریال زکوٰۃ ادا کر دیں کیا یہ صورت درست ہوگی؟

(مسز راشد احمد، جدہ)

اس طرح ادائیگی سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، تاخیر بہر حال مناسب نہیں (۱) ——— زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد کوشش کی جائے کہ جلد سے جلد اسے ادا کر دیا جائے، اتنی تاخیر تو بہر حال نہ کی جائے کہ دوسرا سال آجائے اور ابھی پہلے سال ہی کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی ہو، اگر شدید مجبوری ہو تو کوئی حرج نہیں۔

ماہ رمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی

زکوٰۃ کی ادائیگی رمضان کے مبارک مہینہ میں ضروری ہے یا کسی بھی دوسرے مہینہ میں یہ ادا کی جاسکتی ہے؟

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے سال کا پورا ہونا ضروری ہے، اس کے لئے کوئی خاص مہینہ مقرر نہیں ہے آپ کسی بھی مہینہ میں (بشرطیکہ سال پورا ہو گیا ہو،

---

(۱) فتح القدیر ۲/۱۱۴

زکوٰۃ دے سکتے ہیں، جب سال گذر جائے اور مستحق موجود ہوں، تو بہتر ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے۔

کیا ہر سال زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

زکوٰۃ کسی رقم پر صرف ایک مرتبہ نکالنا واجب ہے یا ہر سال؟ مثلاً ایک شخص نے گذشتہ سال دس لاکھ روپے پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کر دی تو کیا اسی دس لاکھ پر اس سال بھی زکوٰۃ دینی ہوگی پھر اگر یہ شخص گذشتہ سال زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس رقم سے دس مکان بنا کر کرایہ پر دے دیتا ہے، اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی گھریلو اخراجات پر صرف کرتا ہے، تو ممکن ہے کرائے سے حاصل ہونے والی آمدنی کبھی بھی نصابِ زکوٰۃ کو نہ پہونچے۔

(سید احمد، مدینہ منورہ)

آپ کے پاس جو رقم بھی موجود ہے اگر اس پر سال گذرتا ہے تو دوسرے سال بھی زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے، اگر اس رقم پر دوسرا سال گزرتا ہے تو دوسرے سال بھی زکوٰۃ دینی ہوگی، اور اس طرح ہر سال اس رقم پر زکوٰۃ ہوگی جو آپ کے پاس سال بھر یا سال کے آخر میں باقی رہ جاتی ہے (۱) ——— رہا آپ کا یہ سوال کہ اگر کوئی اس رقم سے دس مکان بنا کر کرائے پر دے دے تو اس صورت میں کیسے زکوٰۃ ادا کرے؟ اس کا جواب بھی وہی ہے، ظاہر ہے ان تمام دس مکانات کا سال بھر کا کرایہ تو ہر صورت میں گھریلو اخراجات سے کئی گنا زیادہ

---

(۱) المغنی ۲/۲۵۷

ہوگا۔ لہٰذا ان مکانوں کے ہر کرائے کو جمع کر کے ہر سال اس رقم سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی، ہاں اگر اس شخص کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور ذریعۂ معاش یا رقم نہیں اور وہ صاحبِ نصاب نہیں، نیز مکانات کا کرایہ گھریلو اخراجات میں خرچ ہو جائے اور اتنا نہ بچے کہ وہ پورا نصابِ زکوٰۃ تک پہونچے تو ایسی صورت میں اس پر زکوٰۃ نہیں (۱) ——— گھریلو اخراجات کے بعد نصابِ زکوٰۃ کے بقدر روپیہ بچ جائے تو جتنی رقم بھی موجود ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

تاخیر سے زکوٰۃ کی ادائیگی

الحمد للہ میں صاحبِ نصاب ہوں اور زکوٰۃ دیتا رہتا ہوں، میرے پڑوس میں ایک غریب ہیں جن کی دو بیٹیاں ہیں۔ انکی شادی تقریباً دو سال بعد ہوگی، میں اس سال کی زکوٰۃ نکال کر الگ کر چکا ہوں جو ابھی میرے ہی پاس ہے کیا میں اس کو مزید ایک سال تک رکھ کر آئندہ سال کی زکوٰۃ کے ساتھ ادا کر سکتا ہوں اور کسی غریب و مستحق کو دے سکتا ہوں یا مجھے اس سال کی زکوٰۃ اسی سال ادا کر دینا ضروری ہے؟

(فرید احمد دہلوی، ریاض)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہتر و افضل بلکہ ضروری ہے کہ اسے وقت پر ادا کی جائے، اور اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے، اگر کوئی مناسب مستحق مصرف نظر نہ آئے یا کوئی خاص ضرورت اور شرعی عذر ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تعجیل و

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۷۲، فتح القدیر ۲/۲۰۳، بدائع ۲/۴۸، ۴۹

تاخیر کی جاسکتی ہے، آپ دو سال کی زکوٰۃ اکٹھی قبل از وقت بھی دے سکتے ہیں (۱)

سود کی رقم سے زکوٰۃ کی ادائیگی

اگر کسی مسلمان کے پاس ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی دولت ہے مثلاً لاٹری اور جوے کے ذریعہ یا پھر کسی اور طریقہ سے، کیا ایسی رقم سے فلاحی کام کئے جاسکتے ہیں؟ جیسے کسی بیمار غریب آدمی کا علاج و معالجہ، بے سہارا لڑکیوں کی شادی یا مسجد بنوانا اور کیا ان ناجائز روپوں سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟ اسی طرح پاکستانی بنکوں کا سودی اکاونٹ جس کو (P. L. S.) پی۔ ایل۔ ایس اکاؤنٹ کہتے ہیں، جس میں سالانہ ۹.۵٪ فیصد یا ۵٪، فیصد سود اصل زر میں شامل کر کے پھر اس سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ کی رقم کاٹ جاتی ہے، کیا یہ از روئے شریعت جائز ہے اور کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

(بشیر احمد، جدہ، محمد عبد الرحیم، خلیص)

ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت چاہے وہ سود کی رقم ہو یا لاٹری اور جوئے کی، سب حرام ہے، اور ہر طرح کے مالِ حرام کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کو ثواب و صدقہ کی نیت کے بغیر کسی ضرورت مند، غریب و محتاج شخص کو دے دیا جائے، اس کو مسجد کی تعمیر میں استعمال کرنا یا ذاتی استعمال میں لانا یا اس رقم سے زکوٰۃ کی ادائیگی و حج وغیرہ درست نہیں، کیونکہ شرعاً

فتح القدیر ۲/۱۱۴

مالِ حرام کا آدمی مالک ہی نہیں ہوتا اور اس پوری رقم کو بلا نیت ثواب کسی محتاج کو دے دینا ضروری ہوگا، اس رقم کے ذریعے صدقہ و ثواب کی نیت بھی اس لئے درست نہیں، یہ ایک طرح سے صدقہ اور کارِ ثواب کی توہین ہے احادیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ " اللہ تعالےٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی کو قبول فرماتا ہے"۔ (مسند احمد ۲/۳۲۸) غریب و نادار لڑکیوں کی شادی بیاہ یا ان کے علاج و معالجہ کے لئے یہ رقم انہیں (بلا نیتِ ثواب) دی جا سکتی ہے۔

مالِ حرام اگر مخلوط ہو یعنی حلال مال کے ساتھ ملا ہوا ہو اور مال کا غالب حصہ حلال ہو اور کچھ حرام تو اگرچہ حرام مال کی تعداد معلوم و متعین ہو تو اتنی مقدار ورنہ اندازاً مالِ حرام بلا نیتِ ثواب کسی مستحق کو دے دینا ضروری ہے تاہم فقہ میں ایسی نظیریں ملتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص اس تمام مال کا مالک سمجھا جائے گا، اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی اور اس مخلوط مال سے زکوٰۃ ادا کر دے تو زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی، رہا مسئلہ بینک کے سود اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا تو اوپر کی سطروں سے یہ بات با آسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ بینک اصل زر میں جتنے فیصد سود کا اضافہ کرتا ہے، اتنے فیصد (یعنی مکمل سود کی رقم) بلا نیتِ ثواب کسی غریب کو دے دینا ضروری ہے، بینک اگر خالصتہً سود کی رقم سے زکوٰۃ منہا کرے تو یقیناً زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، لیکن اگر صاحبِ نصاب کے اصل مال سے زکوٰۃ کاٹی جائے اور پھر متعین شرح سود ۹.۵٪ فیصد کا اصل زر میں اضافہ کر دیا جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی درست سمجھی جائے گی، تاہم ۹.۵٪ فیصد سود اس کے مجموعہ مال میں حرام ہی رہے گا جس کو کسی ضرورت مند، مستحق شخص پر خرچ کر دینا ضروری ہوگا۔

پی۔ ایل۔ ایس کے بارے میں ہماری معلومات کے مطابق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ نفع نقصان میں شراکت کی بنیاد پر ہے، اگر ایسا ہے تو یہ مضاربت کی قسم ہے، اگر منافع متعین نہ ہو اور نقصان میں بھی شراکت ہو تو یہ جائز ہے۔

کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

میں ایک اسپیئر پارٹس کی دکان پر کام کرتا ہوں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پارٹس ٹیکنک کو دکھانے کے لئے لے جاتا ہے اور پھر واپس نہیں آتا، نہ جانے وہ دانستہ ایسا کرتا ہے یا بھول کر، بہرحال ہمارا کفیل پارٹس کے پیسے زکوٰۃ یا صدقہ خیرات میں نکال دیتا ہے کیا یہ درست ہے اور اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ ——————— (منور اقبال، حائل)

ایسے موقع پر نفل صدقہ وخیرات کی نیت کی جا سکتی ہے، اور صدقہ وخیرات کا ثواب انشاء اللہ ضرور ملے گا جیسا کہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے لیکن ایسے موقع پر زکوٰۃ کی نیت کر لینا درست نہیں، اور اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کے لئے مال علاحدہ کرتے وقت نیت ضروری ہے، اور اس صورت میں نیت نہیں پائی جا رہی ہے، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

حکومت کے ذریعے زکوٰۃ

پاکستانی بینک میں میری رقم جمع ہے جس سے ہر سال زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے، تو کیا میری طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یا

میں الگ سے زکوٰۃ ادا کردوں؟ نیز ہر سال سود کی رقم بھی اس میں جمع ہوتی ہے، جب میں رقم نکالوں گا تو سود کی رقم کسی رفاہی کام میں دے دوں گا؟ —— (منظور حسین مکہ مکرمہ)

آپ کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (البتہ اگر یہ اطمینان نہ ہو کہ زکوٰۃ صحیح مصرف میں استعمال ہوگی تو احتیاطاً الگ سے زکوٰۃ ادا کرسکتے ہیں) سود کی رقم کو بلا نیت کی نیت کے کسی مستحق، غریب و نادار شخص کو دے دیں بعض علماء نے رفاہی کاموں میں بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔

(کفایۃ المفتی ۸/۱۰۱)

مقروض کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے

ایک شخص کے دو لڑکے ملازمت کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں کا کافی مقروض ہے، اور اس کی دو بیٹیاں جوان گھر میں ہیں، کیا ایسے آدمی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، نیز اس کے پاس میرا قرض ہے اگر میں نیت کرلوں کہ قرض میں سے زکوٰۃ کی رقم اسے چھوڑتا ہوں تو کیا میری طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

(مظہر حسین۔ مکہ مکرمہ)

اگر کوئی شخص صاحب نصاب نہیں ہے اور قرض میں گھرا ہوا ہے تو اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کی رقم سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے (۱) البتہ اس کے پاس پہلے سے موجود قرض کی رقم کو اپنی طرف سے زکوٰۃ کی نیت

---

(۱) توبۃ/۶۰

کر کے قرض سے وضع کرنا درست نہیں، اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ رقم کسی کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کا ہونا ضروری ہے (چاہے قرض کے نام سے دی جائے) رقم دیتے وقت اگر قرض ہی کی نیت ہو اور بعد میں (مقروض کی پریشانی دیکھ کر یا حالات سے مجبور ہو کر کہ اب قرض کی رقم ملنے کی امید نہیں یا کسی بھی وجہ سے) زکوٰۃ کی نیت کر لی جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ہاں زکوٰۃ کی نیت سے دوبارہ اسے رقم دے کر اپنا قرض وصول کیا جا سکتا ہے، ہدایہ میں ہے: ولا یجوز اداء الزکاۃ الا بنیة مقارنة للاداء او مقارنة لعزل مقدار الواجب

(ھدایہ مع فتح القدیر ۲/۱۲۵)

بہن بہنوئی کو زکوٰۃ کی ادائیگی

میری ایک چھوٹی ہمشیرہ شادی شدہ ہے لیکن بہنوئی ابھی تک بے روزگار ہے، کوشش کے باوجود نوکری نہیں مل سکی، وقتاً فوقتاً میں اپنی استطاعت کے مطابق ان کی مالی امداد کرتا رہتا ہوں، کیا میں ان کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہوں، نیز نام لئے بغیر اپنے دوست احباب سے زکوٰۃ کی تھوڑی بہت رقم اکٹھی کر کے انہیں دے سکتا ہوں، کیا دوسروں سے مانگنا گداگری کے زمرے میں تو نہیں آئے گا؟ اور کیا کسی کو زکوٰۃ دیتے وقت یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے؟

بہن، بہنوئی اگر ضرورت مند ہوں تو ان کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے بلکہ اپنے رشتہ دار اور اعزہ و اقارب میں اگر کوئی مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا دوسروں کے دینے کے مقابلے میں افضل ہے (۱) ——— اس لئے کہ اس

میں ایک تو زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور اس کا ثواب ملے گا، اور دوسرے یہ ایک طرح سے صلہ رحمی بھی ہے جو عظیم نیکی ہے جس کے بارے میں حدیث میں زیادہ عمر کی خوشخبری سنائی گئی ہے، یعنی صلہ رحمی عمر میں اضافہ اور برکت کا باعث ہے، اپنے رشتہ داروں کی زکوٰۃ سے مدد کی جائے تو انشاء اللہ صلہ رحمی کا بھی ثواب ملے گا، واضح رہے کہ اقارب میں شوہر و بیوی، والدین، دادا، دادی، نانا، نانی نیز اپنی اولاد اور پوتا پوتی، نواسا نواسی کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جا سکتی ہے۔

اگر آپ کی بہن اور بہنوئی زیادہ ضرورت مند ہوں تو آپ ان کے لئے اپنے دوست احباب سے بھی زکوٰۃ کی رقم اکٹھی کر سکتے ہیں، ورنہ زیادہ بہتر ہے کہ آپ اپنی زکوٰۃ کی رقم انہیں دے دیں، دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز نہ کریں، نیز بہن بھائی یا کسی کو بھی زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کی صراحت کرنا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے بلکہ دل میں ارادہ و نیت کر لینا کافی ہے کہ میں زکوٰۃ دے رہا ہوں ولو كان بعضهم في عياله و لم يفرض القاضي النفقة له عليه فدفعها اليه ينوي الزكاة جاز عن الزكوٰة۔ (هداية مع الفتح ۲/۲۷۰ : دار الفكر) ہدیہ تحفہ وغیرہ کے عنوان سے بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے مگر دل میں زکوٰۃ کی نیت ہونی چاہیے اور دوسرے اس بات کی تحقیق کر لینی چاہیے کہ جس شخص کو آپ زکوٰۃ کی رقم دے رہے ہیں وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

زکوٰۃ کا مصرف

الحمد للہ میں اس وقت صاحبِ نصاب ہوں اور مجھ پر زکوٰۃ

واجب ہے لیکن یہاں ملازمت کے سلسلے میں قیام ہے اور کفیل
کی طرف سے ہر سال رمضان میں کچھ رقم زکوٰۃ کی مد میں ملتی ہے
کیا میں وہ رقم لے سکتا ہوں اور لے کر اپنے وطن میں مستحق لوگوں
میں تقسیم کر سکتا ہوں؟ —— (سید شکیل احمد، ریاض)

جی ہاں! آپ خود تو صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے وہ رقم ذاتی استعمال میں نہیں لا سکتے، لیکن اسے لے کر زکوٰۃ کے مستحقین میں تقسیم کر دیں تو جائز ہے، زکوٰۃ کے اصل مستحقین فقراء ومساکین، غرباء، مقروض اور پریشان حال لوگ ہیں جو خود صاحبِ نصاب ہوں ان کے لئے زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں۔

سگے بھائی بہن کو زکوٰۃ

کیا یہ بتائے بغیر کہ یہ زکوٰۃ ہے سگے بھائی بہن کو زکوٰۃ کی رقم
دی جا سکتی ہے؟

جی ہاں! حقیقی بھائی بہن کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، اگر وہ اس کے مستحق ہوں، نیز کسی مستحق کو زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے یہ صراحت کرنا ضروری نہیں کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے بلکہ صرف دل میں ادائیگی زکاۃ کی نیت کر لینا کافی ہے[1]

بھائی بہن کو جو کہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے
یا نہیں؟ —— (منتظر خاں، ریاض)

اگر بھائی بہن زکوٰۃ کے مستحق ہوں تو انہیں زکوٰۃ کی جا سکتی ہے بلکہ

---

(۱) ردالمحتار ۲/۶۸

اس میں دوہرا اجر ملے گا، زکوٰۃ کی ادائے گی کا اور صلہ رحمی کا (۱)

بہن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

میری بہن کثیر العیال ہیں، ان کے شوہر مارکیٹ میں ٹھیلا لگاتے ہیں، بہن کی لڑکیاں گھر ہی میں کڑھائی سلائی کر لیتی ہیں، اس طرح ان کے گھر کی دال روٹی چل رہی ہے، اس صورت میں کیا میں زکوٰۃ اپنی بہن کو زکوہ سکتی ہوں؟ کیا نقد پیسے ہی دوں یا ان پیسوں سے ان کی لڑکیوں کے لئے جہیز کا کچھ سامان خرید کر بھیج سکتی ہوں؟ یا ابھی خرید کر رکھ لوں اور جب جانا ہو تب دے دوں، رہنمائی فرمائیں ——— (ف، ح، جدہ)

آپ کی بہن اگر واقعی غریب و نادار اور زکوٰۃ کی مستحق ہیں تو آپ ان کو زکوٰۃ دے سکتی ہیں، چاہیں تو نقدی کی شکل میں دے دیں اور چاہیں تو ان کی بچیوں کے لئے ان کی رخصتی کا کچھ سامان خرید کر دے دیں، آپ یوں بھی کر سکتی ہیں کہ زکوٰۃ کی اس رقم سے کچھ سامان خرید کر اپنے پاس رکھ لیں اور جب آپ جائیں تو خود ان کو جا کر دے دیں، کسی مسلمان کو صدقہ و زکوٰۃ یا عام مدد کے تحت کچھ دینا یقیناً بہت اجر و ثواب والا عمل ہے کہ خود قرآن میں اور احادیث میں ایسے شخص کے لئے اچھی اچھی بشارتیں موجود ہیں، لیکن یہی زکوٰۃ و صدقہ جب اپنے کسی رشتہ دار کو دیا جاتا ہے تو اس کا اجر و ثواب دوگنا ہو جاتا ہے، صدقہ کرنے کا اور صلہ رحمی کا اجر و ثواب بھی ساتھ ہی مل جاتا ہے۔ (۲)

---

(۱) یجوز الدفع الیہم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ (فتح القدیر ۲/۲۰۹)

(۲) حوالہ سابق

مال زکوٰۃ کا مصرف

اپنے مال کی زکوٰۃ بوسنیا ہرزیگووینا، کشمیر اور دوسرے دور دراز کے مسلمان مستحقین کو دی جائے یا کہ اپنے رشتہ داروں میں (جو مستحق ہوں) خرچ کی جائے؟ (یار محمد قلندرانی. مکہ مکرمہ)

جو آپ اپنے مال کی زکوٰۃ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں، ایک حصہ دور دراز کے ملکوں میں مستحق، غریب اور مسکین مسلمانوں کے لئے دے دیں، دوسرا حصہ اپنے رشتہ داروں پر تقسیم کر دیں۔ (۱)

زکوٰۃ وفطرہ کا مصرف

ہم لوگوں کو بعض سعودی حضرات رمضان المبارک میں کچا چاول وغیرہ دیتے دیتے ہیں، جو غالباً زکوٰۃ کی ہوتی ہے کیا ہم اسے لے سکتے ہیں؟۔

آپ اس کو لے لیں، اگر خود مستحق ہوں تو خود بھی استعمال کر سکتے ہیں ورنہ زکوٰۃ کے مستحق شخص کو دے دیں۔ (۲)

کیا اپنے سگے بھائی بہن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟۔

جی ہاں! اپنے بھائیوں اور بہنوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ (۳)

---

(۱) انما الصدقات للفقراء الخ، توبۃ/ ۶۰

(۲) توبۃ/ ۶۰

(۳) رد المحتار ۲/ ۶۸

زکوٰۃ سے والدین کی مدد

اگر باپ غریب ہو تو کیا اولاد صدقہ یا فطرہ دے کر مدد کر سکتی ہے جب کہ باپ اولاد سے زیادہ سے زیادہ پیسے کی امید رکھتا ہو اور اولاد اپنے بال بچوں کے اخراجات بھر ہی کماتی ہو تو اس حال میں اولاد کو کیا کرنا چاہیے؟ بال بچوں کو بھوکا رکھ کر باپ کو دینا چاہیے یا بال بچوں کو؟ جواب سے وضاحت فرمائیں۔

(فیاض احمد اعظمی، عنیزہ)

والدین کے جملہ اخراجات برداشت کرنا اولاد کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ اولاد یہ اخراجات برداشت کرنے کے قابل ہو، اگر اولاد خود بیوی بچے والی ہے اور ان کی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اولاد کو چاہیے کہ والدین کی کچھ نہ کچھ خدمت و مدد ضرور کریں، البتہ اگر والدین کی فرمائشیں حد سے زیادہ ہوں، یا زیادہ قیمتی و مہنگی اشیاء کا مطالبہ ہو تو اولاد پر ایسی فرمائشیں پوری کرنا ضروری نہیں ہے، چونکہ والدین کی دیکھ بھال کرنا اور ان کا خرچہ وغیرہ برداشت کرنا اولاد کی ذمہ داری ہے، لہٰذا والدین کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی (۱) ——— البتہ ویسے ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔

سیاسی جماعتوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی

---

(۱) لا یجوز الدفع الی ابیہ وجدہ وان علا ولا الی ولدہ وولد ولدہ وان سفل۔ (البحر الرائق ۲/۲۴۱۔ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان)

یہ علم ہونے کے باوجود کہ کوئی سیاسی یا لسانی جماعت دہشت گردی اور قتل و غارت گری میں ملوث ہے اس کی مالی اعانت کرنا اور زکوٰۃ و صدقات یا قربانی کی کھالیں دینا جائز ہے؟

(نصرت جمال، دہران)

زکوٰۃ فقراء و مساکین کی اعانت کے لئے ہے نہ کہ دہشت گردی اور قتل و غارت گری کرنے کروانے کے لئے، شریعت نے زکوٰۃ کے مصارف متعین کر دیئے ہیں، اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی، اگر کوئی جماعت چاہے وہ سیاسی ہو یا مذہبی، زکوٰۃ کی رقم کو زکوٰۃ کے مصارف ہی میں خرچ کرتی ہے اگر زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اس بات کا مکمل اطمینان ہے تو پھر ایسی جماعت کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔

سیّد کو زکوٰۃ دینا

اگر ہمارا کوئی پڑوسی فقیر و مسکین ہے، کھانے پینے کے لئے مجبور ہے مگر وہ سید ہے تو کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی؟

(ممتاز حسین فیاض، جدہ)

صدقاتِ نافلہ کے بارے میں فقہاء کا عام خیال ہے کہ یہ صدقات ان کو دی جاسکتی ہیں، لیکن صدقاتِ واجبہ اور زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بیت کے لئے صدقہ کو حرام فرمایا ہے، ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے زکوٰۃ کی کھجور منہ میں رکھ لی، تو آپ نے اسے اگلوا دیا اور فرمایا کہ ہم لوگوں کے لئے صدقہ کی اشیاء درست نہیں ہیں، جمہور فقہاء، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ سادات

کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا بالکل جائز نہیں (فتح الباری ۳/۳۵۴، الجامع لاحکام القرآن ۸/۱۹۱) امام طحاوی نے امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ سادات کو ہر طرح کے صدقات دینے میں کوئی حرج نہیں، اور امام طحاوی کے بقول امام ابو حنیفہ نے اس رائے کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ خمس میں ذوی القربیٰ کا حصہ رکھا گیا تھا، جب یہ اس حصہ سے محروم ہو گئے، اور آپؐ کی وفات کے بعد یہ حصہ بھی دوسروں کی طرف منتقل ہو گیا تو .... جو زکوٰۃ وصدقات ان پر حرام تھی حلال ہو گئی (طحاوی ۱/۳۰۱) گویا سادات کے لئے زکوٰۃ اس لئے حرام تھی کہ ان کو خمس مل رہا تھا، اب یہ مخصوص مد باقی نہیں رہی، اس لئے اب اس مد سے محروم رکھنا مناسب نہیں۔

ممتاز عالم دین محقق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے ہے کہ گرچہ مجوزین ائمہ کی دلیل پر کلام کی گنجائش ہے، لیکن اس زمانہ میں دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی ذلت (جو سادات کے لئے حرمتِ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد ہے) سے بچانے کے لئے زکوٰۃ کی اجازت اب ایک ضرورت بن گئی ہے اور ضرورت کی بنا پر قولِ ضعیف پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ فقہاء کی صراحتیں اس سلسلہ میں موجود ہیں۔ (دیکھئے اسلام کا نظام عشر و زکوٰۃ /۱۳۰)

پاگل کو زکوٰۃ کی ادائیگی

کیا کسی پاگل شخص کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے؟ (رشیدہ جدہ)

چونکہ پاگل شخص اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہوتا، لہٰذا اسے زکوٰۃ نہ دی جائے، البتہ زکوٰۃ کی رقم سے اس کا کھانا اور کپڑا وغیرہ خریدا جا سکتا ہے (اگر وہ محتاج ومسکین ہو)۔

سگے بھائی بہن کو زکوٰۃ

کیا اپنے سگے بھائی بہن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جی ہاں! اپنے سگے بھائی بہن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اپنے رشتہ داروں کی مدد کرنا زیادہ بہتر و افضل ہے، بہ نسبت اس کے کہ باہر کے کسی غریب کی مدد کی جائے، رشتہ دار کی مدد کرنے سے دو ثواب ملتے ہیں، ایک صلہ رحمی کا اور دوسرے اس مدد کا جو کی جاتی ہے۔ (۱)

صدقہ کے مستحق لوگ

کچھ لوگ اللہ کے نام پر صدقہ وخیرات کرتے ہیں، پھر اس کو چاہے وہ کھانے کی شکل میں ہو یا نقد تقسیم کی شکل میں ہو، سب امیر غریب اپنے استعمال میں لاتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ ——— (عزیز خاں، ریاض)

اگر کوئی شخص کھانا پکاتا اور تقسیم کرتا ہے، یا نقد رقم بانٹتا ہے، یا کوئی جانور ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرتا ہے، اور اس عمل میں صدقہ کی نیت ہو تو یہ صرف غرباء ومساکین، نادار، یتیم اور بیوہ وغیرہ کا حق ہے، اور یہی لوگ اس کے مستحق ہیں، کوئی بھی صاحبِ حیثیت یعنی وہ شخص جو خود کماتا اور کھاتا پیتا ہو اور اس کی معاشی حالت اچھی ہو، اسے ایسی چیز کے لینے یا کھانے پینے کا حق نہیں (۲) ——— شرعاً اس کے لئے یہ ناجائز ہے، البتہ اگر یہ کھانا وغیرہ صدقہ نہیں بلکہ ہدیہ ہو یا کسی خوشی ومسرت کے اظہار کے لئے ہو تو اس میں غریب و

---

(۱) فتح القدیر ۲/۲۰۱۔ انما الصدقات للفقراء الخ، توبۃ/۶۰

مالدار دونوں شرکت کرسکتے ہیں۔

مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم

کیا زکوٰۃ کی رقم عیدگاہ یا مسجد کی تعمیر میں دی جا سکتی ہے؟

(امتیاز احمد، ریاض)

زکوٰۃ کی رقم عیدگاہ یا مسجد کی تعمیر میں نہیں لگائی جا سکتی۔ (۱)

زکوٰۃ کے مستحق لوگ

قرض دار زکوٰۃ لے سکتا ہے لیکن کیا اس سلسلے میں قرض کی کوئی مقدار متعین کی گئی ہے؟ بالفرض اگر کوئی مقروض شخص صاحب جائداد ہو اور اس کی ساری جائیداد رہن میں ہو تو کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ ——— (محمد ساجد، جدہ)

زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کا ذکر سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں موجود ہے، زکوٰۃ اس مسکین کو دی جائے گی جو فقیر و محتاج ہو، صاحبِ جائداد اور مالدار شخص کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، زکوٰۃ لینے کے لئے صرف قرضدار ہونا ہی کافی نہیں ہے، آج کل بہت سے مالدار اور صاحبِ جائداد بھی صرف تعیش یا کاروبار اور تجارت کو فروغ دینے کے لئے بینکوں اور ادھر ادھر سے لاکھوں کروڑوں روپیہ قرض لئے ہوتے ہیں، ایسے لوگ درحقیقت زکوٰۃ کے مستحق نہیں۔

---

(۱) لا یبنی بہا مسجد، ھدایۃ ۱/۱۸۴

صدقۂ فطر

"صدقۂ فطر" کسے کہتے ہیں، اور یہ کن لوگوں پر فرض ہے؟ اور اس کی فرضیت میں شرعاً کیا حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے؟۔

فطر کے معنی روزہ توڑنے اور ختم کرنے کے آتے ہیں، ماہِ رمضان کے اختتام یعنی روزوں کے ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ایک صدقہ فرض کیا ہے جس کو اصطلاحِ شریعت میں صدقۂ فطر کہا جاتا ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ روزہ کی حالت میں روزہ دار سے جو لغو اور نامناسب باتیں اور غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں، ان کا کفارہ بھی اس صدقہ سے ہو جاتا ہے(۱) گویا روزہ دار کو پاک کرنے کے لئے یہ صدقہ فطر فرض کیا گیا ہے، اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے غریبوں کی مدد ہو جاتی ہے، اور عید الفطر کی خوشیوں میں وہ لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

صدقہ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے، چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ۔ نابالغ کی طرف سے اس کے سرپرست والد وغیرہ کو صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے (۲) ــــــــ حتیٰ کہ وہ اپنے اس بچہ کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرے جو عید کے دن صبح صادق سے چند لمحے قبل ہی پیدا ہوا ہو، البتہ ایسے شخص پر محتاج اور غریب ہو، صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، یہ صرف مالداروں پر واجب ہے، ان لوگوں کو بھی از راہِ احتیاط صدقۂ فطر ادا کرنا چاہئے جو شریعت کی اصطلاح

---

(۱) باب ما جاء فی تقدم الصدقۃ قبل الصلوۃ۔ (ترمذی)

(۲) ویخرج عن اولادہ الصغار اذا کانوا فقراء۔ (بدائع ۲/۷۱)

میں مالدار یعنی صاحبِ نصاب، تو نہیں لیکن کھاتے پیتے ہیں، محتاج اور ضرورت مند نہیں ہیں۔ صدقۂ فطر کے لئے روزہ رکھنا بھی شرط نہیں ہے، اس شخص پر بھی یہ واجب ہے جو کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھ سکا ہو۔

صدقۂ فطر کے مستحق

صدقۂ فطر کے مستحق لوگ کون ہیں؟ نیز کیا کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک ہی شخص کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

صدقۂ فطر ان تمام لوگوں کو دیا جاسکتا ہے جن پر صدقۂ فطر واجب نہیں یا جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے (۱) ______ ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک آدمی کو دیا جائے یا کئی آدمیوں کو، دونوں صورتیں جائز ہیں، اسی طرح کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک ہی غریب کو دینا بھی جائز ہے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایک آدمی کو اتنا دیا جائے کہ وہ اپنی کوئی چھوٹی موٹی ضرورت اس سے پوری کر سکے، یا دو تین وقت بال بچوں سمیت کھا پی سکے۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں تاخیر

گذشتہ ماہِ رمضان میں ہم کمرہ والوں نے فطرہ کی رقم جمع کی تھی جو کہ مبلغ ۶۰ ریال ہوئی جو مجھے بطور امانت دی گئی کہ عید الفطر کے بعد یہ پیسے یتیم بچوں کو پاکستان بھیج دیں گے، عید کے بعد میں نے کہا کہ یہ ۶۰ ریال لیں اور جن کے لئے اکٹھے کئے گئے ہیں

---

۱ مصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكاة (هنديه ۱/۱۹۴)

ان کو بھیج دیں لیکن کسی نے بھی یہ ذمہ داری قبول نہ کی، اور ایک دوسرے پر ٹالتے رہے، اب اس رقم کو کیا جائے جب کہ اس پر دس ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے، نیز جن کے لئے رقم جمع کی گئی تھی ان میں سے ایک لڑکا اپنے رشتہ داروں کی مدد سے یہاں سعودیہ پہونچ چکا ہے، کیا میں براہِ راست اسے یہ ۶۰۰ ریال دے دوں؟ اس کی بھی وضاحت فرمائیں کہ میری جیب میں دس ماہ سے یہ ۶۰۰ ریال رہے، اور میری جیب میں ظاہر ہے اپنی رقم بھی رہتی تھی، اس طرح یہ سب پیسے اکٹھے ہو چکے ہیں، اور میں انہیں استعمال کرتا رہا ہوں، کیا مجھے اس کا کوئی کفارہ بھی دینا ہوگا، یا صرف ۶۰۰ ریال دینے کافی ہوں گے؟ (محمد یوسف، جیزان)

صدقۂ فطر کی رقم ماہِ رمضان میں عید الفطر سے چند دن پہلے یا زیادہ سے زیادہ عید کے دن نماز سے پہلے کسی مستحق کو ادا کر دینا چاہیے اس سے زیادہ تاخیر مناسب نہیں، اگر کوئی شخص نمازِ عید تک بھی ادا نہ کرے تو اس کے ذمہ سے اس کی ادائیگی ساقط تو نہیں ہوگی بلکہ اسے ادا کرنا بہر حال ضروری ہوگا لیکن اس کا وہ ثواب نہیں ملے گا جو نمازِ عید سے پہلے تک ادا کر دینے میں ملتا ہے، جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے، (ابن ماجہ) میں سیدنا ابن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کو فرض (ضروری) قرار دیا جو روزہ میں سرزد ہونے والی لغویات اور بے ہودہ باتوں سے پاک کرنے والا اور مسکین کے لئے فراہمی غذا کا ذریعہ ہے، جس نے نماز سے قبل اس کو ادا کر دیا تو وہ مقبول ہے، اور جو نماز کے بعد ادا کرے تو وہ عام صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے۔ (ابن ماجہ باب صدقۃ الفطر کتاب الزکاۃ)

صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت

صدقہ فطر کی ادائیگی کا وقت کیا ہے؟ کیا اسے عید کے دن ادا کرنا چاہیے یا عید سے پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے؟

نماز عید سے قبل صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت ہے، نمازِ عید کے لئے عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دینا چاہیے، البتہ غرباء کی آسانی کے لئے رمضان میں کبھی بھی یا عید سے دو چار دن قبل بھی صدقہ فطر دیا جا سکتا ہے تاکہ وہ لوگ آسانی سے اپنی ضروریات پوری کر سکیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ عید سے ایک دو دن قبل ہی صدقۂ فطر دے دیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے، نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما گھر کے چھوٹے بڑے تمام افراد کی طرف سے صدقۂ فطر دیتے تھے، اور عمران لوگوں کو دیتے جو قبول کرتے، اور وہ لوگ (صحابہ کرام) عید الفطر سے ایک دو دن پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیتے تھے۔

اگر کوئی شخص نماز عید سے قبل صدقۂ فطر ادا نہ کر سکا ہو تو اس سے یہ صدقہ ساقط نہیں ہوگا، بلکہ بعد میں اس کو ادا کرنا ضروری ہوگا، البتہ یہ ثواب کے لحاظ سے عام صدقہ شمار ہوگا۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو فرض قرار دیا، جو روزہ کی لغویات اور بے ہودہ باتوں سے پاک کرنے والا اور مسکین کے لئے فراہمی غذا کا ذریعہ ہے جس نے نماز سے (عید کی نماز) قبل اسے ادا کر دیا تو وہ مقبول ہے اور جو نماز کے بعد ادا کرے تو وہ عام صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے۔ (ابن ماجہ باب صدقۃ الفطر کتاب الزکاۃ)

اگر کوئی صدقہ فطرہ دے تو کیا کریں؟

ہم لوگ جس کفیل کے پاس کام کرتے ہیں وہ ہر سال عید الفطر کے موقع پر زکوٰۃ و فطرہ ہمیں دے دیتا ہے، کیا وہ فطرانہ ہم استعمال کرسکتے ہیں یا کسی دوسرے حاجتمند کو دیدیں؟

(محمد صدیق، بحرین)

جس شخص کو زکوٰۃ یا صدقہ قطر کی رقم دی جائے اگر وہ شخص اس کا مستحق نہیں تو اسے چاہئے کہ یا تو قبول نہ کرے، یا پھر کسی دوسرے مستحق شخص کو دے دے خود استعمال نہ کرے۔

صدقۂ فطر کی مقدار

صدقہ فطر میں کون سی چیز دی جائے، اور اس کی مقدار کیا ہے؟ نیز کیا اس کی قیمت یعنی روپوں کی شکل میں بھی صدقہ فطر کی ادائیگی درست ہے یا نہیں؟

صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور ہے، صحیح بخاری اور بعض دیگر کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر کو فرض قرار دیا۔ ہر مسلمان پر چاہے وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، اور نماز عید سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا۔"[1] اسی طرح ایک متفق علیہ روایت میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم صدقۂ فطر ایک صاع غلہ یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا

ایک صاع منقی، کشمش، دیا کرتے تھے (۱) ـــــــ گیہوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف صاع سے بھی صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا (۲) جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک اس میں بھی صدقۂ فطر کی مقدار ایک صاع ہی ہے (۳)۔ ایک صاع موجودہ پیمائش کے لحاظ سے تقریباً ساڑھے تین کیلوگرام کے برابر ہوتا ہے (۴)، گیہوں، جو، کھجور، منقی، کشمش، یا پنیر وغیرہ کے بجائے اس کی بازار میں موجود قیمت بھی یعنی نقد روپوں کی شکل میں دی جا سکتی ہے، اس طرح بھی صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، یا اتنی قیمت کا کوئی اور غلہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دیا جا سکتا ہے۔

فطرہ کی اپنے ملک میں ادائیگی

کیا فطرانہ کی رقم ہم یہاں سے اپنے ملک بھیج سکتے ہیں؟ یا فون پر اپنے گھر والوں کو بتا سکتے ہیں کہ وہ ہماری طرف سے بھی وہاں فطرانہ ادا کر دیں؟۔

صدقۂ فطر کی رقم اپنے ملک یا کسی دوسرے ملک کے مستحقین تک بھی پہنچائی جا سکتی ہے، اسی طرح فون وغیرہ کے ذریعہ آپ گھر والوں کو بتا سکتے ہیں کہ وہ وہاں آپ کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کر دیں لیکن زیادہ بہتر و افضل بات یہ ہے کہ آپ اپنا صدقۂ فطر یہیں ادا کر دیں اور آپکے گھر والے اپنا فطرہ اپنے ملک میں ادا کر دیں

(۱) ترمذی باب ما جاء فی صدقۃ الفطر کتاب الزکاۃ۔

(۲) بدائع الصنائع ۲/۲۷

(۳) قال مالک والشافعی لا یجزی منہ اقل من صاع وقال ابوحنیفۃ واصحابہ یجزی من البر نصف البر۔ (بدایۃ المجتہد مع الہدایۃ ۵/۱۱۵)

(۴) جواہر الفقہ ۱/۴۲۸، رسالہ "اوزان شرعیہ"

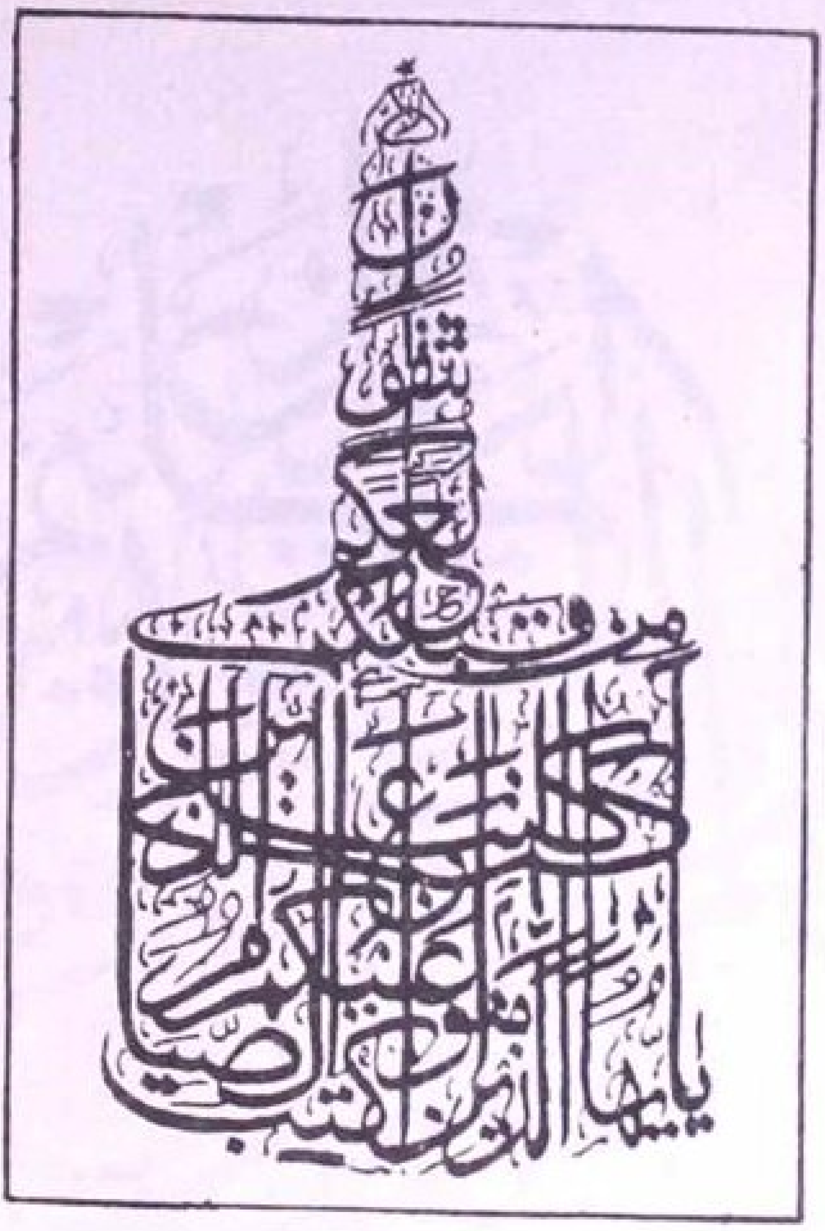

والشمس تجري لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم

سوال و جواب

حصہ اول

پانچواں باب

روزہ


يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون

روزہ کی حکمت

روزہ کیوں فرض کیا گیا ہے روزہ رکھنے کی حکمت اور اسکا مقصد کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

یہ نہایت اہم سوال ہے، ہر روزہ دار کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ آخر روزہ کا حقیقی مقصد اور ہدف کیا ہے؟ کیا روزے سے بندے کو صرف بھوکا پیاسا رکھنا مقصود ہے یا اس کی کوئی حکمت اور مصلحت بھی ہے؟ روزہ کا حکم دیتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد باری ہے "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، شاید تم متقی بن جاؤ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۳) اس آیت سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے کا حقیقی مقصد اور ہدف "حصولِ تقویٰ" ہے، اور تقویٰ کے معنی ہیں "ہر حال میں اللہ سے ڈرنا، اور نیک کام کرتے رہنا"۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھنے کی مشق و تمرین کی جائے"۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بیضاوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روزہ رکھنے کا مقصد محض کھانے پینے سے پرہیز نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ شہوات نفسانی کا توڑ اور نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ بنانا ہے، اگر روزہ رکھنے سے یہ مقصد

(حصولِ تقویٰ) حاصل نہیں ہو رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے روزہ مقبول نہیں۔ (۱)

تقویٰ کا حصول اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان اپنے آپ کو ہر قسم کے صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے دور رکھے، تقویٰ کے حصول کے لئے روزہ دار کو نہ صرف کھانے پینے سے ایک وقت تک دور رکھا گیا ہے بلکہ اسے ہر قسم کے گناہوں سے بھی دور رہنے کا حکم دیا گیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "روزہ صرف کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں، بلکہ ہر قسم کے لغو، فضول اور غلط کاموں سے دور رہنے کا نام روزہ ہے" (۲)۔ ——— روزہ دار روزے کی حالت میں اپنے بدن کے تمام اعضا کی حفاظت کرتا ہے، اور اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھتا ہے، اپنی نگاہوں کو ہر قسم کے حرام اور ناجائز چیزوں کے دیکھنے سے دور رکھتا ہے، اپنے کانوں کی بھی حفاظت کرتا ہے، اپنی زبان کو...... بھی قابو میں رکھتا ہے، اپنے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضائے بدن کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے۔ بخاری کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے "تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اسے چاہئے کہ گناہ اور جہالت کے کاموں سے دور رہے، اگر کوئی شخص اسے گالی دے یا لڑائی جھگڑا کرے تو اسے کہے کہ میں تو روزہ دار ہوں"۔ (۳)

جو لوگ رمضان المبارک کے مقدس ومبارک مہینے میں بھی روزہ

---

(۱) ترمذی: عن ابی ہریرہؓ باب ما جاء فی التشدید فی الغیبۃ للصائم

(۲) صحیح ابن خزیمہ

(۳) بخاری عن ابن جریج باب ھل یقول انی صائم اذا شتم

رکھ کر گناہوں سے باز نہیں آتے اور اپنے اعضائے بدن کی حفاظت نہیں کرتے ان کے بارے میں یہ شدید تنبیہ اور وعید آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو محض کسی کے بھوکے پیاسے رہنے کی ضرورت نہیں (۱)

بلکہ ایک دوسری حدیث میں اس قسم کے روزوں کو ایک طرح کی بھوک ہڑتال قرار دے کر اسے ناقابلِ قبول قرار دیا گیا۔ صحیح بخاری ہی کی روایت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "بہت سارے روزہ دار ایسے ہیں جن کو ان کے روزوں سے صرف بھوک اور پیاس ہی ملتی ہے" (۲) ——— یعنی ان کے حصے میں روزہ کا اجر و ثواب نہیں آتا اور وہ اس کے مستحق قرار نہیں پاتے، لہٰذا ہر روزہ دار کو روزہ کی حالت میں خصوصاً گناہوں سے بچنے کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، اور حصولِ تقویٰ کی زیادہ سے زیادہ فکر کرنی چاہئے تاکہ اسکے روزے اللہ کے یہاں شرف و قبولیت سے نوازے جائیں، اور رمضان کے بعد بھی وہ تقویٰ کے راستہ پر قائم رہ سکے۔

ختمِ قرآن مجید پر روزہ

میرے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ جو آدمی قرآن مجید ایک بار ختم کرے تو اس پر روزہ فرض ہو جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو روزہ کس عمر میں فرض ہے؟ (عبدالصمد وقار ملک خمیس مشیط)

---

(۱) بخاری عن ابی ہریرۃ، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم۔

(۲) ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ، باب ما جاء فی الغیبۃ والرفث للصائم۔

قرآن پاک کے پڑھنے یا ختم کرنے کا روزہ کی فرضیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، روزہ رکھنا ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہے، سوائے بیمار و مسافر کے کہ وہ دوسرے ایام میں ان روزوں کی قضا کرے گا (۱) ــــــــ مسلمان پر رمضان کے روزے بالغ ہونے کے بعد فرض ہو جاتے ہیں۔

روزہ کا حکم

روزہ کس پر فرض ہے اور اس کی فرضیت کا حکم کب نازل ہوا؟

رمضان کا روزہ ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے جو کہ عاقل و بالغ ہوں (۲) ــــــــ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں پر اگرچہ روزے فرض نہیں لیکن وہ سن شعور تک پہونچیں تو عادت کے لئے ان سے روزے رکھوانا چاہئے، روزہ کی فرضیت کا حکم ۲ھ ہجری میں نازل ہوا۔ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ زادالمعاد میں لکھتے ہیں کہ چونکہ ماکولات و مرغوبات اور خواہشات سے انسان کو چھڑانا مشکل ترین کاموں میں سے ہے، اس لئے روزے کی فرضیت میں تاخیر کی گئی، اور ۲ھ ہجری میں اس کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد باری ہے "جو کوئی شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے اس کو چاہئے کہ وہ روزہ رکھے"

(بقرہ / ۱۸۵)

رمضان کی افضل عبادت

---

(۱) بقرہ / ۱۲۳۔

(۲) الفتاوی الهندیہ ۱/ ۱۹۵، فتاوی عیاشیہ ص: ۴۹

رمضان المبارک میں سب سے افضل کونسی عبادت ہے؟۔

یوں تو ماہِ رمضان میں ہر عبادت کا ثواب غیر رمضان سے کئی گنا زائد ملتا ہے لیکن چونکہ رمضان روزہ کا مہینہ ہے جس کی بنا پر اسے ماہِ صیام بھی کہا جاتا ہے اور یہ روزے مسلمانوں پر فرض بھی ہیں، لہٰذا رمضان کی سب سے افضل عبادت تو یہ ہے کہ اہتمام سے تمام آداب و شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے جائیں۔ اس کے علاوہ یہ مہینہ "قرآن کا مہینہ" بھی ہے، اسی مہینے میں قرآن پاک نازل کیا گیا جیسا کہ سورۃ بقرہ میں صراحتاً مذکور ہے شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن (بقرہ: ۱۸۵) اس لئے اس مہینے میں تلاوتِ قرآن بھی اہم عبادت ہے، نیز احادیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس ماہِ مبارک میں کثرت سے جود وسخا کرنے کا ذکر بھی آتا ہے (۱) ——— اس مناسبت سے اس مہینے میں اپنی استطاعت کے مطابق کثرت سے صدقہ خیرات بھی کرنا چاہئے اس کے علاوہ جو بھی نیک کام آدمی کرسکتا ہے، اس کو ضرور کرے، مثلاً نوافل کی کثرت، ذکر اللہ اور استغفار کی کثرت یا ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد واعانت وغیرہ۔

رمضان کے معنی

رمضان کس زبان کا لفظ ہے، اور اس کے معنی کیا ہیں، نیز ماہِ رمضان کو رمضان کیوں کہتے ہیں؟۔

---

(۱) بخاری عن ابن عباسؓ باب اجود ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی رمضان، نسائی عن ابن عباس باب الفضل والجود فی شهر رمضان۔

رمضان عربی زبان کا لفظ ہے جو الرمضار سے نکلا ہے جس کے معنی گرمی کی تیزی، شدت اور تپش کے ہیں، شدید گرمی والے دن کو علمار لغت "رمض الیوم" کہتے ہیں، اسی طرح جب کوئی پرندہ پیاس سے بے چین ہو جائے تو اسے بھی "رمض الطائر" کہتے ہیں (۱) ـــــ ماہِ رمضان میں روزہ رکھنے اور اس کی وجہ سے طویل وقت تک کھانے پینے سے پرہیز کی وجہ سے روزہ دار کے منہ اور پیٹ میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے، اس بنار پر اس کو ماہِ رمضان کہتے ہیں۔ بعض علمائے کہتے ہیں کہ رمضان کو رمضان اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ انسان گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اپنی زندگی کو تباہ و برباد کر لیتا اور جہنم کی سختی اور تپش کا مستحق ہو جاتا ہے پھر اس عالم میں جب رمضان کا مہینہ آتا ہے اور وہ شخص اس مبارک مہینے میں عبادات وطاعات کی کثرت اور توبہ واستغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیتا ہے، تو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما کر دوزخ سے آزادی دے دیتے ہیں، گویا اس کے حق میں اس کے گناہوں اور نارِ جہنم کی تپش ختم ہو جاتی ہے اور سرد پڑ جاتی ہے جو رمضان کی آمد سے قبل تھی۔

روزہ کی نیت

کیا روزے رکھنے کے لئے فجر سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے، یا بعد میں بھی کی جا سکتی ہے؟۔

رمضان المبارک کے (فرض) روزوں کی ادائیگی کی صحت کے لئے رات ہی میں یا صبحِ صادق سے پہلے نیت کر لینا ضروری ہے، ورنہ روزہ صحیح نہ ہوگا مثلاً

---

(۱) المعجم الوسیط ۱ / ۳۷۳

اگر کسی شخص کا بیماری یا سفر یا کسی اور وجہ سے روزہ کا کوئی ارادہ ہی نہ تھا لیکن صبح اس نے ارادہ کر لیا اور روزہ رکھ لیا تو اس کا یہ روزہ نفل تو ہو سکتا ہے لیکن فرض شمار نہ ہوگا، کیونکہ نفل روزہ کی نیت زوال سے قبل تک کبھی بھی کی جا سکتی ہے، اور فرض روزہ کی ادائیگی کے لئے رات میں یا صبح صادق سے پہلے نیت کر لینا ضروری ہے، یہ رائے امام احمد، امام شافعی اور امام مالک کی ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک نصف نہار شرعی تک نیت کر سکتا ہے (المغنی ۳/۷) یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نیت کے صحیح ہونے کے لئے زبان سے چند الفاظ کا پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے، اگر رات سوتے وقت دل میں یہ ارادہ تھا کہ کل میں روزہ رکھوں گا تو بھی کافی ہے، یا رات تو کوئی ارادہ نہ تھا لیکن صبح صادق سے پہلے یہ ارادہ کر لیا تو بھی درست ہے، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں۔

روزہ میں نیت کب کریں؟

رمضان المبارک میں عورت سے ایام مخصوصہ کے روزے جو چھوٹ جاتے ہیں بعد میں اگر وہ عورت روزہ رکھنا چاہے اور رات کو تقریباً گیارہ بجے کھا پی کر روزہ کی نیت کر کے سو جائے تو کیا اس کا یہ روزہ درست ہوگا یا نہیں؟ نیز نفل روزوں میں بھی رات کو سونے سے قبل کھا پی کر روزہ کی نیت کر کے سو جائیں تو روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ —— (ایک سائل، مکہ مکرمہ)

رمضان کے قضا روزوں کی نیت رات میں یا صبح صادق سے پہلے کر لینا ضروری ہے۔ (المغنی ۳/۷)، اور نیت کے لئے زبان سے کسی قسم کے الفاظ ادا کرنا

ضروری نہیں ہے، صرف دل کا ارادہ ہی کافی ہے اور حقیقتاً دل کے ارادہ کا نام ہی نیت ہے، اگر سونے سے قبل کسی شخص نے یہ عزم وارادہ کرلیا کہ کل رمضان کا قضا روزہ رکھوں گا تو اس کا یہ روزہ درست ہے لیکن اگر کسی شخص کا رات میں یا صبح صادق سے پہلے تک روزہ رکھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، پھر دن کے کسی حصے میں اچانک یہ ارادہ کرلیا کہ (چونکہ کچھ کھایا پیا نہیں اس لئے) آج رمضان کا قضا روزہ رکھ لوں گا تو اس کی یہ نیت معتبر نہیں، لہٰذا اس کا قضا روزہ درست نہ ہوگا البتہ نفل روزہ درست ہے اس لئے کہ نفل روزے میں رات سے نیت کرنا ضروری نہیں بلکہ زوال سے پہلے تک بھی نفل روزے کی نیت کی جاسکتی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص صبح سے کچھ کھائے پیئے نہیں، اور اس کو روزے کا بھی کوئی ارادہ نہ رہا ہو لیکن دس گیارہ بجے ارادہ ہوگیا کہ آج نفل روزہ رکھ لوں گا تو اس کا نفل روزہ درست ہے۔

ایامِ بیض کے روزے

ہر ماہ تین دن کے روزے رکھنے کی اصل کیا ہے؟ کچھ ہمارے جاننے والے اس کا بہت اہتمام کرتے ہیں کہیں یہ بدعت تو نہیں؟

ہر ماہ تین دن کے روزے رکھنا مستحب اور بہت زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے، بلکہ اگر کوئی شخص ہر ماہ تین روزے رکھے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے ساری زندگی روزہ رکھا ہو ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہر ماہ تین روزے رکھنا ساری زندگی کے روزے رکھنے کی طرح ہے۔" (۱)

ابن ماجہ عن ابی ذر، باب ما جاء فی الصیام ثلاثۃ ایام من کل شہر۔

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے یہاں دس نیکیوں کے برابر ہے جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا، اب اگر کوئی شخص مہینہ میں تین روزے رکھے تو اجر و ثواب کے لحاظ سے تیس دن یعنی پورا مہینہ روزے رکھنے کی طرح ہے اس طرح جو ہر ماہ پابندی سے تین روزے رکھے تو اس کو ساری زندگی روزہ رکھنے کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں، نسائی کی روایت ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر مہینے تین روزے رکھے تو گویا اس نے سال بھر روزے رکھے (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سچ فرمایا کہ جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اسے دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ بعض صحابہ کرام کو ہر ماہ تین دن روزے رکھنے کی تاکید فرمائی (۲) ——— جن میں سیدنا ابوہریرہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ متفق علیہ روایت ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کی نصیحت کی، ہر ماہ تین دن روزے رکھنے اور چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کی اور اس بات کی کہ میں سونے سے پہلے ضرور وتر پڑھ لوں" (۳)

یہ تین روزے ہر ماہ کسی بھی دنوں میں رکھے جا سکتے ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) ترمذی عن ابی ذر باب ما جاء فی صوم ثلاثۃ من کل شہر۔

(۲) ترمذی عن ابی ھریرہ باب ما جاء فی صوم ثلاثۃ من کل شہر۔

(۳) ترمذی عن ابی ھریرہ باب ما جاء فی صوم ثلاثۃ من کل شہر

کے بارے میں بیان کرتی ہیں "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینہ کے کس حصہ میں روزے رکھیں" یعنی ہر ماہ کوئی بھی تین دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (۱)

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ، اتوار، پیر اور کبھی منگل، بدھ، جمعرات کو روزے رکھا کرتے تھے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ میں ہفتہ، اتوار پیر کو روزے رکھتے تھے اور دوسرے مہینہ منگل بدھ اور جمعرات کو روزے رکھا کرتے تھے۔ (۲)

کسی مہینہ میں ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہفتہ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھ لیتے اور اگلے ہفتہ صرف پیر کے دن کا روزہ رکھتے، اس طرح مہینہ میں تین کی گنتی پوری فرمالیا کرتے تھے جیساکہ نسائی کی روایت ہے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے، ایک ہفتہ میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے اور اگلے ہفتہ صرف پیر کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔ (۳)

ان احادیث کے علاوہ بعض اور روایات سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر ماہ متعین تاریخوں میں تین دن روزہ رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل اور دائمی معمول نہیں تھا، اس کی بے شمار حکمتیں ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص

---

(۱) ترمذی عن ابی یزید لرشک باب ماجاء فی صوم ثلاثة من کل شهر۔

(۲) ترمذی عن عائشة باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس۔

(۳) نسائی عن ام سلمه باب کیف یصوم ثلثة ایام من کل شهر الخ۔

ہر ماہ کے روز روزے کسی بھی تاریخوں میں رکھ لے تو کوئی حرج نہیں لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ مہینہ کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر ایامِ بیض کی ترغیب دیا کرتے تھے، اس لئے ان ایام میں روزہ رکھنا زیادہ بہتر اور پسندیدہ بات ہوگی۔

ہر قمری مہینہ میں ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے دنوں کو "ایامِ بیض" کہتے ہیں۔ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے کہ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے ابو ذر! جب تم مہینہ کے تین روزے رکھو تو تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کے روزے رکھو"۔ (۱)

ابو داؤد کی روایت ہے کہ قتادہ بن طحان رضی اللہ عنہ راوی ہیں فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایامِ بیض یعنی مہینہ کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کو روزہ رکھا کریں اور فرماتے تھے کہ یہ روزے اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہیں"۔ (۲)

کفارۂ قسم اور ایامِ بیض کے روزے

میں نے ایک برے کام کے نہ کرنے کے لئے اللہ کی قسم کھائی مگر دوبارہ وہ کام کر بیٹھا، پھر قرآن مجید کی قسم کھائی کہ اب یہ کام نہیں کرونگا مگر اس کے بعد وہ کام سرزد ہوگیا، جس کی وجہ سے بڑی بے چینی ہے۔ ایک دوست نے کہا کہ آپ ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو روزہ رکھا کریں، میری رہنمائی فرمائیں

---

(۱) نسائی عن ابی ذر باب ذکر الاختلاف علی موسیٰ بن طلحۃ فی الخبر فی صیام ثلثۃ ایام من شہر۔ (۲) ابو داؤد عن قتادہ باب فی صوم الدھر تطوعا

اوران تاریخوں میں روزوں کی حیثیت سے آگاہ کریں۔

(صابر بن ابرار، ریاض)

بار بار قسم کھانا کوئی پسندیدہ بات نہیں، آپ بغیر قسم کھائے اس کام کو ترک کرنے کی کوشش کیجیے، اور مضبوط ارادہ کیجیے، انشاء اللہ وہ برا کام آپ سے چھوٹ جائے گا، نیز اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت اور توفیق کی بھی دعا کرتے رہیے کیونکہ اللہ کی مدد و توفیق کے بغیر نہ نیکی کرنا آسان ہے اور نہ برائی ترک کرنا، نیز قسم جب بھی (بدرجۂ مجبوری) کھائی جائے، اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی جائے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ قرآن پاک یا کسی اور چیز کی قسم کھانا صحیح نہیں۔

آپ نے چونکہ قسم کھا کر اسے توڑ دیا ہے لہٰذا اس قسم کے توڑنے کا کفارہ ادا کریں، ایک مرتبہ قسم کے توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت اپنی استطاعت کے مطابق کھانا کھلائے یا انہیں کپڑا پہنائے، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل تین دن کے روزے رکھے، یہ روزے کبھی بھی رکھے جاسکتے ہیں، مخصوص دن یا تاریخوں میں ان کا رکھنا ضروری نہیں۔

ہر قمری مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کو "ایامِ بیض" کہا جاتا ہے، ان دنوں میں روزہ رکھنا افضل ہے، صحیح احادیث میں اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے، آپ ان دنوں میں روزہ رکھا کریں تو بڑی اچھی بات ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کو بھی اس کا حکم فرمایا تھا (۱) اور خود آپ کا معمول بھی تھا، البتہ یہ روزے نفل ہیں، فرض و واجب نہیں، نیز آپ کے قسم کھانے اور توڑنے کے

---

(۱) نسائی عن ابی ذر باب ذکر الاختلاف ..... فی الخبر فی صیام ثلاثۃ ایام

معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ فی نفسہ ان دنوں میں روزہ رکھنا افضل و بڑے ثواب کی بات ہے۔

شوال کے روزے

شوال کے چھ روزے مسنون ہیں کہ واجب؟ نیز یہ روزے تسلسل سے عید کے بعد فوراً رکھے جائیں یا پورے مہینے میں کسی بھی وقت رکھے جاسکتے ہیں؟۔

رمضان المبارک کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنا سنت ہے، اور یہ نفلی روزے ہیں، فرض و واجب نہیں، احادیث میں ان روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "جس کسی نے رمضان کے تمام روزے رکھے اور پھر شوال کے چھ روزے بھی رکھے گویا کہ وہ سال بھر روزے سے رہا اور اس نے پورے سال روزے رکھے (۱) یہ اس طرح کہ ایک نیکی دس کے برابر ہے، جیسا کہ خود قرآن میں ہے (سورۃ الانعام آیت ۱۶۱) رمضان کے تیس دن، تین سو دن کے برابر اور شوال کے چھ دن ساٹھ دنوں کے برابر، تو مجموعی طور پر یہ تین سو ساٹھ دن بنے جو کہ پورا ایک سال ہے۔

شوال کے روزے عید کے بعد فوراً اور تسلسل سے رکھنا ضروری نہیں ہے، پورے مہینے میں کبھی بھی اپنی سہولت سے یہ روزے رکھے جاسکتے ہیں (۲) اگر کسی کے رمضان کے روزے باقی ہوں تو اسے چاہئے کہ پہلے اپنے قضا روزے

---

(۱) ابوداؤد عن ابی ایوب باب فی صوم ستة ایام من شوال۔

(۲) المغنی ۳/۵۶۔

رکھے کیونکہ وہ فرض ہیں اور پھر بعد میں شوال کے روزے رکھیں۔

یوم عرفہ کا روزہ

کیا یوم عرفہ یعنی ۹ ذوالحجہ کا روزہ رکھنا ہر شخص کے لئے مسنون عمل ہے؟ نیز اس کی فضیلت کیا ہے؟

۹ ذوالحجہ (یوم عرفہ) کا روزہ ہر شخص کے لئے سنت ہے سوائے حاجیوں کے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر اس دن روزہ نہیں رکھا اس لئے حاجیوں کو اس دن روزہ نہ رکھنا ہی بہتر ہے، اس روزے کی فضیلت کے بارے میں صحیح مسلم کی ایک حدیث میں جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یومِ عرفہ کا روزہ رکھنے سے گذشتہ اور آئندہ دونوں سالوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (۱)

نذر کا روزہ

میں نے کسی کام کے لئے روزہ رکھنے کی منت مانی تھی کہ اگر میرا وہ کام ہوگیا تو میں روزہ رکھوں گا، میرا وہ کام نہیں ہوا اس لئے میں نے روزہ بھی نہیں رکھا، کیا روزہ رکھنا ضروری ہے؟ —————— (فیاض احمد اعظمی، عنیزہ)

اگر آپ کا وہ کام ہو جائے تو نذر پوری کرنا یعنی روزہ رکھنا ضروری ہے ورنہ نہیں (۲)۔

---

(۱) ترمذی عن ابی قتادہ باب ما جاء فی فضل صوم یوم عرفۃ۔

(۲) عن نذر نذراً مطلقاً او معلقاً بشرط...... ووجد الشرط لزم الناذر (درمع الردج ۳۹)

انواع واقسام کے کھانے اور افطاری

رمضان المبارک میں عموماً افطاری کے وقت ایک سے زیادہ چیزیں بنائی جاتی ہیں اور انواع واقسام کے کھانے تیار کیے جاتے ہیں، کیا یہ عمل اسراف میں داخل ہے یا جائز ہے؟

(رخشندہ ظفریاب قدوسی، ریاض)

حلال اور مباح اشیاء کھانا اور کھلانا جائز ہے بلکہ پسندیدہ عمل ہے لیکن اس سے بھی بدرجہا بہتر عمل یہ ہے کہ دوسروں کو کھانا کھلایا جائے، خصوصاً روزہ داروں کو افطاری کرائی جائے، اور نادار مفلس غریب لوگوں کو کھانا کھلایا جائے کہ روزہ دار کو افطاری کرانا (خواہ وہ معمولی افطاری ہی کیوں نہ ہو) اس کے ثواب میں برابر کی شرکت کرنا ہے (ترمذی) البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کھانے پینے کی ان اشیاء میں فضول خرچی اور اسراف وتبذیر نہ ہو، کم ازکم چیزیں بنائی جائیں تاکہ اسراف جیسے گناہ سے بچا جاسکے، روزہ کا مقصد حصولِ تقویٰ کے ساتھ کم خوری بھی ہے، افسوس ہے کہ آج ہمارا رمضان کم خوری کے بجائے ماکولات ومشروبات کا مہینہ بن گیا ہے، یہ کوئی اچھی اور مناسب بات نہیں ہے، خواتین کو چاہیے کہ وہ اس بات کا خاص خیال رکھیں فضول خرچی سے دینی ودنیاوی دونوں نقصان ہیں، جب کہ صدقہ وخیرات کے دینی ودنیاوی دونوں قسم کے فائدے ہیں۔

جمعہ کے دن کا روزہ

کیا جمعہ کے دن روزہ رکھا جاسکتا ہے؟ ایک صاحب نے

کہا کہ یہ حرام ہے، صحیح بات کیا ہے؟ (معراج احمد خاں، ریاض)

فی نفسہٖ جمعہ کے دن روزہ رکھنا حرام تو نہیں لیکن بعض حکمت و مصلحت کی بنا پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا، چنانچہ صرف جمعہ کے دن نفل روزہ رکھنا درست نہیں، البتہ جمعہ کے دن کے ساتھ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھ لیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور یہ جائز ہے، اسی طرح اس دن فرض و واجب روزہ (جیسے قضاء رمضان یا نذر کا روزہ) بھی رکھا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح مسلم کی ایک روایت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیں ملتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام (یعنی نماز و عبادت) کے لئے اور دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے خاص نہ کرلو" (۱) ـــــــــــ ایک متفق علیہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تم میں سے کوئی (صرف) جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے" (۲) ہاں اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا ملا کر رکھ لے۔ اسی طرح ایک روایت ہمیں ملتی ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین جویریہؓ بنت الحارث کے ہاں تشریف لے گئے، وہ اس دن روزہ سے تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو پوچھا کہ کیا تم کل بھی روزہ سے تھیں؟ جواب دیا نہیں اس پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے ام المومنین نے جواب دیا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر

---

(۱) مسلم عن ابی ھریرۃ باب کراھۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم لا یوافق عادتہ۔

(۲) ترمذی عن ابی ھریرۃ باب ما جاء فی کراھیتہ صوم یوم الجمعۃ وحدہ۔

ایسا ہے تو آج بھی افطار کرلو یعنی روزہ توڑ دو۔

پیر اور جمعرات کا روزہ؟

پیر اور جمعرات کو نفل روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟۔

(محمد طیب حسین، طائف)

پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا مستحب یعنی بہتر اور پسندیدہ بات ہے، سنن ترمذی کی روایت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہمیں ملتا ہے کہ آپ نے فرمایا "پیر اور جمعرات کو اعمال نامے پیش کئے جاتے ہیں، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب میرا اعمال نامہ پیش ہو تو میں روزہ کی حالت میں رہوں" لہٰذا ان دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے (۱)

حرام روزے

سال میں کتنے دن روزہ رکھنا حرام ہے؟۔

(جام غلام محمد، جدہ)

سال میں پانچ دن روزہ رکھنا حرام ہے، کسی صورت میں جائز نہیں، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور اس کے بعد کے تین دن، یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ (۲) اس کے علاوہ بعض صورتوں میں دیگر ایام میں بھی روزہ رکھنے سے شریعت نے منع کیا ہے مثلاً صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا اور اس دن کو روزہ کے لئے خاص کر لینا،

---

(۱) ترمذی عن ابی ھریرۃ باب ما جاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس

(۲) المغنی ۳/۵۱

اگر اس کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کے دن بھی روزہ رکھ لیا جائے تو جائز ہے اسی طرح رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو یوم الشک (یعنی ۳۰ شعبان) کو روزہ رکھنا بھی ممنوع ہے، ہاں اگر کسی شخص کا کسی دن روزہ رکھنے کا معمول ہے، اور یوم شک اسی دن آجائے تو اس کے لئے روزہ رکھنا جائز ہے (۱) ایسے ہی صرف دسویں محرم کو روزہ رکھے تو یہ مکروہ ہے، اگر ایک اور روزہ اس کے ساتھ ۹ محرم یا ۱۱ محرم کو رکھ لے تو پھر مکروہ نہیں۔ (ہندیہ ۱/۲۰۲)

افطار کی مسنون دعاء

رمضان المبارک میں روزہ افطار کرتے وقت کی مسنون دعا کیا ہے؟ ——— (زردوست خان، حائل)

رمضان ہو یا غیر رمضان روزہ افطار کرنے کی مسنون دعا یہ ہے

اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت (ترجمہ: اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا) پھر افطار کر چکنے کے بعد یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے (۲)

ذھب الظما وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ (ترجمہ: پیاس دور ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور روزہ کا ثواب انشاء اللہ ثابت ہوگیا) سنن ابوداؤد کی روایت سے ان دونوں دعاؤں کا پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (۳)

---

(۱) المغنی ۳/۵۲، قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ۱/۲۰۶۔

(۲) ابوداؤد عن معاذ بن زھرۃ باب القول عند الافطار۔

(۳) ابوداؤد عن ابن عمر باب القول عند الافطار۔

روزہ میں سرمہ، تیل اور مسواک کا استعمال

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سرمہ لگانا، بالوں میں تیل لگانا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا وغیرہ ان کاموں سے روزہ خراب ہو جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ ______ (عابد حسین، الباحہ)

روزہ کی حالت میں مسواک کرنا، سرمہ لگانا، تیل و خوشبو لگانا یہ سب کام جائز ہیں، ان سے روزہ خراب نہیں ہوتا۔

روزہ میں مسواک

روزے کی حالت میں اور ویسے بھی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسواک کرتے ہوئے مسوڑھوں سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے، کیا یہ وضو اور روزے کو متاثر کرتا ہے؟۔

(حبیب الدین خواجہ۔ عنیزہ)

غیر ارادی طور پر بدن کے کسی حصے سے خون کے نکلنے سے روزہ متاثر نہیں ہوتا چونکہ مسواک کی وجہ سے آپ کے مسوڑھوں سے خون نکلتا ہے لہٰذا آپ کوشش کریں کہ مسواک وضو کے دوران ہی استعمال کریں، اور ہلکا استعمال کریں، خون نکلے تو اس کے رکنے اور بند ہونے کے بعد وضو مکمل کریں، روزے کی حالت میں مسواک کا استعمال جائز ہے، اس سے روزہ متاثر نہیں ہوتا۔ (البتہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے)۔ (قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۱/۲۰۶)

روزے میں سرمہ کا استعمال

کیا رمضان میں روزہ کی حالت میں تیل یا سرمہ یا مسواک کا استعمال کیا جا سکتا ہے؟۔

جی ہاں! یہ جائز ہے۔ (۱) حدیث سے بھی اس کا جواز ثابت ہے

روزہ میں احتلام

احتلام سے غسل واجب ہو جاتا ہے لیکن کیا اس سے روزہ بھی فاسد ہو جاتا ہے؟ (زرین گل، محمد خان خشک، جدہ)

غیر ارادی طور پر یا نیند میں احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ غسل واجب ہے۔ (۲)

روزہ میں ہمبستری

آدمی کیا روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے؟ ——— (اشرف علی، الجمعہ)

روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ صحبت جائز نہیں، اس سے روزہ تو ٹوٹ ہی جائے گا مگر اس کے ساتھ روزہ کی قضا اور کفارہ دونوں ادا کرنے ہوں گے، اور رمضان کے روزوں کو اس طرح عمداً توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے یا ساٹھ دن تک مسلسل روزے رکھے جائیں اگر اسکی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلایا جائے نیز ساٹھ روزے

---

(۱) قاضی خان علی هامش الہندیة ۱/۲۰۵

(۲) مشکوٰۃ عن ابی سعید الخدری باب تنزیہ الصوم الفصل الثالث۔

تسلسل کے ساتھ، ختم ہونے تک بیوی سے صحبت بھی جائز نہیں ہوگی۔ (۱)

روزے کی حالت میں اگر بیوی کے ساتھ اپنی خواہش پوری کی جائے تو کیا اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا؟

(شیخ عبدالقدیر۔ بنی سعد)

روزہ تو نام ہی اس کا ہے کہ صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک بہ نیت روزہ کھانے پینے اور بیوی سے صحبت کرنے سے آدمی رکا رہے، تو اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں اپنی نفسانی خواہش پوری کرتا ہے، اور بیوی سے صحبت وجماع کر بیٹھتا ہے تو اس کا روزہ کیسے باقی رہے گا؟ اس حرکت سے نہ صرف روزہ ٹوٹ جاتا ہے بلکہ اگر یہ کام آدمی ماہِ رمضان میں روزہ رکھ کر (روزہ کی حالت میں) کرے تو اس پر روزہ کی قضا کے ساتھ کفارہ بھی دینا پڑے گا اور اسکا کفارہ یہ ہے کہ آدمی ساٹھ دن تک مسلسل روزہ رکھے۔ (۲)

مخصوص ایام کے روزے نماز

ناپاکی کے ایام میں عورتیں نہ نماز پڑھ سکتی ہیں، نہ روزے رکھ سکتی ہیں، لیکن پاک ہونے کے بعد کیا ان کی قضا ضروری ہے یا وہ معاف ہیں؟

(عارف لنور مکہ مکرمہ)

ناپاکی کے ایام میں عورتوں کے لئے نماز تو معاف ہے، پاک ہونے کے بعد ان کی قضا ضروری نہیں لیکن روزوں کی قضا ضروری ہے۔ (۳)

---

(۱) مجادلہ: ۴

(۲) المغنی ۱۰۴/۱

(۳) والحیض یسقط عن الحائض الصلاۃ ویحرم علیھا الصوم وتقضی الصیوم ہدایہ ۱/۲۶

جنابت کی حالت میں روزہ

ہمارے ایک دوست نے رمضان کی ایک رات بیوی سے مجامعت کی پھر سحری کھا کر روزہ کی نیت کرلی، لیکن غسل انہوں نے صبح دس بجے کیا، کیا ان کا یہ روزہ صحیح ہے؟

جی! روزہ تو صحیح ہے لیکن نماز ترک کرنے کا گناہ ان کے سر پر ہے کسی فرض نماز وں کا چھوڑنا ویسے بھی گناہِ کبیرہ ہے، لیکن رمضان جیسے مقدس اور بابرکت مہینہ میں اور روزہ کی حالت میں نماز چھوڑنے سے یقیناً یہ گناہ اور بھی بڑھ جاتا ہے، اس طرح اجر و ثواب کے لحاظ سے روزہ بھی ناقص رہے گا، لیکن روزہ کے صحیح ہونے کے لئے پاک ہونا یا نمازوں کا پڑھنا شرط نہیں ہے اس لئے اس طرح کرنے سے روزہ کی فرضیت تو ادا ہو جائے گی مگر ثواب کم ملے گا اور زیادہ دیر تک ناپاک رہنے اور نمازوں کے ترک کرنے کا گناہ زیادہ۔(۱)

ماہِ رمضان میں غسل

کیا رمضان المبارک کے دنوں میں غسل کرنے سے روزے پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ ——— (زردست خاں خمیس مشیط)

دن میں کسی بھی وقت روزے کی حالت میں غسل کرنے سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (۲)

---

(۱) المغنی ۳/۳۸۔

(۲) حوالہ سابق۔

روزہ میں غسل کرنا

روزے کی حالت میں گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ٹھنڈے پانی کا بہانا اور جسم کو ٹھنڈا رکھنا کیسا ہے؟ (عبداللہ فرحان بیگ، مدینہ منورہ)

روزے کی حالت میں اگر گرمی محسوس ہو تو ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا اور جسم کو ٹھنڈا رکھنا جائز ہے۔ (۱)

بیماری میں روزہ کا فدیہ

ہماری والدہ کو گردے کی بیماری کی شکایت ہے جس کی وجہ سے وہ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتیں، کیا بیمار کیلئے روزے معاف ہیں یا اس کا کفارہ دینا ہوگا، نیز کفارے میں روزہ داروں کو کھانا کھلانا ہوگا یا پیسے دینا ہوں گے؟ ہم لوگ والدہ کیطرف سے روزہ داروں کو تین سو روپے دیتے ہیں، کیا یہ عمل جائز ہے؟

(عائشہ صادق۔ جدہ)

اگر بیماری ایسی ہو کہ اب اس کے دور ہونے کی توقع نہ ہو، تو ایسے بیمار کے لئے رمضان کے روزے معاف تو نہیں لیکن ہر روزے کے بدلے فدیہ ادا کرنا ہوگا، اور فدیہ یہ ہے کہ ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو (دو وقت) کھانا کھلائے (یا اس کے برابر قیمت بھی دی جاسکتی ہے) فدیہ کے لئے روزہ دار ہونا ضروری نہیں، بلکہ مسکین و محتاج اور ضرورت مند کو فدیہ کی رقم دی جائے اگر کوئی روزہ دار مسکین نہیں ہے تو اس کو فدیہ کی رقم دینے سے فدیہ ادا نہ ہوگا۔

---

(۱) المغنی ۳/۱۸

اگر بیماری عارضی ہے تو تندرستی کے بعد روزوں کی قضا رکھنا ضروری ہے"۔(۱)

روزہ کی حالت میں ضیافت

کیا مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں روزہ کی حالت میں غیر مسلم مہمان کی ضیافت کرے اور کھلائے پلائے؟۔

میزبان کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے مہمان کی ضیافت اور اس کے اکرام میں نفل روزے کو توڑ دے اور بعد میں اس کی قضا رکھ لے، رمضان کے مہینے میں فرض روزہ تو توڑا نہیں جاسکتا لیکن ایسی حالت میں کسی غیر مسلم کی ضیافت کرنے اور اسے کھلانے پلانے میں کوئی قباحت نہیں۔ (۲)

سفر میں روزہ

میں رمضان کی ستائیسویں شب حرم شریف میں گزارنا چاہتا ہوں، میری ملازمت ریاض میں ہے، میں یہاں سے ۲۶ دِیں روزے کو نکلوں گا، تو کیا مجھے ضروری روزہ چھوڑنا پڑے گا کیونکہ سفر میں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوگی، اس لئے میں روزہ چھوڑنا نہیں چاہتا، میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟۔

(عبدالرؤف شیخ۔ ریاض)

سفر اگر آرام دہ ہے، اور روزہ رکھنا کسی مشقت و تکلیف کا باعث نہیں

---

(۱) بقرہ / ۱۸۴

(۲) ہندیہ ۱/ ۲۰۸

ہے تو آپ حالتِ سفر میں بھی روزہ رکھ سکتے ہیں، تاہم حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنا ہی افضل اور بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو آسانیاں دی ہیں وہ پسند کرتا ہے کہ بندے ان آسانیوں سے مستفید ہوں۔ (۱)

دو اہم دعائیں

رمضان المبارک کے ان مبارک شب و روز میں یقیناً دعائیں قبول ہوتی ہیں، میں ایک عمر رسیدہ عورت ہوں، اس وقت تقریباً ۸۰ سال کے قریب میری عمر ہو گئی ہے، آپ سے فون پر کئی اہم دعائیں سیکھ چکی ہوں اور پڑھتی رہتی ہوں، اسی مناسبت سے عرض ہے کہ کوئی اچھی سی اہم دعائیں بتا دیجئے جو مجھ جیسی بڑھیا پڑھتی رہے، شاید رب کریم ان دعاؤں ہی کی وجہ سے رحم فرما کر نجات و مغفرت کا فیصلہ فرما دے۔ (ایک خاتون، جدہ)

آپ کے پڑھنے کے لئے دو دعائیں لکھ رہا ہوں، ان دعاؤں کو دوسری دعاؤں کے ساتھ ملا کر پڑھتی رہیں:

"اللھم اجعل اوسع رزقك علیّ عند کبر سنی وانقطاع عمری" (۲)

ترجمہ: اے اللہ! مجھ پر تو اپنے رزق کو وسیع کر دے، میرے بڑھاپے اور عمر کے انقطاع کے وقت۔ دوسری دعا یہ ہے: اللھم اطل حیاتی علیٰ طاعتك و احسن عملی واغفرلی (۳) ترجمہ: اے اللہ! میری زندگی کو اپنی اطاعت و

---

(۱) ہندیہ ۱/۲۰۵

(۲) الترغیب والترہیب ۵۸۶، باب الادعیۃ الصالحۃ

(۳) الادب المفرد ۲/۱۰۶، باب من دعا بطول العمر

دراز فرما، اور میرے عمل کو اچھا بنا اور میری مغفرت فرما۔

سحری کے بغیر روزہ

میں بحمداللہ تمام روزے مکمل پابندی سے رکھتا ہوں، اب اسی سال کچھ دوستوں نے میرے ذہن میں ایک شک وشبہ ڈال دیا ہے، میں اپنی طبیعت وعادت کے مطابق رات ایک بجے کھانا وغیرہ کھا کر سو جاتا ہوں، سحری کے وقت صرف ایک کپ دودھ یا پانی پی کر روزہ کی نیت کر لیتا ہوں، دوستوں کا کہنا ہے کہ سحری کے بغیر روزہ نہیں ہوتا، کیا میرا یہ عمل درست ہے؟

(ارشاد احمد چغتائی۔ طائف)

روزہ رکھنے کی خاطر سحری کرنا مستقل عملی سنت ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کھانے کی تاکید فرمائی ہے، مثلاً ارشاد ہے "جو روزہ رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ سحری کسی نہ کسی چیز سے ضرور کرلے" (۱)، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سحری کو غذائے مبارک یعنی مبارک کھانا کہا ہے۔ (۲)

سحری کو برکت بھی کہا گیا ہے۔ (۳)

آپ کے تمام روزے بالکل صحیح ہیں، اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کیجئے، چونکہ آپ سحری کے وقت کچھ نہ کچھ کھا پی لیتے ہیں جو کہ سحری ہی ہے۔

---

(۱) سنن النسائی ۴/ ۱۴۵ افضل السحور

(۲) سنن النسائی ۴/ ۱۴۶ تسمیۃ السحور غداء

(۳) سنن النسائی ۴/ ۱۴۵ دعوۃ السحور

سحری کا یہ معنی قطعاً نہیں ہے کہ آدمی سحری میں اتنا کھا پی لے کہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ ہو سکے، ہلکی پھلکی غذا بھی کافی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سحری میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑنا، اگر کچھ نہ ہو تو پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا کرو، کیونکہ سحری کرنے والوں پر اللہ تعالی رحمت نازل فرماتا ہے' اور فرشتے ان کے لئے دعا کرتے ہیں" (۱) سحری کی اس فضیلت کے باوجود روزہ کے صحیح ہونے کے لئے سحری ضروری نہیں ہے، اگر کوئی شخص کسی وجہ سے بالکل سحری نہ کھائے اور سحری کے بغیر ہی روزہ کی نیت کرلے تو اس کا روزہ بالکل صحیح اور درست ہے' البتہ وہ شخص سحری کی برکت اور اجر و ثواب سے محروم رہے گا۔

سحری کے بغیر روزہ

سحری کے لئے لوگوں کو اٹھانے یعنی نیند سے بیدار کرنے کے
ہمارے ہاں مختلف ٹولیاں سحری کے وقت لوگوں کو نیند سے
اٹھاتی ہیں، کیا یہ کام باعثِ اجر و ثواب ہے؟

کسی بھی نیک کام اور خیر و بھلائی والے عمل کے لئے لوگوں کو دعوت دینا، رغبت دلانا اور کوشش کرنا بڑی نیکی ہے بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا ہے "نیکی کی طرف دعوت دینے (نشاندہی کرنے) والا ایسا ہے جیسے اس نے خود یہ نیکی انجام دی ہو" (۲)

(۱) مجمع الزوائد عن ابی سعید الخدری ۳/۱۵۰ باب ماجاء فی السحور

(۲) ترمذی عن انس باب ما جاء ان الدال علی الخیر کفاعله' ابواب العلم

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے "جس کسی نے ہدایت (یا نیکی کے کسی کام) کی طرف دعوت دی، اس کے لئے ویسا ہی اجر ہے جیسا ان کے لئے ہے جو اس کی دعوت کی وجہ سے یہ کام انجام دیں۔ (۱)

سحری کے لئے لوگوں کو نیند سے بیدار کرنا یقیناً ایک بڑی نیکی ہے یہ نیک کام کرنے والے لوگ اگر دو باتوں کا خیال رکھیں تو ان کو تمام لوگوں کے اجر و ثواب کے برابر اجر و ثواب ملے گا، پہلی بات یہ ہے کہ یہ کام پیسہ کمانے ریاکاری اور دوسرے کسی دنیاوی غرض کی خاطر نہ ہو، ورنہ تمام اجر و ثواب ضائع ہو جائے گا، البتہ اگر لوگ اپنی طرف سے کچھ دینا چاہیں تو وہ الگ بات ہے، دوسری اہم بات یہ ہے کہ لوگوں کو نیند سے بیدار کرنے کی خاطر ڈھولک وغیرہ استعمال نہ ہوں کہ یہ آلات غناء ہیں اور حرام ہیں، اگر ان دونوں باتوں کا خیال رکھا جائے اور اخلاص کے ساتھ یہ کام کیا جائے تو یہ ایک بڑی نیکی ہے

کیا فلم دیکھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

کیا روزے کی حالت میں ویڈیو فلم وغیرہ دیکھنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ میرے بعض دوست کہتے ہیں کہ ویڈیو دیکھنے سے روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ موسیقی سننے سے، ان چیزوں سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟ ——— (مقبول الٰہی۔ ابہا)

یہ اگرچہ مفسدات صوم (روزہ توڑنے والی چیزوں) میں سے نہیں ہے، اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن ایسے روزے سے کوئی فائدہ بھی نہیں، فلم اور

---

(۱) ابن ماجہ عن جریر باب من سنّ سنّۃً حسنۃ او سیئۃ

موسیقی وغیرہ حرام کاموں کا ارتکاب عام دنوں میں بھی گناہ اور باعثِ عذاب ہے، لیکن رمضان جیسے مقدس اور مبارک مہینے میں اور روزے کی حالت میں ان کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے، لہٰذا خصوصیت کے ساتھ رمضان المبارک میں اور روزہ رکھ کر ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں روزہ فرض کیے جانے کا مقصد ہی یہ قرار دیا ہے کہ شاید اس سے تمہارے اندر تقویٰ اور اللہ سے ڈرنے کی صفت پیدا ہو (البقرہ ۱۸۳) اگر کسی درجہ میں بھی یہ مقصد حاصل نہ ہو اور اس کے حصول کی کوشش نہ کیجائے تو روزے کی نیت سے بھوکے پیاسے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں، نہ اس سے روزے کا ثواب مل سکے گا اور نہ روزہ داروں والا مقام و مرتبہ۔

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں روزے کے اس پہلو کی طرف بھی کافی توجہ دی گئی ہے، صحیح ابن خزیمہ صحیح ابنِ حبان اور مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ میں جھگڑا اور لغو کاموں اور باتوں سے بھی رکنا ہے ہے، اگر تمہیں کوئی گالی دے یا تمہارے ساتھ نادانی سے پیش آئے تو تم یہ کہو کہ میں روزہ سے ہوں، میں روزہ سے ہوں" (۱)

اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہمیں ملتا ہے کہ بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے حصے میں روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ نہیں ہوتا" (۲)

---

(۱) بخاری عن ابن جریح باب ھل یقول انی صائم اذا شتم۔

(۲) بخاری عن ابی ھریرۃ باب من لم یدع قول الزور۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص جھوٹ بات یا ناجائز کام نہ چھوڑے تو اللہ کو ایسے شخص کے کھانا پانی چھوڑنے کی (یعنی روزہ رکھنے کی) کوئی ضرورت نہیں ہے" (۱) لہٰذا روزے رکھ کر نہ صرف حرام کاموں سے بچنا چاہیئے بلکہ لغو کاموں اور ناپسند باتوں سے بھی بچتے رہنا چاہیے تاکہ روزے کا ثواب اور اس سے مکمل فائدہ حاصل ہو سکے۔

قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

کیا روزہ کی حالت میں قے آنے سے روزہ متاثر ہوتا ہے؟

(عارف بنگش۔ ریاض)

قے اگر عمداً نہیں کی گئی ہے بلکہ غیر ارادی طور پر قے ہو گئی ہے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (۲)

پہلے فرض روزوں کی قضا یا نفل روزے

ماہِ رمضان میں آپ کا مضمون پڑھا جس میں لکھا تھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رمضان کے قضا روزے آنے والے شعبان میں رکھتی تھیں، پھر حال ہی میں ایک جواب میں آپ نے لکھا کہ ماہِ شوال میں پہلے قضا روزے رکھے جائیں پھر شوال کے روزے، تو کیا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شوال کے

---

(۱) بخاری: عن ابی ھریرۃ باب من لم یدع قول الزور

(۲) مشکوٰۃ عن ابی سعید الخدری باب تنزیہ الصوم الفصل الثالث۔

روزے نہ رکھتی تھیں؟ اگر ہم ماہِ شوال میں شوال کے چھ روزے
رکھ لیں پھر آئندہ کبھی بھی رمضان کے قضا روزے رکھ لیں، تو
کیا حرج ہے؟ کیونکہ رمضان کے قضا روزے کبھی بھی رکھے جا سکتے
ہیں اور شوال کے روزے ظاہر ہے شوال ہی میں رکھے جاتے
ہیں، جواب دے کر امید ہے کہ الجھن دور فرمائیں گے۔

(م۔م جدہ)

اگر کوئی شخص شوال کے مہینے میں چھ نفل روزے رکھ لے پھر کسی اور مہینے میں رمضان میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کر لے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن چونکہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور ان کی قضا بھی فرض ہے، اور شوال کے روزے نفل ہیں، اور فرض کی ادائیگی نفل پر ہر حال میں مقدم ہے، اس لئے ہم نے لکھا کہ پہلے قضا روزے رکھ لئے جائیں تاکہ فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے کیونکہ نفل روزے اگر کوئی شخص نہ رکھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اس کے برخلاف اگر کوئی فرض روزے چھوڑ دے تو اس پر گناہ اور مواخذہ ہوگا، اس لئے اس کی ادائیگی کی زیادہ فکر ہونی چاہیے۔

قضا روزے رکھنے میں شریعت نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا ہے، اس میں تاخیر بھی جائز ہے، اگر بلا وجہ تاخیر کرے اور ادائیگی سے پہلے ہی انتقال کر جائے تو گنہگار ہوگا اور اگر تاخیر ہی سے سہی روزے رکھ لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، تاخیر کے جائز ہونے کے سلسلے میں ایک روایت ذکر کی گئی جس میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے شعبان میں رمضان کے قضا روزے رکھے۔ اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ ام المومنین ہر سال رمضان کے قضا روزے شعبان میں رکھا کرتی تھیں، اور نہ یہ مطلب ہے

کہ شوال کے روزے بالکل نہ رکھتی تھیں، پھر شوال کے روزے تو نفل ہیں، فرض و واجب تو نہیں، اگر بالفرض کسی سال ام المومنین نے شوال کے روزے نہ رکھی ہوں تو اسمیں تعجب کی کیا بات ہے؟۔

روزہ کی قضا

مجھے دمے کی شکایت ہے، رمضان المبارک میں ہلکی سی کھانسی سے سانس پھول گیا، میں نے روزہ کی حالت میں فوری طور پر دوائی لی، مجھے کفارے کے طور پر کیا کرنا چاہیئے؟

(شہلا گل)

آپ صرف روزہ کی قضا کرلیں، احناف کے یہاں بھی عمداً کھا پی کر روزہ توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے، بدرجہ مجبوری روزہ توڑنے کی صورت میں صرف قضا کافی ہے، دیگر ائمہ کے یہاں تو صرف بیوی سے عمداً صحبت کرنے کی صورت ہی میں قضا کے ساتھ کفارہ واجب ہے، دوسری کسی صورت میں کفارہ واجب نہیں۔ (۱)

فرض قضا روزے نفل پر مقدم ہیں

اگر کسی وجہ سے رمضان کے روزے چھوٹ جائیں تو شوال کے مہینے میں پہلے رمضان کے قضا روزے رکھیں یا شوال کے چھ روزے؟

(صفیہ جدہ)

---

(۱) المغنی ۲۲/۳

رمضان کے روزے چونکہ فرض ہیں، اس لئے اگر یہ چھوٹ جائیں تو عذر کے ختم ہونے کے بعد جتنا جلد ہو رکھ لینا چاہیے، شوال کے چھ روزے نفل ہیں، اس لئے پہلے رمضان کے قضا روزے رکھیں، پھر شوال کے روزے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

بارہ ربیع الاوّل کا روزہ

ہمارے ہاں ۱۲ ربیع الاول کو جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جوش و خروش کے ساتھ منایا جاتا ہے، مساجد میں اجتماعات ہوتے ہیں، اور دن کو روزہ (نفلی) رکھا جاتا ہے، کیا یہ عمل جائز ہے؟ ——— (محمد شہباز کمبوہ، جدہ)

ربیع الاول کا مہینہ دوسرے مہینوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ایک مہینہ ہے، کسی بھی صحیح حدیث سے اس مہینے کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہے، ۱۲ ربیع الاول کو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا، نہ صحابہ کرام میں سے کسی نے روزہ رکھا اور نہ ہی تابعین وسلفِ صالحین نے اس دن نفلی روزہ رکھا، اس دن کو جشنِ عید کہہ کر لکھنا بھی ثابت نہیں ہے، یہ تمام بدعتیں ۶۰۰ھ کے بعد پیدا ہوئی ہیں، قرونِ اولیٰ کے بہترین زمانوں میں اس قسم کی کوئی بھی بدعت ہمیں نظر نہیں آتی۔ بارہ ربیع الاول کو جشن عید میلاد کہہ کر منانا اگر باعثِ ثواب ہوتا تو صحابہ وتابعین اور قرونِ اولیٰ کے مسلمان ضرور یہ اہم نیکی انجام دیتے، ہمارے لئے بحیثیتِ مسلمان قرآن وسنت اور صحابہ کرام نمونہ و اسوہ ہیں، جو کچھ ان سے ثابت ہو وہ دین ہے، جو ان سے ثابت نہ ہو وہ بدعت اور گمراہی ہے۔

اعتکاف کے چند مسائل

ماہِ رمضان میں میرے چند دوست اور میں مسجد حرام میں اعتکاف بیٹھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس ضمن میں چند سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں:

۱۔ کیا ہم کھانا ہوٹل جاکر کھا سکتے ہیں؟ کیونکہ ہمارے ساتھ حرم شریف میں کھانا لاکر دینے والا نہیں۔

۲۔ کیا ہم اعتکاف کے دوران حرم شریف میں کہیں بھی بیٹھ سکتے ہیں، جب کہ دیگر مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھنے والے ایک کونہ منتخب کر لیتے ہیں، اور حرم شریف میں ایسا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

۳۔ اعتکاف کی حالت میں عمرہ کی ادائیگی اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا جاسکتا ہے؟۔

حالتِ اعتکاف میں رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے مقاماتِ مقدسہ جبل نور، جبل رحمت وغیرہ جاسکتے ہیں یا نہیں؟۔

۴۔ جنت المعلیٰ میں میرے والد کی قبر ہے کیا میں دعا یا تلاوت کیلئے ان کی قبر پر جاسکتا ہوں؟ (یوسف حسین۔ الاحساء)

اعتکاف کی حالت میں اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو آپ ضرورت کے تحت کھانا کھانے باہر جاسکتے ہیں۔ (۱)

۱۔ اعتکاف کے لئے آپ حرم میں کسی بھی جگہ بیٹھ سکتے ہیں۔

---

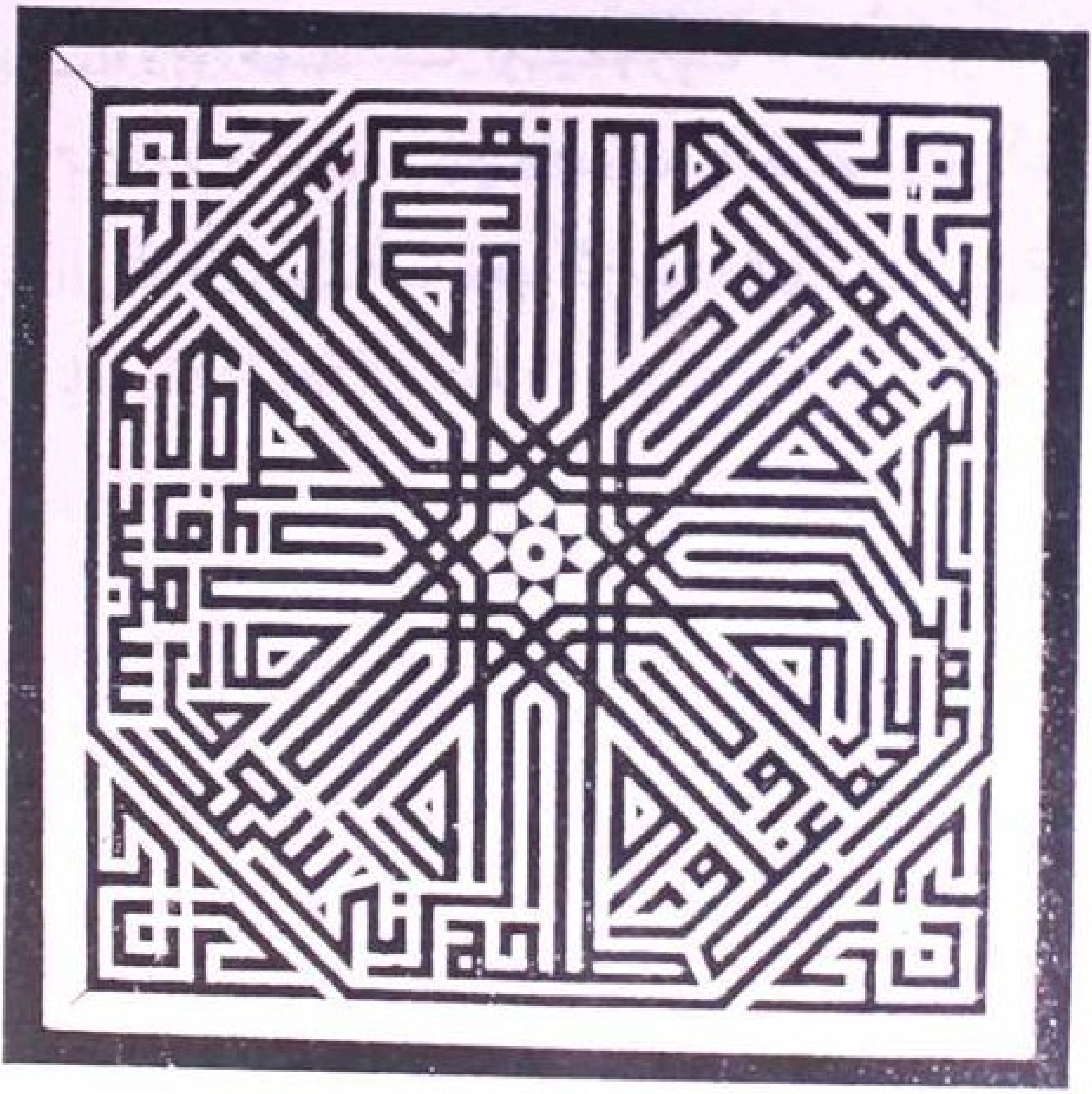
(۱) المغنی ۳/۸۰

۳۔ اعتکاف کی حالت میں طواف کرنا جائز ہے البتہ عمرہ نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ اعتکاف کی حالت میں جبل نور جبل رحمت وغیرہ جانا بھی منع ہے۔

۵۔ حالتِ اعتکاف میں قبرستان جانا بھی صحیح نہیں۔

معتکف کو چاہیئے کہ اپنا پورا وقت مسجد ہی میں گذارے، صرف شدید ضرورت اور مجبوری کے تحت مسجد سے باہر نکلے...... جیسے کھانا پینا اور قضاءِ حاجت وغیرہ، نیز حالتِ اعتکاف میں زیادہ سے زیادہ وقت تلاوت ذکر و دعا اور طوافِ بیت اللہ شریف وغیرہ میں گذارے، غیر ضروری اور دنیاوی باتوں میں زیادہ مشغول نہ ہو۔



سوال و جواب

حصہ اول

چھٹا باب

حج

بسم الله الرحمن الرحيم

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا

صدق الله العظيم

حج کی فضیلت

حاجی کے فضائل کے باب میں اس حدیث کا مفہوم کیا ہے کہ اس کی جزا و بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں؟

جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے یہ متفق علیہ حدیث ہے (۱) اس حدیث کا تعلق حج اور حاجی کے فضائل سے ہے کہ اگر کوئی حاجی اپنے حج کو ان تمام آداب و ضوابط کے ساتھ ادا کرے جس کا حکم و ثبوت کتاب و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں موجود ہے تو ایسا حج انشاء اللہ اس حاجی کے جنت جانے کا سبب بنے گا۔

حج کے اقسام

حج کی کتنی قسمیں ہیں اور کونسی؟

حج کی تین قسمیں ہیں، حج افراد، حج تمتع اور حج قران۔ حج افراد صرف حج

---

(۱) مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ کتاب المناسک الفصل الاول

کی نیت سے احرام باندھ کر فریضۂ حج ادا کرنے کو کہتے ہیں، حج تمتع حج کے مہینوں میں عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کرنے اور پھر ۸ ذوالحجہ کو حج کی نیت سے احرام باندھ کر فریضۂ حج ادا کرنے کو کہتے ہیں، حج قران، حج کے مہینوں میں عمرہ اور حج کی نیت سے ایک ہی احرام باندھ کر پہلے عمرہ پھر حج کے ارکان ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ (۱)

افضل حج

حج کی تین قسموں میں سب سے افضل حج کون سا ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج قران تمتع اور افراد سے افضل ہے (۲) اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج تمتع سب سے افضل ہے۔ (۳)

نفل حج یا مجاہدین کی امداد

میں دس بارہ حج کر چکا ہوں اس سال بھی حج کرنے کا ارادہ ہے، جو رقم میں اپنے اس نفل حج پر خرچ کر رہا ہوں، اگر یہی رقم میں بوسنیا یا کشمیر کے مجاہدین کے لئے بھیج دوں تو کیا یہ جائز ہے؟ نفل حج کرنے کا ثواب زیادہ ہے یا مجاہدین کی خدمت و مدد کرنے کا؟

---

(۱) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۸۸

(۲) درمختار ۲/۱۹۱

(۳) المغنی ۳/۲۴۳

افضل اعمال کون سے ہیں؟ احادیث میں مختلف اعمال کو دوسرے عمل سے افضل قرار دیا گیا ہے، کبھی آپؐ نے جہاد کو افضل عمل قرار دیا، کبھی ایمان کو، کبھی نماز کو اور کبھی دوسرے عمل کو، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، اعمال میں کون سا عمل افضل ہے، آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پھر پوچھا گیا' اور کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا، پھر کون؟ فرمایا: حج مبرور۔ (بخاری باب فضل الجہاد)

ایک ہی سوال اور اس کے آپؐ نے مختلف جوابات دیئے ہیں، علامہ شوکانی کہتے ہیں کہ اصل میں آپ نے مختلف جواب مخاطب کی کیفیت کو دیکھ کر دیئے ہیں، جس کے اندر جہاد کا جذبہ غالب محسوس کیا' اس کے سوال کے جواب میں فرمایا: جہاد افضل اعمال ہے، جس کو مالدار اور خرچ کرنے کا جذبہ دیکھا' اس سے فرمایا کہ صدقہ افضل اعمال ہے (۱) ———— اس لئے نفلی حج افضل ہے یا جہاد میں خرچ کرنا، یہ مبتلیٰ بہ کی طبعی کیفیت اور قلبی رجحان پر منحصر ہے، جس کا دل حج کی طرف مائل ہو اس کے لئے حج افضل ہے، جس کا دل انفاق فی سبیل اللہ کی طرف مائل ہو اس کے لئے افضل ہے کہ مجاہدین کی امداد کرے ———— تاہم امام مالک کی رائے ہے کہ حج نفلی جہاد سے عام حالات میں افضل ہے، لیکن اگر مسلمانوں پر دشمنوں کا حملہ ہو رہا ہے یا مسلمان مذہبی جنگ لڑ رہے ہوں تو اس کے لئے امداد اور انفاق نفلی حج سے افضل ہے (۲)

---

(۱) نیل الاوطار ۴/۲۸۲

(۲) الشرح الکبیر ۲/۱۰

شوہر حج اور عمرے کی اجازت نہ دے تو!

میں شادی شدہ عورت ہوں، شوہر بچے اور بچیاں ہم سب یہاں اکٹھے رہ رہے ہیں، میرے تین بیٹے اور بیٹیاں ماشاء اللہ جوان ہیں، شادی کے ابتدائی ایام بلکہ چند سال اچھے گزرے، لیکن بعد میں نہ جانے کیا ہوا کہ شوہر اچانک بدل گئے، اگرچہ وہ اب بھی ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں، ہم اکٹھے کھاتے پیتے ہیں لیکن سالہا سال ہوئے کہ وہ ہم لوگوں کو نہ تو خرچ وغیرہ کے لئے کچھ دیتے ہیں اور نہ ہماری مدد و خدمت کرتے ہیں، میں خود سلائی کرکے اور میرے بچے بچیاں ٹیوشن پڑھا کر اور بعض دوسرے گھریلو کام کرکے الحمد للہ اتنی رقم کما لیتے ہیں جو ہمارے لئے کفایت کرتی ہے بلکہ بحمد اللہ بہت زیادہ ہے، مالی حالت الحمد للہ بہت ہی اچھی ہے لیکن آپ سے جو سوال اور شکوہ ہے وہ یہ ہے کہ میرے شوہر مجھے حرمین شریفین جانے کی اجازت نہیں دیتے، خود جاتے ہیں لیکن مجھے جانے سے روکتے ہیں، حتیٰ کہ اولاد کو بھی جانے سے روکتے ہیں، میں نے چند سال قبل کہا کہ بچیاں جوان ہیں، اگر اچانک کوئی رشتہ آگیا اور یہ لوگ پاکستان چلی گئیں تو فرض حج سے محرومی رہے گی، لہٰذا اگر تم اجازت دو تو میں ان کو لے کر مع اپنے جوان بیٹوں کے حج کرلوں اور ان کا حج بھی ادا

ہو جائے لیکن اجازت نہ ملی، میرے بھائی پاکستان سے حج کے لیے آئے ہوئے تھے، انہوں نے رات بھر منت سماجت کی، میں نے ان کے پاؤں پکڑے اور بیٹیوں نے بھی رو رو کر اجازت مانگی، مگر اس شخص نے کہا کہ اگر بلا اجازت جانا ہے تو جاؤ لیکن میں تم کو اجازت نہیں دوں گا، ہم لوگ چلے گئے اور ہم نے حج کر لیا اب مجھے دس سال ہو گئے ہیں کہ مدینہ منورہ نہیں گئی، بار بار پوچھنے اور اجازت لینے پر ہر بار انکار کیا، میں گزشتہ دنوں اپنے بیٹوں کو لے کر چلی گئی اور مسجد نبوی میں چند نمازیں پڑھ کر واپس آگئی، کیا شوہر کو شریعت نے اتنا ظلم اور سنگدلی کی اجازت دی ہے؟

(آپ کی ایک بہن، جدہ)

جن خطوط اور سوالات کو پڑھ کر خوف اور حیرت سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انہی خطوط میں ایک خط یہ بھی ہے جو آپ نے پڑھا اور جس کا جواب دیا جا رہا ہے، میری دینی بہن! آپ کے شوہر کے اس ظلم و ستم اور سنگدلی کے بارے میں پڑھ کر مجھے مشہور تابعی سیدنا سعید بن جبیرؒ کا وہ تاریخی جملہ یاد آرہا ہے جو انہوں نے حجاج بن یوسف کے ظلم و ستم اور سنگدلی کو دیکھ کر فرمایا تھا، حجاج بن یوسف الثقفی نے اپنے دربار میں جب مشہور تابعی سعید بن جبیرؒ کے قتل کا حکم دیا تھا تو سعید بن جبیرؒ نے ایک عجیب تاریخی جملہ کہا تھا، اگرچہ اردو زبان کا تنگ دامن، عربی زبان کے جملوں کی وسعت کو اپنے اندر سمو نہیں سکتا لیکن ظاہری الفاظ کا ترجمہ نقل کر رہا ہوں، اہلِ زبان اور عربی سے ذوق رکھنے والے اصل جملہ پڑھ کر سر دھنتے رہیں، اور جنہیں عربی نہیں آتی وہ صرف ترجمہ ہی سمجھ لیں، سعید بن جبیرؒ نے فرمایا تھا:

عجبت من جرأتك على الله وحلمه عنك

(اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری اس بے باکی وبغاوت اور اس کے باوجود تمہارے لئے اس کے حلم ودرگذر پر مجھے تعجب وحیرت ہے)

آپ نے اپنے خط میں جن گھریلو حالات اور شوہر کے ظلم وستم کا شکوہ کیا ہے اس کی کئی اور مثالیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، اسلام نے شوہر کو جو حقوق دیئے ہیں وہ اس کی ذمہ داریوں اور نگرانی کی وجہ سے ہیں، ان حقوق اور افضل ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ شوہر کو ظلم کرنے کی اجازت مل چکی ہے، کاش کہ آپ کے شوہر اس حدیثِ قدسی کو پڑھ لیں، جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر (باوجود خالق ومالک ہونے کے) بھی ظلم کو حرام کیا ہے اور تم لوگوں کے لئے بھی حرام کر دیا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم مت کرو"۔(۱)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے۔(۲) اسی لئے علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ کافر پر بھی ظلم کرنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن میں مردوں کے حقوق اور حصے بیان کئے، وہیں ساتھ ساتھ عورتوں کے لئے بھی حقوق بیان کر دیئے، سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۸ میں ارشاد ہے "اور عورتوں کے لئے بھی اسی طرح کے حقوق" سورۂ نساء آیت نمبر ۷ میں بھی یہی مفہوم موجود ہے۔

آپ کے شوہر کو اگرچہ یہ اختیار ہے کہ وہ آپ کو گھر سے باہر نکلنے سے روکیں، اور آپ کے لئے ان کی اجازت ضروری قرار دی گئی ہے لیکن اگر شوہر بلا کسی

---

(۱) صحیح مسلم باب تحریم الظلم، مسند احمد ۵/۱۵۴

(۲) صحیح بخاری ابواب المظالم، مسلم باب تحریم الظلم

وجہ شرعی کے محض ظلم وستم، سختی وزیادتی اور سنگدلی کی وجہ سے آپ کو حرمین شریفین جانے سے روکتا ہے تو یہ شوہر کے لئے بھی ناجائز اور گناہ ہے، چونکہ آپ کے جوان بیٹے آپ کے پاس موجود ہیں، لہٰذا حج وعمرے کے لئے اگر محرم میسر ہو تو شوہر کی اجازت ضروری نہیں ہے، آپ ان کی اجازت کے بغیر بھی حج یا عمرہ کرسکتی ہیں (۱) البتہ نفلی حج یا کسی نفلی عبادت کے لئے شوہر کی اجازت ضروری ہے۔

آپ کے شوہر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر اللہ چاہے تو ان پر بھی کسی ایسے شخص کو مسلط کرسکتا ہے جو ان کو اسی طرح سے پریشان کرتا رہے اور ذہنی اذیت میں مبتلا کئے رکھے؟ اس سے پہلے کہ آپ کے شوہر کو ان کے اس طویل اور شدید ظلم کا بدلہ ملے آپ اپنے شوہر کو سمجھائیں کہ وہ اللہ کے سامنے توبہ کریں، آپ سب سے پہلے مانگیں اور اپنے گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے میں تمام اہلِ خانہ سے تعاون کریں۔

قرض کے باوجود حج

ایک آدمی کے ذمہ وطن میں قرض ہے لیکن وہ یہاں رہ کر معمولی سے خرچ پر حج ادا کرسکتا ہے تو کیا ایسی صورت میں اس کو پہلے قرض ادا کرنا چاہیے یا وہ حج کرسکتا ہے، اگر وہ حج کرلے تو فرض حج ادا ہوجائے گا یا اس کا یہ حج نفل شمار ہوگا؟

جس کے ذمہ قرض ہو اس پر حج فرض نہیں ہے، کیونکہ اس کی فرضیت کے لئے زاد اور راحلہ پر قدرت شرط ہے (آل عمران)، زاد اور راحلہ پر قدرت اسی صورت

---

(۱) لوکان معها محرم فلها ان تخرج مع المحرم فی الحجة الفریضة من غیر اذن زوجها عندنا (بدائع ۲/۱۲۴، قاضی خاں مع الهندیة ۱/۲۸۳)

میں ہوگی جب کہ وہ حاجتِ اصلیہ سے فاضل ہو، دین بھی حاجتِ اصلیہ میں سے ہے اس لئے قرض کے ہوتے ہوئے حج فرض نہیں، اگر کوئی حج کرلے تو اس کی طرف سے حج کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، دوبارہ حج کرنا اس پر فرض نہیں رہے گا، آئندہ جتنے بھی وہ حج کرے گا نفل ہوں گے، قرض کی موجودگی میں اگر کسی کو یہ سہولت ہو کہ وہ باآسانی حج کرسکتا ہو اور آئندہ قرض کی ادائی بھی دشوار نہ ہو تو اس کے لئے حج کرنے کی اجازت و گنجائش ہے (۱)، بہرحال ادائیگیِ قرض کی بھی فکر ضروری ہے جو حقوق العباد میں سے ہے، جس کا ادا نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے، اور اسی حالت میں اگر موت آجائے تو یہ بڑا وبال اور باعثِ عذاب بھی ہے۔

قرض لیکر حج کی ادائیگی

کیا قرض لے کر حج کرنا درست ہے؟ یا اگر کوئی مقروض ہو تو حج کرنا کیسا ہے؟

اگر کوئی آدمی باآسانی قرض دے دے اور واپسی کا مطالبہ جلدی نہ ہو، اور قرض لینے والا باآسانی یہ قرض ادا کرسکتا ہو، یا قرض کی رقم بہت زیادہ نہ ہو، یا قرض ادا کرنا مشکل و ناممکن نہ ہو تو اس صورت میں قرض لے کر حج کرنا جائز ہے۔ (۲)

حکومت کی اجازت کے بغیر حج

---

(۱) ولا يجب الحج استطاعة بدين ولو من ولده اذا لم يرج الوفاء بأن لا يكون عنده ما يقضيه به ولا جهة له يوفي منها والا وجب بما عليه الحج به (حاشية الدسوقي ۲/۱۰)

(۲) المغنی ۳/۸۹

ایک آدمی نے گزشتہ سال حج کیا ہو اور وہ اس سال حج بدل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو کیا کرے؟ جب کہ یہاں حکومت کی طرف سے پانچ سال سے پہلے دوبارہ حج کرنے کی اجازت نہیں، اگر کسی طریقہ سے وہ جدہ یا مکہ مکرمہ پہونچ جائے تو اس کے لئے کون سی جگہ میقات ہوگی، جب کہ اس کے راستہ میں پہلے سے میقات آتی ہے، ایسی مجبوری میں کیا کیا جائے؟۔

(محمد صدیق، ضبار الشمال)

ہونا تو یہی چاہیئے کہ عمومی مصالح کے پیش نظر حکومت کی طرف سے عائد کردہ جائز شرائط کا ممکن حد تک پاس ولحاظ کیا جائے اور اس کی رعایت کیجائے تاہم اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اس سے پہلے ہی دینی حج کرنے کے دوسرے سال ہی، دوبارہ حج یا حج بدل کرنا چاہتا ہو تو شرعاً وہ حج کرسکتا ہے، اور اس کا حج صحیح ہوگا لیکن اس مجبوری کی وجہ سے اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گذرنا جائز نہیں، اگر کوئی اپنی میقات سے حج وعمرہ کا ارادہ رکھتے ہوئے بغیر احرام کے گذرجائے پھر دوبارہ اپنی میقات پر اگر وہاں سے احرام نہ باندھے تو اس پر ایک دم واجب ہوگا، اپنی میقات سے گزرجانے کے بعد سب مقام اس کے لئے برابر ہے، وہ کہیں سے بھی احرام باندھ سکتا ہے لیکن اس غلطی کے کفارہ پر بہر حال اسے دم دینا ہوگا۔ (۱)

قرض کے باوجود حج کی ادائگی

---

(۱) ردالمحتار ۲/۱۵۴، المغنی ۳/۱۱۲

میں نے سعودی عرب آتے ہوئے دوستوں سے ۵۰۰۰ روپے قرض لئے تھے، یہاں پہونچ کر کچھ ادا کر دیئے ہیں اور باقی ادا کرنے ہیں، اس سال میں حج کرنا چاہتا ہوں کیا میرے لئے یہ جائز ہے؟

(اختر محمود زکی، بیشہ الروشن)

مقروض ہونے کی بنا پر ابھی آپ پر حج فرض تو نہیں ہے (۱) لیکن اگر قرض داروں کی طرف سے رقم کا مطالبہ نہ ہو اور آپ کو یقین ہو کہ حج کے بعد بسہولت قرض ادا کر سکیں گے تو یہاں سے اس سال بھی آپ حج ادا کر سکتے ہیں (۲)، اگر یہ بات نہ ہو تو پھر پہلے آپ قرض ادا کر دیں، اس کے بعد اطمینان و سکون کے ساتھ حج کا فریضہ انجام دیں۔

قرض کی ادائیگی سے پہلے حج

میں نے گذشتہ سال حج کیا، اس وقت مجھ پر تھوڑا قرض تھا جو میں ادا کر سکتا ہوں وہ قرض آج بھی ہے، میں اس دفعہ والدِ مرحوم کی طرف سے حج کرنا چاہتا ہوں، کیا میں ایسا کر سکتا ہوں؟

(محمد رئیس الدین، جدہ)

آپ کے لئے بہتر یہی ہے کہ آپ پہلے اپنا قرضہ اتاریں اور قرض کی ادائیگی کے بعد اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے حج کریں۔ (۳)

---

(۱) بدائع ۲ / ۸۷، المغنی ۳ / ۸۸

(۲) حاشیہ الدسوقی ۲ / ۱۰

(۳) حوالہ سابق

قرض کے باوجود حج کی ادائیگی

جس کسی پر قرض ہو اور وہ یہاں سعودی عرب میں ملازمت کررہا ہو اور اسے موقع بھی ملے کہ وہ حج کرے تو کیا وہ حج کرسکتا ہے؟ ——— (شاہد نعیم، الخرج)

قرض اگر اتنا ہے کہ اس قرض کی ادائیگی ممکن ہے تو مقروض شخص حج ادا کرسکتا ہے۔ (۱)

امانت واپس کئے بغیر حج کرنا

اگر کسی کی زمین یا مال بطورِ امانت کسی کے قبضہ میں ہو اور زمین یا مال والا اس سے امانت کی واپسی کا مطالبہ کررہا ہو تو کیا ایسی صورت میں امانتدار کا بغیر اس کی امانت واپس کئے ہوئے حج کرنا درست ہے؟ ——— (مدثر احمد مجتبیٰ، جدہ)

حج کے آداب میں سے ایک اہم ادب یہ ہے کہ حج پر جانے والے کے ذمہ اگر کسی کا کوئی حق باقی ہو تو سفرِ حج سے پہلے صاحبِ حق کو اس کا حق دیدے یا اس سے معافی مانگ لے، امانتدار کا بغیر امانت واپس کئے ہوئے حج پر جانا خلافِ اولیٰ ہے، ہاں اگر زمین یا مال والا شخص خود اپنی امانت واپس نہ لے تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں، تاہم اس کو وصیت لکھ دینا یا اپنے اہل وعیال کو باخبر کردینا چاہیئے کہ اس کے پاس کس کس کی امانتیں یا حقوق باقی ہیں تاکہ کسی ناگہانی حادثہ

---

(۱) حوالۂ سابق

اور انتقال کی صورت میں وہ اس حال میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو کہ اس کے ذمہ کسی کا قرض یا حق باقی رہے، حج کے علاوہ عام حالات میں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں مرے گا؟ اور حقوق العباد کا معاملہ بڑا اہم ہے، اس لیے اس معاملے میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیئے، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق باقی ہو اور وہ دنیا میں اسے ادا نہ کیا ہو پھر صاحبِ حق اسے معاف بھی نہ کرے تو قیامت کے دن اس حق کے بدلہ اس شخص کی نیکیاں صاحب حق کو دی جائیں گی اور اگر ساری نیکیاں ختم ہو جائیں پھر بھی لوگوں کے حقوق باقی رہیں تو حقداروں کے گناہ (ان کے حقوق کے بقدر) اس شخص پر لاد دیئے جائیں گے (۱) اس طرح وہ مزید گناہ اور عذاب کا مستحق ہو جائے گا۔ اللھم احفظنا منہ۔

حج کے ساتھ مسجد نبوی ؐ کی حاضری

کیا مسجدِ نبوی کی زیارت حج کے ساتھ ضروری ہے؟

(حبیب الدین شیخ، بریدہ)

مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کی زیارت کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے لیکن اس کا حج سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر کوئی حاجی مدینہ نہیں گیا تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن بہر حال دور افتادہ لوگوں کے لیے یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

محرم کے بغیر عورت کا سفرِ حج

---

(۱) صحیح بخاری عن ابی ھریرۃ ابواب المظالم

جمعہ ۲۴ فروری کی اشاعت میں "عورتوں کے سفر میں محرم کی شرط کیوں" کے جواب میں ثابت کیا گیا کہ موجودہ دور میں بھی یہ شرط بعینہٖ عائد ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی، چند ماہ قبل اسی سوال کا ایک صاحب نے یہ جواب دیا تھا کہ پہلے سفر اتنے پرامن نہیں تھے جیسا کہ آجکل ہے، اکیلی عورت جہاز پر جاپان سے امریکہ بے خوف و خطر سفر کر سکتی ہے تو حج یا عمرہ کے لئے اکیلے جانے میں کیا قباحت ہے؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد امہات المومنین عنہن اجمعین آج کل کی طرح فرضی محرم بنا کے حج پر جاتی تھیں؟۔

(طارق فاروق بابر، مدینہ منورہ)

عورتوں کے لئے بلا محرم کے سفر سے متعلق جو جواب اردو نیوز مورخہ ۲۴ فروری کی اشاعت میں دیا گیا تھا، جمہور علماء امت کا یہی فتویٰ ہے جس کے مقابلے میں کسی ایک عالم (جب کہ آپ نے جن صاحب کا حوالہ دیا ہے وہ تو مستند عالمِ دین بھی نہیں ہیں) کا فتویٰ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ پھر سوچنے والی بات یہ بھی ہے کہ کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم و احساس نہیں تھا کہ سفر اور اس کی صورتیں تبدیل ہوں گی کہ خچر و اونٹ کی جگہ ہوائی جہاز اور مصنوعی سیارے سفر کے لئے استعمال ہوں گے؟ رہی یہ بات کہ پہلے سفر اتنے پرامن نہیں تھے جیسا کہ آجکل ہیں تو اس کا جواب آئے دن ہوائی جہازوں کے اغوا اور دورانِ سفر بعض اکیلی خواتین کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی صورت میں موجود ہے۔ جو یہ بتاتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلا محرم کے سفر سے اگر منع کیا ہے تو یقیناً اس میں کوئی کوئی حکمت بلکہ حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ امہات المومنین رضی

اللہ عنہن اجمعین نے کبھی بھی بلا محرم کے سفر نہیں کیا، امہات المؤمنین کے بارے میں آپ کا جملہ کہ کیا وہ فرضی محرم بنا کر حج پر جاتی تھیں؟ بے ادبی اور گستاخی والا جملہ ہے، اس جملے پر آپ اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں، اور آئندہ اس قسم کے بے ادبی والے جملوں سے پرہیز کریں کہ انسان بعض اوقات بلا سوچے سمجھے کوئی بات کہہ دیتا ہے یا لکھ دیتا ہے، اور اس جملے کی وجہ سے اللہ کے ہاں گرفت اور پکڑ ہو جاتی ہے، اور اس شخص کے سارے اعمالِ صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔

بہنوئی کے ساتھ حج

میری انٹی اور انکل آئندہ سال حج کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، میں حج کر چکا ہوں، اور میرے والد بھی اپنے ذاتی خرچ پر چند سال قبل حج کر چکے ہیں، اب میں والدہ کو حج کرانا چاہتا ہوں، اتنی استطاعت نہیں کہ والد اور والدہ دونوں کو بلا سکوں، تو کیا میری والدہ انٹی وانکل (والدہ کی بہن و بہنوئی) کے ساتھ حج ادا کر سکتی ہیں، والدہ انکل سے پردہ نہیں کرتی۔ ———— (محمد عبدالرحیم، ریاض)

حج کا سفر ہو یا کوئی بھی سفر، عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ بغیر محرم کے سفر کرے (۱)، بہنوئی محرم نہیں ہے، لہٰذا شرعاً بہنوئی کے ساتھ سفر کی گنجائش نہیں (۲)، عام حالات میں بھی بہنوئی سے پردہ کرنا ضروری ہے، ہاں آپ خود اپنے ساتھ والدہ

---

(۱) المغنی ۳/۹۷، قاضی خان علی ہامش الہندیہ ۱/۲۸۳

(۲) فاما من تحل له فی حال کعبد ها وزوج اختها فلیسا بمحرم لها نص علیه احمد، لانها غیر مامونین علیها ولا تحرم علیهم علی التابید فهما کالاجنبی (المغنی ۳/۱۹)

کو حج کرواسکتے ہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ والدہ کو اپنے پاس بلوا کر خود بھی ان کے ساتھ حج ادا کریں (تاہم اس صورت میں بھی بغیر محرم کے آپ تک والدہ کا آنا ہی گناہ ہے) یا پھر اور کچھ انتظار کرکے حالات سازگار ہونے کے بعد والد والدہ دونوں کو حج کروائیں، واضح رہے کہ والدین کو حج کروانا اولاد پر ضروری نہیں، لہٰذا استطاعت نہ ہو تو اس بارے میں پریشان نہ ہوں۔

بغیر محرم کے سفرِ حج

میں اپنی والدہ کو حج پر بلانا چاہتا ہوں لیکن ان کے ساتھ آنے والا کوئی محرم نہیں ہے کیا وہ بغیر محرم کے حج پر آسکتی ہیں؟ کیا عورتیں بغیر محرم کے ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر اختیار کرسکتی ہیں؟ ——— (جاوید امجد رانا، ریاض)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دن یا ایک رات کا سفر بغیر محرم کے کرے" (۱) عورت کے لئے سفر کی شرائط میں سے ایک شرط محرم کا ہونا ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی عورت بغیر محرم کے حج کرلے تو اس کا یہ سفر گناہ تصور کیا جائے گا، البتہ حج کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ اگر عورتوں کا گروپ حج کے لئے جا رہا ہو تو ایسے گروپ میں شامل ہو کر حج کا سفر اختیار کیا جاسکتا ہے۔ (دیکھئے تفصیل المغنی ۹۷/۲، ۱۰۰ اسی

---

(۱) بخاری مع فتح الباری ۲/۵۶۶ باب فی کم یقصر الصلوٰۃ، ط: السلفیہ مسلم ۱/۹۰۵ ط: العلمی باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ

طرح عورت کے لئے عام سفر بھی بغیر محرم کے جائز نہیں ہے۔

کسی بھی محرم رشتہ دار کے ساتھ حج جائز ہے

میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حجِ بیت اللہ پر جائے، روپیہ کا انتظام انشاء اللہ میں کر دوں گا، اہلیہ کا کہنا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حج نہیں ہوتا، شوہر کا ہونا ضروری ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ ——— (محمد محمود علی جابری، البحرین)

آپ کی اہلیہ کے لئے حج کرنا جائز ہے کیونکہ باپ محرم بن سکتا ہے، اگر کوئی محرم ساتھ ہو تو بیوی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کا شوہر بھی ہمراہ ہو۔ (۱)

دوسری بات یہ کہ سفر کی مسافت پیدل عام رفتار سے تین دن کی مسافت ہے جس کو بعد میں فقہاء نے تجربات کی روشنی میں جدید پیمائش کے لحاظ سے ۴۸ میل (۲) (۷۷ کلو میٹر) مقرر کیا ہے' اور اس کا اعتبار بھی اپنے شہر کے باہر سے ہو گا نہ کہ اپنے گھر سے۔ جن احادیث میں عورتوں کے لئے بغیر محرم کے کہیں جانے کی ممانعت ہے اس میں بھی اکثر روایات میں تین دن کی صراحت ہے کہ کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کرے، جب یہ حکم سفر سے متعلق ہوا تو اگر کوئی عورت مسافتِ سفر (یعنی ۴۸ میل) کے اندر کہیں آنا چاہے تو وہ بغیر محرم کے بھی جا آسکتی ہے (۲)۔ چنانچہ اگر کوئی عورت مکہ مکرمہ ہی میں یا مکہ مکرمہ کے آس پاس مسافتِ سفر کے اندر ہی رہتی ہو تو وہ حرم مکہ مکرمہ تنہا جا آسکتی ہے اور عمرہ بھی ادا کر سکتی ہے، طائف کی

---

(۱) الفتاوی الھندیہ ۱/۲۱۹، المغنی ۳/۹۷

(۲) ان کان اقل من ذلک حجت بغیر محرم (الفتاوی الھندیہ ۱/۲۱۹)

حدود ختم ہونے کے بعد سے اگر مکہ مکرمہ ۴۸ میل یا اس سے زیادہ ہو تو آپ بغیر محرم کے حرم مکہ مکرمہ نہیں آسکتیں، امام احمدؒ کے یہاں سفر کی شرعی مسافت ہو یا نہ ہو، بہر صورت عورت کو محرم کے بغیر سفر حج یا کوئی اور سفر کرنا درست نہیں (۱)

چونکہ آج کل اخلاقی انحطاط عام ہے، اس لئے اگر راستہ پر امن نہ ہو کسی طرح کے فتنے کا اندیشہ ہو تو مسافتِ سفر کے اندر بھی عورت کو تنہا سفر نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ ایک روایت میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ عورتوں کے نماز کے لئے مسجد جانے کے بارے میں فرماتی ہیں کہ اگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آج کا زمانہ اور فتنے دیکھتے تو عورتوں کو مسجد جانے سے روکتے(۲) ام المومنین عائشہ جب اپنے زمانے کے بارے میں یہ فرماتی ہیں جو کہ خیر القرون میں شامل ہے تو پھر موجودہ انحطاط کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے؟ بہر حال عافیت اسی میں ہے کہ عورت گھر سے باہر تنہا بغیر محرم کے نکلے ہی نہیں۔

محرم کے بغیر حرمین کا سفر

گزشتہ دنوں مسقط سے میری بڑی بہن اور بہنوئی عمرہ کرنے آئے تھے، ان کا قیام ہمارے یہاں ہی تھا، یہاں سے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ جاتے آتے رہتے تھے، انہوں نے ہر مرتبہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا مگر میں نے اور میرے شوہر نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ بغیر شوہر کے سفر جائز نہیں، آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ

---

(۱) المغنی ۳/۹۸

(۲) ترمذی عن عائشہ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین

کہ اگر ہم حرم مکہ مکرمہ یا حرم مدینہ منورہ صرف عبادت کی نیت سے جائیں، عمرہ کی کوئی نیت نہ ہو تو کیا تب بھی بغیر محرم کے کسی کے ساتھ سفر جائز نہیں؟ میرے شوہر کو چھٹی نہیں تھی اس لئے میں ان کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی، میں نے دیکھا کہ مکہ مکرمہ میں رہنے والی عورتیں بھی اکیلے ہی حرم آتی جاتی ہیں، امید ہے کہ اس سلسلے میں رہنمائی فرما کر الجھن دور کریں گے؟۔

(زرین توفیق، الطائف)

سب سے پہلی بات تو یہ ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر جائز نہیں، چاہے وہ حرمین شریفین کی طرف ہو یا کہیں اور، پھر سفر کا مقصد بھی چاہے حج وعمرہ کی ادائیگی ہو یا صرف زیارت وعبادات یا کسی رشتہ دار سے ملاقات وغیرہ، چنانچہ حج وعمرہ میں عورت کے لئے محرم کی جو شرط ہے، وہ اس لئے نہیں کہ عورت کے لئے حج وعمرہ میں محرم کا ہونا حج وعمرہ کا ایک حصہ ہے بلکہ اس لئے کہ عورت چونکہ مسافر ہوتی ہے اور بغیر محرم کے سفر جائز نہیں، اس لئے حج وعمرہ کے سفر میں بھی محرم کا ہونا ضروری ہے، پھر اگر کوئی عورت بغیر محرم کے حج یا عمرہ کر لیتی ہے تو اس کا حج یا عمرہ تو ہو جاتا ہے لیکن ایک حکم شرعی کے ترک کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی مرتکب ہو کر گنہگار ہوگی، اور ہو سکتا ہے کہ حج وعمرہ کی برکات سے محروم رہے، اسی طرح اگر کوئی عورت محرم کے ساتھ حج و عمرہ کا سفر کرتی ہے اور حج وعمرہ ادا کرتی ہے لیکن محرم حالتِ احرام میں نہیں ہوتا، اور اس کا ارادہ کسی وجہ سے حج یا عمرہ کا نہیں تو ایسی صورت میں عورت کا حج و عمرہ بھی ادا ہو جائے گا اور وہ گنہگار بھی نہ ہوگی، کیونکہ محرم کا ہونا اصلاً سفر کی شرط ہے، اور اس صورت میں محرم ساتھ ہے۔

عورتوں کا حج بدل کرنا

جس طرح مرد کسی دوسرے مرد یا عورت کی طرف سے حِج بدل کر سکتا ہے، کیا اسی طرح عورت بھی کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے؟ ——— (محمد عبدالوہاب خاں، جدہ)

علماء و فقہاء نے اس بات کو بلا کراہت جائز کیا ہے کہ عورت بھی کسی کی طرف سے حِج بدل کرے خواہ یہ مرد ہو کہ عورت، آپ کے لیے یہ عمل جائز ہے، تاہم امام مالکؒ کے نزدیک حِج بدل کرنا درست نہیں، خواہ میت کی طرف سے ہو، یا کِسی زندہ آدمی کی طرف سے ——— البتہ اسی رقم سے اس کا ولی حج کے سوا کوئی دوسرا عمل کر دے، اس کے لیے دعاء کرے کچھ صدقہ کر دے وغیرہ[1]۔ سنن کتب میں آتا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں اور سفر کے قابل نہیں ہیں، کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہو[2]، اس طرح عورت اپنے دوسرے کسی رشتہ دار مرد یا عورت کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے۔

والد کے لئے حج بدل

کیا میں اپنے مرحوم والد کی طرف سے حج یا عمرہ کر سکتا ہوں؟

---

(۱) دسوقی ۱۸/۱

(۲) مسلم، عن ابن عباس: باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوهما اوللموت

اگرآپ نے اپنا حج کرلیا ہے تو آپ اپنے مرحوم والد یا کسی اور شخص کیطرف سے عمرہ یا حج بدل کرسکتے ہیں، آپ کے اس عمل سے اللہ راضی ہوگا، اور اسکا ثواب آپ کے والد کو بھی ملے گا، لیکن اگر آپ نے حج نہیں کیا ہے اور آپ پر حج بھی فرض نہیں ہے تو بہتر تھا کہ جو حج کر چکا ہے اس سے حج بدل کروائیں، لیکن اگر آپ خود ہی حج بدل کریں تو ادا ہو جائے گا لیکن خلافِ اولیٰ ہوگا۔ (۱)

امام شافعی اور امام احمدؒ کے یہاں جس نے اپنا حج نہ کیا ہو تو وہ حج بدل نہیں کرسکتا۔ (۲)

بیمار کی طرف سے حج بدل

میری والدہ تقریباً بیس سال سے بیمار ہیں سفر نہیں کرسکتیں، کیا میں ان کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہوں، یا ان کو ہی حج کروانا چاہیے؟

(محمد زاہد، ریاض)

اگرآپ کی والدہ اس قدر بیمار ہیں کہ حج سے معذور ہوگئی ہوں اور آئندہ بھی اس سے شفا کی امید نہیں ہے تو آپ ان کی طرف سے حج بدل کرسکتے ہیں۔ (۳)

والدین کو حج کرانے سے قبل حج کرنا

---

(۱) ہندیہ ۱/۲۵۷

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱/۵۴

(۳) ہندیہ ۱/۲۵۷

مجھے سعودیہ آئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے، میں حج کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے میرے دوست کہتے ہیں کہ جب تک اپنے والدین کو حج نہیں کراؤ گے اس وقت تک تمہارا حج نہیں ہوگا، کیا واقعی یہ ضروری ہے کہ خود حج کرنے سے پہلے والدین کو حج کرائیں؟

(سید آغا ایوب صابری، البارق)

اگر آپ کے مالی حالات ٹھیک ہیں، اور آپ پر واقعی حج فرض ہے، تو آپ فوراً حج کا فریضہ انجام دیجئے، والدین کو پہلے حج کرانا نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی آپ کے حج کرنے سے اس کا کچھ تعلق، آپ پہلے خود حج کریں، والدین کو بعد میں حج کروائیں۔

پہلے والد کی طرف سے حج یا اپنی طرف سے

میرے والد پر حج فرض ہے لیکن وہ معذور ہیں، خود حج نہیں کرسکتے، مجھے ان کی طرف سے حج کرنا پڑے گا، لیکن میرے حالات مجھے اس سال حج کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اور میں نے ابھی تک اپنا حج بھی نہیں کیا، میرے لئے کیا حکم ہے؟

(محسن الدین، ریاض)

اگر آپ پر حج فرض نہیں ہے تو آپ والد کی طرف سے حجِ بدل کرسکتے ہیں، مگر یہ خلافِ اولیٰ ہے، اور اگر آپ پر حج فرض ہے اور اپنا حج آپ نے نہیں کیا ہے تو پہلے اپنی طرف سے حج کریں، دوسرے سال والد کی طرف سے ــــــ اپنے اوپر حج فرض ہونے کے باوجود دوسروں کی طرف سے حجِ بدل پر جانا مناسب نہیں، مکروہ تحریمی اور گناہ ہے ــــــ تاہم اس کے باوجود حجِ بدل کریں تو والد

کی طرف سے حج فرض ادا ہو جائے گا(۱) ——— امام احمدؒ کے یہاں جس پر حج فرض ہو اس کو حج کرانے کے لیے اپنا نائب بنانا (یعنی حج بدل کرانا) جائز ہی نہیں، ایسا حجِ بدل درست نہیں ہوگا، ہاں اگر نفلی حج کرانا چاہتا ہو تو نفلی حج ایسے شخص سے کرا سکتا ہے۔ (۲)

حج بدل میں کیا حج افراد ہی ضروری ہے

بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ حجِ بدل میں صرف حجِ افراد ہی ہو سکتا ہے تمتع اور قران ناجائز ہے، صحیح بات کیا ہے؟

(عبدالوہاب دہلوی، خمیس مشیط)

کسی دوسرے شخص کی طرف سے حجِ بدل کرنے کے سلسلے میں چند اہم باتیں ذہن نشیں کر لی جائیں تاکہ اس عمل کو صحیح طریقے پر انجام دیا جائے، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جس کسی کی طرف سے حج کیا جا رہا ہے وہ یا تو ایسا بیمار ہو کہ حج کا سفر نہیں کر سکتا اور بیماری سے صحت کی توقع بھی نہیں یا اس کا انتقال ہو چکا ہو اور اس پر یہ حج فرض ہو لیکن کسی عذر کی وجہ سے اس نے یہ حج نہ کیا ہو، اب مرنے والے کی اولاد، رشتہ داروں اور وارثوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میت کی طرف سے حجِ بدل کریں، اگر مرنے والے نے اس بارے میں وصیت کی ہے تب تو اس وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے، اگر وصیت نہیں کی تب بھی اولاد و رشتہ دار کے لئے جائز ہے کہ وہ میت کی طرف سے حجِ بدل کریں۔

---

(۱) رد المحتار ۲/۲۴۱ مطلب فی حج الضرورۃ۔

(۲) المغنی ۳/۹۳، ط: دار الفکر

جو شخص حجِ بدل کرنا چاہتا اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس نے خود اپنا فرض حج کر لیا ہو جیسا کہ ابوداؤد اور ابنِ ماجہ کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لبیک عن شبرمہ، پوچھا کہ یہ شبرمہ کون ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میرا ایک رشتہ دار تھا جس کے لئے میں حج کر رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنا فرض حج کیا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے اپنا حج کرو پھر شبرمہ کے لئے کر سکتے ہو۔ (۱)

جہاں تک افراد یا قران یا تمتع کی بات ہے تو اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ حج کرانے والے کی طرف سے حج کے تعلق سے جو ہدایات ہوں، مامور یعنی حجِ بدل کرنے والے پر لازم ہے کہ ان کے خلاف کوئی کام نہ کرے، اگر اس کی ہدایت کے خلاف کوئی عمل کیا تو اس کا حجِ بدل ادا نہیں ہوگا ——— لہٰذا اگر حج کرانے والے نے صرف حج کرنے کی ہدایت دی ہے تو وہ صرف افراد ہی کر سکتا ہے، قران یا تمتع جائز نہیں ہوگا، اگر کرے گا تو یہ حج اس کی طرف سے ہوگا حج کرانے والے کی طرف سے نہیں، اور اگر حجِ بدل کرانے والے نے عام اجازت دی ہو کہ چاہو تو صرف حجِ افراد کرلو، یا قران یا تمتع کرلو تو اس صورت میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ حجِ افراد اور حجِ قران کر سکتا ہے، لیکن تمتع کے بارے میں اختلاف ہے۔

والد کی طرف سے حج کی نیت

ہمارے ایک دوست اپنے والد کو حج کرانا چاہتے ہیں لیکن ان

---

(۱) بیہقی عن ابن عباس ۴/۳۳۵ باب الحج عن المیت

کا کہنا ہے کہ ان کے والد بہت کمزور ہیں، سورج کی روشنی میں ان کو کچھ دکھائی نہیں دیتا، وہ زیادہ چل بھی نہیں سکتے اور ساتھ میں ہمیشہ ایک آدمی ان کو پکڑنے کے لئے چاہیئے، کیا ایسی صورت میں ہمارے دوست اپنے والد کی طرف سے خود حج کر سکتے ہیں، اگر کر سکتے ہوں تو حج کی نیت کس طرح کرنی چاہیئے اور احرام باندھتے وقت کیا پڑھنا چاہیے؟ —— (اشفاق خاں، مکہ مکرمہ)

آپ کے دوست اپنے والد کی طرف سے حج کر سکتے ہیں، احرام باندھتے وقت یہ نیت کریں کہ یہ حج اپنے والد کی طرف سے کر رہا ہوں، زبان سے اتنا کہنا کافی ہے کہ لَبَّیْکَ حَجًا عَنْ اَبِی پھر تلبیہ پڑھیں اور سارے مناسکِ حج اسی طرح ادا کریں جس طرح ادا کئے جاتے ہیں، ہر عمل کی ادائیگی کے وقت والد کی طرف سے نیت کی ضرورت نہیں، احرام و تلبیہ کے وقت نیت کر لینا کافی ہے۔ (۱)

والد کی طرف سے حج وغیرہ

ہمارے والد صاحب نومبر ۱۹۸۶ء سے لاپتہ ہیں، ہم لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر آج تک کوئی پتہ نہ چل سکا، کیا ہم ان کی طرف سے حج وعمرہ کر سکتے ہیں؟ —— (ضیاء الاسلام، جدہ)

آپ اپنے والد کی طرف سے حج وعمرہ اور صدقہ وخیرات وغیرہ کر سکتے ہیں۔

کیا والدین کی طرف سے ایک ہی حج وعمرہ کافی ہے؟

---

(۱) یستحب أن یحج الانسان عن ابویہ اذا کانا میتین او عاجزین (المغنی ۳/۱۰۲)

میں طویل عرصہ سے جدہ میں مقیم ہوں، کئی حج وعمرے کر چکا ہوں، کبھی کبھار میں اپنے مرحوم والدین کے لئے بھی عمرے کرتا رہتا ہوں، کبھی والدہ کے لئے اور کبھی والد کے لئے، لیکن اس سال رمضان المبارک میں میں نے ایک ہی عمرہ میں دونوں کی طرف سے نیت کرلی کیا یہ عمل جائز ہے؟۔

مرنے والے مسلمانوں کو زندہ مسلمانوں کی نیکیوں اور دعاؤں کا فائدہ ہوتا ہے، قرآن کی آیات اور کئی احادیثِ صحیحہ اس کی گواہ ہیں، لیکن زیادہ صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ انسان کسی بھی قسم کی نیکی اپنے لئے کرے اور بعد میں دعا مردوں کیلئے کرے اور اگر کسی مردہ شخص کی طرف سے اس کو ثواب پہونچانے کی نیت سے حج وعمرہ کرنا ہو تو دو کی طرف سے بھی نیت کرنا صحیح ہے۔ کن اعمال سے ایصال ثواب درست ہے اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر مظہری، آیت "لیس للانسان الا ما سعیٰ"

کیا حج بدل کیا جاسکتا ہے؟

اگر والدین کا انتقال ہوگیا ہے اور وہ اپنی زندگی میں حج کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، اب اولاد کی استطاعت ہے اور وہ والدین کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتے ہیں، تو کون سا حج افضل اور بہتر ہے؟۔

اگر اولاد ایسی صورت میں اپنے والدین کی طرف سے حج کرتی ہے تو یہ حج نفلی ہوگا، کیونکہ والدین پر حج فرض نہ تھا۔ تینوں حجوں میں سے کوئی ایک حج کرسکتا ہے بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے والدہ کی طرف سے حج کرے خواہ حج نفلی ہو کہ واجب کہ حسنِ سلوک اور نیک برتاؤ کی سب سے زیادہ مستحق ماں ہے (ابوداؤد عن ابی ھریرۃ باب فی برالوالدین)، ہاں اگر باپ پر حج فرض رہا ہو اور ماں پر نہ ہو تو پہلے باپ کی

طرف سے حج کرے گا کیونکہ فرض کی عملی تاکید نفل سے زیادہ ہے۔ (۱)

حرام مال سے حج

اسمگلنگ، سود، رشوت یا کسی اور حرام ذریعے سے کمائی ہوئی آمدنی سے کیا حج وعمرہ ادا کیا جاسکتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحیح مسلم کی ایک حدیث میں موجود ہے جسے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے "اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے" (۲) اس حدیث کے آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی مثال دی ہے کہ وہ طویل سفر طے کرکے اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے، اور اپنے دونوں ہاتھ بلند کرکے کہتا ہے یارب! یارب! لیکن اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا کھانا پینا، غذا، کپڑا سب حرام، پھر ایسے آدمی کی پکار کو اللہ تعالیٰ کیسے سنے۔ (۳)

جب حرام غذا کھانے اور حرام مال کا لباس پہننے والے کی پکار اور دعا تک اللہ تعالیٰ نہیں سننا چاہتا تو بھلا ایسے لوگوں کی دوسری نیکیاں اور عبادتیں، کیسے قبول ہوسکتی ہیں؟

تاہم اس کا حج ادا ہوگیا، اور اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہوگیا (ردالمحتار ۲/۱۴۰) البتہ ناجائز آمدنی سے سفر کرنے کا گناہ اس پر ہوگا، اس کو ثواب بھی نہیں ملے گا، جن

---

(۱) المغنی ۳/۱۰۲

(۲) مشکوٰۃ عن ابی ھریرۃ کتاب لبیوع باب لکسب وطلب الحلال الفصل الاول۔

(۳) حوالہ سابق۔

لوگوں کا روپیہ ناجائز طریقہ پر لیا ہے، ان کو یا ان کے ورثہ کو اسی قدر روپیہ دیدے یا معاف کرالے، ورنہ صدقہ کردے۔

تجارت کی غرض سے حج کا سفر

کچھ لوگ ہمارے ہاں ایسے ہیں جو کراچی سے صرف سامانِ تجارت لے کر حج کرنے جاتے ہیں کہ ان دنوں میں یہ سامان مہنگا بک جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ حج بھی کرلیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟۔

(محمد جاوید حسن، جدہ)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی تھی"، (متفق علیہ) اگر کسی شخص کی نیت اصل میں دنیوی نفع تجارت یا مزدوری ہے، اور ضمنی طور پر حج کا بھی مقصد ہے، یا نفعِ تجارت اور ارادۂ حج دونوں مساوی درجہ میں ہیں تب تو یہ اخلاص کے خلاف ہے، اس سے حج کا ثواب کم ہوجائے گا، اور حج کی جو برکتیں حاصل ہونی چاہئیں وہ حاصل نہ ہوں گی، اور اگر اصل نیت حج کی ہے، اس کے شوق میں نکلا ہے، لیکن مصارفِ حج میں یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہے، اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی معمولی تجارت یا مزدوری کرلی، یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں، سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۸ میں اسی حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم (بقرۃ/۱۹۸)	تم پر اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

اس میں بھی بہتر اور افضل یہ ہے کہ جن ایام میں حج کے افعال ادا کئے جاتے ہیں ان میں تجارت اور مزدوری سے اجتناب کرے کہ حج کا یہ مبارک وقفہ

بار بار میسر نہیں آتا، اسی لئے بعض علماء نے خاص کر ان دنوں میں تجارت و مزدوری کو بھی منع کیا ہے۔ (۱)

زکوٰۃ کی رقم سے حج

زکوٰۃ کی رقم سے کسی کو حج کرایا جاسکتا ہے، نیز کیا زکوٰۃ کی رقم خالہ کو دینا جائز ہے؟ ——— (مسز محمد حامد، جدہ)

زکوٰۃ کی رقم کے مستحق لوگوں کا ذکر سورۂ توبہ میں موجود ہے، اس رقم سے کسی کو حج نہیں کروایا جاسکتا، البتہ آپ کسی کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنادیں تو وہ اپنی ضروریات کے لحاظ سے جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے، ہاں اگر کسی پر حج فرض تھا اور اس نے ادا نہیں کیا، بعد میں اخراجاتِ سفر پر قدرت نہ رہی، ایسے شخص پر حج کی فرضیت باقی ہے، زکوٰۃ کی رقم سے ایسے شخص کا تعاون کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوسکے۔ زکوٰۃ کی رقم خالہ کو دینا جائز ہے، اگر وہ مستحقِ زکوٰۃ ہوں۔

پاسپورٹ پر شوہر کا نام اور حج

اگر کسی عورت کو طلاق ہو جائے، یا وہ اپنے شوہر سے خلع کرلے، اور عدت کی مدت بھی پوری ہو گئی ہو تو ایسی صورت میں پاسپورٹ سے شوہر کا نام کٹائے بغیر عورت حج کرسکتی ہے یا نہیں؟

(مدثر احمد مجتبیٰ، جدہ)

عدت گزرنے کے بعد عورت سفرِ حج کرسکتی ہے بشرطیکہ ساتھ میں شرعی محرم ہو۔ پاسپورٹ سے شوہر کا نام نہ کٹوایا گیا ہو تو اس سے شرعاً حج میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

کیا سرکاری خرچ پر حج جائز ہے؟

جو لوگ سرکاری خزانے سے سرکاری حج وفد میں آ کر حج کرتے ہیں اور یہ سب یا ان میں سے اکثر صاحبِ حیثیت لوگ ہوتے ہیں، کیا یہ حج شرعاً جائز ہے؟

قوم کے پیسے پر قوم سے اجازت لئے بغیر حج کرنا شرعاً ناجائز ہے، ایسے لوگوں کا حج نہیں ہوتا۔

جعلی ڈگری کی کمائی سے حج

آپ نے اپنے ایک جواب میں فرمایا تھا کہ حرام کمائی سے حج وعمرہ یا کوئی بھی عبادت قبول نہیں ہوتی، چند سال قبل میں نے جعلی ڈگریاں بنا کر یہاں ملازمت حاصل کر لی تھی، اور اب محنت کر کے ترقی بھی حاصل کر لی ہے، اب میں نے اپنے والدین کو حج کے لئے بلایا ہے کیا میری کمائی حرام ہے؟ ——— (حسنین رضا زیدی، ابہا)

آپ نے جعلی ڈگریاں دکھا کر جو کام کیا وہ کبیرہ گناہ تھا، اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کیجئے، اور اپنے اس گناہ پر ندامت کا اظہار کر کے آئندہ اس قسم کا کوئی گناہ نہ کرنے کا عزم کیجئے، آپ کا یہ عمل یقیناً ناجائز ہے لیکن نوکری مل جانے کے بعد آپ اپنی محنت سے جو پیسہ کما رہے ہیں یہ پیسہ حلال اور جائز ہے، اور آپ کے والدین کا اس پیسہ پر حج وعمرہ کرنا بھی صحیح ہے۔

سفر ملازمت اور حج کی ادائیگی

میں ہندوستان سے بارادۂ ملازمت یہاں آیا ہوں، حج کی نیت نہیں تھی، اب میں یہاں سے حج وعمرہ ادا کرنا چاہتا ہوں تو کیا میرا فرض حج ادا ہو جائے گا؟ ——— (جلال الدین، ریاض)

آپ یہاں سے بھی حج کا فریضہ ادا کرنے کی نیت سے حج کر سکتے ہیں، اور آپ کا فریضۂ حج ادا ہو جائے گا۔

عمرہ ویزے پر حج کی ادائیگی

عمرہ ویزے پر سعودیہ آکر حج تک رکے رہنے اور پھر حج کر کے جانے سے کیا حج کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے؟ ——— (محمد عباس، ریاض)

جی ہاں! حج ادا ہو جاتا ہے، البتہ قانونِ ملکی کی خلاف ورزی سے بچنا واجب ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج

کیا کوئی شخص رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کر سکتا ہے؟

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی بھی مالی و بدنی عبادت کی جا سکتی ہے، البتہ اپنا حج فرض ادا کرنے کے بعد ہی ایصالِ ثواب کا حج کرنا چاہیئے ——— اصل میں جو چیز مطلوب ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت ہے، اور آپ پر کثرت سے درود و سلام پڑھنا ہے۔

عدت کے دوران سفرِ حج

میری بہن کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ عدت سے ہیں، اگلے ماہ وہ مستقل پاکستان واپس چلی جائیں گی، اسی دوران ذوالحجہ کا

کا مہینہ اور ایامِ حج آ گئے ہیں اور انہوں نے فرض حج بھی نہیں کیا، کیا
وہ اپنے بھائی کے ساتھ عدت کے ایام میں حج کر سکتی ہیں؟ ۔

(ام سلیم، جدہ)

حنابلہ کے ہاں عدت کی مدت کی تکمیل سے قبل حج کا سفر جائز نہیں ہے جیسا کہ صاحب المغنی نے لکھا ہے، جب کہ احناف میں امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے یہاں ایسی عورت اپنے محرم کے ساتھ حج کر سکتی ہے جیسا کہ البدائع، فتح القدیر اور دوسری کتب فقہ میں ہے (المفصل فی احکام المرأة، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان)

سرکاری حج وفد میں علماء کی شمولیت

آپ نے اپنے فتویٰ میں ارشاد فرمایا ہے کہ سرکاری حج وفد میں آنے والے صاحبِ حیثیت لوگوں کا حج یا عمرہ نہیں ہوتا کہ یہ قومی خزانے کا ناجائز استعمال ہے لیکن ہم نے اخبارات میں پڑھا ہے کہ چند علماء بھی صاحبِ حیثیت ہیں، سیاسی مفادات کی خاطر مفت حج و عمرے کرنے چلے آئے ہیں، کیا علماء کے لئے اس کا جواز ہے؟

حج و عمرہ کی صحت اور قبولیت کے لئے شرط اساسی اخلاص ہے، سیاسی لوگوں میں (خواہ یہ سیاستداں مولوی ہی کیوں نہ ہوں) اخلاص کہاں سے آیا؟ پھر دوسری بات یہ ہے کہ حج و عمرے کے لئے اپنا حلال پیسہ ہونا چاہیئے، یہ لوگ تو بیت المال (قومی خزانے) کے خرچے پر حج و عمرہ کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے، بعض مولوی حکومتوں سے اپنی وفاداریوں کے صلے میں جو ناجائز مراعات حاصل کرتے ہیں ان میں ایک حج و عمرے کے لئے بار بار چکر لگانا اور ملکوں ملکوں گھومنا پھرنا بھی ہے۔ آخری بات یہ سمجھ لی جائے کہ کسی عالمِ دین کے ناجائز اور حرام کاموں کو دلیل نہ بنایا جائے، دلیل تو قرآن و سنّت میں

جس کا عمل قرآن و سنت کے مطابق ہو وہ جائز ہے، اور جس کا عمل قرآن و سنت کے خلاف ہو وہ ناجائز ہے خواہ یہ شخص عالم دین ہی کیوں نہ ہو۔

مریض کا حج

جو آدمی حج پر آئے لیکن بیمار پڑ جانے کی وجہ سے اسپتال میں داخل ہو جائے، تو وہ حج کب اور کس طرح کرے گا؟

(محمد خان، مدینہ منورہ)

نو ذوالحجہ کو اگر وہ چند لمحوں کے لئے بھی میدانِ عرفات میں ٹھہر جائے تو حج کا ایک اہم فرض اور رکن ادا ہو جائے گا، باقی چیزوں کی تلافی کچھ تاخیر یا دم وغیرہ سے ہو سکتی ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے البتہ اگر یومِ عرفہ کو وقوفِ عرفہ نہ کر سکتا ہو تو حدودِ حرم میں اپنی طرف سے جانور ذبح کروا کر احرام کھول دے، اور آئندہ سال حج کی قضا کرے۔

والدہ کی طرف سے حج

میری والدہ بیماری اور کمزوری کی وجہ سے خود حج یا عمرہ نہیں کر سکتیں، کیا میں ان کے لئے حج کر لوں؟

(حاجی خلیل الرحمان، ریاض)

اگر آپ کی والدہ بہت زیادہ بوڑھی اور کمزور ہیں یا بیمار ہیں اور خود حج یا عمرہ نہیں کر سکتیں تو آپ ان کی طرف سے حج کر سکتے ہیں، جیسے آپ اپنے لئے حج کرتے ہیں اسی طرح ان کے لئے بھی حج کریں، صرف دل میں یہ نیت کر لیں کہ میں یہ حج اپنی والدہ کی طرف سے کر رہا ہوں، اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ نے خود پہلے اپنے لئے

حج کیا ہو۔ (۱)

حج کی ادائیگی، یا شادی؟

ہمارے ساتھ یہاں چند ہم وطن نوجوان ساتھی ہیں، ان پر حج فرض ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ شادی پہلے ضروری ہے، ہم پہلے شادی کریں گے، بعد میں حج کریں گے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟۔

(سید عبدالعلیم ہاشمی، ریاض)

اگر کسی پر حج بھی فرض ہو اور شادی بھی کرنا چاہتا ہو، لیکن مالی استطاعت ان دونوں میں سے ہر ایک کی ہو تو پہلے حج کرے پھر شادی، اور اگر ان میں کسی ایک ہی کی استطاعت ہے تو اس صورت میں تفصیل ہے:

۱۔ اگر حالت اعتدال کی ہو تو اس صورت میں پہلے حج کرنا ضروری ہے، بعد میں نکاح کرے۔

۲۔ لیکن اگر شہوت کا غلبہ ہو نکاح نہ کرنے پر زنا میں مبتلا ہونے کا قوی خدشہ ہو تو اس صورت میں تمام ائمہ کے نزدیک پہلے نکاح کرے گا، پھر استطاعت ہو تو بعد میں حج کرے گا۔ (۲)

اولاد کی شادی کی وجہ سے حج کی تاخیر جائز نہیں

بعض لوگ نصاب ہوتے ہوئے بھی اپنی بیٹیوں کی شادی کی وجہ

---

(۱) ہندیہ ۱/۲۵۷، المغنی ۳/۹۵

(۲) ردالمحتار ۲/۱۹۷، المجموع ۷/۵۵، حاشیہ دسوقی ۲/۷

سے حج نہیں کرتے، بعض اس میں تاخیر کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے

(عبداللہ عبدالرحیم بلوچ، بحرین)

حج کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے کہ اگر نصاب ہوگا تو حج فرض ہوگا، اگر کسی آدمی کے پاس مکۃ المکرمہ آنے جانے اور وہاں رہنے کا خرچہ اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے بچوں کے اتنے دن کا خرچہ ہے تو اس پر حج فرض ہے، بیٹیوں کی شادی کی وجہ سے حج کی تاخیر جائز نہیں، فوراً حج ادا کر لینا چاہیئے۔

مہر کی ادائیگی سے قبل حج کی ادائیگی

حق مہر ادا کرنے سے پہلے حج کی ادائیگی درست ہے؟۔

(محمد معیز الدین، ناصر)

اگر عورت مصر ہو کہ پہلے مہر ادا کریں، پھر حج کریں تو پہلے مہر ادا کرے اور حج کو مؤخر کر دے، اور اگر مصر نہ ہو، بعد میں ادا کرنے کی اجازت دے دے، یا اس مسئلہ میں خاموش رہے تو مہر کی ادائیگی سے قبل حج کرنا درست ہے۔ (۱)

بہن کی شادی سے قبل حج

میں اس سال حج کرنا چاہتا ہوں مگر میری ایک بہن کی ابھی شادی ہونی ہے کیا میں اپنی بہن کی شادی سے پہلے حج کر سکتا ہوں؟ اللہ کے فضل سے ابھی والد صاحب زندہ ہیں اور سرکاری ملازم ہیں۔

(عبدالقادر جیلانی۔ حائل)

---

(۱) ردالمحتار ۲/۱۹۱

اس سال آپ حج ادا کر سکتے ہیں، بہن کی شادی تک حج مؤخر کرنا درست نہیں۔ حج کے بعد نکاح کا بندوبست کر سکتے ہیں۔

حج سے حقوق العباد معاف ہو جاتے ہیں؟

کیا حج کرنے سے حقوق العباد بھی معاف ہو جاتے ہیں؟ جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو شخص حج کرے اور اس میں کوئی گناہ یا شہوانی بات نہ کرے تو وہ ایسے لوٹے گا جیسا کہ پیدائش کے دن تھا۔" ——— (مدثر احمد مجتبیٰ، جدہ)

عمرہ اور حج بیت اللہ کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، احادیث میں ان دونوں عبادتوں کو بندہ کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حج ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو حج سے پہلے کیے گئے (۱) ترمذی میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں "جو شخص حج کرے، اور اس میں کوئی گناہ اور شہوانی بات نہ کرے، اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں" (۲) اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹے گا جس طرح سے کہ اپنی پیدائش کے دن تھا"(۳)

ان احادیث کی بناء پر اگرچہ بعض علماء نے یہ بات کہی ہے کہ حج سے کبیرہ گناہ سارے کے سارے معاف ہو جاتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے، مگر واضح رہے، اسی حج سے یہ گناہ معاف ہوں گے جس میں کسی

---

(۱) مسلم عن ابی شماسہ المھری باب کون الاسلام یھدم ماقبلہ۔

(۲) ترمذی عن ابی ھریرۃ باب ما جاء فی ثواب الحج والعمرۃ ابواب الحج۔

(۳) مشکوٰۃ عن ابی ھریرہ کتاب المناسک، الفصل الاول

معصیت کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے نیز گناہ ہی معاف ہوں گے، بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوں گے، اور بعض علماء اس کے کے قائل ہیں کہ اس سے صغیرہ گناہ مراد ہیں جیسا کہ دیگر طاعات وعبادات کے بارے میں اصول ہے کہ احادیث میں جہاں کہیں بھی کسی نیک عمل کو گناہوں کی معافی کا ذریعہ بتایا گیا تو اس سے صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں اور کبیرہ گناہوں سے معافی کے لئے توبہ شرط ہے۔

چنانچہ حافظ ابن العربی مالکی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے عارضۃ الاحوذی شرح صحیح الترمذی میں لکھتے ہیں "ہم نے کئی جگہ یہ بات لکھی ہے کہ طاعات صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں نہ کہ کبیرہ گناہوں کا، نماز (جیسی عبادت بھی) کبائر کا کفارہ نہیں بنتی تو عمرہ حج اور قیام رمضان کیسے کبیرہ گناہوں کا کفارہ بن سکیں گے؟ ہاں یہ عبادتیں بسا اوقات دل پر ایسی اثر انداز ہوتی ہیں کہ اس سے بندہ کو سچی توبہ کی توفیق مل جاتی ہے اور یہ توبہ اس کے ہر گناہ (کبیرہ) کا کفارہ ہو جاتی ہے (ابواب الحج باب ثواب الحج والعمرۃ) اور توبہ کی قبولیت کے لئے آپ جانتے ہیں کہ گناہوں پر دل سے ندامت وشرمندگی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ ہے اور اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو صاحب حق سے بھی معافی اور حق کی ادائیگی ضروری ہے، اس کے بغیر توبہ مقبول نہیں۔

حدیث بالا کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کے مصنف نے امام ترمذی کے حوالے سے یہ عبارت لکھی ہے، ترمذی کہتے ہیں کہ یہ صرف ان گناہوں کے بارے میں ہے جن کا تعلق خاص طور پر حقوق اللہ سے ہے نہ کہ حقوق العباد سے اور پھر اس سے حقوق اللہ بھی بندہ سے ساقط نہیں ہوں گے (بلکہ صرف گناہ معاف ہوگا) مثلاً اگر کسی کے ذمہ نماز ہو یا کسی چیز کا کفارہ باقی ہو یا اور کوئی اللہ کا حق باقی ہو تو

یہ حقوق (حج کرنے کی وجہ سے، اس شخص سے ساقط نہیں ہوں گے اور معاف نہیں ہونگے کیونکہ یہ حقوق ہیں، گناہ نہیں ہے، گناہ اور معصیت تو اصل میں ان حقوق کی ادائیگی میں تاخیر ہے لہٰذا نفسِ تاخیر (اور اس کا گناہ) حج کی وجہ سے معاف ہو جائے گا نہ کہ خود وہ حق حج کے بعد حقوق کی ادائیگی میں تاخیر کرے تو وہ گناہ ہوگا، پس حج مبرور سے مخالفت کا گناہ معاف ہو جاتا ہے نہ کہ حقوق۔ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، کتاب الحج باب فضل الحج المبرور)

امام ترمذی کی رائے کا حاصل یہ ہے کہ حج سے پہلے حقوق اللہ کی ادائیگی میں جو کچھ کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کا گناہ حجِ مبرور سے معاف ہو جائے گا لیکن حقوق کی ادائیگی اس کے ذمہ پھر بھی باقی رہے گی، جہاں تک حقوق العباد کا معاملہ ہے تو حج سے نہ تو بندوں کا حق معاف ہوگا اور نہ اب تک اس کی ادائیگی میں تاخیر کا گناہ معاف ہوگا جب تک کہ صاحبِ حق سے بھی معافی نہ مانگ لے اور وہ معاف نہ کر دے، ہاں اگر صاحب حق کا کوئی پتہ نہ ہو اور اس حق کی ادائیگی سے یہ شخص عاجز ہو تو پھر ایسی صورت میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ اور حجِ مبرور سے اس حق کو بھی معاف فرما دے، اور اپنے فضل سے صاحبِ حق کو اس کا بہتر بدلہ دے دے۔ (تفسیر طبری بحوالہ ارشاد الساری)

احرام اور اس کے مسائل

میقات سے بغیر احرام گذرنا

مدینہ منورہ سے عمرہ کی نیت سے آرہے تھے لیکن "بیر علی" پر ڈرائیور نے بہت کہنے کے باوجود گاڑی نہیں روکی، اور ہم احرام نہ باندھ سکے اب کیا جزا رہے؟ ——— (محمد احسن، مکہ مکرمہ)

میقات سے احرام کے بغیر آگے نکل جانا مکروہ تحریمی ہے، گو کہ مکہ معظمہ تجارت کی نیت سے جا رہا ہو یا حج و عمرہ کے ارادہ سے، میقات پر پہونچ کر احرام باندھنا واجب ہے، اس لئے عمرہ کی نیت کر کے بغیر احرام میقات سے گذر جائیں تو دوبارہ میقات لوٹ کر احرام باندھنا چاہیئے ورنہ ایک دم (یعنی جانور کی قربانی) دینی ہوگی، کیونکہ میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔

دوست سے ملاقات کیلئے حرم سے جدّہ آنا

ایک دوست میقات سے بغیر احرام کے گذر کر جدہ میں دوست احباب سے ملاقات کرتے ہیں اور دوسرے دن وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ کرتے ہیں جب کہ انہیں معلوم ہے کہ دوستوں سے ملنے کے بعد عمرہ کرنا ہے کیا ایسا عمرہ کرنا درست ہے؟

(شاکر علی، القنفذہ)

عمرہ کا ارادہ ہو اور پھر کوئی شخص میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے، دوبارہ میقات آکر احرام بھی نہ باندھے بلکہ میقات پار کرنے کے بعد وہ جدہ سے یا کہیں اور سے احرام باندھے تو ایسے شخص پر ایک دم واجب ہوتا ہے (۲)۔ ہاں اگر کوئی شخص دوست احباب سے ملنے ہی کے لئے جدہ آئے، اس کا عمرہ کا ارادہ نہ ہو یا یقینی ارادہ نہ ہو بلکہ یہ ارادہ ہو کہ کام پورا ہونے کے بعد موقع ملے تو عمرہ ادا

---

(۱) اذا دخل الآفاقي مكة بغير احرام ...... فان احرم بالحج او العمرة من غير ان يرجع الى الميقات فعليه دم لترك حق الميقات۔ (ہندیہ ۱/۲۵۳، نیز دیکھئے: المغنی ۳/۱۱۸)

(۲) حوالہ سابق۔

کرلوں گا ورنہ واپس آجاؤں گا، ایسی صورت میں اگر جدہ آنے کے بعد عمرہ کا ارادہ ہوجائے اور وہ شخص یہاں سے احرام باندھ کر عمرہ کرلے تو یہ درست ہے اس صورت میں دم واجب نہ ہوگا۔ (۱) لیکن پہلے ہی سے عمرہ کا ارادہ ہو اور پھر جدہ آکر یہاں ایک دو دن دوست احباب کے پاس ٹھہر کر عمرہ کا احرام باندھے تو اس کا عمرہ تو درست ہے مگر اس پر دم واجب ہوگا، ایسے شخص پر چاہیئے کہ وہ میقات سے احرام باندھے اور پھر عمرہ کے بعد دوست احباب سے ملاقات کرے یا پہلے ملنا ہو تو حالتِ احرام ہی میں رہے پھر ملاقات کے بعد عمرہ ادا کرلے۔

مکہ مکرمہ سے حج کا احرام

میں اپنے والدِ مرحوم کے لئے حجِ بدل کرنے کی غرض سے ۶ ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ چلا گیا پھر ۸ ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ ہی سے احرام باندھ کر منیٰ چلا گیا، کیا میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے دم دینا ہوگا؟

اہلِ جدہ کے لئے اپنے گھر یا حدودِ حرم سے پہلے احرام باندھ لینا ضروری ہے (۲)، میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے آپ پر دم واجب ہوگا، حدودِ حرم میں ایک جانور (بکرا وغیرہ) ذبح کرواکر فقراء مکہ مکرمہ میں تقسیم کریں۔

اہلِ مکہ عمرہ کا احرام کہاں سے باندھیں؟

---

(۱) دیکھیے مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب " احکامِ حج "ص: ۳۶ تا ۴۲ ط: دارالاشاعت کراچی

(۲) ان میقات الحج والعمرة لمن کان داخل المواقیت هو بالاتفاق الحل وذالك من اماكنهم. (الفقه الاسلامی وادلته ۳/ ۰)

ہم کئی سال سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں، اور الحمدللہ ہر ماہ یا ایک مہینے میں کئی مرتبہ عمرہ کی سعادت مل جاتی ہے، ہم تنعیم یا جعرانہ یا کسی اور میقات سے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں، مگر حال ہی میں ہم نے ایک کتاب میں دیکھا کہ مکہ والوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ باہر جاکر میقات سے احرام باندھ کر آئیں، بلکہ انہیں چاہئے کہ وہ گھر سے احرام باندھ کر سیدھے حرم شریف چلے جائیں، مصنف نے یہ بھی لکھا کہ باہر جاکر کسی میقات سے احرام باندھنا کسی حدیث یا قرآن سے ثابت نہیں، اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی درکار ہے؟

(زاہدہ فیاض، مکہ مکرمہ)

اہل مکہ کے لئے عمرہ کا احرام مکہ سے باہر جاکر "حدود حل" سے باندھنا ضروری ہے، وہ عمرہ کا احرام مکہ میں اپنے گھر سے نہیں باندھ سکتے، یہ بات متفق علیہ ہے اس میں اہل علم کے درمیان کسی کا اختلاف بھی نہیں، البتہ حج کے احرام کے لئے اہل مکہ کو مکہ سے باہر جانا ضروری نہیں بلکہ وہ اپنے گھر ہی سے حج کا احرام باندھیں گے، یا مکہ میں جہاں سے چاہیں حج کا احرام باندھ سکتے ہیں(۱)، نیز جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ اہل مکہ عمرہ کے لئے سارے حدود حل میں کہیں سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں، البتہ حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے پھر جعرانہ سے اور پھر مقام حدیبیہ سے(۲)۔

(۱) اهل مكة اذا ارادوا العمرة فمن الحل واذا ارادوا الحج فمن مكة۔

(المغنی ۳ / ۱۱۱، نیز دیکھئے: بدائع: ۲ / ۱۶۳)

(۲) وافضلها عند الحنفية والحنابلة: التنعيم۔ كان النبي صلى الله عليه وسلم امر عبد الرحمن بن ابي بكر ان يعمر عائشة من التنعيم لانها اقرب الحل الى مكة ثم الجعرانة ثم الحديبية۔ (الفقه الاسلامی وادلته ۳ / ۶۹)

اہلِ مکہ کے لیے عمرہ کا احرام مکہ سے باہر جاکر حدودِ حل سے باندھنے کا وجوب کئی احادیث سے ثابت ہے، ہوسکتا ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہو اور صاحبِ کتاب نے حج کے احرام کا ذکر کیا ہو کہ اس کے لیے اہلِ مکہ کو مکہ سے باہر جانا ضروری نہیں۔ اگر کوئی مکہ میں رہنے والا اپنے گھر سے یا مکہ میں کسی بھی مقام سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کرے اور حدودِ حل میں داخل نہ ہو تو اکثر فقہاء کے ہاں اس شخص کا عمرہ تو صحیح ہوجائے گا، مگر میقات سے احرام نہ باندھنے کی بناء پر اس پر دم یعنی ایک جانور کی قربانی واجب ہوگی، کیونکہ عمرہ کے لیے اہلِ مکہ کی میقات حدودِ حل ہے نہ کہ حرم۔

جدہ سے احرام باندھنا

میں نے چند سال قبل غلطی سے جدہ سے احرام باندھ لیا تھا جب کہ مجھے ریاض سے احرام باندھ کر جدہ جانا چاہیئے تھا، اب میں کیا کروں کیا میرا حج صحیح ہے؟ —— (فرید خاں، ریاض)

جمہور اہلِ علم کا فتویٰ یہ ہے کہ چونکہ جدہ میقات نہیں ہے لہٰذا جدہ سے صرف اہلِ جدہ احرام باندھ سکتے ہیں، باہر سے آنے والے لوگ اپنے اپنے میقات سے احرام باندھیں۔ آپ کا حج صحیح تھا، البتہ احرام غلط جگہ سے باندھنے کی وجہ سے آپ ایک دم دے دیں (۱)، یا تو خود مکہ مکرمہ جاکر بکرا ذبح کریں یا کسی کو اپنی طرف سے کہہ دیں کہ وہ مکہ مکرمہ جاکر آپ کی طرف سے بکرا ذبح کردے، اگر دم نہ دے سکتے ہوں تو قبولیت حج کی دعاء کرتے رہیں، اور آپ پر کچھ نہیں ہے، انشاء اللہ آپ کا حج صحیح ہی گا۔

---

(۱) فان احرم من مکانہ فعلیہ دم۔ (المغنی ۳/ ۱۱۵)

مکہ مکرمہ میں داخلہ کیلئے احرام شرط ہے

میری ایک بہن مکہ مکرمہ میں رہتی ہے، اور میں طائف میں رہتا ہوں، جہاں میرا ذاتی کاروبار بھی ہے، مجھے کاروبار کے سلسلے میں مکہ مکرمہ جانا پڑتا ہے، جب بھی مکہ مکرمہ جاتا ہوں تو میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ کم از کم ایک نماز حرم شریف میں مل جائے، یا بیت اللہ شریف کے طواف کا موقع ملے، لیکن حال ہی میں ایک صاحب نے بتایا کہ میقات سے باہر رہنے والے لوگ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوسکتے، چاہے ان کی نیت تجارت یا کسی سے ملاقات ہی کیوں نہ ہو، میں سینکڑوں بار بلا احرام مکہ مکرمہ جاچکا ہوں اور آئندہ بھی تجارتی غرض سے مکہ مکرمہ جانا پڑے گا، میرے لئے شرعی حکم کیا ہے ؟۔

آپ بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہوسکتے ہیں، کیونکہ میقات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میقات مقرر ہیں اور ان کے لئے ہیں جو حج وعمرہ کے ارادہ سے آنا چاہیں (۱)، یعنی وہ لوگ جو حج وعمرہ کے ارادہ کے بغیر تجارت غرض سے یا اپنے کسی رشتہ دار سے ملنے کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو ان کے لئے بلا احرام بھی مکہ مکرمہ میں داخلہ جائز ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہوئے، حدیث میں ہے آپ صلی اللہ

---

(۱) مشکوٰۃ عن ابن عباس کتاب المناسک الفصل الاول، بخاری عن ابن عباس باب مھل اھل الشام، کتاب الحج، مسلم باب مواقیت الحج والعمرۃ کتاب الحج ۔

علیہ وسلم کالا عمامہ باندھے ہوئے تھے (۱) احرام باندھنے کا تعلق نیت سے ہے کہ میقات عبور کرنے والے کی نیت کیا ہے؟ اگر حج و عمرہ کی نیت ہو تو بغیر احرام کے میقات عبور کرنا جائز نہیں، اس سے دم لازم آئے گا، اور اگر میقات عبور کرنے والے کی نیت طواف بیت اللہ یا حرم میں نماز ادا کرنے سے یا کسی سے ملنے کی ہو یا تجارتی غرض ہو تو میقات عبور کرنے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری نہیں۔ (۲)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک میقات سے باہر رہنے والے یعنی آفاقی پر واجب ہے کہ جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے ارادہ سے حدودِ میقات میں داخل ہوں، خواہ وہ کسی تجارتی غرض سے مکہ جا رہے ہوں یا عزیزوں دوستوں سے ملاقات کیلئے، بہرحال ان پر بیت اللہ کا حق ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوں، اگر حج کا وقت ہے تو حج کا، ورنہ عمرہ کا احرام باندھیں اور پہلے بیت اللہ کا یہ حق ادا کریں، اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوں، ہندیہ میں ہے: لا یجوز للآفاقی ان یدخل مكة بغير احرام نوى النسك اولا ولو دخلها فعليه حجة او عمرة (هنديه ۱/۲۲۱)

ہاں اگر جدہ کا سفر جانے کی نیت سے نہ ہو بلکہ صرف جدہ یا مدینہ طیبہ جانے کی نیت ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں، البتہ جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا سفر کریں تو میقات پر احرام باندھنا واجب ہے۔

غسل احرام کے بعد کپڑے پہننا

زید نے غسل کرنے کے بعد سلا ہوا کپڑا پہنا اور بالوں میں کنگھی

---

(۱) المغنی ۳/۱۱۷-۱۱۶

(۲) المغنی ۳/۱۱۷-۱۱۶

وغیرہ افعال انجام دیئے، اس کے بعد احرام باندھا اور نماز ادا کی
بعض حضرات کہتے ہیں کہ زید کا یہ عمل صحیح نہیں ہے، بلکہ زید کو غسل کے
فوراً بعد احرام باندھنا چاہیئے، شرعاً زید کا عمل کیسا ہے ؟۔

(محمد شمیم بن زقر، جدہ)

اگر یہ غسل اس نیت سے کیا ہے کہ یہ احرام کے لئے ہے تو اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ غسل کے بعد سلے ہوئے کپڑے نہ پہنے جائیں، بلکہ فوراً احرام باندھ لیا جائے، لیکن یہ فرض یا واجب نہیں ہے، زید نے جو کچھ کیا شرعاً وہ بھی جائز ہے۔

تولیہ کے طور پر احرام کا استعمال

احرام جو عمرہ کرنے کے لئے خریدا گیا کیا عمرہ کے بعد وہی احرام تولیئے کے
طور پر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ میرے ایک ساتھی نے کہا کہ یہ
بہت بڑا گناہ ہے۔ ——— (محمد رحیم خاں، عرعر)

عمرہ کرنے کے بعد احرام کی چادریں تولیئے کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں یا کسی دوسرے مصرف میں بھی لائی جا سکتی ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں۔

حج وغیرہ کا مشروط احرام

اگر کسی نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا، مگر اسے خطرہ ہے کہ کسی وجہ
سے شاید وہ حج یا عمرہ نہ کر سکے اور اسے احرام کھولنا پڑے، تو اس
صورت میں وہ کیا کرے ؟ ——— (شفیق احمد، جدہ)

حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والے کو اگر کسی بات کا خطرہ و اندیشہ ہے جس کی وجہ سے شاید اسے احرام کھولنا پڑے گا تو وہ نیت کے وقت تلبیہ کہتے ہوئے یہ الفاظ

کہہ دے، ان جملوں کے کہنے کے بعد اگر اسے کوئی حادثہ یا واقعہ پیش آتا ہے اور وہ احرام کھول دیتا ہے تو اس پر دم نہیں ہوگا، وہ دعا یہ ہے: ان حبسنی حابس فمحلی حیث حبستنی (۱) (ترجمہ: اگر مجھے کوئی رکاوٹ پیش آجائے تو میرے احرام کھولنے کی جگہ وہی ہے جہاں رکاوٹ پیش آئے) متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضباعہ بنت الزبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم یہ دعا پڑھ لیا کرو، یہ رائے حنابلہ کی ہے، موجودہ حالات میں حج وعمرہ کے موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سمینار منعقدہ بمبئی ۱۹۹۷ء میں علماء ہند نے احناف کے لئے بھی ضرورتاً اس کی اجازت دی ہے۔

عورتوں کا احرام

کچھ عورتیں اسکارف باندھتے ہوئے سر پر سفید اسکارف باندھ لیتی ہیں کیا یہ ضروری ہے؟ —— (عفیفہ اشفاق، ریاض)

عورت کا احرام اس کے عام کپڑے ہیں، احرام کے لئے کوئی خاص رومال وغیرہ سر پر باندھنا ضروری نہیں ہے۔ (۲)

حالت احرام میں بالوں کا گرنا

۱۹۹۷ء میں میں نے حج کیا تھا، احرام کی چادر میں مجھے کچھ بال نظر آئے جو شاید بدن سے نکل گئے ہوں گے، کبھی میں سوچ کر پریشان

---

(۱) ویشترط فیقول ان حبسنی حابس فمحلی حیث حبستنی فان حبس حل من المواضع الذی حبس ولا شیٔ علیہ۔ (المغنی ۳/۱۲۶)

(۲) اجمع اھل العلم ان للمحرمۃ لبس القمص والدروع والسراویلات والخمر والخفاف۔ (المغنی ۳/۱۵۵)

ہو جاتا ہوں کہ حج ہوا یا نہیں، اسی طرح کچھ عرصہ قبل میں نے عمرہ کرنے کے ارادہ سے غسل کر کے احرام باندھ لیا لیکن وضو کرنا بھول گیا حرم جا کر وضو کیا، جمعہ کی نماز ادا کی پھر عمرہ کیا، کیا اس طرح میرا عمرہ ادا ہو گیا؟ ——— (منظور احمد خاں، مکہ مکرمہ)

حالتِ احرام میں خود بخود بغیر ارادہ کے اگر چند بال بدن کے کسی حصے سے جدا ہو جائیں تو حج پر اثر نہیں پڑتا، آپ پر کچھ لازم نہیں، ہاں اگر محرم کے ایسے فعل سے گریں جس کا وہ مامور ہے جیسے وضو تو تین بال میں بھی ایک مٹھی گیہوں صدقہ کر دینا کافی ہے (۱)۔ آپ کا حج اور عمرہ دونوں صحیح ہیں، کیونکہ غسل کرنے کے بعد پھر سے وضو کرنا ضروری نہیں ہے غسل کرنے ہی سے وضو کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے، نیز احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا یا باوضو ہونا شرط و واجب نہیں ہے، البتہ مستحب ہے کہ غسل کر کے یا کم از کم وضو کر کے حج یا عمرہ کا احرام باندھے۔ (۲)

حالتِ احرام میں خواتین کا چہرہ ڈھانپنا

کیا احرام کی حالت میں عورت کے لئے جسم کے علاوہ اپنا چہرہ بھی برقع میں چھپانا ضروری ہے؟۔

عورت جب عمرہ یا حج کی نیت سے احرام باندھے تو حالتِ احرام میں اپنا چہرہ کھلا رکھے، البتہ اجنبی مردوں کے سامنے برقع کا نقاب اس طرح ڈال لے کہ وہ چہرہ کو نہ لگے، کیونکہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) احکامِ حج: ص: ۹۹ (مفتی شفیع صاحب)

(۲) الفقہ الاسلامی ۳/۱۲۸

حالتِ احرام میں عورتوں کو چہرہ کھلا رکھنے کا حکم دیا ہے لیکن ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے ، یہ حدیث ابوداؤد ، ابنِ ماجہ اور دار قطنی میں موجود ہے ، کہ ہم احرام کی حالت میں ہوتی تھیں ، اور جب مرد ہمارے قریب سے گزرتے تھے تو ہم اپنے چہرے ڈھانپ لیا کرتی تھیں ، اور جب مرد گزر جاتے تو ہم پھر چہرے سے کپڑے ہٹا دیا کرتی تھیں (۱) آج کل چونکہ ہر طرف غیر محرم مرد ہوتے ہیں ، لہٰذا مسلم خاتون کو چاہیئے کہ وہ گھر سے نکلنے کے ساتھ ہی حالتِ احرام میں ہونے کے باوجود چہرے کو چھپائے ، البتہ دورانِ سفر یا خیمہ وغیرہ میں اگر صرف خواتین ہی خواتین ہوں ، غیر محرم مرد نہ ہوں تو چہرہ کھلا رکھا جائے ، آج کل عام طور پر خواتین احرام باندھ کر اپنا چہرہ اور جسم کسی چادر وغیرہ سے نہیں چھپاتیں اور بلا حجاب گھومتی پھرتی ہیں ، یہ مناسب نہیں ۔

عورت احرام میں چہرہ کھلی رکھے

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عورت احرام باندھنے کے بعد چہرہ کھلا رکھے مگر غیر محرم مردوں سے پردہ کے لئے چہرہ پر اس طرح سے کپڑا لٹکا دیا جائے کہ یہ کپڑا چہرہ سے نہ لگے ، کیا ایسا کرنا ضروری ہے ؟

کسی بھی صحیح حدیث سے یا امہات المومنین وصحابیات کے عمل سے ایسا کرنا ثابت نہیں ، لہٰذا آپ جس طرح سے عام حالات میں چہرہ چھپاتی ہیں اسی طرح حالتِ احرام میں بھی غیر محرم مردوں سے اپنا چہرہ چھپائیں ، کپڑا اگر چہرہ سے لگتا ہے تو اس میں

---

(۱) ابوداؤد عن عائشہؓ باب فی المحرمۃ تغطی وجہھا ، کتاب المناسک ۔

دار قطنی ۲/۲۹۵ باب المواقیت ، کتاب الحج ۔

کوئی قباحت نہیں، البتہ چہرہ چھپاتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ نقاب نہ باندھا جائے کوئی بھی کپڑا نقاب باندھنے کی طرح نہ باندھا جائے، بلکہ کپڑا سر پر ڈال کر چہرے پر لٹکایا جائے۔

غسل کیلئے احرام کی چادریں کھولنا

حالتِ احرام میں (حج یا عمرہ کرتے ہوئے) اگر کوئی شخص غسل کرنے کے لئے احرام کی دونوں چادریں کھول دے تو کیا اس صورت میں دم واجب ہوگا؟ —— (صوفی محمد نذیر، مدینہ منورہ)

غسل کے لئے احرام کھولنے سے دم واجب نہیں ہوتا۔

حالت احرام میں پمپر کا استعمال

مجھے بواسیر کی تکلیف ہے، کیا احرام کے دوران بار بار کوئی پمپر یا کپڑا وغیرہ (خون کو روکنے کے لئے) رکھا جاسکتا ہے؟۔

(ایک بہن، رفحار)

جی ہاں! آپ یہ عمل انجام دے سکتی ہیں، احرام پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا۔(۱)

احرام کھولنے کیلئے خود سے سر کے بال کاٹنا

اگر کوئی شخص عمرہ کرنے کے بعد آخر میں پہلے اپنے سر کے تھوڑے سے بال لے لے، اور پھر فوراً پورے سر کے بال کٹوادے تو کیا یہ

---

(۱) جدید فقہی مسائل ۱/۱۳۰، دہلی۔

جائز ہے ؟ —— (محمد روح الامین، ینبع)

یہ جائز ہے۔

اگر احرام باندھ کر عمرہ نہ کر سکیں

چند روز قبل ہم احرام باندھ کر عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے، راستے میں ہماری گاڑی خراب ہو گئی، پھر ہم گھر واپس ہو گئے کیا ہم پر اس کا کچھ کفارہ واجب ہے، اور کیا اس کی ادائیگی اپنے ملک میں کر سکتے ہیں ؟ —— (مسز وحید خاں، جدہ)

احرام باندھنے سے پہلے اگر کوئی عذر پیش آجائے اور عمرہ نہ کر سکیں تب تو یہ احصار نہیں ہوگا اور نہ عمرہ کرنے پر کوئی دم دینا پڑے گا، لیکن عمرے کی نیت سے احرام باندھ لیں پھر کوئی عذر پیش آجائے اور عمرہ نہ کر سکیں تو یہ شرعاً احصار ہے (۱)، تو احرام کی پابندیوں کا خیال رکھتے ہوئے اور اسی احرام کو برقرار رکھتے ہوئے عذر دور ہونے کے بعد عمرہ کر سکتے ہیں، مثلاً ایک شخص عمرے کے ارادہ سے احرام باندھ کر جدہ سے مکہ روانہ ہوا راستہ میں کوئی عذر پیش آگیا یا بیمار ہو گیا تو اب اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اسی دن عمرہ ادا کرے بلکہ یہ ممکن ہے کہ وہ شخص احرام ہی کی حالت میں رہے، طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد عمرے کے ارکان ادا کرے، ہاں اگر یہ ممکن نہ ہو اور احرام کھولنا پڑے تو حدودِ حرم میں جانور ذبح کرنا ہوگا اور وہیں اسکا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کرنا ہوگا (۲)

---

(۱) الاحصار فی عرف الشرع هو اسم لمن احرم ثم منع عن المضی فی موجب الاحرام (بدائع ۲/۱۷۵)

(۲) فان احصرتم فما استيسر من الهدی. بقرة/ ۱۹۶

یہ قربانی حرم سے ہٹ کر اپنے ملک میں کرنا صحیح نہیں۔ (۱)

حالت احرام میں سر ڈھانکنا

میرے ایک عزیز پاکستان سے حج کے لئے آئے تھے، انہوں نے پاکستان سے احرام باندھا، مگر حالتِ احرام میں بنیان پہنے رہے، اور سر سے پگڑی بھی نہیں اتاری، اسی حالت میں عمرہ کیا، پھر مکہ سے احرام باندھ کر حج ادا کیا، البتہ حج پر جانے سے پہلے ان کا احرام درست کروا دیا گیا معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ان کا عمرہ درست ہو گیا، یا دوبارہ کرنا ہوگا، نیز حج بھی صحیح ہوا کہ نہیں؟۔

حج وعمرہ دونوں صحیح اور درست ہیں، ایک دن مکمل یا ایک رات مکمل احرام میں سلا کپڑا پہنے رہنا، اور سر یا چہرہ ڈھانپنا ممنوع ہے، یہ دو علاحدہ جنایت ہے، اس پر دم دینا پڑے گا، اس صورت میں اگر پہلے دم نہ دیا ہو تو ان دونوں جنایت کے بدلہ ایک ہی دم دینا کافی ہوگا، لیکن اگر پہلے ایک دم دے چکا ہو، پھر بھی سلا کپڑا پہنے رہے، یا سر یا چہرہ چھپائے رکھا تو دوسرا دم بھی دینا پڑے گا۔ (۲) امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک دن یا رات

---

(۱) ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ (بقرہ: ۱۹۶) والمعھود فی الھدی الواجب بالشرع کھدی المتعۃ والقران واشباھھما ان ذبحھا یکون فی الحرم۔ (المغنی ۳/۲۹۲، نیز دیکھئے: بدائع ۲/۱۷۸)

(۲) لو لبس المحرم المخیط ایاما فان لم ینزعہ لیلاً ونھاراً یکفیہ دم واحد بالاجماع وان ذبح الھدی ودام علی لبسہ یوما کاملا فعلیہ دم آخر بالاجماع لان الدوام علیہ لیس مبتدأ (ھندیہ ۱/۲۴۲)

کے تھوڑے سے حصہ میں بھی سلا ہوا کپڑا پہنے رہا تو بھی دم دینا ہوگا۔ (۱)

سفرِ حج میں احرام باندھنے سے قبل بیمار ہو جائے تو کیا کرے؟

میرے والد چند سال قبل حج اور عمرے کی نیت سے جدہ تشریف لائے تھے، انہوں نے عمرہ کے لئے احرام باندھا اور عمرہ کر کے کھول دیا، پھر حج کے لئے نکلنے والے دن حج کا احرام باندھنے سے قبل انکی طبیعت خراب ہوگئی اور ایک آپریشن کے لئے انہیں فوراً ہسپتال میں منتقل ہو کر پندرہ دن وہاں رہنا پڑا اس طرح وہ بغیر حج کئے وطن واپس چلے گئے اب چند دن قبل ان کا انتقال ہو گیا، کیا میرے لئے ان کی طرف سے حج کرنا ضروری ہے یا ان کا وہ حج صحیح ہے جو نیت کے باوجود نہیں کر سکے تھے؟ ——— (سلمان اشرف انصاری، حائل)

جس شخص پر حج فرض ہو جائے اور حج کا زمانہ بھی پائے لیکن بیماری کی وجہ سے حج ادا نہ کر سکے تو اس کے ذمہ فرض ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حجِ بدل کرا دے، ان کو چاہیئے تھا کہ حجِ بدل کرا دیتے یا وصیت کر جاتے کہ میرے مرنے کے بعد مری جانب سے حجِ بدل کرا دینا، اگر انہوں نے وصیت نہیں کی ہے تو آپ کو چاہیئے کہ ان کی طرف سے حجِ بدل کریں تاکہ ان کا فرض ادا ہو جائے (۲)، یا یہ کہ وصیت کر دے کہ میرے مرنے کے بعد مری طرف سے مرے مال سے حجِ بدل کرا دیا جائے یہ واضح رہنا چاہیئے کہ نیت کر لینے سے

---

(۱) لا تتقدر فدیته بالزمن۔ (المغنی ۳/۲۶۲)

(۲) فان کان مریضا لا یرجی برؤہ او شیخا لا یستمسك علی الراحلة اقام من یحج منه ویعتمر، وقد اجزأ منه۔ المغنی ۳/۹۱

عبادت ادا نہیں ہوتی جب تک کہ عبادت کے افعال مکمل نہ کر لئے جائیں، اس لئے صرف حج کی نیت سے حج ادا نہیں ہوا۔

حلق یا قصر کے بغیر احرام کھولنا

اگر کوئی حلق یا قصر کرنا بھول جائے اور احرام اتار دے تو اسے کیا کرنا چاہیئے؟۔

اگر کوئی شخص حلق یا قصر کرنا بھول جائے اور احرام اتار کر کپڑے پہن لے تو اس پر دم واجب ہو جاتا ہے۔

کیا ولادت سے احرام ٹوٹ جاتا ہے؟

ایک عورت حمل کی حالت میں کسی ملک سے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے آتی ہے اور یہاں سعودیہ پہونچنے کے بعد عمرہ کی ادائیگی سے پہلے ہی اسے ...... ولادت ہو جاتی ہے، اب چونکہ اسکا احرام ختم ہو گیا، اس لئے پاک ہونے کے بعد دوسرا احرام باندھ کر یعنی احرام کی نیت سے پہلے ہی شوہر سے ہم بستر ہو، اور پھر احرام کی نیت کر کے عمرہ کرے تو کیا اس پر دم واجب ہو گا یا کوئی اور حکم ہے؟

(محبوب محمد، طائف)

آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ ولادت ہونے کی وجہ سے عورت کا احرام ختم ہو جاتا ہے اور ٹوٹ جاتا ہے، جب کوئی عورت حج یا عمرہ کی نیت اور تلبیہ پڑھ کر محرم ہو جائے، پھر حج و عمرہ کی ادائیگی سے قبل ہی اسے .... ولادت ہو جائے، یا ایام خاص شروع ہو جائیں، تو اس کے احرام اور حج و عمرہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہاں چونکہ ناپاکی کی

حالت میں کوئی عورت مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی، اور طواف کے لئے پاکی بھی شرط ہے، اس لئے حج کے احرام کی صورت میں ایسی عورت حج کے سارے افعال انجام دے گی سوائے طوافِ زیارت کے، پھر جب پاک ہوجائے تو طوافِ زیارت کرے، اور عمرہ کی صورت میں پاک ہونے کے بعد طواف و سعی کر کے قصر کرلے، اس دوران ذکر و تسبیح میں مشغول رہے جس کے لئے طہارت شرط نہیں۔

سوال میں جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اس میں ولادت کی وجہ سے اس عورت کا احرام ختم نہیں ہوا بلکہ وہ برابر محرم رہی، لیکن جب شوہر سے صحبت ہوئی تو حالتِ احرام میں صحبت و تعلق کی وجہ سے اس کا احرام ٹوٹ گیا، اور اس پر بطورِ کفارہ ایک دم واجب ہوگیا، دم دے کر دوبارہ احرام باندھ کر عمرہ ادا کرے، اگر یہی غلطی حج میں وقوفِ عرفہ سے پہلے ہو تو حج باطل ہو کر قضا ر لازم ہوتی ہے، اور کفارہ میں اونٹ یا گائے کی قربانی لازم ہوتی ہے، (۱) اور اگر وقوفِ عرفہ کے بعد طوافِ زیارت سے پہلے کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے تو اس کا حج تو ادا ہو جائے گا، لیکن اونٹ یا گائے کی قربانی اس پر بھی لازم ہوگی

بلا احرام ثواب کی نیت سے عرفات جانا

کیا میں احرام کے بغیر عام کپڑوں میں عرفات (ثواب کی نیت سے) حاضری دے سکتا ہوں؟ ——— (چنگیز اقبال ثاقب، جدہ)

آپ اپنے عام کپڑوں میں بلا احرام ثواب کی نیت سے عرفات میں حاضری دے سکتے ہیں، اور وہاں حجاج کی دعاؤں میں شمولیت اختیار کرسکتے ہیں، یہ عمل جائز ہے۔

---

(۱) من جامع امرأته وهما محرمان مضيا في احرامهما وعليهما هدي ويقضيان من قابل ويفترقان۔ (بدائع ۲/۲۱۶)

احرام باندھنے کے بعد عمرہ کی ادائیگی میں تاخیر

چند سال قبل ۲۷ رمضان کو میں اپنی والدہ، بیوی اور دو بچوں کے ساتھ عمرہ کرنے گیا تھا، اس دن رش زیادہ تھا، بچے بہت چھوٹے تھے، اور انہوں نے اتنا تنگ کیا کہ ہم لوگ طواف کرنے کے بعد سعی نہ کرسکے ویسے ہی گھر آگئے، چند دوست احباب سے معلوم کیا کہ ایسی بات پیش آگئی ہے تو انہوں نے کہا کہ کل یعنی ۲۸ رمضان کو عمرہ کرلو، پہلے والا عمرہ بھی ہوجائے گا، ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا، مگر میری بیوی ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے نہیں جاسکی، میں نے رمضان کے بعد اس کی طرف سے مکہ مکرمہ میں ایک دم دے دیا، لیکن میرا اور والدہ کا عمرہ بھی صحیح ہوگیا یا ہمیں کوئی کفارہ دینا ہوگا؟ دل مطمئن نہیں ہے کہ عمرہ ہوا یا نہیں، رہنمائی فرمائیں تاکہ تسلی ہوجائے۔

(ظفر محمود، جدہ)

عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ فوراً ہی عمرہ ادا کرلیا جائے، اگر کسی وجہ سے تاخیر ہوجاتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب تک عمرہ مکمل نہ ہوجائے آدمی حالتِ احرام ہی میں رہے گا، اور احرام کی ساری پابندیاں اس پر رہیں گی، ہاں اگر کوئی ایسی رکاوٹ پیش آگئی کہ حرم پہونچ نہیں سکتا، اور عمرہ ادا نہیں کرسکتا تو پھر ایسے شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے حدودِ حرم میں جانور ذبح کروائے جب جانور ذبح ہوجائے تو پھر حلق یا قصر (بال منڈوا کر یا بال کتروا کر) کرکے احرام کھول دے، مزید کوئی کفارہ اس پر واجب نہیں، پھر آئندہ جب بھی موقع ملے مستقل احرام باندھ کر عمرہ کرلے، ہندیہ میں ہے: لو احرم بشیئ وسماہ فنسیہ واحصر یحل بھدی واحد وعلیہ

حجة وعمرة. (هندیہ ۱/۲۵۶)

آپ جب ۲۷ رمضان کو عمرہ مکمل نہیں کرسکے تو آپ کے لئے بہتر صورت یہی تھی کہ آپ، والدہ اور بیوی سب حالتِ احرام ہی میں رہتے، اور احرام کی پابندیوں کا خیال کرتے، پھر دوسرے دن جب بھی موقع ملتا، اسی احرام سے عمرہ مکمل کرکے احرام کھول دیتے اس صورت میں کوئی دم وغیرہ واجب نہ ہوتا، بہرحال آپ کا اور آپ کی والدہ کا دوسرے دن کا عمرہ تو صحیح ہے، اور پہلے دن یعنی ۲۷ رمضان کو گھر آکر احرام کھول دیا ہو تو اپنی طرف سے اور والدہ کی طرف سے بھی ایک ایک دم دے دیں، اور ناواقفیت کی وجہ سے غلطی ہوگئی ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور بیوی کو اس عمرہ کی قضاء کی نیت سے ایک عمرہ کروادیں۔

احرام باندھنے کے بعد رکاوٹ

میرے ساتھ ایک مسئلہ یہ پیش آیا کہ میں ریاض سے مکہ ڈیوٹی پر آرہا تھا تو راستے میں میں نے عمرہ کی نیت کرکے احرام باندھ لیا جب میں مکہ پہونچا تو جس کے پاس میں کام کرتا ہوں اس نے میرا احرام کھلوادیا۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے، کیا مجھ پر دم واجب ہوگیا؟

(محمد رفیق، ریاض)

حج وعمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اگر کوئی ایسی رکاوٹ پیش آئے کہ آدمی حج وعمرہ نہ کرسکے تو اسے چاہیئے کہ پہلے حدودِ حرم میں جانور ذبح کرکے یعنی دم دے کر پھر حلق یا قصر کرکے اپنا احرام کھول دے۔ المغنی میں ہے: وان حصر بعدو ونحر ما معه من الهدی وحل (المغنی ۳/۲۷۱، نیز ملاحظہ ہو: الفتاوی الہندیہ ۱/۲۵۶)

کیا محرمہ عورت نقاب دستانے نہیں پہنے گی؟

ہمارے ہاں اکثر علماء خواتین کو عمرہ یا حج کے احرام میں چہرہ کھلا رکھنے کا حکم دیتے ہیں بلکہ اس پر شدت بھی کرتے ہیں' اور دلیل میں متفق علیہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ محرمہ عورت نقاب اور دستانے نہیں پہنے گی، آپ کی کیا رائے ہے؟

عورت کے لئے احرام باندھنے کے سلسلے میں اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ یہ اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی رکھے گی، کیونکہ متفق علیہ حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ محرمہ اپنے چہرے پر نقاب نہیں باندھے گی اور نہ ہی دستانے پہنے گی۔(۱) لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمیں بعض دوسری احادیث میں امہات المومنین عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ احرام کی حالت میں مردوں کی موجودگی کی وجہ سے اپنے اپنے چہرے چھپالیا کرتی تھیں کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن محرمون فاذا مربنا رکب سدلنا علی وجوھنا الثوب من قبل رؤسنا واذا جاوزنا الرکب رفعناہ۔ (۲) ان دونوں اہم احادیث کو سامنے رکھ کر علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مسلم خاتون احرام کی حالت میں اپنا چہرہ ضرور چھپائے گی تاکہ غیر محرم مردوں کی نگاہوں سے چہرہ چھپا رہے' اور چونکہ دونوں حدیثوں پر عمل کرنا ضروری ہے' لہٰذا اس

---

(۱) لا تنتقب المحرمة ولا تلبس القفازين (بخاری عن ابن عمر باب ما ینھیٰ من الطیب للمحرم والمحرمة، کتاب جزاء الصید

(۲) ابوداؤد عن عائشة باب فی المحرمة تغطی وجھھا، کتاب المناسك، ابن ماجه عن عائشة باب المحرمة تسدل الثوب علیٰ وجھھا۔

کا طریقہ یہ ہے کہ چہرے پر نقاب باندھا نہ جائے بلکہ کوئی بھی کپڑا سر پر اس طرح سے ڈال لیا جائے کہ یہ چہرے پر بھی آجائے تاکہ چہرہ چھپ جائے (۱) اگر یہ کپڑا چہرہ پر لگتا ہے تو کوئی قباحت نہیں ہے اور یہ جائز ہے۔ میں اپنی تمام مسلم بہنوں سے درخواست کروں گا کہ وہ احرام کی حالت میں اپنا چہرہ چھپائیں، اور چہرہ کھلا رکھنے کی وجہ سے دوسروں کے کبیرہ گناہوں کا سبب نہ بنیں۔

احرام کی چادریں گھریلو استعمال میں

کیا احرام کی دونوں چادریں ہم لوگ گھریلو استعمال میں لا سکتے ہیں

(مسز عظمت اللہ قریشی، حائل)

احرام کی دونوں چادریں آپ اپنے گھریلو استعمال میں شوق سے لا سکتی ہیں، یہ عمل جائز ہے۔

احرام کھولنے پر دم

میرا بھائی عمرہ کرنے کے ارادہ سے احرام باندھ لیا، مگر بروقت سواری نہ ملنے کی بنا پر احرام کھول دیا، اور وطن چلا گیا، اور مجھ سے کہہ گیا کہ میں اس کی طرف سے دم دے دوں، کیا میں اپنے بھائی کی طرف سے دم دے سکتا ہوں؟ ——— (مجیب اللہ، جدہ)

ہاں! آپ اپنے بھائی کی طرف سے (حدودِ حرم میں)، دم دے

---

(۱) والمرأۃ احرامها وجهها فان احتاجت سدلت علی وجهها

المغنی ۳/۱۵۴

سکتے ہیں (۱) امام احمدؒ کے نزدیک احصار کی وجہ سے دم تو دینا پڑے گا لیکن دم دینے کے بعد وہ حلال نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ دوبارہ اس کی قضا نہ کرلے۔ ——— البتہ اگر احرام باندھتے وقت ہی شرط لگادی تھی کہ اگر جیسے ہی حج کرنے میں کوئی رکاوٹ درپیش ہوگی، وہ احرام کھول دے گا، تو احرام کھولنے کی وجہ سے اس صورت میں کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ (۲)

احرام دھونا

حج یا عمرہ سے فراغت کے بعد احرام کو کس طرح سے دھوئیں؟ صرف پانی میں یا صابن سے بھی دھو سکتے ہیں؟۔

(محمد عاشور نور محمد افغانی، جدہ)

احرام کو صابن اور پانی کسی بھی طرح سے دھویا جاسکتا ہے۔

احرام کے ساتھ میک اپ

بہت افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری بعض بہنیں احرام کی حالت میں بھی میک اپ کرتی ہیں اور غیر مردوں سے چہرہ چھپانے

---

(۱) اما ما یتحلل بہ: فان امکنہ الوصول الی البیت تحلل بعمل عمرۃ، وان تعذر علیہ ذلک ذبح الہدی فیبعث عند الحنفیہ بالہدی وبثمنہ فیذبح منہ ومالم یذبح لم یحل۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۳۹۰)

(۲) ان منع من الوصول الی البیت بمرض او ذہاب نفقۃ بعث بہدی ان کان معہ لیذبحہ بمکۃ وکان علی احرامہ حتی یقدر علی البیت۔ (المغنی ۳/۱۷۷)

ادھر ادھر گھومتی پھرتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟۔

آپ نے جو سوال کیا ہے اس کے جواب میں علماء نے کچھ تفصیل ذکر کی ہے، اس کو لکھنے سے انشاء اللہ آپ کو اپنے سوال کا جواب سمجھ میں آجائے گا، جو چیزیں بدن میں لگائی جاتی ہیں، دیکھا جائے تو وہ تین طرح کی ہیں:

۱۔ خوشبو اور عطریات اور وہ تمام چیزیں جن کو خوشبو کے لئے استعمال کی جاتی ہیں جیسے مشک کافور، عنبر وغیرہ حالتِ احرام میں ان کا استعمال کسی بھی طرح سے جائز نہیں، نہ علاجاً استعمال جائز ہے، اور نہ ہی شوقیہ، استعمال کرنے پر جنایت لازم آئے گی، اور کفارہ میں دم دینا پڑے گا۔ عام طور پر فی زمانہ میک اپ کے سامان اسی قسم کے ہیں، اس لئے ان کا استعمال حرام ہے، اور اس سے دم واجب ہوگا۔

۲۔ وہ چیزیں جو فی نفسہٖ خوشبو نہیں ہیں، اور نہ ہی کسی بھی طرح اس کو خوشبو بنایا جا سکتا ہے جیسے چربی، ایسی چیزیں محرم کھائے، پاؤں کے پھٹے ہوئے حصہ میں علاجاً لگائے تو اس پر جنایت واجب نہیں ہوتی۔

۳۔ وہ چیزیں جو خود خوشبو تو نہیں ہو لیکن خوشبو بنانے میں وہ کام آتی ہیں، جیسے زیتون، ایسی چیزوں میں استعمال کے اعتبار سے حکم لگایا جائے گا، اگر بدن میں اس سے مالش کرے یا لگائے تو اس کا حکم خوشبو کا سا ہوگا، جس طرح خوشبو سے دم واجب ہوتا ہے، اسی طرح اس سے بھی دم واجب ہوگا، اگر کھانے میں زیتون کا استعمال کیا ہے یا پاؤں کے شگاف میں علاجاً ڈالا ہے تو اس کا حکم خوشبو کا سا نہیں ہوگا، اور اس میں دم واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

کسی بھی عورت کا احرام کی حالت میں غیر مردوں سے چہرہ کو نہ چھپانا بھی

---

(۱) ہندیہ ۱/۲۴۰، بدائع ۲/۱۹۱-۱۹۰

کبیرہ گناہ اور حرام ہے (۱) اور پھر ایسی حالت میں لوگوں کے سامنے پھرنا اور ادھر ادھر جانا مستقل ایک الگ گناہ اور جرم عظیم ہے، اللہ تعالیٰ میری بہنوں کو ہدایت دے اور انہیں توفیق دے کہ وہ برائیوں سے دور رہیں۔

استعمال شدہ احرام

ایک احرام سے حج یا عمرہ کرنے کے بعد اسی احرام کی چادروں سے دوبارہ حج یا عمرہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہاں بعض لوگ اپنا احرام دوسرے ساتھی کو عمرہ کرنے کے لئے دیتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟۔

ایک ہی احرام سے جتنے چاہے حج یا عمرے کرسکتے ہیں، نیز اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ کسی ساتھی کو عارضی طور پر اپنا احرام دے دیں تاکہ وہ عمرہ کرسکے۔ (۲)

حالتِ احرام میں ٹائیڈ کا استعمال

احرام کی حالت میں ٹائیڈ سے ہاتھ منہ دھونا کیسا ہے؟۔

(عابدہ حسن وٹو۔ ریاض)

احرام کی حالت میں کسی بھی قسم کی خوشبو والا ہر مواد استعمال کرنا منع ہے، چونکہ ٹائیڈ میں خوشبو ہوتی ہے لہٰذا اس کا استعمال بھی منع ہے۔ (۳)

---

(۱) المغنی ۳/ ۱۵۴

(۲) یستحب ان یکون نظیفین اما جدیدین واما غسیلین (المغنی ۳/ ۱۲۰)

(۳) اجمع اھل العلم علی ان المحرم ممنوع من الطیب۔ (المغنی ۳/ ۱۴۰)

حالتِ احرام میں بار بار کپڑے بدلنا

احرام کی حالت میں بچہ بار بار پیشاب کردیتا تھا، میں بار بار کپڑے بدل لیتی تھی کیا اس سے احرام پر اثر پڑتا ہے ؟۔

احرام کی حالت میں آپ کپڑے بدل سکتی ہیں، یہ عمل جائز ہے ۔

دورانِ طواف خواتین کا احترام

حج کے ایام میں اژدحام کی وجہ سے دورانِ طواف عورتوں کے ساتھ بھی کبھی جسم مس ہوجاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے ؟۔

انسان اس بات کی پوری کوشش کرے کہ دورانِ طواف کوئی بھی غیر شرعی حرکت سرزد نہ ہونے پائے، مکمل آداب اور شرائط وقیود کا لحاظ رکھتے ہوئے طواف کیا جائے، غیر ارادی طور پر اژدحام کی وجہ سے اگر ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی بازپرس نہیں ہے، اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ خواتین کا احترام کیا جائے، اور ان سے دور ہو کر طواف کیا جائے، اسی طرح خواتین کو بھی اس بات کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ وہ مردوں سے دور ہو کر طواف کریں ۔

احرام کھولنے کیلئے محرم کے بال کاٹنا

زید نے حج کیا اور پہلے دن کنکریاں مارنے کے بعد اپنے دوست کے سر کے بال کاٹے پھر اپنے سر کے بال کٹوائے، کیا اس پر دم ہے ؟ ——— (محمد روح الامین، ینبع)

احرام کی حالت میں دوسرے کسی شخص کا احرام کھلوانے کے لئے اس کے سر

کے بال کاٹنا جائز ہے، اور آپ کے دوست پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہے۔

حج اکبری کی فضیلت

میں نے حجِ اکبری کیا تھا، اور قربانی کرتے ہوئے یاد نہیں کہ کیا کہا تھا، یا یہ کہا تھا کہ یہ قربانی ابراہیم علیہ السلام کے لئے کر رہا ہوں، یا یہ کہا تھا کہ یہ قربانی میں اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہا ہوں، اس کا کیا حل ہے؟ نیز سیرت پر لکھی گئی کوئی اچھی سی کتاب کا نام بتایئے؟

(محمد نسیم احمد خاں، ریاض)

پہلی بات تو آپ یہ سمجھ لیں کہ حجِ اکبری نام کی کوئی عبادت اسلام میں نہیں ہے، حجِ اکبری کی اصل صرف اسی قدر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری حج کیا تھا وہ جمعہ کے دن ہوا تھا، اور اس کے بارے میں قرآن کی آیت اذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر نازل ہوئی ــــــ تاہم حدیث شریف یوم النحر ہی کو "حجِ اکبر" کا دن کہا گیا ہے، اور یہ اس لئے کہ دسویں تاریخ کو ہی حج کے بہت سے ارکان ادا کئے جاتے ہیں، اسی تاریخ کو مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہیں، رمی، قربانی، بال منڈانا، طوافِ زیارت یہ ارکان اسی تاریخ کو ادا ہوتے ہیں، اسی لئے اس کو "حجِ اکبر کا دن" کہا جاتا ہے علامہ ابنِ قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: یوم الحج الاکبر یوم النحر فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال فی خطبتہ یوم النحر: "ھٰذا یوم الحج الاکبر"...... وسمی بذالک لکثرۃ افعال الحج فیہ من الوقوف بالمشعر والدفع منہ الیٰ منیٰ والرمی والنحر و الحلق وطواف الافاضۃ والرجوع الیٰ منیٰ لیبیت بھا ولیس فی غیرہ مثلہ وھو مع ذلک یوم عید ویوم یحل فیہ من احرام الحج۔ (المغنی ۳/۲۲۰) ــــــ اس لحاظ سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ حجِ اکبر حجِ اصغر کے مقابلہ میں ہے، عمرہ حجِ اصغر کہلاتا ہے، اس کے بالمقابل حج، حجِ اکبر۔ (شامی ۲/۲۵۴)

دوسری بات یہ کہ آپ نے قربانی کے وقت جو نیت کی تھی، اس کے بارے میں آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ دونوں نیتوں میں سے کونسی نیت کی تھی، جس نیت کے بارے میں زیادہ یقین ہو اس کے بارے میں سوال پوچھیے۔

سیرت پر لکھی گئی بہترین کتاب مولانا شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی "سیرت النبی" ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اسی طرح تین جلدوں میں قاضی سلمان منصور پوری کی "رحمۃ للعالمین" بھی سیرت پر اچھی اور عمدہ کتاب ہے۔

عقیقہ کے بغیر حج درست ہے

میں یہاں سے جب حج پر گیا تو میرے چند دوستوں نے پوچھا کہ کیا تم نے عقیقہ کیا یا نہیں؟ میں نے جواب دیا نہیں، تو انہوں نے کہا کہ اس طرح حج درست نہیں ہوا، کیا یہ صحیح ہے کہ عقیقہ کے بغیر حج درست نہیں؟ ——— (محمد شفیع، بہادر، نجران)

عقیقہ کا حج سے کوئی تعلق نہیں، اس کے بغیر بھی حج درست ہے، عقیقہ تو سنت ہے، اگر کوئی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے نہ کر سکے تو اس پر کوئی گناہ بھی نہیں۔

قصر یا حلق

میں نے دو سال پہلے حج کیا اور احرام کھولنے سے قبل مشین سے بال کتروائے تھے، جب مدینہ منورہ واپس آیا تو میرے ساتھی کہنے لگے کہ سر کے بالوں پر استرا لگا کر پورے بال مونڈنا ضروری ہے، چنانچہ میں نے سیلون جا کر پورے بال اتروا دیئے، کیا میری اس غلطی پر مجھے کوئی کفارہ یا دم دینا پڑے گا؟ ——— (نظام الدین، مدینہ منورہ)

حج یا عمرہ میں استرا سے بال پورے نکال دینا افضل ہے، ایسے لوگوں کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ رحمتِ الٰہی کی دعاء فرمائی (۱) لیکن پورے بال نکالنے کے بجائے مشین یا قینچی سے بال چھوٹے کرنا بھی جائز ہے، اس طرح بھی آدمی احرام کی پابندیوں سے الگ ہوجاتا ہے اور اس میں کوئی گناہ یا کفارہ نہیں، البتہ بال چھوٹے کروانا ہو تو یہ بات ذہن میں رہے کہ پورے سر کے (یا کم از کم ایک چوتھائی سر سے) بال چھوٹے کروائے جائیں اور بال بھی انگلی کے ایک پورے کے بقدر چھوٹے کئے جائیں۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پورے سر کا بال کٹانا یا چھوٹا کرنا واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر کے .... بھی بال کاٹ لے تو اس کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے، امام شافعی کے یہاں تین بال ترشوا دے یا چھوٹا کروا دے تو یہ بھی کافی ہے (۲) اگر کسی کے سر پر بال اس سے کم ہوں تو پھر اس کے لئے حلق یعنی استرا سے پورے بال صاف کروانا ضروری ہوگا (۳) نیز حلق یا قصر دونوں حدودِ حرم ہی میں ضروری ہے، گھر آنے کے بعد درست نہیں آپ نے چونکہ احرام کھولنے سے پہلے مشین سے بال چھوٹے کروالئے تھے، لہٰذا آپ پر کوئی گناہ یا دم نہیں۔

قبولیت حج وغیرہ کی نشانی

---

(۱) بخاری عن ابن عمر باب الحلق والتقصیر عند الاحلال

(۲) عند المالکیة والحنابلة الواجب حلق جمیع الرأس أو تقصیرہ، وقال الحنفیة: یکفی مقدار ربع الرأس، وعند الشافعیة: یکفی ازالة ثلاث شعرات او .... تقصیرھا۔ (الموسوعة الفقھیة ۱۷/۵۷)

(۳) والاصلع الذی لا شعر علی راسه یستحب ان یمر الموسی علی راسه (المغنی ۳/۲۲۴)

کیا قبولیتِ حج و عمرہ کی کوئی خاص نشانی ہے؟ (امجد وحید، ظہران)

اللہ تعالیٰ اپنے مخلص و متقی بندوں کی ہر عبادت اور ہر اچھی کوشش قبول کرتا ہے، بشرطیکہ یہ کام اخلاص اور متابعتِ شریعت یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی متابعت و پیروی میں ادا ہوں، جیسا کہ قرآن و حدیث نے ہمیں بتایا ہے، لیکن علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ حج و عمرہ کرنے کے بعد اگر کسی کی زندگی میں تبدیلی (برائی سے نیکی کی طرف) دیکھو یا تبدیلی کے آثار پاؤ تو سمجھ لو کہ یہ نیکی قبول ہو گئی ہے۔

حج کے بعد گناہ

حج کرنے سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن اگر کسی سے حج کے بعد بھی گناہ سرزد ہو جائے تو اسے کیا کرنا چاہیئے، صرف توبہ کرے یا حج کرے؟ ——— (پی آر محبوب، جدہ)

انسان سے گناہ اور غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں، لیکن اچھا انسان اور بہترین مسلمان وہ ہے جو کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے، اگر حج کے موقع پر آپ نے توبہ کر لی تھی، اور بعد میں پھر کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اس کی سزا اور وبال سے بچنے کا طریقہ بھی سچی توبہ ہے، گناہوں سے معافی کے لئے حج کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ کہیں بھی اللہ سے معافی مانگی جا سکتی ہے، البتہ توبہ کے لئے سچے دل سے گناہوں پر ندامت اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم و ارادہ ضروری ہے، نیز اگر گناہ کا تعلق کسی کے حق سے ہو تو پہلے حقدار کو اس کا حق ادا کریں یا اس سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔

فرض کی ادائیگی کے لئے والدین کی اجازت

کیا اپنا فرض حج کرنے کے لئے والدین کی اجازت ضروری ہے؟

نیز جن حضرات سے ٹکر ہوئی وہ حراست میں ہیں اور ان کے لواحقین مصالحت کی بات کر رہے ہیں، اگر ان سے پیسے پر مصالحت ہو جائے تو کیا وہ رقم ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟ ——— (اسماعیل خاں)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے ہجرت کی نیت کر کے اپنے گھر یعنی اپنے وطن سے مہاجر بن کر نکلا اور راستے میں اسے موت آگئی تو اس کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے" (۱) متفق علیہ مشہور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کا اس نے نیت کی تھی (۲) اسی طرح صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی شخص نے صدق دل کے ساتھ شہادت کی دعا کی، اگر یہ شخص شہادت کی موت نہ مرا بلکہ طبعی موت مرا تب بھی اسے شہداء کا درجہ ملے گا (۳) آپ کے بھانجے کو انشاء اللہ حج کا پورا ثواب ملے گا کہ انہوں نے حج کی نیت اور تیاری کر لی تھی، اگر آپ کے بھانجے کے ورثاء چاہیں تو اس شخص سے دیت لے سکتے ہیں جن کی گاڑی کے حادثہ سے آپ کے بھانجے کا حادثہ ہوا، یا مال کی کسی متعین مقدار پر مصالحت بھی کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو معاف بھی کر سکتے ہیں۔

حج میں قربانی

میں اس سال اپنی بیوی اور نو سالہ لڑکی کے ساتھ حج کرنا چاہتا ہوں، میرے دوست احباب کہتے ہیں کہ میرا قربانی دینا لازم نہیں، کیا یہ

---

(۱) نساء: ۱۰۰

(۲) بخاری: ۲/۱ عن عمر

(۳) ابن ماجہ [illegible] بن حنیف باب القتال فی سبیل اللہ ابواب الجہاد

صحیح ہے؟ نیز میری لڑکی اور بیوی کی طرف سے بھی قربانی کا کیا حکم ہے، کیا ہم قربانی کے روپے اپنے ملک روانہ کرکے وہاں قربانی کرواسکتے ہیں جب کہ وہاں ایک یا دو دن بعد عید ہوتی ہے، اور ہمارا حج یہاں پہلے ہوجاتا ہے۔ (فیاض احمد، جدہ)

اگر آپ لوگ حجِ افراد کریں تو اس میں قربانی واجب نہیں، اور اگر حج تمتع یا حج قران کریں تو اس میں ہر حج کرنے والے کی طرف سے ایک قربانی ضروری ہے، اور یہ قربانی ایام ایامِ حج ہی میں کروانی ہوگی، دوسری جگہ اپنی طرف سے یہ قربانی نہیں کروائی جاسکتی، یہ تو حج سے متعلق قربانی ہے، اور اس قربانی سے الگ ہے جو ہر صاحبِ استطاعت پر ہر سال (چاہے وہ حج پر جائے یا نہ جائے) اپنے وطن میں قربانی کے دنوں میں واجب ہوتی ہے، یہ قربانی آپ اپنی طرف سے اور اپنے بیوی بچوں کی طرف سے یہاں بھی کرسکتے ہیں اور اپنے وطن میں بھی کرواسکتے ہیں۔

جدّہ سے مکہ جانے والوں کیلئے قصر کا حکم

اگر جدہ کے کسی مقام سے مکہ تک کی مسافت مقدارِ سفر ہو تو کیا حرم میں نمازِ قصر ادا کی جائے گی؟

جی ہاں، اگر جدہ کے کسی مقام سے مکۃ المکرمہ تک کی مسافت قصر کی مسافت (یعنی ۷۷ کیلومیٹر) ہے تو حرم میں جماعت نہ ملنے کی صورت میں، قصر نماز ہی پڑھیں۔

صفا مروہ کی سعی

گذشتہ سال صفا مروہ کی سعی کے سلسلے میں طوافِ قدوم کے بجائے بجائے سات بار چکر لگاتے کے غلطی سے چودہ بار چکر لگالئے، پھر

طوافِ زیارت کے بعد سعی نہیں کی، اب کیا دم ادا کیا جائے، یا پھر سعی دوبارہ کی جائے؟

مسئلہ یہ ہے کہ طواف کرنے کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے طواف کرنے سے پہلے واجب نہیں، پورے حج میں صرف ایک مرتبہ سعی کرنی چاہیئے، چاہے تو طوافِ قدوم کے بعد کرلے یا چاہے تو طوافِ زیارت کے بعد، بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ طوافِ زیارت کے بعد بہتر ہے، آپ نے چونکہ طوافِ قدوم کے بعد سعی کرلی ہے، اب دوسری بار سعی کرنا واجب نہیں، اور جب دوسری بار سعی کرنا آپ پر ضروری نہیں تو دم بھی واجب نہ ہوگا۔ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں: متی سعی المفرد والقارن بعد طواف القدوم، لم یلزمهما بعد ذلك سعی۔ (المغنی ۳/۱۹۴)

مزدلفہ میں رات گذارنا

ہم لوگ (حج گروپ) عرفہ سے واپسی پر بجائے مزدلفہ جانے کے احرام کی حالت میں سیدھے جدہ آگئے، اور پھر صبح یہاں سے منیٰ جاکر دوسرے مناسک ادا کئے، کیا رات مزدلفہ میں قیام کرنا ضروری تھا؟

(سید محبوب شاہ جیلانی، جدہ)

عرفات سے واپسی پر رات کو مزدلفہ میں قیام کرنا واجباتِ حج میں سے ہے، چونکہ آپ نے ایک واجب ترک کیا ہے لہٰذا آپ پر دم ہے، جو مکہ میں ذبح کرکے فقراء مکہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں: والمبیت بمزدلفة واجب، من ترکه فعلیه دم۔

(المغنی ۳/۲۱۵، نیز دیکھئے: ھندیة ۱/۲۳۱)

حجرِ اسود کا بوسہ

حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لئے کیا دوسروں کو دھکا دینا جائز ہے؟

حجرِ اسود کا بوسہ لینا اس وقت مسنون ہے جب کہ اور کسی کو تکلیف نہ ہو، اژدحام کے وقت لوگوں کو ہٹانا، ان کو ایذاء دے کر اندر جانا اور بوسہ لینا مکروہ ہے، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: اے عمر! تم طاقتور آدمی ہو، حجرِ اسود کے پاس اژدحام نہ لگاؤ کہ کہیں کسی کو تکلیف نہ پہونچے، اگر تنہائی ہو تو بوسہ لے لو ورنہ تکبیر و تہلیل پر اکتفا کرلو، (مسندِ احمد ۱/۲۸ ط المیمنہ) ——— اس لئے اگر اژدحام ہو تو اس وقت چاہیئے کہ کسی لاٹھی سے حجرِ اسود کو مس کر کے اس لاٹھی کا بوسہ لے لیا جائے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجرِ اسود کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے، اور اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے، ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف کر کے ان کو بوسہ دے لے۔

اضطباع کب سے کب تک کرنا چاہیئے؟

عمرہ یا حج کے احرام میں دایاں کاندھا کھلا رکھا جاتا ہے، ہمارے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ یہ عمل احرام باندھنے کے بعد سے سر کے منڈوانے تک رہے گا، کیا یہ صحیح ہے؟

(عبدالمنان، جدہ)

احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈالنے کو اضطباع کہتے ہیں، طواف کے شروع سے اخیر تک اضطباع کرنا سنتِ مؤکدہ ہے، البتہ طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنی ہو تو پہلے ہی کی طرح چادر اوڑھ کر دونوں مونڈھے ڈھانک لے، المغنی میں ہے: طاف النبي صلى الله عليه وسلم مضطبعًا ينصرف الى جميعه (المغنی ۳/۱۸۴ درمختار علی ھامش ردالمحتار ۲/۱۶۷)

عرفات کے دن کی دُعاء

عرفہ کے دن جو کہ حج کا دن ہے کونسی دعاء پڑھنی چاہیئے؟

عرفہ کے دن جو بھی دعاء چاہیں کی جاسکتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں زیادہ بہتر ہیں، ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہترین دعاء عرفہ کے دن کی دعاء ہے، اور بہتر بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کی، وہ یہ ہے" لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر" (ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اور اسی کے لئے ساری تعریف، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"[1]

خانۂ کعبہ سے چمٹ کر دُعاء

کیا خانہ کعبہ سے چمٹ کر یا لپٹ کر دعاء مانگنا، آہ وزاری کرنا جائز ہے؟ کیونکہ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ پتھروں سے کچھ نہیں ہوتا، پتھر بہرحال پتھر ہی ہے، اللہ تعالیٰ براہِ راست ہر بندے کی پکار و دعاء سنتے ہیں، لہٰذا بغیر وسیلے کے براہِ راست دعا مانگنا چاہیئے۔ —— (طارق شریف، جدہ)

خانہ کعبہ سے چمٹ کر دعاء مانگنے کا مطلب یہ نہیں کہ خانہ کعبہ یا اس کے در و دیوار سے دعاء مانگی جائے، یا اس کے وسیلے سے دعاء مانگی جائے، دعاء تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہے، یہ مقدس سرزمین اور اللہ تعالیٰ کا پہلا و بابرکت گھر ہونے کی بناء پر اسے یہ شرف

---

(۱) بیہقی، عن طلحہ بن عبید اللہ، ج ۴/۲۸۳ باب الاختیار للحاج فی ترک صوم یوم عرفۃ کتاب الصوم

حاصل ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مسلسل نزول ہوتا رہتا ہے، لہٰذا یہاں کی جانیوالی دعاؤں کی قبولیت کا زیادہ امکان ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، بالخصوص ملتزم (حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان کا حصہ) کے پاس چمٹنا اور آہ و زاری کرنا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، حجرِ اسود جنت کا ایک مقدس پتھر ہونے کی بنا پر اس کا بوسہ مسنون اور بنی آدم کے گناہوں کے دھلنے کا ذریعہ ہے، اس کے باوجود وہ پتھر ہی ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وہ تاریخی اور موحدانہ جملہ ہر وقت ذہن میں رہے کہ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود سے خطاب کر کے فرمایا تھا "میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ تو نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔ (۱)

اضطباع کب کرنا چاہیئے؟

کیا احرام باندھ کر فوراً دائیں کندھے سے احرام ہٹا لینا چاہیئے؟

مسنون طریقہ یہ ہے کہ حالتِ احرام میں دونوں کندھے ڈھکے ہوئے ہوں، صرف وہ طواف جس کے بعد سعی کرنا ہو، اس طواف کے شروع کرنے سے قبل دائیں بغل کے نیچے سے احرام کو نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیں، اس طرح دایاں کندھا کھلا رہے گا، اس کو اصطلاح میں اضطباع کہتے ہیں اور یہ بھی صرف طواف کے دوران مسنون ہے، طواف کے بعد کندھا ڈھک لیا جائے (۲) یہ جو عام حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کی عادت ہے کہ دایاں کندھا ہر وقت کھلا رکھتے ہیں، صحیح نہیں۔

---

(۱) مسلم باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف کتاب الحج

(۲) المغنی ۳/۱۸۴، درمختار ۲/۱۶۷

مروہ پر حلق یا قصر

اکثر لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد مروہ پر ہی بال کٹوا لیتے ہیں، کیا وہاں پر بال کاٹنا یا کٹوانا صحیح ہے یا کہ گناہ ہے؟

عمرہ میں طواف وسعی کے بعد حلق یا قصر پورے حدودِ حرم میں کہیں بھی کر سکتے ہیں، لہٰذا مروہ پر بھی بال کاٹنا یا کٹوانا درست ہے، یہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے، لیکن امام احمد بلکہ جمہور فقہاء کے نزدیک بال مونڈانا یا ترشوانا حرم اور ایام النحر کے ساتھ خاص نہیں ہے، حرم کے باہر بھی کٹوایا جاسکتا ہے، اور ایامِ نحر گذرنے کے بعد بھی، تاہم مسنون یہ ہے کہ حدودِ حرم ہی میں ایامِ نحر میں بال کٹوائے یا ترشوائے جائیں (۱)، البتہ نظافت، صفائی، ستھرائی اور مزید ازدحام کے پیشِ نظر وہاں اس عمل سے گریز کیا جائے، اور باہر نکل کر بال کٹوائے تو زیادہ بہتر ہے، نیز اس کا خیال رہے کہ بال پورے سر سے کاٹے جائیں، دو چار جگہ سے تھوڑے سے بال لے لینا درست نہیں، اور اس سے احرام نہیں کھلتا، مروہ پر جو لوگ بال کاٹتے یا کٹواتے ہیں وہ اکثر اس کا خیال نہیں رکھتے، یہ حنابلہ اور مالکیہ کا مسلک ہے، حنفیہ کے یہاں چوتھائی سر منڈانا یا ترشوانا احرام کھولنے کے لئے کافی ہے، شافعیہ کے نزدیک کم از کم تین بال مونڈانا یا ترشوانا کافی ہے۔ (۲)

منیٰ میں قیام نہ کرنا

---

(۱) والجمہور علیٰ ان الحلق او التقصیر لا یختص بزمان ولا مکان ولکن السنۃ فعلہ فی الحرم ایام النحر۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۷/۵۷، المغنی ۳/۲۲۴)

(۲) الموسوعۃ الفقہیہ ۱۷/۵۷

بعض لوگ کسی عذرِ شرعی کے بغیر نہ تو آٹھ تاریخ کو منیٰ میں قیام کرتے ہیں اور نہ ہی دس گیارہ اور بارہ تاریخوں میں منیٰ میں رکتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟۔

کسی بھی عبادت و عملِ صالح کی قبولیت کے لئے ایمان کے بعد دو اہم اور اساسی شرطیں ہیں، ان کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہوتا، ایک اخلاص اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت۔ حج کے سلسلے میں بھی ضروری ہے کہ تمام مناسکِ حج، خواہ وہ فرض ہو کہ واجب، سنت ہو کہ مستحب، سب کو اسی طرح انجام دیا جائے جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مجھ سے حج کا طریقہ سیکھ لو"

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ میں قیام فرمایا، اور ظہر، عصر، مغرب عشاء اور دوسرے دن فجر کی نماز پڑھ کر منیٰ سے عرفات تشریف لے گئے، عرفات و مزدلفہ سے واپس آکر پھر دوبارہ دس، گیارہ اور بارہ کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منیٰ ہی میں قیام فرمایا جو شخص معذور ہو اس کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ خود منیٰ میں نہ رہے اور دوسرے سے رمی کروالے، لیکن بلاعذر منیٰ کا قیام چھوڑ دینے اور رمی نہ کرنے سے اس پر ایک دم واجب ہوگا۔[1]

عورتوں کا بغیر محرم کے دینی سفر جائز نہیں

کیا خواتین کا گروپ بلا محرم کے، یا کوئی اکیلی خاتون بلا محرم کے تبلیغِ دین تعلیم و تربیت یا دوسرے کسی دینی پروگرام میں شرکت کے لئے لمبا سفر کرسکتی ہیں؟۔ (صبیحہ تبسم، جدہ)

---

(۱) والجزاء فیه واجب عند الائمة الثلاثة لوجوب هذا المبیت عندهم۔ (الموسوعة الفقهیة ۸/...)

جب کوئی مسلم عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر مسجد نہیں جا سکتی، اور جب فریضۂ حج جو کہ ارکانِ اسلام میں سے ہے، اس کی ادائیگی کے لئے محرم کا ہونا شرط ہے، (۱) پھر نفلی عبادات کے لئے بلا اجازت شوہر یا بلا محرم کے سفر کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی عورت بلا محرم کے سفر کرتی ہے تو یہ کبیرہ گناہ ہے، اور بعض علماء کے نزدیک حرام سفر ہے۔

ایام روکنے کیلئے دوا کا استعمال

کیا میں ایامِ ماہواری روکنے کے لئے گولیاں استعمال کر سکتی ہوں، میں نے ابھی تک فرض حج نہیں کیا، مجھ پر حج فرض ہے، لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ اسی سال حج کر لوں کیونکہ شاید میں آئندہ سال مستقل اپنے ملک واپس چلی جاؤں، لیکن حج کے دنوں میں میرے ایام ہوں گے، تو کیا حج کی ادائیگی کی خاطر اس کو روکنے کے لئے دوا استعمال کر سکتی ہوں؟

چونکہ آپ نے فرض حج ادا نہیں کیا، اور چونکہ آپ کا آئندہ سال حج سے پہلے مستقل سفر کا ارادہ بھی ہے، لہٰذا آپ ان ایام میں مانعِ ایام گولیاں لے سکتی ہیں، آپ کے لئے یہ بات جائز ہے، بلا عذر بھی اس قسم کی دوائی لی جا سکتی ہے، آپ کے لئے تو عذر بھی موجود ہے، اگرچہ بعض اہلِ علم نے (بلا عذر) اس کو مکروہ اور نامناسب کہا ہے۔ (۲)

نسیما ز حجاز آید کہ نہ آید

---

(۱) ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں: قال ابو حنیفه واحمد وجماعة: وجود ذی المحرم ومطاوعته لها شرط فی الوجوب۔ (بداية المجتهد مع الهداية فی تخريج احاديث البداية ۵/ ۲۶۹)

(۲) جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۳۰

میرے جاننے والے کتنے ایسے لوگ ہیں (جن میں اکثریت خواتین کی ہے) جو ہر جمعرات کو حرم جاتے ہیں، ہر ماہ دو ماہ بعد مدینہ جاتے ہیں، ہر سال حج کرتے ہیں، رمضان میں کثرت سے عمرے بھی کرتے ہیں، وہاں میرے ملک کا حال یہ ہے کہ چھوٹے بڑے بلکہ سب سے بڑا سرکاری عہدیدار بھی سرکاری خزانے پر ہر سال عمرہ کرتا ہے، دینی مدارس والے اپنے مدرسوں کے پیسوں پر مع اہل وعیال و احباب ہر سال حرم میں براجمان نظر آتے ہیں، سیاستدان ہر سال کی حاضری دے کر جاتے ہیں، غرضیکہ عمرہ و حج تو اب ایک فیشن بن گیا ہے، لوگوں کے گناہوں، حقوق العباد کی پامالی، حرام خوری و حرام کاری، ظلم و زیادتی، ملت و قوم سے دھوکہ و فریب، ظلم بینی، بے پردگی وغیرہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، پھر یہ کیسی حاضری ہے؟

(ایک بہن، جدہ)

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حرمین شریفین کی ایک بار کی حاضری بھی سعادت کبریٰ ہے، وہ شخص خوش نصیب و خوش بخت ہے جسے یہ سعادت حاصل ہو، پھر وہ لوگ تو انتہائی خوش نصیب ہیں جو بار بار درِ مولا پر حاضری دیتے ہیں، اور وہ لوگ بھی یقیناً خوش بخت ہیں جن پر رب کریم نے اپنا فضل و کرم کیا اور انہیں حرم مکہ یا حرم مدینہ میں یا اس کے قریب مستقل رہنا نصیب کیا، ہم سے پہلے کتنے ایسے اللہ کے محبوب ترین لوگ گذرے جو زندگی بھر یہی تمنا کرتے رہے کہ کاش ہمیں ایک بار سہی، اس مبارک مقام کی حاضری ہو جائے علامہ اقبال تو نزع کے عالم میں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے بارے میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ

نسیما از حجاز آید کہ نہ آید

یہ کون توحید و رسالت سے والہانہ لگاؤ رکھنے والوں کے ذوق سے پوچھے کہ

مکہ و مدینہ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ یہی وہ مکہ و مدینہ ہے جس کا چپہ چپہ مقدس و مبارک ہے' اور جہاں ہر وقت اللہ کے بندوں و بندیوں کی بھیڑ رہتی ہے کہ جو لذت و حلاوت درِ حبیب کی حاضری کی ہے' وہ لذت کسی اور عبادت میں کہاں ہے؟۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ حقیقت ہمیں کبھی بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ اس سرزمینِ مقدس (حرمین شریفین) میں مستقل رہنا، یا بار بار حاضری دینا بجائے خود ایک امتحان اور آزمائش ہے' عمرہ و حج کرنے سے گناہ دھلتے ہیں' درجات بلند ہوتے ہیں' حاجی و معتمر تمام گناہوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قربِ حرمین میں رہنے یا بار بار حاضری دینے سے واقعی ایمان کی حلاوت کا اثر اس شخص کی زندگی پر پڑتا ہے؟ وہ لوگ سیاسی عمرے یا سرکاری خرچ والے حج و عمرے کرتے ہیں' کیا واقعی ان کے دلوں میں خوفِ خدا کی رمق ہوتی ہے؟۔

جہاں تک حرمین شریفین میں مستقل رہنے یا بار بار حاضری کا معاملہ ہے تو اگر یہ کام بلا ایمان و عمل کے فائدہ مند ہوتا تو مشرکینِ مکہ' قریشِ مکہ اور منافقینِ مدینہ کو سب سے زیادہ فائدہ پہونچتا' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ ان مقدس مقامات پر رہ کر بھی ہمیشہ ہمیشہ کی ذلت و رسوائی اور آتشِ جہنم کے مستحق ہوئے۔ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اس مقدس مقام پر حاضری دینے کے بعد یا اس جگہ مستقل رہنے سے آپ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں' آپ پر حجت قائم ہو گئی ہے' اب آپ کے پاس کوئی عذر نہیں رہا' یاد رکھیئے اور کبھی نہ بھولئے کہ حرمین شریفین کی حاضری (حج و عمرہ یا عام حاضری) اور یہاں مستقل قیام' ہمارے لئے جہاں باعثِ رحمت و خوش بختی ہے' وہیں ہمارا امتحان بھی ہے کہ اتنی بار حاضری کے بعد ہماری کہاں تک اصلاح ہوئی ہے؟ یہاں رہ کر ہم نے اپنے عقیدہ و عمل کی کیا کیا اصطلاح کی ہے؟۔

یہاں ہر آنے والے کو توحید و سنت اور عبادتِ رب کا پیغام ملتا ہے اور درسِ حرم تو اطاعتِ کاملہ کا نام ہے' پھر وہ لوگ یہاں کیسے آتے ہیں' اور اگر چلے جاتے ہیں جو اپنے

نفس کی خواہشات کی بندگی کو قبول کئے ہوئے ہیں، غالب کو تو یہاں آنے سے اسی لئے شرم آتی رہی کہ:

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی!

لیکن یہاں تو حالت یہ ہے کہ جس دن حرم کی حاضری ہوتی ہے اسی دن رات اپنے ملک میں پہونچ کر سب سے پہلا کلام احکاماتِ الٰہیہ سے بغاوت و سرکشی کی صورت نظر آتی ہے۔

خوش نصیب اور عقل مند ہے وہ شخص (مرد ہو کہ عورت)، جو حرمین شریفین کی حاضری سے سبق حاصل کرے بلکہ استفادہ کرے، اور اپنے تمام گناہوں پر ندامت کا اظہار کر کے صدق دل سے توبہ کرے، آئندہ ہر قسم کے کبیرہ گناہ سے دور رہنے کا عزم کرے، رب حرم سے توفیق مانگے، اور اپنا دامن نیکیوں و رحمتوں سے بھر لے۔ بدنصیب اور بے وقوف ہے وہ آدمی جو حرمین کی حاضری اور یہاں مستقل رہنے کی قدر نہ کرے، نمازوں کا اہتمام نہ کرے، گناہوں سے نہ بچے، اور اپنی زندگی کھیل کود، فلم بینی اور فضولیات میں گزار دے۔

نہ جانے کل قیامت کے دن کیا ہو گا جب حرم اور حجرِ اسود ہمارے سامنے گواہ بن کر آئیں گے، کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ حجرِ اسود آپ کے حق میں گواہ بنے گا، یا آپکے خلاف گواہی دے گا؟

آیئے کثرت سے حج و عمرہ کرنے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دیں جو کہ تبدیلی ہے اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کیجئے، عقائد و اعمال میں اپنی اور اپنی اولاد و احباب کی اصلاح کیجئے، نیکیوں کو پھیلایئے، برائیوں کے خلاف جہاد کیجئے، اللہ کے حرم اور اس کے حبیب کی مسجد کو دیکھ دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈا کیجئے، دل کو سکون و قرار بہم پہونچایئے اور سید الاولین و آخرین ساقیٔ کوثر پر درود و سلام پڑھیے۔

رکنِ یمانی کا بوسہ

رکنِ یمانی کو بھی بوسہ دیا جائے یا صرف اشارہ کیا جائے؟

(تاجدار خانزادہ خان، جدہ)

رکنِ یمانی کو نہ تو بوسہ دیا جائے اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کیا جائے، بلکہ اگر موقع ہو تو طواف کے ہر چکر میں اس پر ہاتھ پھیرا جائے، یہی رائے امام احمد کی ہے، ابنِ قدامہ لکھتے ہیں: فاذا وصل الی الرابع وهو الرکن الیمانی استلمه، قال الخرقی: ویقبله، والصحیح عن احمد انه لا یقبله وهو قول اکثر اهل العلم (المغنی ۳/۱۸۸)

روضۂ اقدس پر عورتوں کا سلام

کیا عورتیں مسجدِ نبوی کی زیارت کے دوران رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر سلام پڑھ سکتی ہیں؟ (صائمہ وحید، بحرین)

مسجدِ نبوی کی زیارت کے دوران خواتین بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر سلام پڑھ سکتی ہیں یہ عمل جائز ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد یسلم علیّ الا رد الله علیّ روحی حتی ارد علیه السلام (۱)	جب کوئی مسلمان میرے قبر کے پاس سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح پر لوٹا دیتا ہے تاکہ اسکے سلام کا جواب دے دوں۔

اس روایت میں مرد و عورت کی تفریق نہیں، اس لئے مرد و عورت میں سے ہر ایک آپ کی قبرِ مبارک کے پاس سلام بھیج سکتا ہے، بلکہ یہ عین سعادت و خوش بختی ہے کہ آدمی سلام کرے اور حضور اس کے سلام کا جواب دیں۔

---

(۱) ابو داؤد عن ابی هریرة باب زیارة القبور

دورانِ سعی ایام کی ابتداء

طوافِ زیارت سے فارغ ہوکر سعی شروع کی، غالباً پانچویں یا چھٹے چکر میں کچھ محسوس ہوا، تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ایام شروع ہوگئے ہیں، جب کہ طواف در طواف کے بعد کچھ بھی محسوس نہ ہوا، کیا طواف وسعی دوبارہ کروں؟

(دمیار بخت، جدہ)

آپ کا طواف وسعی دونوں صحیح ہیں، دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۱)

حجرِ اسود کا بوسہ

کیا دورانِ طواف حجرِ اسود کا بوسہ دینا ضروری ہے؟

دورانِ طواف حجرِ اسود کا بوسہ دینا فرض اور واجب کی طرح ضروری تو نہیں ہے لیکن مسنون عمل ہے، اژدحام اور بھیڑ کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کی بنا پر اس سنت پر عمل دشوار ہو تو دور ہی سے اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود کی طرف اشارہ کرنا کافی ہے، اگر حجرِ اسود کا بوسہ لینے سے اپنے آپ کو یا کسی دوسرے مسلمان بھائی کو تکلیف واذیت پہونچنے کا اندیشہ ہو تو بوسہ نہیں لینا چاہیے، کیونکہ حجرِ اسود کا بوسہ سنت ہے اور کسی مسلمان کو تکلیف واذیت پہونچانا بالخصوص حرم میں حرام اور سخت گناہ ہے، ایک سنت پر عمل کے لئے حرام اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ (مراقی الفلاح ص: ۴۸۱ ط: بولاق)

محرم دوسرے کا بال کاٹ سکتا ہے

---

(۱) وان سعی جنبا او حائضا نفساء فسعیہ صحیح۔ (ھندیہ ۱/۲۴۷)

حج یا عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد کیا محرم حالتِ احرام میں اپنے یا کسی دوسرے کے بال کاٹ سکتا ہے؟ کیا شوہر اپنی بیوی یا بیٹی یا بہن کے بال کاٹ سکتا ہے؟ ——— (صبیحہ خاتون، حائل)

محرم احرام کھولنے کی نیت سے خود اپنے بال بھی کاٹ سکتا ہے، اور دوسروں کے بھی، اسی طرح بیوی، بیٹی، ماں یا بہن وغیرہ کے بال بھی کاٹ سکتا ہے۔

ایامِ حج میں غارِ حرا جانا

حج کے دنوں میں غارِ حرا، یا بعض دوسرے تاریخی مقدس مقامات پر جانا کارِ ثواب ہے؟۔

غارِ حرا اور بعض دیگر مقامات یقیناً مبارک ہیں، اور ان کی اپنی ایک تاریخ ہے جو اہلِ ذوق و محبت پر عیاں ہے لیکن ان مقامات کا سفر کرنا، اور ان جگہوں پر جاکر نوافل وغیرہ کی ادائیگی کا دین یا مناسکِ حج سے کوئی تعلق نہیں۔



ساتواں باب

عمرہ


محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم
حامد

زندہ آدمی کی طرف سے عمرہ کی ادائیگی

میرے والدین زندہ ہیں، کیا میں ان کی طرف سے عمرہ کر سکتا ہوں؟

(محمد سلیم، ریاض)

عبادات تین طرح کی ہیں:

۱۔ خالص مالی عبادت: اس صورت میں خواہ وہ اختیار کی صورت ہو یا مجبوری کی صورت ہو، نیابت کسی کی طرف سے بھی درست ہے، مرنے والے کی طرف سے بھی اور زندہ کی طرف سے بھی۔

۲۔ خالص بدنی عبادت: جیسے نماز، روزہ اس میں نیابت بالکل جائز نہیں۔

۳۔ مالی اور بدنی عبادت: جیسے حج اور عمرہ وغیرہ، اس مسئلہ میں مالکیہ کو چھوڑ کر تمام فقہاء کہتے ہیں کہ عذر اور ضرورت کے پیشِ نظر دوسروں کی طرف سے کی گئی عبادت کافی ہے، مالکیہ کے یہاں زندہ آدمی کی طرف سے حج فرض میں یا حج نفلی میں نیابت درست نہیں ہے۔ ——— لہٰذا آپ نے جو صورت پوچھی ہے، اگر واقعی آپ کے والدین سفرِ حج سے معذور ہیں تو ان کی طرف سے آپ کا عمرہ کرنا اور ان کے نام اس کا ثواب کر دینا جائز و درست ہے۔ (۱)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۳۸

عمرہ سے حج کی فرضیت

کیا عمرہ کرنے کے بعد حج کو جانا ضروری ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرہ کرنے والے پر حج فرض ہو جاتا ہے، کسی کے نام سے عمرہ کرنے کے بعد کیا اس کے نام سے حج کرنا بھی ضروری ہو گا؟۔

(مسرت بی بی، بحرین)

عمرہ اور حج دو الگ الگ عبادتیں ہیں، عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہوتا، ہر صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض (بلکہ اسلام کا ایک اہم رکن) ہے، اسی طرح عمرہ کو بھی ہر صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ بعض علماء نے واجب اور بعض نے سنت کہا ہے (۱) اس کے بعد جو بھی حج یا عمرہ کیا جائے گا وہ نفل ہو گا، کسی کی طرف سے عمرہ کرنے کے بعد اس کی طرف سے حج کرنا ضروری نہیں۔

عمرہ کے بعد حج کی فرضیت

میں اپنے والدین کو عمرے کے لئے بلانا چاہتا ہوں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد ان پر حج بھی فرض ہو جائے گا، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ اتنے بوڑھے اور کمزور ہیں کہ حج نہیں کر پائیں گے۔

اگر آپ کے والدین پر حج فرض ہے اور وہ جسمانی کمزوری و بڑھاپے کی وجہ سے نہیں کر سکتے تو آپ ان کی طرف سے حج بدل کریں، ابن قدامہ کہتے ہیں: فان کان

---

(۱) زحیلی لکھتے ہیں: هما واجبان عند الشافعية والحنابلة لقوله "واتموا الحج والعمرة لله" وهي سنة عند المالكية والحنفية. (الفقه الاسلامي وادلته ۳/۹)

مریضا لا یرجی برؤہ او شیخا لا یستمسک علی الراحلۃ اقام من یحج عنہ ویعتمر وقد أجزأ عنہ وان عوفی. (المغنی ۳؍۷۷) ——— عمرہ اور حج دو الگ الگ مستقل عبادت ہیں عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہوتا۔

اپنی رقم سے والدین کے لئے عمرہ

میں اپنے والدین کی طرف سے عمرہ کرنا چاہتا ہوں بعض ساتھی کہتے ہیں کہ جن کی طرف سے بھی عمرہ کروں ان کی کچھ نہ کچھ رقم ضرور اس عمرہ میں خرچ کرنا ہوگی، کیا یہ صحیح ہے؟ ——— (گلفام احمد، دوادمی)

یہ غلط ہے، آپ اپنی رقم سے اپنے والدین کی طرف سے عمرہ یا حج کر سکتے ہیں۔ (۱)

اشہرِ حج میں جدّہ والوں کے لئے عمرے کا حکم

کیا جدہ میں مقیم لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ کر سکتے ہیں؟

چونکہ حدودِ میقات کے اندر رہنے والے کے لئے (قران اور تمتع کے مقابلہ میں) حجِ افراد ہی بہتر ہے، اس لئے جدہ اور حدودِ میقات میں رہنے والے حضرات اگر حج کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ حج کے مہینوں (یعنی شوال، ذوقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی دنوں) میں عمرہ نہ کریں، کیونکہ اس صورت میں ان کا یہ حج حجِ تمتع بن جائے گا، ہاں اگر حج کا ارادہ نہ ہو تو پھر حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

---

(۱) اتفق الجمہور علی مشروعیۃ حج النفل عن الغیر بإطلاق وھو مذھب الحنفیۃ واحمد۔ دیکھئے الموسوعات الفقہیہ ۱۷؍۷۷

بار بار عمرہ کرنا

جو لوگ ایک ہفتہ میں یا دن بھر میں کئی کئی عمرے کر لیتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل جائز ہے ؟

اگرچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ سال بھر میں ایک سے زیادہ عمرہ کرنا مکروہ ہے (۱) لیکن شریعت میں چونکہ اس سلسلے میں کوئی صریح ممانعت موجود نہیں، اس لئے جمہور علماء نے اس بارے میں کوئی تحدید نہیں کی ہے چنانچہ عمرہ جب چاہے اور جتنی مرتبہ چاہے کیا جا سکتا ہے، البتہ امام ابو حنیفہ نے پانچ دن یوم عرفہ، یوم النحر اور ایام تشریق کا استثناء کیا ہے (۲) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ہر ماہ عمرہ کرتے تھے (۳) اور انہی کا یہ قول ہے کہ اگر استطاعت ہو تو مہینہ میں کئی بار عمرے کرو (۴) چنانچہ اگر کوئی شخص ہفتہ بھر میں یا ایک ہی دن میں ایک سے زیادہ عمرے کرتا ہے تو اسکے اس عمل کو برا نہ خیال کرنا چاہیے۔

عمرہ میں بال کاٹنا

---

(۱) ڈاکٹر زحیلی لکھتے ہیں: قال المالکیۃ: تکرہ العمرۃ فی السنۃ اکثر من مرۃ۔ (الفقہ الاسلامی ۳/۶۷)

(۲) ڈاکٹر صاحب ہی کا بیان ہے: ویکرہ فعل العمرۃ کراھۃ تحریم عند الحنفیۃ فی یوم عرفۃ ویوم النحر وایام التشریق الثلاث عقب لعید لانھا ایام الحج فکانت متعینۃ لہ۔ (الفقہ الاسلامی ۳/۶۷)

(۳) المغنی ۳/۹۰

(۴) المغنی ۳/۹۱

کیا عمرہ کرنے کے بعد بال کاٹنا ضروری ہے؟ میرے ایک دوست نے پہلا عمرہ کیا اور سر کے بال نہیں کٹائے، ویسے ہی احرام کھول دیا اور بال بعد میں کٹائے، کیا ان کا عمرہ صحیح ہے یا کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا؟ ——— (محمد یامین، طائف)

عمرہ کے ارکان وافعال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سعی کے بعد حلق یا قصر کیا جائے یعنی سر کے بال مکمل منڈا دیئے جائیں، یہ زیادہ بہتر وافضل ہے، یا کم از کم پورے سر سے تھوڑے بال لئے جائیں اور چھوٹے کئے جائیں، اس کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہوتی ہیں (۱) اگر آپ کے دوست نے بال منڈانے سے پہلے ہی احرام کھول کر سلا ہوا لباس پہن لیا ہو تو انہیں اس غلطی پر دم دینا ہوگا (۲) یعنی حدودِ حرم میں جانور دنبہ وغیرہ قربان کرکے اس کا گوشت وہیں غرباء میں تقسیم کردیں۔

رمضان المبارک میں عمرہ

کیا رمضان المبارک میں عمرے کا ثواب حج کے برابر ہے؟۔

ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں عمرے کی فضیلت

---

(۱) موسوعات فقہیہ میں ہے: یحصل التحلل باداء ارکان الحج وواجباتہ رمی جمرۃ العقبۃ والحلق۔ (الموسوعات الفقہیہ ۱۷/۶۲، ط: کویت)

(۲) یجوز تاخیر الحلق والتقصیر الی آخر النحر .... وعن احمد علیہ دم بتاخیرہ وھو مذھب ابی حنیفۃ لانہ نسک اخرہ عن محلہ ومن ترک نسکا فعلیہ دم .... وقال مالک والثوری واسحاق وابوحنیفۃ ومحمد بن الحسن: من ترکہ حتی حل فعلیہ دم لانہ نسک فیاتی بہ فی احرام الحج۔ (المغنی ۳/۲۲۴، نیز دیکھئے: ہندیہ ۱/۲۴۴)

کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس کا ثواب حج کے برابر (یا فرمایا کہ میرے ساتھ عمرہ کرنے کے برابر) ہے۔(۱)

بال کتنا کاٹا جائے؟

یہاں سعودی عرب میں رہنے والے کئی بار عمرے کی سعادت حاصل کرتے ہیں لیکن سر کے بال نہیں منڈاتے، وہ کہتے ہیں کہ صرف پہلی بار سر کے بال منڈانا ضروری ہے کیا یہ صحیح ہے؟۔

عمرہ جب بھی کیا جائے حلق یعنی سر کے پورے بال منڈانا افضل ہے اور کم از کم قصر یعنی پورے سر سے تھوڑے بال قینچی سے کتروانا اور چھوٹے کرنا ضروری ہے، ایسا نہیں ہے کہ پہلے عمرے میں حلق افضل اور اس کے بعد قصر بلکہ تمام عمروں میں حلق افضل اور قصر بھی جائز ہے البتہ قصر میں پورے سر سے بال لینا چاہیے، کسی ایک حصے سے تھوڑے بال کاٹ لینا کافی نہیں، یہ رائے امام احمد بن حنبل کی ہے (۲) حنفیہ کے نزدیک اگر چوتھائی سر کے برابر بھی بال کٹ گئے ہوں تو احرام سے نکلنے کے لئے کافی ہے (۳) یہ واضح رہے کہ قصر کی صورت میں انگلی کے ایک پورے کے برابر کٹوانا واجب ہے۔

شوال میں عمرہ

یکم شوال کے بعد عمرہ کرنا کیسا ہے، کیا شوال میں عمرہ کرنے سے حج

---

(۱) عمرة في رمضان تعدل حجة. (بخاري عن ابن عباس باب عمرة في رمضان)

(۲) الموسوعة الفقهية ۱۷/۵۷

(۳) ہدایہ ۱/۲۳۰

کرنا فرض ہو جاتا ہے کچھ لوگ شوال میں عمرہ کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں؟ ——— (عابد علی خاں، جدہ)

حج کے مہینے تین ہیں جو یکم شوال سے شروع ہو کر ایام حج تک رہتے ہیں (دو ماہ تیرہ دن) انہی ایام میں ذوالحجہ کے چند دن اہم ہیں جن میں عمرہ و حج کے مناسک ادا کئے جاتے ہیں، اگر کوئی شخص شوال یا ذوالقعدہ میں عمرہ کرتا ہے اور اس کا اسی سال حج کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو یہ عمرہ عام عمرہ ہی تصور کیا جائے گا اور یہ جائز ہے. شوال اور ذوالقعدہ میں عمرہ کرنا جائز ہے' اس بارے میں جو عام تصور ہے کہ عمرہ کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے' یا یہ کہ ان ایام میں عمرہ کرنا جائز نہیں ہے' یہ بالکل غلط تاثر ہے' اور غلط بات ہے' ان ایام میں عمرہ کرنا باقی ایام کے عمرہ کی طرح ہے' زحیلی لکھتے ہیں : اتفق العلماء علی ان العمرۃ تجوز فی ای وقت من اوقات السنۃ۔ (الفقہ الاسلامی ۳/۲۶) البتہ ذوالحجہ کی نویں' دسویں' گیارہویں' بارہویں اور تیرہویں تاریخ کو عمرہ کرنا مکروہ ہے' کہ یہ ایام حج کے لئے مخصوص اور متعین ہے' اور ان ایام میں انہی کو ادا کرنا ضروری ہے (۱) البتہ اگر کوئی شخص ان ایام میں عمرہ کرلے' اور اسی سال حج کرنے کا ارادہ بھی ہو تو اس کا حج تمتع کہلائے گا.

وطن سے واپسی پر عمرہ

میں چار پانچ ماہ وطن میں رہ کر آیا ہوں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم کو سب سے پہلے عمرہ کرنا چاہیئے' میں اس سے قبل کئی بار عمرہ اور طواف کر چکا ہوں کیا وطن سے جدہ واپسی کے بعد عمرہ کرنا ضروری ہے؟

(امتیاز الدین واحد' جدہ)

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۳/۲۶

وطن سے واپسی کے بعد پہلے عمرہ یا طواف کرنا ضروری نہیں، اللہ تعالیٰ کے مقدس ترین گھر خانہ کعبہ سے تعلق اور اس سے قرب کا تقاضہ یہ ہے کہ جتنا زیادہ ہو سکے اخلاص وعقیدت مندی کے ساتھ عمرے اور طوافِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی جائے۔ (۱)

کیا رمضان میں عمرہ کرنے کے بعد اسی سال حج کرنے سے تمتع ہوگا؟

ایک شخص نے رمضان میں عمرہ کیا، پھر اسی سال حج کرنے کا ارادہ بھی ہے، تو اس شخص کو قربانی دینی ہوگی، اور اقسامِ حج میں سب سے افضل حج کونسا ہے؟

رمضان میں عمرہ کرنے، اور پھر اسی سال حج افراد کا احرام باندھنے سے اس شخص پر کوئی دم اور فدیہ واجب نہیں، اس لئے کہ قربانی اس شخص پر ہے جو حج کے ساتھ عمرہ کرے (یعنی حج تمتع یا حج قران کرے) جو شخص رمضان میں عمرہ کرے، پھر اشہرِ حج میں حج کا احرام باندھے وہ متمتع نہیں ہوگا، کیونکہ متمتع اس شخص کو کہتے ہیں جو اشہرِ حج میں عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرے، پھر اسی سال حج کا احرام باندھ کر فریضۂ حج ادا کرے، (اشہرِ حج شوال، ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں رمضان کا مہینہ اشہرِ حج میں سے نہیں)

عمرہ کے معنیٰ

عمرہ کے لفظی معنی کیا ہیں؟ —— (شمس الدین احمد، جدہ)

عمرہ کے لفظی معنیٰ قصد وارادہ کے ہیں، صاحبِ مصباح اللغات نے اس کا

---

(۱) ابن قدامہ لکھتے ہیں: ولا بأس ان یعتمر فی السنة مراراً۔ (المغنی ۳/۹۰)

معنی لکھا ہے" آباد مکان کا ارادہ"۔

متمتع کے لئے سفرِ جدہ

میں نے عمرہ کا احرام باندھا، میرا ارادہ حجِ تمتع کا تھا، عمرہ کرنے کے بعد میں جدہ گیا اب مکہ واپس آکر حج کا احرام باندھ کر حج کروں تو کیا میرا حج، حجِ تمتع ہوگا یا حجِ افراد؟۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کرنے والا تمتع سے خارج نہیں ہوگا جب کوئی شخص تمتع کے ارادہ سے رمضان کے بعد عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہو جائے پھر عمرہ کرنے کے بعد اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے جدہ یا طائف وغیرہ جائے تو وہ متمتع باقی رہے گا۔

اگرچہ بعض اہلِ علم نے یہ بات کہی ہے کہ اگر کوئی متمتع عمرہ کے بعد مکہ چھوڑ کر سفر کی مسافت کے بقدر چلا جائے پھر واپس آکر حج کا احرام باندھ کر حج کرے تو اس طرح کرنے سے اس کا حج ٹوٹ جائے گا، اور اس کا حج، حجِ افراد ہوگا، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے درمیان اس طرح کے تصرفات سے تمتع باطل ہو کر وہ شخص مفرد نہیں ہو جائے گا، بلکہ اس کا حجِ تمتع باقی رہے گا، ہاں اگر کوئی اپنے وطن لوٹ جائے پھر حج کا احرام باندھ کر آئے تو اس سے تمتع ٹوٹ جائے گا، اور وہ مفرد بالحج شمار ہوگا (۱)، ایسی صورت میں اس پر "دمِ تمتع" واجب نہیں، یہی بات سیدنا عمر اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

افراد یا قران کی نیت کے بعد تمتع کا ارادہ

---

(۱) ویبطل تمتع المتمتع اذا عاد بلدہ بعد فراغہ من العمرۃ۔ (الفقہ الاسلامی ۳/۲۲۱)

جو شخص حج افراد کی نیت سے احرام باندھے، پھر مکہ پہونچنے کے بعد تمتع کے ارادہ سے عمرہ کرکے احرام کھول دے، تو کیا یہ اس کے لئے جائز ہے؟

یہ نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے کہ حج کرنے والا چاہے حجِ افراد کی نیت سے آئے یا ایک ہی احرام کے ساتھ حج کرنے کے ارادہ سے حجِ قران کا احرام باندھ کر آئے اگر اس کے ساتھ ہدی یعنی قربانی کا جانور نہیں ہے تو اس کے لئے بہتر وافضل یہی ہے کہ وہ افراد وقران کی نیت کو تمتع میں بدل کر عمرہ کرے پھر احرام کھول کر دوبارہ ۸ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھے اور مناسکِ حج ادا کرکے "دمِ تمتع" دے یعنی ایک جانور قربان کرے جو متمتع پر واجب ہے، ہاں اگر قربانی کا جانور ساتھ ہے تو پھر احرام کی نیت تبدیل نہ کرے، بلکہ اسی نیت پر قائم رہے، پھر اگر مفرد بالحج ہو تو حج اور اگر قارن ہو تو عمرہ و حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد یوم النحر کو (عید کے دن) قربانی کرکے احرام کھول دے۔ (۱)

ایسا اس لئے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اسی کا حکم دیا تھا کہ بعض صحابہ قارن تھے، بعض مفرد بالحج اور ان کے ساتھ قربانی کا جانور نہ تھا، آپ نے ایسے اصحاب کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ میں تبدیل کرلیں۔ چنانچہ ان صحابہ کرام نے طواف وسعی اور قصر کے بعد احرام کھول دیا۔ سنت بھی یہی ہے کہ جو شخص بھی حج یا عمرہ وحج ایک ساتھ کرنے کی نیت سے مکہ آئے اور اس کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے احرام کو عمرہ کی نیت میں بدل کر طواف وسعی اور قصر کرکے احرام کھول دے پھر اپنے وقت پر حج کا احرام باندھے اس طرح یہ شخص متمتع ہو جائے گا اور اس پر

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۲۲۵

"دمِ تمتع" یعنی ایک جانور کی قربانی واجب ہے۔ (۱)

یہ رائے حنابلہ کے مسلک پر ہے، حنفیہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک جس شخص نے حج کا احرام باندھا تھا اس کے لئے تمتع کر کے اس احرام کا کھولنا درست نہیں۔ (۲)

تمتع کا وقت اور یوم ترویہ سے پہلے حج کا احرام

کیا تمتع کے لئے کوئی وقت متعین ہے، جس میں وہ تمتع کریگا، نیز اس کیلئے یوم ترویہ سے پہلے حج کا احرام باندھنا صحیح ہے؟

ہاں تمتع کا وقت متعین ہے، اور وہ شوال، ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں، یعنی اشہر حج بھی ہے، تمتع کی نیت سے شوال سے پہلے احرام باندھنا صحیح نہیں، نیز افضل صورت یہ ہے کہ (اشہر حج میں) عمرہ کا احرام الگ باندھے پھر جب اس سے فارغ ہو جائے تو (۸ ذوالحجہ کو) حج کا احرام باندھے، یہی کامل تمتع ہے، اور اگر حج وعمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھے تو ایسے شخص کو (اصطلاح میں) قارن بھی کہتے ہیں (۳) (اور اس حج کو حج قران) ان دونوں صورتوں میں اس شخص پر (یعنی متمتع اور قارن پر) ایک قربانی واجب ہوگی، جس کو "دم تمتع" کہتے ہیں، اگر کوئی جانور قربانی نہ کر سکتا ہو تو اس کے بدلے ایسے شخص کو دس دن روزے رکھنے ہوں گے، تین روزے ایام حج میں اور سات روزے حج سے فارغ ہو کر وطن لوٹنے کے بعد کبھی بھی رکھ سکتا ہے۔ (بقرہ /)

اگر کوئی شروع شوال میں عمرہ کا احرام کا باندھ کر عمرہ کرے اور پھر احرام کھول

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۲۲۴

(۲) المغنی ۳/۱۲۲

(۳) دیکھیے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۲۲، نیز المغنی ۳/۱۲۲

دے تو عمرہ اور احرام حج یعنی ۸ ر ذوالحجہ تک کی مدت طویل ہوتی ہے' جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا' جب وہ حج کا احرام باندھ کر مفرد بالحج کی حیثیت سے مکہ آئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ عمرہ' کر کے احرام کھول دیں'، اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قارن تھے، یعنی انہوں نے حج وعمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا' تو ان میں سے جن کے پاس قربانی کا جانور نہیں تھا' انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کر کے احرام کھولنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طواف وسعی اور قصر کے بعد احرام کھول دیا' اور اپنے حج کو "حج تمتع" بنا دیا' پھر جب یوم ترویہ یعنی ذوالحجہ کا آٹھواں دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی اپنی قیامگاہ سے حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا (۱)، لہٰذا یہی صورت بہتر ہے' تاہم اگر کوئی شخص ذوالحجہ کی پہلی تاریخ کو یا اس سے بھی پہلے حج کا احرام باندھے تو یہ بھی جائز اور صحیح ہے' لیکن افضل یہی ہے کہ ۸ ر ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھا جائے' جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صحابہ کرام نے کیا۔

کیا شوال میں عمرہ کرنے کے بعد حج قران صحیح ہے؟

آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ شوال یا ذوقعدہ میں اگر کوئی عمرہ کرے' پھر اسی سال حج کرے' تو اس کا حج' حج تمتع ہوگا' میں نے گذشتہ سال عیدالفطر کے دن عمرہ کیا' اور پھر اسی سال حج کیا' میقات سے قران کی نیت کی'، ۸ ر ذوالحجہ کی صبح عمرہ کیا' اور پھر اسی احرام میں حج ادا کیا' کیا میرا یہ حج صحیح ہوا' یا دوبارہ حج فرض ہوگا؟

---

(۱) المغنی ۳ / ۱۲۳

آپ کا حج قران صحیح تھا، آپ پر دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں ہے۔ (۱)

کیا والدین کو حج کرانا ضروری ہے؟

اگر اولاد صاحبِ استطاعت ہے تو کیا ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو حج کرائیں؟ —— (محمد خان آفریدی، ریاض)

اگر اولاد صاحبِ استطاعت ہے، اور وہ اپنی مرضی خوشی سے والدین کو حج کرانا چاہتی ہے تو ایسی اولاد کے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے لیکن یہ واجب نہیں ہے، یعنی اولاد پر واجب نہیں ہے کہ وہ ماں باپ کو حج کرائے، اگر والدین خود صاحبِ استطاعت ہوں تو ان پر حج فرض ہوگا ورنہ نہیں، المغنی میں ہے: وغیر المستطیع لا یجب علیہ لان اللہ خص المستطیع بالایجاب علیہ فیختص بالوجوب۔ (المغنی ۳/۸۵)

اشہرِ حج میں عمرہ کرنا

میں اس سے قبل فرض حج کرچکا ہوں، اس کے بعد اکثر وطن چھٹی پر جاتے وقت یا چھٹی سے آتے وقت عمرہ کرکے قصیم کو واپس آتا ہوں، دو مرتبہ میں نے ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرہ کیا، کیا اس مہینے میں عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟ —— (طارق شریف، جدہ)

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہوجاتا، البتہ اگر کسی نے پہلے حج نہیں کیا، پھر اشہرِ حج میں مکہ مکرمہ پہونچ گیا تو اس پر حج کرنا فرض ہوجاتا ہے، بشرطیکہ وہ

---

(۱) القران ھو أن یجمع بین احرام الحج والعمرة من المیقات اوقبلہ فی اشھر الحج أوقبلھا۔ (ہندیہ ۱/۲۳۷، المغنی ۳/۱۲۲)

حج تک رکنے کی استطاعت رکھتا ہو، اگر اس کی استطاعت نہیں تو حج فرض نہیں، عمرہ کرکے واپس جاسکتا ہے اور اگر پہلے فرض حج ادا کرچکا ہو تب بھی دوبارہ حج فرض نہیں ہوتا، کیونکہ حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، زحیلی کا بیان ہے: واجمع العلماء علی ان الحج لایجب الامرة والزائد عن ذلك تطوع۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۴)

حج اِفراد میں قربانی نہیں

میں نے چند سال قبل حج اِفراد کیا لیکن اس میں قربانی نہیں کی کیونکہ میں اس وقت مقروض تھا، اور قربانی کرنے کی استطاعت نہیں تھی، کیا بغیر قربانی کے حج درست ہے، مجھے اس بارے میں شک ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ ——— (میاں اصغر علی، المسجد)

حج کی تین مشہور قسمیں ہیں، جن میں ایک حج اِفراد ہے، حج اِفراد میں قربانی نہیں ہوتی، اگر آپ نے حج اِفراد کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی دعا کیجیے، آپ کا فرض حج ادا ہوگیا ہے، چونکہ اِفراد میں قربانی واجب نہیں ہے، لہٰذا آپ پر قربانی کرنا ضروری نہیں تھا (۱)، اس بارے میں کسی وہم اور شک میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔

والدہ کو عمرہ کرانا

میرے ایک دوست اپنی والدہ کو عمرہ کرانا چاہتے ہیں، لیکن وہ اتنی

---

(۱) ہندیہ میں ہے: ان کان معہ نسك ذبحہ وان لم یکن فلا یضرہ لانہ مفرد بالحج وان کان قارناً أو متمتعا فلابد لہ من الذبح۔ (ہندیہ ۱/۲۳۱، المغنی ۳/۴۸۲، الفقہ الاسلامی ۳/۲۱۸)

استطاعت نہیں رکھتے کہ خود سارا خرچ برداشت کریں، اسلئے تین بھائی اور ایک بہن مل کر خرچ برداشت کر رہے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے؟ —— (محمد یامین، طائف)

جی ہاں، دو تین بہن بھائی مل کر اپنی والدہ یا والدین کو حج وعمرہ پر بلا سکتے ہیں۔

اہلِ میقات کے لئے کون سا حج؟

مکہ والے اور میقات والے کونسا حج کریں؟

(عارف خاں، جدہ)

مکہ والے اور میقات والے حجِ افراد کریں، یہی ان کے لئے زیادہ بہتر و انسب ہے، قرآن میں ارشادِ خداوندی ہے:

ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام۔ (بقرة: ۱۹۶)	تمتع و قران اس کے لئے ہے جو مسجدِ حرام کے قریب کا نہ ہو۔

بیوی بچوں کو عمرہ کرانا

میں تین سال سے یہاں برسرِ روزگار ہوں، ہر سال ایک ماہ کی چھٹی پر وطن جاتا ہوں، اس دفعہ ایگریمینٹ ختم کر کے جانے کا ارادہ تھا مگر ایک دوست نے مشورہ دیا کہ اللہ نے موقع دیا ہے تو ایک سال اور محنت کر کے والدین اور بیوی بچوں کو عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے بلوالو، لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میرا کوئی ذاتی مکان نہیں کرائے کے مکان میں رہتا ہوں، میرے بھائی شادی کے قابل ہیں، مگر ان کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ وہ شادی کا خرچ برداشت کرسکیں،

بڑی بہن حال ہی میں بیوہ ہوگئی ہیں، ان کی بیٹیاں بھی جوان ہیں اور ان کا بھی بوجھ میرے ذمہ ہے، کیا میں ان وجوہات کی موجودگی میں والدین یا بیوی بچوں کو عمرہ کرا سکتا ہوں اور کیا میرا یہ عمل درست ہوگا؟ ——————— (ابوہریرہ، ابہا)

والدین یا بیوی بچوں کو حج وعمرہ کرانا واجب وضروری نہیں، البتہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے استطاعت دی ہو اور وہ والدین و بیوی بچوں کو حج وعمرہ کروائے تو یہ یقیناً اس کے لئے کارِ خیر اور باعثِ سعادت و ثواب ہے۔ جن مسائل وضروریات کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کے ہوتے ہوئے اگر والدین اور بیوی بچوں کو حج کروانا مشکل ہو تو بہتر یہ ہے کہ آپ فی الوقت اس کا ارادہ ترک کر دیں، والدین بیوی بچوں کے ساتھ اپنی بیوہ بہن اور بھانجیوں وغیرہ کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور ان کی مدد و نصرت کو ترجیح دیں، ان شاء اللہ یہ آپ کے لئے زیادہ ثواب کی بات ہے پھر اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ استطاعت دے تو والدین اور بیوی بچوں کو بھی حج وعمرہ کروالیں، واضح ہو کہ اگر آپ پر حج فرض ہوا اور آپ نے اسے ادا نہ کیا ہو تو جن مسائل وضروریات کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ آپ کیلئے شرعاً عذر نہیں، بلکہ پہلی فرصت میں آپ کو یہ فریضہ انجام دینا ہوگا، ہاں والدین یا بیوی بچوں کو آپ حج وعمرہ کروائیں گے تو یہ ان کے لئے چونکہ نفل ہوگا، اس لئے اس کے مقابلے آپ بیوہ بہن کی مدد اور بھانجیوں کی شادی وغیرہ کی تکمیل کو ضرور ترجیح دے سکتے ہیں۔

ایک سفر میں دو عمرے

میں نے اس سے قبل عمرہ نہیں کیا، اب میں عمرہ کرنا چاہتا ہوں، نیز میرے والد وفات پاچکے ہیں، میں ان کی طرف سے بھی عمرہ کرنا چاہتا ہوں کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی دفعہ سعودی عرب آکر اپنی طرف سے

اور والد مرحوم کی طرف سے عمرہ ادا کروں، اگر یہ جائز ہے تو شرعاً اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ ——— (محمد یوسف، بحرین)

ایک ہی سفر میں ایک سے زیادہ عمرے اپنی طرف سے اور اپنے مرحومین کی طرف سے کئے جا سکتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، آپ اپنی میقات سے اپنی طرف سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئیں اور عمرے کے ارکان ادا کر کے احرام کھول لیں، پھر اگر مکہ مکرمہ میں رہیں تو دوسرے عمرے کے لئے اہلِ مکہ کی میقات (یعنی مسجد تنعیم جو مسجد حرام سے کچھ فاصلے پر ہے) سے دوبارہ احرام باندھ کر عمرہ کریں، اور اگر مدینہ منوّرہ جائیں، اور وہاں سے آتے ہوئے عمرہ کرنا چاہیں تو اہلِ مدینہ کی میقات (مسجد ذوالحلیفہ) سے عمرے کا احرام باندھ کر آئیں، اس طرح جہاں قیام کریں، وہاں کے لوگوں کی میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کریں۔ (۱)

احرام دوسروں کو دینا

کیا میں عمرہ کرنے کے بعد اپنی احرام کی چادریں کسی دوسرے شخص کو حج یا عمرے کے لئے دے سکتا ہوں، کیا ان کا دھونا ضروری ہے؟

احرام کی دونوں چادریں آپ کسی دوسرے شخص کو بھی دے سکتے ہیں، اور ان کا دھویا جانا ضروری نہیں ہے، اگر گندے ہو چکے ہوں تو دھو دینا مستحب ہے، ابنِ قدامہ لکھتے ہیں: ویستحب ان یکونا نظیفین اما جدیدین واما غسیلین۔ (المغنی ۳/ ۱۲۰)

قرض کے ساتھ حج کی ادائیگی

---

(۱) المغنی ۳/ ۹۱

مجھ پر تقریباً بارہ ہزار ریال کا قرض ہے، حالات ایسے نہیں کہ میں اسے جلد ادا کر سکوں، تقریباً سات برس سے مقروض ہوں، اسی لئے میں آج تک حج نہیں کیا، آپ ہی بتائیں کہ کیا میں حج کر لوں یا نہیں؟

(محمد ندیم، الطائف)

اگر مستقبل قریب میں اس قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت اور امید نہیں ہے، تو آپ پر حج کرنا فرض نہیں ہے۔ (۱)

ماہِ ربیع الاوّل میں عمرہ کرنا

ربیع الاول کے مہینے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی مناسبت سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے عمرہ کرنا یا ربیع الاول کے مخصوص ایام کی وجہ سے نیت عمرہ کر کے عمرہ کرنا کیسا ہے؟۔

ربیع الاول کی مناسبت سے عمرہ کرنا یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عمرہ کرنا یہ عمل کسی بھی صحابی یا تابعی سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اسے بدعت کہا جائے گا۔

حجِ بدل میں افراد بہتر ہے یا تمتع و قران؟

میں نے اپنے لئے کئی حج کئے ہیں، اس سال ارادہ ہے کہ میں اپنی والدہ مرحومہ کے لئے حج کروں، کیا حج بدل کے لئے تمتع یا قران ضروری ہے؟ ـــــــــ (صبوحی چغتائی، جدہ)

---

(۱) ویعتبر ان یکون فاضلاً عن قضاء دینه لان قضاء الدین من حوائجه الاصلیـ ویتعلق به حقوق الأدميين فهو آكد. (المغنی ۳/۲۱۲، ہندیہ ۱/۲۱۷)

آپ اپنی والدہ کے لئے حج بدل میں حج کی تین قسموں میں سے جو چاہے حج کر سکتی ہیں لیکن حج بدل میں افراد یا قران افضل ہے، کیونکہ ان کے درست ہوتے میں فقہاء کا اتفاق ہے، تمتع کے بارے میں اختلاف ہے اور خاص کر چونکہ آپ میقات میں رہتی ہیں، لہٰذا آپ کے لئے تو یوں بھی بہتر و افضل حج افراد ہے، کیونکہ حرم میں رہنے والے کی بابت ارشادِ خداوندی ہے:

ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام. (بقرہ ۱۹۶) تمتع و قران اس کے لئے ہے جو مسجدِ حرام کے قریب کا نہ ہو۔

ہر متمتع پر قربانی واجب ہے

شوال یا ذوالقعدہ میں خاندان کے سب افراد نے عمرہ اور پھر اسی سال حج ادا کیا ہو تو کیا سب پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی؟ ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ سب کی طرف سے ایک ہی قربانی کافی ہوگی، کیا یہ صحیح ہے؟ ——— (محمود، جدہ)

ہر متمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے، اگر خاندان کے تمام افراد نے شوال یا ذوالقعدہ میں عمرہ پھر اسی سال حج کیا تو یہ حجِ تمتع ہوا، لہٰذا گھر کے تمام افراد کی طرف سے الگ الگ قربانی واجب ہوگی (۱)، حج کے علاوہ بقرعید کے موقع پر کی جانے والی قربانی کے سلسلے میں حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ گھر کے ہر فرد پر یہ قربانی واجب نہیں، بلکہ تمام افراد کی طرف سے ایک جانور ذبح کر دینا ہی کافی ہے (۲)، جب کہ احناف در

---

(۱) يجب باجماع العلماء على القارن والمتمتع ان يذبح هديا لقوله تعالى: فمن تمتع بالعمرة فما استيسر من الهدى. (الموسوعة الفقهية ۱۷/۴۴، المغنى ۳/۲۴۲)

(۲) حوالہ سابق

دوسرے کے یہاں ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے، اگر ایک گھر میں دو تین افراد صاحب نصاب ہوں تو ان پر الگ الگ قربانی واجب ہوگی (۱)، بہر حال حج کی قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، وہ تو تمام ائمہ کے نزدیک ہر حج تمتع یا قران کرنے والے پر واجب ہے۔

قبولیتِ حج وعمرہ کی نشانی

ایسے حاجیوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو حج کرنے کے بعد بھی نمازیں نہیں پڑھتے، گانے سنتے ہیں، روزانہ فلمیں دیکھتے ہیں، اور لوگوں کے ساتھ بدکلامی سے پیش آتے ہیں؟

(عبداللطیف، درعیہ)

وہ لوگ جو حج کرنے کے بعد بھی نہیں بدلتے، اور اپنی اصلاح نہیں کرتے، یقیناً ایک بڑی زیادتی اور نافرمانی کا ارتکاب کرتے ہیں، امام حسن بصری سے کسی نے پوچھا کہ حج وعمرہ کی قبولیت کی کوئی نشانی بتایئے؟ امام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ کے در پر حاضری کے بعد زندگی میں تبدیلی کے آثار پاؤ تو سمجھ لو کہ حاضری قبول ہے، ورنہ افسوس وحسرت کا مقام ہے۔

شوہر افراد اور عورت تمتع کرنا چاہے

میں اس سال اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنا چاہتا ہوں، میری بیوی حج تمتع کرنا چاہتی ہے، جب کہ میرا ارادہ حج افراد کا ہے، چونکہ ہم دونوں کا

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۳/۶۰۳

اکٹھے حج کرنے کا ارادہ ہے لہٰذا ہم کیا کریں؟۔

آپ دونوں احرام باندھ کر جو حج کرنا چاہتے ہوں اس کی نیت کر لیجئے' اور حرم جا کر طواف کر لیجئے' اگر آپ حجِ افراد کرنا چاہتے ہیں تو طوافِ قدوم کی نیت کریں اور صرف طواف کریں' جب کہ آپ کی اہلیہ اگر حجِ تمتع کرنا چاہتی ہیں' یا قران کرنا چاہتی ہیں تو عمرہ کی نیت سے طواف کر کے پھر سعی کریں' اگر تمتع ہے تو احرام کھول لیں۔ اگر قران کی نیت ہے تو آپ کی اہلیہ احرام نہ کھولیں اور اسی احرام میں آپ دونوں آٹھ ذوالحج کو منیٰ چلے جائیں' اور باقی مناسکِ حج ادا کریں۔

طواف سے متعلق مسائل

ہم مکہ جاتے ہیں تو کبھی حرم میں فرض نماز پڑھ کر واپس آجاتے ہیں' کیا یہ صحیح ہے' یا حرم میں داخل ہونے کے بعد طواف کرنا لازم ہے؟۔

بہتر ہے کہ حصولِ ثواب کے لئے طواف بھی کر لیں' لیکن یہ لازم نہیں ہے' بغیر طواف کئے بھی واپس آسکتے ہیں۔

طواف کی نیت سے مکہ جاتے ہوئے' کیا گھر سے نکلتے وقت دو رکعت نفل نماز پڑھ کر ہی روانہ ہونا چاہیئے؟۔

ضروری نہیں' ویسے نفل نماز مکروہ و ممنوع اوقات کے علاوہ کبھی بھی پڑھی جاسکتی ہے' خاص کر طواف کی نیت سے سفرِ مکہ کے وقت کوئی نماز مشروع نہیں۔

کیا عام کپڑوں میں طواف کیا جاسکتا ہے' یا اس کے لئے بھی احرام ضروری ہے؟۔

عمرہ اور حج ہی کے لئے احرام ضروری ہے' صرف طواف کرنا ہو تو اس کیلئے احرام ضروری نہیں' بلکہ عام کپڑوں میں طواف کیا جاسکتا ہے

کیا رکن یمانی کو ہر چکر پر ہاتھ لگانا چاہیئے یا بوسہ دینا چاہیئے؟

رکنِ یمانی کو نہ بوسہ دیا جائے اور نہ ہی ہاتھ سے اشارہ کیا جائے، البتہ اگر قریب سے گزریں اور ممکن ہو تو دائیں ہاتھ سے اس کو چھونا مسنون ہے۔(۱)

ایک صاحب کہتے ہیں کہ دورانِ طواف کعبۃ اللہ پر نظر نہیں پڑنی چاہیئے کیا یہ بات صحیح ہے؟

دورانِ طواف بعض فقہاء کے نزدیک کعبہ پر نظر ڈالنا مکروہ ہے۔ اس لئے نیچے اور سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے خشوع و خضوع سے طواف کیا جائے۔

ہم جدہ میں مقیم ہیں، آفس کے کام سے کبھی مکہ مکرمہ جانا پڑتا ہے ایک دوست کہتے ہیں کہ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونا چاہیئے کیا یہ صحیح ہے؟

حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو آپ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

رشتہ دار یا دوست احباب سے ملنے کے لئے کبھی مکہ مکرمہ جائیں تو ملاقات کے بعد سیدھے جدہ واپس آسکتے ہیں یا حرم جاکر آنا ہی ضروری ہے؟

یہ ضروری تو نہیں لیکن موقع ہو تو حرم میں حاضر ہو کر طوافِ زیارت کی عظیم سعادت اور اجر و ثواب حاصل کریں، ہاں اگر کبھی موقع نہ ہو یا ضروری کام ہو تو حرم میں حاضر ہوئے بغیر بھی جدہ واپس آسکتے ہیں۔

کیا حرم میں باب السلام ہی سے داخل ہونا ضروری ہے؟

حرم میں باب السلام سے داخلہ مسنون ہے۔(۲) ضروری نہیں، آج کل اس دروازہ کا نام باب الفتح ہے۔

---

(۱) المغنی ۳/۱۸۹

(۲) ملاحظہ ہو: احکام حج ۴۲

طوافُ النّسار

میں نے پی، آئی اے کی کتاب میں ایک مسئلہ پڑھا ہے جس کی فوٹو کاپی آپ کو بھیج رہا ہوں، اس میں لکھا ہوا ہے کہ "عمرہ ادا کرنے کے بعد ایک اور طواف کریں، جس کی نیت یہ ہوگی کہ طواف النسار کرتا ہوں واجب قربتاً الی اللہ، یہ طواف مردوں پر بھی واجب ہے، اور عورتوں پر بھی، جو شخص بھی اسے ترک کرے گا اُس کے لئے ازدواجی زندگی حرام ہوجائے گی، اس طواف کا نام تو طواف النّسار ہے لیکن یہ مرد و عورت دونوں پر واجب ہے، اگر مرد اس کو ترک کرے تو اس پر بیوی حرام ہوجائے گی، اور اگر عورت اس طواف کو ترک کرے گی تو اس پر شوہر حرام ہوجائے گا، طواف النسار کا کوئی وقت معین نہیں ہے، بلکہ چھوڑنے سے قبل کسی وقت بھی کر سکتے ہیں، البتہ جو لوگ اپنی شریکِ حیات کے ساتھ گئے ہوں انہیں احتیاط کے طور پر یہ طواف جلد ہی کر لینا چاہئے تاکہ گناہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ رہے۔" سوال یہ ہے کہ کیا طواف النسار کی شرعاً کوئی حیثیت ہے؟ اور کیا اس کے نہ کرنے سے شوہر و بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق حرام ہوجاتا ہے؟

(حسن علی خاں، جدہ)

جس کتاب سے آپ نے ایک صفحہ فوٹو کاپی کر کے بھیجا ہے، اس میں واضح طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ ہدایات فقہِ جعفریہ کے مطابق ہے، ہمارے علم کے مطابق حج و عمرہ میں طواف النسار کے نام سے کوئی طواف ایسا مشروع نہیں جس کے ترک کرنے سے ازدواجی زندگی حرام ہوجائے، البتہ حج میں رمی، قربانی اور حلق کے بعد ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کے غروب

آفتاب تک)، ایک طواف بیت اللہ شریف کا کیا جاتا ہے جس سے پہلے شوہر و بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق حرام رہتا ہے (۱)، لیکن اس طواف کو "طوافِ زیارت" یا "طوافِ افاضہ" کہتے ہیں (جو کہ حج کا ایک مقدس فریضہ اور مناسکِ حج کا ایک اہم عمل ہے)۔

طواف کے بعد خون کی ابتدا

ہم نے اس سال حج کیا، میری بیٹی بھی میرے ہمراہ تھی، چونکہ انہی دنوں اس کے ایام آنے تھے، لہٰذا میں نے اسے مانعِ ماہواری گولیاں دے دیں، کچھ دن خون رکا، پھر آگیا، پھر گولیاں دیں، بہر حال جتنے ایام عموماً آتے ہیں اتنے ایام پورے ہوگئے، اور اس کے بعد دس ذوالحجہ کو پورا دن اور گذشتہ رات خون نہ آیا، دن بھی پورے ہوگئے تھے، لہٰذا میری بیٹی نے غسل کیا، اور ہم لوگ حرم گئے، طوافِ زیارت کیا، طوافِ زیارت سے قبل میری بیٹی نے احتیاطاً اپنے آپ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مکمل طہارت ہے، اور کوئی بھی خون وغیرہ نہیں ہے، طواف سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر مقامِ ابراہیم پر دو رکعت پڑھنے میں اسے کچھ محسوس ہوا تو تحقیق پر پتہ چلا کہ پھر خون آرہا ہے، لیکن یہ خون طواف سے فراغت کے بعد ہی آیا، اور دورانِ طواف وہ پاک

---

(۱) یحرم علی المحرم الوطئ فی الفرج ومقدمات الجماع من تقبیل ولمس بشهوة ومباشرة. وجماع فیما دون الفرج لقوله تعالیٰ: الحج اشهر معلومات فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج، والرفث ما یکنیٰ به عن الجماع و جمیع حاجات الرجال الی النساء۔ (الفقه الاسلامی وادلته ۳/۲۴۴)

صاف رہی، اس حالت میں سعی بھی کر لی گئی، کیا یہ طواف وسعی صحیح تھی؟ ——— (ایک بہن، جدہ)

آپ کی بیٹی نے طوافِ زیارت طہارت کی حالت میں کیا ہے طواف سے فارغ ہونے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ شاید ماہواری کا خون یا خونِ استحاضہ آگیا (ایام ماہواری کے بعد جو خون آتا ہے اسے استحاضہ کہتے ہیں) دونوں صورتوں میں طواف صحیح ہے اور چونکہ دورانِ طواف وہ پاک صاف تھیں، لہٰذا ان کا طواف صحیح ہے، چونکہ طواف پاکی کی حالت میں کیا گیا ہے لہٰذا طواف کے بعد کی سعی بھی صحیح ہے خواہ یہ سعی خون کے آنے کے بعد ہی کیوں نہ کی گئی ہو آپ کی بیٹی پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہے۔

بے وضو طواف کرنا

کیا بے وضو طواف کرنا صحیح ہے، اگر کوئی شخص باوضو طواف شروع کرے لیکن درمیان میں وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟

(محمد یامین، الطائف)

بغیر وضو کے بیت اللہ شریف کا طواف کرنا صحیح نہیں، اگر دورانِ طواف وضو ٹوٹ جائے تو فوراً وضو کر کے طواف مکمل کرے، اگر بغیر وضو کے طواف کر لیا تو جب تک مکہ میں قیام ہو اس دوران طواف کا اعادہ کرلے، اگر مکہ میں قیام کے دوران طواف نہ کر سکا تو دم دینا پڑے گا، اگر بے وضو طواف کیا ہو تو بکری کی قربانی کرنی ہوگی، اور اگر بحالتِ جنابت کیا ہو تو بدنہ کی قربانی دینی ہوگی، یہ رائے امام ابوحنیفہ کی بھی ہے اور امام احمد کی بھی المغنی میں ہے: متی طاف للزیادۃ غیر متطھر اعاد ما کان بمکۃ فان خرج الی بلدہ جبرہ بدم۔ (المغنی ۱۸۶/۳، نیز دیکھئے: الھندیہ ۲۴۵/۱)

ایک نیت سے طوافِ زیارت و وداع

اگر کسی عذرِ شرعی کی وجہ سے طوافِ زیارت نہ کیا ہو اور آخری دن
طوافِ زیارت اور طوافِ وداع دونوں طواف ایک نیت سے
کرلئے جائیں تو کیا یہ عمل جائز ہے؟۔

عام حالات میں ایک ہی نیت سے طوافِ وداع اور طوافِ زیارت درست
نہیں ہے ولابد من تعیینہ فلو نوی بہ طواف الوداع او غیرہ لم یجزہ۔ (المغنی ۳/۲۲۶)
کیونکہ طوافِ زیارت اور طوافِ وداع دو مستقل طواف ہیں، جن میں ایک فرض ہے اور دوسرا واجب، البتہ اگر کسی عورت کو طوافِ زیارت کرنے کے بعد ایام شروع ہو جائیں، تو اس پر طوافِ وداع واجب نہیں، اسی طرح اگر اس نے طوافِ زیارت کے بعد نفل کی نیت سے کوئی طواف کر لیا ہو تو وہی طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جائے گا۔

طواف کے دوران تلاوت

دورانِ طواف تلاوتِ قرآن کی جاسکتی ہے؟۔

جی ہاں! دورانِ طواف تلاوت کرنا جائز ہے، یہ رائے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی ہے لیکن امام احمد کے نزدیک دورانِ طواف تلاوت مکروہ ہے، ابن قدامہ کا بیان ہے: لاباس بقراءۃ القرآن فی الطواف وبذلک قال عطاء ومجاهد والثوری وابن المبارک والشافعی وابو ثور واصحاب الرأی وعن احمد انه یکرہ۔ (المغنی ۳/۱۸۶)

طوافِ زیارت کے بعد ایام کی ابتدا

مجھے طوافِ زیارت اور سعی کے بعد ماہواری آگئی، میں تینوں جمرات
کی تینوں دن رمی کر کے ادو دن (بار) میرے شوہر نے میری طرف سے رمی

کی) جدہ واپس آگئی، کیا مجھ پر کوئی دم وغیرہ ہے؟

(امِ خالد، جدہ)

آپ کا حج ہوگیا اور آپ پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہے کیونکہ تمام ارکان و واجبات حج آپ ادا کر چکی ہیں، ابن قدامہ لکھتے ہیں: والمرأة اذا حاضت قبل ان تودع خرجت ولا وداع علیها ولا فدیة. (المغنی ۳/۲۳۸، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۶۲)

طوافِ زیارت سے قبل ایام کی ابتداء

میری بیٹی کو طوافِ زیارت سے قبل ایام آگئے، یہاں مکہ و جدہ میں کوئی عزیز بھی نہیں ہیں جن کے پاس ان کو چھوڑ دوں، پھر نوکری کی مجبوری کی وجہ سے بچی کے والد کا فوراً تبوک جانا بھی ضروری ہے کیا ہم لوگ تبوک جاکر (مع بیٹی کے) پھر دوبارہ آسکتے ہیں تاکہ بیٹی طواف وسعی کرلے؟ ——— (ایک بہن، تبوک)

آپ تبوک جاسکتے ہیں، آپ کی بیٹی جیسے ہی طہارت حاصل کرے، فوراً مکۃ المکرمہ احرام باندھ کر آجایئے تاکہ آپ کی بیٹی طواف وسعی کرلے پھر قصر کروالیجیے، اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ عورت طواف کے سوا حج کے تمام ارکان ادا کرے، اور جب پاک ہوجائے تو طوافِ زیارت کی قضا کرلے، ماہواری کی وجہ سے طوافِ قدوم اور طوافِ وداع دونوں ساقط ہوجاتے ہیں، ہدایہ میں ہے: اذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنعه الحاج غیر انها لا تطوف بالبیت حتی تطهر لحدیث عائشة لما حاضت بسرف امرها النبی صلی اللہ علیه وسلم ان لا تطوف بالبیت حتی تطهر.

(ھدایہ ۱/۲۴۴)

طواف کی دعا

آج کل جو کتابیں طواف وسعی کے بارے میں ملتی ہیں، ان میں سات چکروں کی الگ الگ دعاء لکھی ہوتی ہے، کیا ان کا پڑھنا درست ہے؟

(محمد سلیم، جدہ)

طواف خود بھی عبادت ہے، اس میں ذکر اور دعاء کرنے سے ثواب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، طواف میں تیسرا کلمہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار پڑھنا بھی ثابت ہے، اس کے علاوہ جو چاہے آدمی دعاء مانگ سکتا ہے، لیکن طواف کے ہر شوط کے لئے الگ الگ دعائیں جو معروف اور مشہور ہیں، گو ان میں سے بعض دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، مگر خاص کر طواف کے لئے اور کسی خاص طواف کے لئے اور طواف کے کسی خاص شوط کیلئے کسی دعا کا مخصوص ہونا ثابت نہیں ہے، یوں یہ دعائیں بڑی اچھی ہیں، اور عوام کی سہولت کے لئے بعضوں نے ایک جگہ جمع کیا ہے، اگر انکو پڑھے اور مسنون نہ سمجھے تو ان کا پڑھنا بھی درست ہے۔

طوافِ وداع کا ترک

میں نے اس سے قبل حجِ بدل کیا تھا، جس میں طوافِ وداع نہ کر سکا اس وقت میں جدہ میں تھا، پھر میرا ٹرانسفر الخبر ہو گیا، یہاں مجبوری یہ ہے کہ حج وعمرہ کی اجازت نہیں ملتی، کیا اس غلطی کی وجہ سے مجھ پر دم واجب ہے، نیز ایک مرتبہ عمرہ کرنے کے بعد بال کاٹنے سے قبل اوپر کا احرام زمین پر رکھ دیا اور رانڈر ویئر پہن لی، پھر یاد آتے ہی بال

کاٹے اور نیچے والا احرام اتارا، اس صورت میں میرے لئے شرعی حکم کیا ہے، اگر دم واجب ہو تو کیا یہ دم میں اپنے وطن میں دے سکتا ہوں، کیونکہ یہاں بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے؟۔

جدہ حدودِ میقات کے اندر ہے چنانچہ جدہ والوں پر طوافِ وداع واجب نہیں (۱) لہٰذا طوافِ وداع ترک کرنے کی وجہ سے آپ پر دم واجب نہیں، اسی طرح احرام کی چادریں اتارنے سے محرم حالتِ احرام سے باہر نہیں ہو جاتا، لہٰذا بال کاٹنے سے قبل احرام کی اوپر کی چادر زمین پر رکھ دینے سے آپ پر کوئی کفارہ نہیں، البتہ حالتِ احرام میں لباس (سلا ہوا) پہننا جائز نہیں، اگر کوئی سلا ہوا کپڑا دن بھر پہنا رہے تو اس پر دم واجب ہوگا، اگر بال کاٹنے سے قبل دن بھر آپ انڈرویئر پہنے نہ رہے ہوں تو آپ پر دم واجب نہیں ہے، البتہ کچھ دیر پہنے رہنے کی وجہ سے حسبِ استطاعت صدقہ وخیرات وغیرہ کر دیں (۲) دوسری بات یہ کہ حج وعمرہ کی کسی غلطی کی وجہ سے دم واجب ہو تو حدودِ حرم ہی میں جانور ذبح کرنا اور فقرائے مکہ میں اس کو تقسیم کرنا ضروری ہے، حرم سے باہر دم دینا صحیح نہیں اور اس سے کفارہ ادا نہیں ہوتا، حدودِ حرم میں دم دینا ناممکن نہیں اگرچہ بعض لوگوں کے حالات کے لحاظ سے انہیں اس میں دشواری ہو سکتی ہے۔

---

(۱) بدائع میں ہے: لیس علیٰ اھل مکۃ ولا من کان منزلہٗ داخل المواقیت الی مکۃ طواف الصدر اذا حجوا۔ (بدائع ۲/۱۴۲) المغنی میں ہے: ومن کان منزلہٗ فی الحرم کالمکی لا وداع علیہ ------ واھل المواقیت انھم بمنزلۃ اھل مکۃ فی طواف الوداع۔ (المغنی ۳/۲۳۸)

(۲) ہندیہ ۱/۲۴۲، امام احمد کے نزدیک دن یا رات کے تھوڑے حصہ میں بھی سلا ہوا کپڑا پہنے تو بھی دینا پڑے گا، لا تتقدر فدیتہ بالزمن۔ (المغنی ۳/۲۶۲)

ایام شروع ہو جائیں تو طوافِ وداع ضروری نہیں

میری فلائٹ پندرہ مئی کی ہے، کوشش رہی ہے کہ مزید اسے بڑھالوں، طوافِ زیارت وسعی کے بعد ایام شروع ہو گئے ہیں، کیا جانے سے پہلے طوافِ وداع ضروری ہے؟ میں چونکہ ایام سے ہوں اور فلائٹ بھی پندرہ کو ہے، پھر میں اکیلی رک بھی نہیں سکتی کہ تمام ساتھی پندرہ ہی کو جارہے ہیں، آپ کوئی حل بتایئے۔

(درافشاں بیگم)

آپ چونکہ طوافِ زیارت اور سعی کر چکی ہیں، لہٰذا آپ کے لئے یہ کفایت کرتا ہے، صحیح البخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے "لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آخری عمل طوافِ وداع کریں (۱)، البتہ ایام والی خواتین کے لئے چھوٹ ہے (۱)، طوافِ وداع نہ کرنے پر آپ کے لئے کوئی دم، فدیہ وغیرہ بھی نہیں ہے۔

کئی طواف کے بعد اکٹھا نماز ادا کرنا

اگر کوئی ایک سے زیادہ طواف کرے، اور ہر طواف کی دو رکعت واجب نماز آخر میں ایک ساتھ ادا کرے تو کیا یہ صحیح ہے؟

(ابوالحسن شریف، مکہ مکرمہ)

ایسے کرنے سے نماز تو ہو جائے گی لیکن ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز فوراً پڑھنا چاہیئے، دو رکعت واجب الطواف نماز پڑھے بغیر دوسرا طواف شروع کرنا

---

(۱) بخاری عن عائشة باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت۔

مکروہ ہے، لا بأس ان یجمع بین الأسابیع فاذا فرغ منہا رکع لکل اسبوع رکعتین. (المغنی ۳/۱۹۱) لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے، ہندیہ میں ہے: ویکرہ لہ الحج بین الاسبوعین بغیر صلوٰۃ بینہما فی قول ابی حنیفۃ ومحمد. (ہندیہ ۱/۲۲۷)

وطن جانے سے قبل طوافِ وداع

میں کچھ عرصہ قبل تین ماہ کے لئے چھٹی پر پاکستان گیا تھا، مگر غلطی سے جاتے وقت طوافِ وداع نہ کرسکا، اس سلسلے میں کیا مجھ پر دم واجب ہے یا کوئی اور کفارہ؟ ——— (محمد عباس، مکہ مکرمہ)

طوافِ وداع صرف حج میں کرنا ضروری ہوتا ہے، یہ جو عام رواج بن گیا ہے کہ لوگ سالانہ چھٹیوں پر جانے سے قبل طوافِ وداع کرتے ہیں، دین میں اس کی کوئی اصل اور کوئی ثبوت موجود نہیں ہے.

طوافِ وداع

ہم لوگ جدہ میں رہتے ہیں، اس سال الحمدللہ ہم نے حج کیا، مگر بعض لوگوں کے کہنے پر ۱۲ تاریخ کو منیٰ سے سیدھا جدہ آگئے، اور طوافِ وداع نہیں کیا، لیکن دل مطمئن نہیں تھا، اس لئے بعد میں جاکر طوافِ وداع کیا، کیا طوافِ وداع سب پر واجب ہے اور ہم پر کوئی دم وغیرہ لازم تو نہیں؟ ——— (مسز عشرت ارشاد، جدہ)

احناف کے ہاں طوافِ وداع صرف آفاقی یعنی میقات سے باہر رہنے والوں پر واجب ہے.(۱)

---

(۱) بدائع ۲/۱۴۲، المغنی ۳/۲۳۷

میقات کے اندر رہنے والوں پر احناف کے ہاں طوافِ وداع واجب نہیں بلکہ سنت ہے، جدہ بھی میقات کے اندر ہی ہے آپ نے احتیاطاً بعد میں طوافِ وداع کرلیا ہے جو کہ ایک اچھا کام ہے آپ پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں۔

میقاتی پر طوافِ وداع واجب نہیں

کیا جدہ والوں پر طوافِ وداع واجب ہے؟ فقہ حنفی کے مطابق جواب دیں۔ ——— (عبدالرشید وڑائچ، الخرج)

جو لوگ میقات کے باہر رہنے والے ہوں، ان کے لیے طوافِ وداع واجب ہے۔ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں یا خود مکہ کے رہنے والے ہوں ان کے لیے طوافِ وداع نہیں۔(۱)

طواف کے دوران جوتے بغل میں رکھنا

حرم شریف میں بعض بھائیوں کو دیکھا ہے کہ جوتے چپل بغل میں رکھ کر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہیں، میں نے ایک کو منع کیا تو وہ غصہ ہوگیا، سب جانتے ہیں کہ جوتے ناپاک ہوتے ہیں، اس طرح طواف کرنے سے طواف ہوگا یا نہیں؟۔

بعض لوگ حجرِ اسود کے برابر میں دو ہاتھ اٹھانے کے بجائے ایک ہاتھ اٹھا کر بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟۔

(امیر حسین، مکہ مکرمہ)

واضح رہے کہ فی نفسہ جوتے چپل ناپاک نہیں ہوتے بلکہ ناپاک جگہوں پر پیر پڑنے

---

(۱) ملاحظہ ہو: بدائع ۲/۱۴۲، المغنی ۳/۲۶۲

کا اندیشہ رہتا ہے، اس لیئے ان کے ناپاک ہونے کا شبہ رہتا ہے جوتے چپل ہاتھ میں یا بغل میں رکھ کر طواف کرنے سے طواف تو ہو جائے گا لیکن کمالِ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ جوتے چپل وغیرہ کسی محفوظ جگہ رکھ کر جہاں سے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہو خشوع وخضوع کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کرے۔

حجرِ اسود کی طرف ایک ہاتھ اٹھا کر بھی "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا جاسکتا ہے، دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ضروری نہیں۔

دورانِ طواف غیر محرموں سے دور رہنا ضروری ہے

طوافِ افاضہ کے دوران کئی بار ایسا ہوا کہ میرا جسم غیر مردوں کے جسم کے ساتھ مس ہوا، اس سے طواف پر اثر نہیں پڑا؟۔

(خدیجہ احمد خان، جدہ)

دورانِ طواف تمام مرد اور عورتوں کو چاہیئے کہ ایک دوسرے سے الگ اور دور رہیں (۱)، چونکہ طوافِ زیارت اور طوافِ وداع دونوں میں شدید رش رہتا ہے، لہٰذا غیر شعوری وغیر ارادی طور پر عموماً ایسا ہو جاتا ہے، جیسا کہ آپ نے اپنے سوال میں لکھا ہے لیکن اس کے باوجود ہر انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ شرعی حدود وآداب کا خیال رکھے، آپ کا طواف صحیح ہے اور اس پر کوئی اثر نہیں پڑا کہ یہ عمل غیر ارادی عمل ہے۔

رمی پر طوافِ وداع کو مقدم کرنا درست نہیں

حج میں ہم گیارہ تاریخ کو طوافِ وداع کر کے منیٰ واپس چلے گئے، اور

---

(۱) المغنی میں ہے: ولا یستحب لها مزاحمة الرجال۔ (المغنی ۳/۱۸۳)

بارہ تاریخ کی رمی کرکے منیٰ ہی سے واپس چلے گئے، کیا یہ عمل درست تھا؟

(ا م م، تبوک)

طوافِ وداع سب سے آخری عمل ہے، اسے رمی پر مقدم کرنا صحیح نہیں، طوافِ وداع صحیح وقت پر ادا نہ کرنے کی وجہ سے آپ پر دم واجب ہے (۱)۔

عصر کے بعد طواف

اگر کوئی شخص عصر کے بعد طواف مکمل کرلیتا ہے، تو کیا اسی وقت نماز پڑھے یا مغرب کے بعد؟ کیونکہ حنفی مذہب میں عصر کے بعد کوئی نماز نہیں — (نور رشید برمی، مکہ مکرمہ)

یہ صحیح ہے کہ حنفی مسلک پر نمازِ عصر کے بعد طواف کی رکعتوں کا پڑھنا بھی مکروہ ہے؛ اس لیے احناف کو چاہیے کہ طواف کرنے کے بعد رکے رہیں، نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد ان دو رکعتوں کو ادا کرلیں؛ طواف اور طواف کے بعد والی دو رکعتوں کے درمیان کچھ فصل ہو جائے تو کوئی قباحت نہیں۔

طوافِ زیارت کی تاخیر

اس سال میں نے حج کی سعادت حاصل کی، لیکن ایک غلطی یہ ہوئی کہ ۱۲ ذوالحجہ تک طوافِ زیارت کرلینا چاہیے تھا، لیکن میں نہ کرسکا، بلکہ ۱۳ ذوالحجہ کو طوافِ زیارت ادا کیا، اب مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا اس غلطی پر دم دینا ہوگا؟ — (محمد عثمان، عرعر)

---

(۱) رمی الجمار واجب فان تأخر عن وقتہ أو فات وجب دم: الفقہ الاسلامی ۳/۲۱۰۔

امام احمدؒ کے نزدیک طوافِ زیارت کا وقت چونکہ محدود نہیں، اس لئے انکے یہاں جب بھی طوافِ زیارت کرے، دم واجب نہیں[1] لیکن امام ابوحنیفہ کے یہاں اس صورت میں دم واجب ہوگا کہ طوافِ زیارت رکن ہے، اور رکن کے چھوٹنے پر دم واجب ہو جاتا ہے،[2] آپ پر دم واجب ہے، حدودِ حرم میں ایک جانور اپنی طرف سے ذبح کروا کر اس کا گوشت فقراء مکہ مکرمہ پر تقسیم کروادیں (اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں) کیونکہ (احناف کے ہاں) ۱۲ ذوالحجہ کے دن غروبِ آفتاب تک طوافِ زیارت کرلینا واجب ہے۔

طواف کے بعد دعا

طوافِ کعبہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے، پھر ملتزم پھر دعا مانگنا مستحب، لیکن اژدحام کی صورت میں حرم میں کہیں بھی یا مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعت پڑھ کر ملتزم کے پاس آنا مشکل ہوتا ہے تو کیا طواف کے بعد ملتزم کے پاس دعا کی جاسکتی ہے؟ اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے پہلے ملتزم پر دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں، یہ عمل جائز ہے۔

رمیٔ جمرات سنتِ ابراہیمی ہے

---

(۱) والصحیح ان آخر وقته غیر محدود فانه متی اتی به صح بغیر خلاف (المغنی ۲۲۶/۳)

(۲) وعلیه لتاخیره عن ایام النحر دم عند ابی حنیفة۔ (بدائع ۱۳۳/۲)

ہم نے اب تک یہی سنا تھا کہ رمی جمرات سنتِ ابراہیمی ہے یعنی حج میں جو تینوں جمرات کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، وہ اس یادگار میں کہ یہاں شیطان نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنے فرزند اسماعیل کی قربانی سے بہکایا تھا لیکن ماضی قریب کے ایک معروف صاحبِ قلم نے یہ بات لکھی کہ یہ دراصل اس ہاتھی والی فوج کی پسپائی اور تباہی کی یادگار ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال عین حج کے موقع پر اللہ کے گھر کو ڈھانے آئی تھی اور جسے اللہ کے حکم سے آسمانی چڑیوں نے کنکریاں مار مار کر تباہ کر دیا تھا، کیا یہ بات درست ہے؟ —————— (محمد سلیم انجم، بحرین)

یوم النحر کو اور ایام تشریق میں تینوں جمرات کو کنکریاں مارنا مسنون عمل ہے، اس کے بارے میں کئی صحیح احادیث اور قدیم تاریخی کتب کے مستند حوالے موجود ہیں کہ یہ اصل میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے عمل کی یادگار ہے، ان کی پیروی کرتے ہوئے ہم بھی شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں جس طرح سے خلیل اللہ نے ابلیس کو کنکریاں ماری تھیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ ابرہہ کے ہاتھیوں کی پسپائی کی یادگار ہے تو یہ بات نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ کسی مستند تاریخی حوالے سے۔ امام المنذری المتوفی ۶۵۶ھ نے صحیح ابن خزیمہ و مستدرک حاکم کے حوالے سے الترغیب والترہیب میں یہ حدیث نقل کی ہے جس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام یہاں تشریف لائے تو شیطان نے جمرۂ عقبہ والی جگہ آکر رکاوٹ بننا چاہا، ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں، پھر وہ جمرۂ ثانیہ کے پاس آیا پھر وہ جمرۂ ثالثہ کے پاس آیا اور ان دونوں جگہوں پر بھی ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات سات کنکریاں ماریں، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "تم (اس عمل کے کرتے ہوئے)

شیطان کو مارتے ہو اور اپنے بابا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہو" (۱)

امام ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ "یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمار کو جمار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں ابلیس نے آدم و ابراہیم علیہما السلام کے راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی تھی۔ (۲)

قدیم مورخ الازرقی نے اپنی کتاب "اخبار مکہ" میں لکھا ہے "ابراہیم علیہ السلام مناسکِ حج کے سلسلے میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ صفا و مروہ سے نکل کر (منیٰ میں) اس مقام پر پہونچے جہاں جمرۂ عقبہ ہے تو وہاں ابلیس کو اپنے راستے میں پایا، جبریل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تکبیر پڑھ کر اسے کنکر مارو اور اس طرح تینوں مقامات پر ابراہیم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکریاں ماریں۔

امام احمد محب الدین الطبری المتوفی ۶۹۴ھ نے اپنی کتاب "القری لقاصد ام القریٰ" میں کئی روایات جمع کی ہیں، جن میں ایک روایت یہ ہے جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے تھے تو راستے میں شیطان نے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جس پر ابراہیم خلیل اللہ نے اسے کنکریاں ماریں۔

امام غزالی نے احیاء میں فرمایا "جمرات کی رمی کا مقصد اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ماننے کا اظہار کرنا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ابراہیم علیہ السلام کے عمل سے مشابہت کرنے کی کوشش ہے کہ ابلیس نے ابراہیم علیہ السلام کو راستے میں ورغلانے کی کوشش کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ الٰہی کے مطابق اسے کنکریاں ماری تھیں۔ (۳)

---

(۱) فتح الباری: باب یکبر مع کل حصاۃ ۵۸۲/۳

(۲) احیاء العلوم: ۳۱۹/۱ الاعمال الباطنۃ وطریق الاعتبار بالمشاھدۃ الشریفۃ

موجودہ دور کے مشہور فقیہ اور محدث و مفکر السید سابق نے اپنی مشہور کتاب فقہ السنۃ میں حج کے مسائل میں لکھا ہے "امام البیہقی نے سالم بن ابی الجعد کے حوالے سے بیان کیا وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ابراہیم علیہ السلام مناسک ادا کرنے آئے تو شیطان نے ان کے راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی جس پر ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو سات کنکریاں ماریں شیطان نے پہلے جمرۂ عقبہ کے پاس پھر جمرۂ ثانیہ کے پاس اور آخر میں ثالثہ کے پاس آکر رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور ابراہیم علیہ السلام نے ہر بار اسے سات سات کنکریاں ماریں۔

دنیائے عرب کے مشہور فقیہ اور معروف کاتب جناب ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے اپنی مشہور کتاب (جس کی آٹھ ضخیم جلدیں ہیں) الفقہ الاسلامی وادلتہ میں لکھا ہے " رمی جمرات کی حکمت یہ ہے کہ یہ عمل اس واقعہ کی یادگار ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں شیطان نے بہکایا تھا، اور ابراہیم علیہ السلام نے اسے کنکریاں ماری تھیں۔ (۱)

ترکِ رمی پر دم واجب ہے

میں نے اس سال فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی، سارے مناسک الحمدللہ ٹھیک طور سے ادا کئے، البتہ ۱۲ ذوالحج کو جب رمی کے لئے نکلا تو کثرتِ ازدحام کے باعث درمیان میں پھنس گیا، اور میری دونوں پسلیاں اس شدت سے دبائی گئیں کہ میری آنکھیں باہر نکل پڑیں اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، میرا لڑکا بر وقت مجھے مجمع سے

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳ر۱۹۲

باہر لایا، کچھ دیر بعد ہوش آیا لیکن میں اس قابل نہیں تھا کہ رمی کر سکوں
بعض اصحاب نے مشورہ دیا کہ میں واپس چلا جاؤں، اگر ۱۳ر کو اس
قابل ہوں تو آ کر رمی کر دوں، ورنہ ایام تشریق کے بعد دس روزے
رکھ لوں، یا ایک بجرا قربانی دے دوں، دوسرے دن تک میں رمی کے قابل
نہ رہا اور یہ عمل مجھ سے ادا نہ ہو سکا، مجھے اس ضمن میں اب کیا کرنا چاہیے
روزے رکھنے ہوں تو کہاں اور کتنے؟ کیا میں وطن جا کر روزے رکھ سکتا
ہوں، نیز کیا اس کے بدلے صدقہ دیا جا سکتا ہے؟ کتاب و سنت کی
روشنی میں رہنمائی فرمائیں ——— (امجد علی، جدہ)

بڑھاپے یا شدید بیماری کی کمزوری وغیرہ کے باعث اگر کوئی رمی نہ کر سکتا ہو تو (ایسی مجبوری کی صورت میں) وہ کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے رمی کرنے کے لئے وکیل بنا سکتا ہے (۱) بے ہوشی اور بدن میں رعشہ کے سبب آپ جب چلنے کے قابل نہیں رہے تو آپ کے لئے بہتر صورت یہ تھی کہ آپ اپنے بیٹے کو یا کسی دوسرے شخص کو وکیل بنا دیتے اور وہ آپ کی طرف سے بھی کنکریاں مارتا، اس صورت میں آپ پر کوئی کفارہ نہ ہوتا، ۱۲ر ذوالحجہ کی رمی ۱۲ر تاریخ کو بھی نہیں ہو سکتی، البتہ ۱۳ر کی صبح صادق سے پہلے تک کی جا سکتی ہے لیکن ۱۲ر کی منیٰ میں رہنے کی صورت میں ۱۳ر کو بھی رمی کرنا واجب ہو جاتا ہے، رمی جمار واجبات حج میں سے ہے اور حج میں واجب کے ترک پر دم واجب ہوتا ہے (۲) یعنی ایک جانور (بکرا وغیرہ) حدودِ حرم میں ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء مکہ ہی میں تقسیم کر دینا ہوگا، یہ جانور حدودِ

---

(۱) مریض لا یستطیع الرمی .... یرمی عنه غیرہ بامرہ۔ (ھندیه ۱/۲۳۶)

(۲) زحیلی لکھتے ہیں: لو ترك رمی الکل وھو الجمار الثلاث لزمه دم عند ابی حنیفة (الفقه الاسلامی وادلته ۳/۲۰۲)

حرم کے علاوہ دوسری جگہ ذبح نہیں کیا جاسکتا، نیز اس کا بدل نہ روزے ہیں اور نہ صدقہ جانور ذوالحجہ میں ذبح کرنا ضروری نہیں، کوئی دشواری ہو تو بعد میں بھی ذبح کرسکتے ہیں۔ بہرحال جتنا جلد ہو اپنے ذمہ واجب (کفارہ) ادا کردینا چاہیے۔

قبل از وقت رمی جائز نہیں

میں نے اس سال حج کیا ۱۱ ذوالحجہ کو چھوٹے، درمیانہ اور بڑے شیطان کو سات سات کنکریاں مارکر اسی وقت یعنی تھوڑی دیر کے بعد بڑے پھر درمیانے پھر چھوٹے شیطان کو سات سات کنکریاں ماریں اور مکہ مکرمہ آکر طواف وداع کرکے مدینہ منورہ آگیا، میری طبیعت بگڑ گئی تھی، اس لئے میں نے ایسا کیا اور واپس ہوگیا، کیا میں نے صحیح کیا یا غلط؟ اگر غلطی ہو تو کیا کفارہ ادا کرنا چاہیے؟ نیز میرا حج قبول ہوگا یا نہیں؟

(صادق اللہ خاں، بریدہ)

۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اور قبل از وقت رمی جائز نہیں (۱)، اگر کوئی شخص زوال سے پہلے ہی رمی کرے (پھر صحیح وقت شروع ہونے پر اس کا اعادہ نہ کرے)، تو اس پر بھی دم واجب ہے، آپ نے تو مکمل ایک دن قبل یعنی ۱۲ کی رمی ۱۱ تاریخ کو کی اور وہ بھی الٹی ترتیب سے جب کہ رمی جمار میں ترتیب الٹنے پر بھی دم واجب ہو جاتا ہے، بہرحال ۱۱ تاریخ کو آپ نے دوبارہ جو رمی کی اس کا کوئی اعتبار نہیں اور ۱۲ تاریخ کی رمی ترک کرنے پر دم واجب ہے، حدودِ حرم میں اپنی طرف سے ایک جانور ذبح کرا کر اس کا گوشت فقراء مکہ مکرمہ پر تقسیم کروادیں، حج انشاء اللہ قبول ہوگا، اللہ تعالیٰ

---

(۱) لایجوز الرمی قبل الزوال۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳ / ۱۹۵

رات میں رمی جائز ہے

جمرات کی رمی کا وقت کیا ہے اور کیا رات میں رمی جائز ہے؟۔
اس سال میں نے اپنے والدین کے ساتھ حج کا فریضہ ادا کیا، آمدو رفت کی تکلیف کی وجہ سے ۱۱ر ذوالحجہ کو جمرات کی رمی بجائے قبل المغرب بعد المغرب ہوئی، ۱۲ر ذوالحجہ کی رمی سے قبل جمرات کے قریب افراتفری اور گڑبڑ کی وجہ سے میرے والد کی طبیعت خراب ہوئی اور ہمیں واپس آنا پڑا، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان دو دنوں میں ہم سے جو سہو ہوا کیا اس کے لئے ہمیں کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا؟ کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ ——— (خ اج، ریاض)

بغیر کسی عذر کے رمی جمرات میں تاخیر کرنا اور رات میں رمی کرنا اگرچہ مکروہ ہے(۱) لیکن اس پر کوئی کفارہ (دم یا صدقہ وغیرہ) واجب نہیں، کمزور لوگوں کے لئے، بچوں بوڑھوں اور عورتوں کے لئے رات میں رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح ازدحام کی وجہ سے (جیسا کہ آجکل ہوتا ہے) عام لوگوں سے بھی رمی میں تاخیر ہو جائے تو کوئی کراہت نہیں، رمی کا وقت رات بھر (صبح صادق تک) رہتا ہے، اس طرح پہلے دن کی غلطی پر آپ پر کوئی کفارہ نہیں (۲)۔

دوسرے دن رمی کے بغیر آپ لوگ واپس آنے کے بعد دوبارہ جاکر اگر رمی نہ کر سکے ہوں تو چونکہ رمی واجبات حج میں سے ہے، اس لئے اس کے ترک کرنے پر دم واجب

---

(۱) واللیل وقت مکروہ۔ (ھندیہ ۱/۲۳۳)

(۲) ملاحظہ ہو مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب "احکام حج" ط: دارالاشاعت کراچی ۴۷۔

ہوگا، اگر تینوں نے رمی نہ کی ہو تو تین دم واجب ہوں گے، یعنی تین جانور حدود حرم میں ذبح کرکے اس کا گوشت فقراء مکہ پر تقسیم کرنا ہوگا' دوسری جگہ یہ قربانی نہیں ہوسکتی، اگر دوبارہ جاکر آپ لوگوں نے رمی کی ہو تو پھر کوئی کفارہ آپ پر واجب نہیں۔

بائیں ہاتھ سے رمی جمرات

کیا کسی عذر کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے رمی جمرات کی جاسکتی ہے؟

(ارشد حسن، جدہ)

رمی جمرات دائیں ہاتھ سے کرنا سنت ہے' واجب نہیں' لہٰذا بلا عذر بھی بائیں ہاتھ سے رمی کی جاسکتی ہے۔(۱)

رمی جمرات میں تاخیر

ہم نے گذشتہ سال گیارہ اور بارہ تاریخ کی کنکریاں تیرہ کو ملاکر ماریں، کیا یہ عمل جائز ہے؟

بلا عذر ایسا کرنا جائز نہیں' دونوں دنوں کنکریاں صحیح وقت پر نہ مارنے کی وجہ سے آپ پر دو دم واجب ہیں' اور ان کی قربانی حدودِ حرم ہی میں ضروری ہے، کاسانی کا بیان ہے: لو ترك جميع الرمي الى الغد كان عليه دم عند ابى حنيفة. (بدائع ۲/۱۳۹) البتہ امام احمد کے نزدیک اس صورت میں کچھ بھی واجب نہ ہوگا' تاہم ایسا کرنا خلاف سنت ہے' المغنی میں ہے: اذا اخر رمى يوم الى ما بعده او اخر الرمى كله الى اخر ايام التشريق ترك السنة ولا شئ عليه. (المغنی ۳/۲۳۵)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۹۹

رمی میں نیابت

کیا رش کی وجہ سے خواتین کی طرف سے مرد رمی کر سکتا ہے؟

اگر خواتین رش اور ازدحام کی وجہ سے رمی نہیں کر سکتیں تو ان کی طرف سے کوئی بھی رمی کر سکتا ہے (۱)۔

رمیٔ جمرات چھوڑنے کا کفارہ

میں نے حج کے موقع پر اپنے ایک دوست کو رمیٔ جمرات (شیطان کو کنکریاں مارنے) کے لئے اپنا وکیل بنا دیا تھا، کیونکہ میری صحت مجھے اس عمل کی اجازت نہیں دے رہی تھی، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ میرا دوست میری طرف سے شیطانوں کو کنکریاں نہ مار سکا، اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

رمی جمرات واجبات حج میں سے ہے، اگر یہ عمل چھوٹ جائے تو دم دینا ہوگا (۲) یہ دم حدود حرم یعنی مکہ المکرمہ ہی میں ادا کرنا ہوگا اور اس کے گوشت کو مکۃ المکرمہ کے فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) وھبہ زحیلی کا بیان ہے: یشترط لصحۃ الرمی ان یکون من المحرم بنفسہ و بعجزہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۹۸)

(۲) فان ترک الکل حتی غربت الشمس من اخر ایام التشریق وھو اخر ایام الرمی یسقط عنہ الرمی وعلیہ دم واحد فی قولھم جمیعا۔ (بدائع ۲/۱۳۹)

رمیٔ جمار میں وکالت

کیا بوڑھی، بیمار یا کمزور عورت اپنی طرف سے رمیٔ جمرات کے لئے کسی کو وکیل بنا سکتی ہے؟۔

کوئی بھی بوڑھی خاتون یا بیمار خاتون رمی جمرات میں اپنی طرف سے کسی کو بھی وکیل مقرر کر سکتی ہے جو اس کی طرف سے رمی کرے۔ (۱)

زوال سے پہلے رمی

میں نے دس تاریخ کو رمی تو صحیح وقت پر کر لی، لیکن گیارہ تاریخ کو زوال سے پہلے رمی کی، اور بارہ کو زوال کے بعد، کیا گیارہ تاریخ کی رمی کی غلطی پر دم ہے؟۔

آپ نے گیارہ تاریخ کی رمی وقت پر نہ کر کے خلافِ واجب کام کیا ہے کہ رمی جمرات کی تاخیر تو ممکن ہے لیکن تعجیل جائز نہیں ہے، یعنی وقت سے پہلے رمی کر لینا جائز نہیں بنا، وقت کی پابندی لازمی ہے، آپ پر ترک واجب کی وجہ سے دم ہے۔ (۲)

رمی جمار، حلق وقصر اور قربانی میں ترتیب

---

(۱) وتجوز الانابة فی الرمی لمن عجز عن الرمی بنفسه لمرض او حبس او کبر سن او حمل المرأة. (الفقه الاسلامی وادلته ۳/۱۹۳)

(۲) بدائع میں ہے: لا یرمی فی ایام التشریق الا بعد الزوال فان رمی قبل الزوال اعاد. (المغنی ۳/۲۲۳)

گذشتہ سال میں نے حج کیا، قربانی دینے سے پہلے کنکری مار کر
سر منڈالیا اور بعد میں قربانی دی ہے، کیا اس طرح کرنے سے مجھ پر
کوئی دم وغیرہ لازم ہے یا یہ عمل صحیح ہے؟۔

(محمد سمیع اختر، جدہ)

جمہور اہل علم کے نزدیک حلق یا قصر، رمی، قربانی اور طواف زیارت میں کوئی ترتیب واجب نہیں ہے، لہٰذا آپ پر دم لازم نہیں۔ (۱)

دم کہاں دیا جائے؟

اگر حج کے دوران کسی غلطی پر دم واجب ہو جائے تو کیا اس جانور کو
ہم اپنے ملک میں ذبح کر سکتے ہیں یا اس رقم کو کسی دینی مدرسہ میں یا غریب
لوگوں کو دے سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے پاس یہاں اتنی رقم نہیں کہ یہاں
جانور خرید کر ذبح کر سکیں؟ —— (محمد عبد المجیب، الخبر)

اگر حج میں کسی غلطی پر دم واجب ہو جائے تو حدود حرم ہی میں جانور ذبح کرنا اور اس کا گوشت فقراء مکہ مکرمہ میں تقسیم کرنا ضروری ہے واما مکان ذبح الھدی فالحرم عندنا۔ (بدائع ۲/۱۷۹) امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرم اور غیر حرم دونوں کے فقیروں کو دینا جائز ہے (۲) حرم سے باہر اس جانور کو ذبح کرنا درست نہیں، لہٰذا اپنے ملک میں جانور ذبح کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا، نیز جانور ذبح کرنے کی بجائے اس کی قیمت فقراء و مساکین میں تقسیم کرنا بھی جائز نہیں (چاہے وہ فقراء مکہ ہی میں تقسیم ہو)، بہر حال حدود حرم ہی میں

---

(۱) ہندیہ ا/۲۳۱، ط: بیروت، فی کیفیۃ اداء الحج

(۲) ویجوز ان یتصدق بھا علی مساکین الحرم وغیرھم الا ان مساکین الحرم افضل (ہندیہ ا/۲۶۲)

جانور ذبح کرنا ضروری ہے، اگر فی الوقت استطاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتے رہیں، اور یہ ارادہ رکھیں کہ جب بھی استطاعت ہو، اپنے ذمہ واجب دم ادا کردیں گے۔

دم نہ دے سکتے ہوں تو کیا کریں؟

ہم نے چند سال قبل حج کے موقع پر میقات سے احرام نہیں باندھا، بلکہ جدہ سے احرام باندھا، اب معلوم ہوا کہ ہمیں میقات سے احرام باندھنا چاہئے، لہٰذا ہم پر دم ہے، اگر میں مالی کمزوری کی وجہ سے دم نہ دے سکوں تو کیا کروں؟ ہمارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے، انہوں نے بھی جدہ ہی سے احرام باندھا۔ (ایک بہن، مدینہ منورہ)

چونکہ آپ دم دینے کی مالی استطاعت نہیں رکھتیں، جیسا کہ آپ نے اپنے سوال میں لکھا ہے، تو اس کا حل یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا، اور توبہ و استغفار کریں اور جب استطاعت ہو تو اس وقت دم دے دیں۔

دم کے بجائے جانور کی قیمت کا صدقہ جائز نہیں

کیا دم کے جانور کی قیمت کسی مدرسے میں یا فقیر کو دی جاسکتی ہے؟

جس شخص پر دم واجب ہو وہ یہ کام مکہ مکرمہ ہی میں انجام دے، اور یہیں جانور ذبح کرکے فقراءِ مکہ پر تقسیم کرے، خواہ وہ عام لوگ ہوں، یا مدرسہ کے طلبہ۔

دم دینے کی میعاد

دم دینے کے لئے کیا میعاد مقرر ہے؟

انسان اپنی پہلی فرصت میں دم ادا کرنے کا انتظام کرے، لیکن اگر کسی مجبوری کی

وجہ سے اس میں تاخیر ہو جائے تو بھی جائز ہے۔

خون نکلنے سے دم واجب نہیں

میں نے گذشتہ ہفتہ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے احرام باندھا، دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کی نیت بھی کر لی، بلٹ باندھ رہا تھا کہ اس کی نوک سے ہاتھ کی انگلی زخمی ہو گئی اور خون بہنا شروع ہو گیا، اس سلسلے میں کیا مجھے دم دینا پڑے گا، اور اگر دم دینا پڑے تو مکہ مکرمہ جاکر دم دینا ہو گا، یا یہاں جدہ ہی میں؟ کیونکہ احرام یہاں جدہ ہی میں باندھتے ہوئے خون نکلا تھا۔

زخمی ہو جانے اور خون بہنے سے عمرہ اور احرام پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اس میں کوئی دم واجب نہیں، مرہم پٹی کر کے عمرہ کے ارکان ادا کر لینے چاہئیں، البتہ خون چونکہ ناپاک ہے اس لئے وہ اگر احرام پر لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کر لینا چاہیے، اور دوسری بات یہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ جس غلطی پر بھی عمرہ یا حج میں دم واجب ہو وہ بہر حال مکہ مکرمہ (حدودِ حرم) میں ہی دینا ہو گا اور اس کے گوشت وغیرہ کے مستحق بھی فقرائے مکہ ہی ہوں گے۔

دم واجب نہیں

میں نے ایک مرتبہ عمرہ کر کے لاعلمی میں سر کے پورے بال نہیں کاٹے بلکہ قینچی سے تین چار جگہوں سے تھوڑے سے بال لے لئے، کیا یہ درست ہے یا مجھے دم دینا ہو گا، اگر دم ہے تو ہر عمرے کے لئے الگ الگ دم دینا ہو گا یا ایک ہی کافی ہے؟ ——— (زرد دست خاں، جیزان)

چونکہ آپ نے لاعلمی میں اپنے سر کے پورے بال نہیں کاٹے، لہٰذا آپ توبہ کریں، اور اللہ تعالیٰ سے قبولیتِ عمرہ کی دعا کریں آپ پر دم نہیں ہے(۱)، اگر آئندہ جانتے بوجھتے ایسا کیا کہ عمرہ کر کے پورے سر کے بال لینے کے بجائے قینچی سے چند بال لئے تو اس پر دم دینا ہوگا۔ (۲) یہ فقہاء حنابلہ کی رائے ہے حنفیہ کے نزدیک کم از کم ایک چوتھائی حصہ کا بال کاٹنا ضروری ہے ورنہ دم واجب ہے۔ (ہندیہ ۱/۱۳۱)

کیا حدودِ حرم میں دم دینا ضروری ہے

دم دینا حدودِ حرم میں ضروری ہے، یا میں واپس ہندوستان جاکر وہاں یہ دم دے سکتی ہوں کہ اسے فقراء و غرباء میں تقسیم کیا جائے؟

(تسنیم احمد خان، ریاض)

دم حدودِ حرم ہی میں دیا جائے گا (۳) اگر آپ کسی وجہ سے خود یہ کام نہ کر سکیں تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا کر اسے یہ ذمہ داری سونپ دیں۔

۱۰ ذی الحجہ کو جدہ واپسی

ہم لوگوں نے دس تاریخ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد حلق وغیرہ سے فارغ ہو کر طواف و سعی کی اور جدہ آگئے، پھر یہاں سے دو دن جاکر رمی صحیح وقت پر کی، لیکن منیٰ میں قیام نہیں کیا، کیا قیام منیٰ

---

(۱) المغنی میں ہے: لا فدیۃ علی الناس۔ (المغنی ۳/۲۵۸)

(۲) القدر الذی یجب بہ الدم اربع شعرات فصاعداً وفیہ روایۃ اخریٰ یجب فی الثلاث ما فی حلق الراس۔ (المغنی ۳/۲۵۸)

(۳) کل دم یجب علی الحاج یختص بالحرم (تبیین الحقائق ۲/۹۰ ط: پاکستان)

ضروری ہے؟ —————— (محمد عقیل صدیقی، جدہ)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے تمام مناسک کے بارے میں ارشاد فرمایا: "مجھ سے تم اپنے مناسک لے لو"۔ (۱) کسی بھی عبادت و عمل کا کمال اور قبولیت کا دارو مدار اخلاص و متابعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، قیامِ منیٰ یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ کا قیام منیٰ میں جمہور اہلِ علم کے ہاں واجب ہے، اور نہ کرنے پر دم واجب ہے، البتہ احناف کے ہاں سنت ہے، اور ترکِ سنت پر دم واجب نہیں ہوتا۔

دم کے بدلہ روزے

ایک سال قبل مجھے حج کی سعادت نصیب ہوئی، منیٰ میں تیسرے دن گیارہ بجے قبل الظہر کنکریاں مار کر ہم لوگ واپس ہو گئے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ دم واجب ہے، اگر دم واجب ہو تو ہمارے کچھ ساتھی دم نہیں دے سکتے، لہٰذا وہ اس کے بدلے کتنے روزے رکھیں؟

(اسعید محمد، مدینہ منورہ)

گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ کو رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، لہٰذا بارہ ذوالحجہ کو زوال سے قبل (گیارہ بجے) کی گئی رمی کا کوئی اعتبار نہیں، اور ترکِ رمی پر ایک دم واجب ہے اور اس کا بدلہ روزے نہیں (۲)، جانور ہی ذبح کرنا ہوگا، ہاں اگر کوئی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو توبہ و استغفار کرے اور یہ نیت و ارادہ رکھے کہ جب بھی استطاعت ہوگی، جانور ذبح کروں گا، دم کا جانور حدودِ حرم ہی میں ذبح ہو سکتا ہے اور اس کے گوشت وغیرہ کے مستحق بھی فقراءِ مکہ ہیں۔

---

(۱) مسلم عن جابر بن عبد اللہ، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر راکباً ۱۲۹۷-۲

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ: باب رمی الجمرات الثلاث ایام التشریق

حج وعمرہ میں دم واجب ہو تو جانور ذبح کرنا ہی ضروری ہے

دو سال قبل میں نے عمرہ کا ارادہ کرلیا، اور مجھے جدہ بھی جانا تھا، اپنے عزیز سے ملنے کے لئے، راستے میں بس میقات پر نہیں رکی، اور میں نے بھی خیال نہیں کیا، ہم جدہ گئے، پھر واپس مکہ مکرمہ آئے پھر تنعیم (مسجد عائشہ) سے احرام باندھ کر عمرہ کیا، کیا ایسا کرنے سے دم واجب ہو جاتا ہے، نیز کیا دم کا گوشت فقراء میں ہی تقسیم کرنا ضروری ہے؟ میں نے عمرہ کے بعد حج بھی کیا اور قربانی بھی دی ہے۔

(محمد ابو بکر درخشانی، جیزان)

عمرہ یا حج کے ارادہ سے بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں، اگر کوئی بھول کر یا غفلت میں بغیر احرام کے میقات پار کر ڈالے تو اس کو چاہیئے کہ واپس میقات لوٹ کر احرام باندھ کر آئے یا پھر اس غلطی پر ایک جانور مکہ مکرمہ میں قربان کرے اور اس کے گوشت کو فقراء مکہ مکرمہ پر تقسیم کردے، یہ قربانی کفارہ کے طور پر اور حج کی قربانی کے علاوہ ہے، حج یا عمرہ میں کسی غلطی پر دم واجب ہو تو دم دینا یعنی جانور قربان کرنا ہی ضروری ہے کسی اور ذریعے سے (مثلاً اس کی قیمت صدقہ وخیرات کر دینے سے) اس غلطی کی تلافی ممکن نہیں، اسی طرح ایک جانور ہی کا حدود حرم ہی میں ذبح کیا جانا ضروری ہے اور اس کے گوشت کے حقدار بھی صرف فقراء ومساکین مکہ ہی ہیں۔

آٹھواں باب

معاشرتی مسائل


قوا انفسكم واهليكم نارا

معاشرتی مسائل

شادی کی عمر

کتنی عمر میں لڑکی کی شادی کر دینی چاہیے؟ (مسز عبدالکریم جدہ)

اسلام میں لڑکی یا لڑکے کی شادی کے لیے کسی عمر کی تحدید تو نہیں کی گئی، البتہ یہ بہتر قرار دیا گیا کہ بالغ ہوتے ہی جتنا جلد ہو ان کی شادی کر دی جائے تاکہ وہ نفس و شیطان کے دھوکہ میں آکر غلط راستے پر نہ پڑ جائیں۔ —— عورت اور مرد کے بلوغ کی علامتیں فقہاء نے ذکر کر دی ہیں، وہ علامتیں پائی جائیں تو سمجھئے کہ شادی کی عمر ہوگئی ہے، لڑکے کے بالغ ہونے کی علامت احتلام، انزال اور عورت کو حاملہ کرنے کی صلاحیت کا ہونا ہے، اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ احتلام ہو جائے، حیض آنا شروع ہو جائے یا یہ حاملہ ہو جائے اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو جب پندرہ سال کی عمر پوری ہو جائے، لڑکے اور لڑکیاں بالغ سمجھے جائیں گے، لڑکی کی عمر نو سال سے کم ہو تو اس کو بالغ نہیں کہہ سکتے، درمختار میں ہے:

بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال —— والجاریہ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیهما شئی حتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی (درمختار ۱۳۲/۱، کتاب الحجر) درمختار ہی میں ہے: بنت تسع ھا دون تسع لیست بمشتهاة وبه افتی

(درمختار ۲/ ۲۸۳ باب المحرمات)

شادی میں لڑکے لڑکی کی پسند

اگر کسی لڑکی یا لڑکے کے والدین شادی اس گھر میں کرنا چاہیں جہاں شرک بدعت بہت ہوتا ہو اور لڑکی یا لڑکا اس شادی پر راضی نہ ہو تو کیا شادی کرنا اس طرح جائز ہو گا؟ ——— (انعم خان، جدہ)

لڑکا یا لڑکی بالغ ہوں تو انہیں اپنی پسند اور مرضی سے رشتہ منتخب کرنیکا اختیار ہے (۱)، اس معاملے میں شرعاً والدین بھی اپنی اولاد پر زبردستی نہیں کر سکتے، یہ زبردستی اگرچہ ناجائز ہے لیکن اگر شرعی طور پر ایجاب قبول اور اس کی شرائط پائی جائیں تو نکاح ہو جائے گا ورنہ نہیں، تاہم شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی کہ مرد اور عورتیں اپنے نکاح کے معاملے میں اس درجہ خود مختار ہو جائیں کہ اپنے اولیاء کی مرضی اور خاندانی مصلحتوں کے خلاف جس سے چاہیں رشتہ ازدواج میں بندھ جائیں، اس لئے شریعت نے مناسب حدود میں ان کو خاندانی مداخلت کا بھی حق دیا ہے، اور غیروں میں نکاح کر لینے یا کم مہر باندھنے پر اعتراض کا حق دیا ہے، اس کے تحت ولی قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتا ہے

اذا تزوجت المرأة ونقصت عن مهر مثلها فللاولياء الاعتراض عليها. (هداية ۲/۳۰۱)

یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے اور اسی کو تمام فقہاء احناف نے اختیار کیا ہے، دوسرے ائمہ کے یہاں ولی کی اجازت نکاح کے انعقاد کے لئے ضروری ہے، ان کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔ ——— نیز والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کیلئے دینی لحاظ سے بہتر رشتہ تلاش کریں، غیر دیندار ماحول یا گھرانہ میں بالخصوص جہاں مشرکانہ رسوم اور بدعات پائی جاتی ہوں، ایسے گھر میں رشتہ کرنا اپنی اولاد کو بھی اور ان سے ہونیوالی

---

(۱) وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم يعقد عليها ولي بكرا كانت وثيبا. (هداية: ۲/۲۹۳)

نسل کو بھی گمراہی کے راستہ پر ڈالنے کے مترادف ہے، کیونکہ بچوں کی تربیت انکی ذہنی وفکری نشو ونما میں والدین اور گھر کے ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے، اس لئے رشتہ طے کرنے سے قبل اس پہلو پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیئے، اپنی اولاد کے نکاح کے لئے دیندار لڑکا یا لڑکی کو ترجیح دینے کی احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کافی تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تمہیں کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام دے جسکے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو تو اسے قبول کر لو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ وفساد پھیلے گا (۱)، اسی طرح لڑکیوں کے معیارِ انتخاب کے سلسلے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کی یہ رہنمائی فرمائی کہ، آپ نے فرمایا: عورتوں سے نکاح چار بنیادوں پر کیا جاتا ہے: ان کی خوبصورتی اور حسن وجمال کی وجہ سے، دولت ومالداری کی وجہ سے، حسب ونسب اور خاندانی شرافت کی بنیاد پر یا ان کی دینداری کی وجہ سے، تم دینداری کو ترجیح دو، کامیاب ہو جاؤگے۔ (۲)

نکاح میں رضامندی

ہمارے ہاں دفترِ نکاح میں لڑکی کا دستخط ہی رضامندی ہوتی ہے، مگر میری بیوی کو اس کی ایک سہیلی نے ہاتھ پکڑ کر دستخط کروایا تھا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کی وجہ شرم وحیا رتھی، کیا میرا نکاح صحیح ہوگیا؟ جواب عنایت فرما کر دل کا وسوسہ دور فرمائیں۔

(امجد پاشا، ریاض)

---

(۱) سنن نسائی عن جابر باب علیٰ ماتنکح

(۲) ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ کتاب النکاح باب یؤمر بہ من تزویج ذات الدین۔

آپ مطمئن رہیں، آپ کا نکاح درست ہے، باکرہ لڑکی کی خاموشی بھی شرعاً رضامندی سمجھی جاتی ہے یعنی وہ لڑکی جس کا نکاح پہلی مرتبہ ہو رہا ہے اور وہ پاکدامن ہو جب اس کے سامنے اس کا باپ یا ولی و سرپرست اس کے نکاح کی خبر کرے کہ میں نے فلاں مرد سے تمہارا نکاح کر دیا کیا تمہیں قبول ہے؟ اور وہ لڑکی اس پر خاموش رہے تب بھی نکاح ہو جائیگا، فطری طور پر شرم کی وجہ سے شریعت نے خاموشی کو ہی قبول و رضامندی کے طور پر معتبر مانا ہے جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اسکی صراحت موجود ہے (۱)، ہاں اگر عورت مطلقہ یا بیوہ ہے تو ایسی صورت میں خاموشی رضامندی نہیں بلکہ زبان سے قبولیت کا اظہار ضروری ہے جیسا کہ آپ کا فرمان ہے والثیب تعرب عن نفسها والبکر رضاها صمتها۔ (بیھقی عن عرس بن عمیرۃ الکندی باب اذن البکر الصمات واذن الثیب الکلام)۔

وکیل کے ذریعے نکاح

کبھی ہوتا ہے کہ لڑکا باہر یعنی وطن سے دور سعودی عرب وغیرہ میں ہوتا ہے اور اس کا نکاح کسی لڑکی سے کر دیا جاتا ہے پھر جب وہ چھٹی پر جاتا ہے تو اسی لڑکی سے دوبارہ اس کا نکاح کر دیتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ ——— (ذاکر حسین تنور، الرس)

اگر کوئی شخص اپنے نکاح کے سلسلے میں والد بھائی یا کسی بھی شخص کو ٹیلیفون اور خط وغیرہ کے ذریعے، وکیل بنا دے اور وہ شخص (وکیل) کسی لڑکی سے اس کا نکاح کر دے، تو بحیثیت وکیل اسکا کیا ہوا نکاح درست ہے (۲)، دوبارہ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں، ہاں اگر اس

---

(۱) الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستأمر فی نفسها واذنها صماتها۔ (مسلم عن ابن عباس باب استئذان الثیب فی النکاح کتاب النکاح)

(۲) اسلامی فقہ ۲ / ۳۰ (مولانا مجیب اللہ ندوی)

شخص کی اجازت و وکالت یا مرضی کے بغیر کوئی اپنی طرف سے اس کا نکاح کسی سے کر دے اور پھر خبر کر دے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں لڑکی سے کر دیا ہے تو ایسی صورت میں یہ شخص اس نکاح پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دے تو بھی یہ نکاح شرعاً درست ہوگا (تجدید نکاح کی ضرورت نہیں) اور اگر یہ اس نکاح پر رضامندی کا اظہار نہ کرے تو شرعاً یہ نکاح درست نہیں بلکہ اس نکاح کو اصلاً منعقد ہی نہیں سمجھا جائے گا یعنی اس نکاح کی وجہ سے اس شخص پر کوئی ذمہ داری یا حقوق واجب نہیں ہوں گے، اور نہ اس کو ختم کرنے کے لئے اسے طلاق دینے کی ضرورت رہے گی بلکہ عدم رضامندی کے اظہار سے ہی سارا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ (۱)

مخطوبہ کو دیکھنا

نکاح یا منگنی سے قبل لڑکی والوں کا لڑکے کو دیکھنا یا لڑکے والوں کا لڑکی کو دیکھنا یا لڑکے کا لڑکی کو دیکھنا کیسا ہے؟

(ولی محمد خاکسار، جدہ)

نکاح یا منگنی سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنے کے بارے میں علماء نے بعض شرطوں کے ساتھ اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں انصار کی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور جا کر اسے دیکھ لو۔ (۲)

---

(۱) ھدایۃ: باب فی الاولیاء والاکفاء، کتاب النکاح ۲/۲۹۴

(۲) مسلم عن ابی ھریرۃ، باب ندب النظر الی وجہ المراۃ وکفیھا لمن یرید تزوجھا، کتاب النکاح

ایک دوسری حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب تم میں سے کوئی نکاح یا منگنی کرنا چاہے اور لڑکی کو دیکھ سکے تو دیکھ لے"۔ (۱)

لیکن علماء و فقہاء نے اسے دیکھنے کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ نکاح یا منگنی سے قبل لڑکے والوں کا لڑکی کو دیکھنا یا لڑکی والوں کا لڑکے کو دیکھنا نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی فرض یا واجب لہٰذا اسے ضروری نہ سمجھا جائے اور نہ ہی نکاح یا منگنی میں یہ شرائط لائی جائے کہ ہم تو اسے ضرور دیکھیں گے۔

۲۔ لڑکی کو یا لڑکے کو اس وقت دیکھا جائے جب نکاح یا منگنی کا پختہ ارادہ کر لیا جائے یہ نہ ہو کہ ہر جگہ اور ہر خاندان میں لڑکیوں اور لڑکوں کو دیکھا جائے اور دوسروں کی توہین کی جائے، کئی جگہوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک ایک لڑکی کو دیکھنے کے لئے دس دس اور بیس بیس خواتین آئیں اور دیکھ کر واپس چلی گئیں، یہ اس بچی کی توہین ہے اور اسے احساس کمتری میں مبتلا کرنا ہے، جیسے دیکھا جاتا ہے بچی کے والدین ہر ایک کو اپنی بچی نہ دکھاتے پھریں۔

(۳) اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس دیکھنے میں کوئی غیر شرعی حرکت نہ ہو بلکہ تمام شرعی آداب اور مکمل حیاء و سنجیدگی سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔

۴۔ لڑکی کے جسم میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی رکھی جائیں اور صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھی جائیں اور ویسے بھی جب لڑکی یا لڑکا چل کر کمرے میں آتے ہیں اور بیٹھ کر کچھ دیر گفتگو کرتے ہیں تو ہر ایک بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، لڑکی کو دیکھنے یا لڑکے کو دیکھنے کا معاملہ نہایت ہی اہم حساس اور سنجیدہ معاملہ ہے یہ کوئی منڈی نہیں ہے اور نہ ہی بکاؤ مال ہے جسے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا جائے اور پرکھا جائے لہٰذا اس دوران کوئی بھی ایسی بات یا ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے کسی کو تکلیف و اذیت پہونچتی ہے۔ (المغنی، ۴/۲)

---

(۱) ابوداؤد عن جابر باب الرجل ینظر الی المرأۃ وھو یرید تزویجھا۔

شادی سے پہلے مخطوبہ کو دیکھنا

کیا شادی سے قبل لڑکا لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟۔

(ضیاء الاسلام، جدہ)

اسلام نے اس بات کی گنجائش دی ہے کہ جس لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ ہو، شادی سے قبل اسے دیکھ لیا جائے، چہرے کے علاوہ دوسرے حصہ جسم کا دیکھنا جائز نہیں"(۱) نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ ناپسندیدگی کی صورت میں لڑکی کو تکلیف اور اس کی دل آزاری نہ ہو، پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ لڑکی کو شادی سے قبل دیکھنا ضروری نہیں ہے، اسلام نے اگرچہ بعض مصلحتوں اور حکمتوں کے پیشِ نظر اس بات کی اجازت دی ہے، چنانچہ اگر خاندان کی معتبر عورتوں کے ذریعہ لڑکی کے بارے میں اعتماد ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے، اگر اعتماد نہ ہو تو پھر شادی سے قبل ایک نظر لڑکی کو دیکھ لینے میں بھی کوئی قباحت یا گناہ نہیں ہے۔

شادی سے قبل لڑکی کے انتخاب میں ہر نوجوان کو یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ اصل چیز سیرت و اخلاق کی پاکیزگی، دینداری اور تقویٰ و پرہیزگاری ہے نہ کہ خوبصورتی، مال و دولت اور خاندانی شرافت وغیرہ، ہاں اگر دینداری کے ساتھ یہ خصوصیتیں بھی پائی جائیں تو یقیناً یہ بہتر بات ہے لیکن اصل قابلِ ترجیح وصف عورت کی دینداری ہے، صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ عورت سے نکاح یا تو دین و اخلاق کی خوبی کی بناء پر کیا جاتا ہے، یا حسب و نسب یا اس کے مالدار ہونے یا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے لیکن تم دیندار عورت کو نکاح کے لیے منتخب کرو۔(۲)

---

(۱) ولا خلاف بين اهل العلم فى اباحة النظر الى وجهها وذلك لانه ليس بعورة وهو مجمع المحاسن وموضع النظر ولا يباح له النظر الى ما لا يظهر عادة۔ (المغنى ۷/۷۴)

(۲) ابن ماجه عن ابى هريرة باب يؤمر به من تزويج ذات الدين كتاب النكاح۔

ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ ارشاد گرامی ہے کہ "عورتوں سے رشتہ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے نہ کرو ممکن ہے ان کا حسن ان کو کسی برائی اور خرابی کی راہ پر ڈال دے اور ان کی مالداری کی بناء پر رشتہ نہ کرو ہو سکتا ہے ان کا مال ان کو سرکشی اور غرور میں مبتلا کر دے بلکہ دین و اخلاق کی بنیاد پر رشتہ کرو یقیناً ایک دیندار باندی جو اگرچہ کالی اور بدصورت ہو بے دین خوبصورت اور مالدار لڑکی سے بہتر و افضل ہے (۱) اس مفہوم کی روایتیں کتب حدیث میں اور بھی ہیں

یہی معیار لڑکے کے انتخاب میں بھی لڑکی اور اس کے سرپرستوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے پاس نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس کے دین و ایمان سے مطمئن ہو تو پھر اس کا نکاح تم اپنی لڑکی سے کر دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد رونما ہوں گے' اس ارشاد نبوی کو سن کر صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اس شخص میں کوئی بات ہو (یعنی اس کی ظاہری شکل و صورت بہت اچھی نہ ہو یا اس کی مالی حالت زیادہ قابل اطمینان نہ ہو) تب بھی ہم ایسا ہی کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ ہاں جب بھی تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام نکاح بھیجے جس کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔ (۲)

رشتہ کے معاملے میں والدین کو آمادہ کرنے کی کوشش

میرا ایک دوست ایک لڑکی سے محبت کرتا ہے اور لڑکی نیز لڑکی کے

---

(۱) ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ باب یؤمر بہ من تزویج ذات الدین

(۲) حوالہ سابق

گھر والے بھی لڑکے کو پسند کرتے ہیں، مگر لڑکے کے گھر والوں کو یہ رشتہ پسند نہیں، اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(فہیم نجمہ، نجران)

اگر لڑکے کے والدین اور گھر والوں کے پاس اس رشتہ کے ناپسند ہونے کی کوئی مناسب وجہ یا عذرِ شرعی ہو تب تو کوئی بات ہی نہیں، ایسی صورت میں آپ کے دوست کو چاہیئے کہ اس لڑکی سے شادی کا ارادہ ترک کر دیں، کوئی اور مناسب رشتہ تلاش کریں، بصورتِ دیگر معزز رشتہ دار یا محلہ کے بزرگ اور چند اچھے لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر آپ لڑکے کے گھر والوں کے پاس جائیں اور انہیں اس رشتے کے قبول کرنے پر آمادہ کریں۔

شادی میں دادا، دادی کا اختیار

ہم اپنی بہن کی شادی جہاں کرنا چاہتے ہیں، ہمارے دادا، دادی اس رشتے کے مخالف ہیں، کیا شرعًا دادا اور دادی کی اجازت لینا ضروری ہے؟——— (عمر زماں، دمام)

آپ اپنی بہن کی شادی جہاں کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ کے والدین کی مرضی بھی یہی ہے تو اس سلسلے میں دادا، دادی کی اجازت لینا شرط نہیں ہے، اور نہ ہی ضروری ہے، لیکن اگر باپ موجود نہ ہوں تو دادا کی رضامندی ضروری ہوگی (۱)، بشرطیکہ آپ کی بہن ابھی بالغ نہ ہوئی ہوں، اگر بالغ ہو چکی ہوں اور وہ خود اس رشتہ کو قبول کرتی ہوں تو دادا دادی کی رضامندی کے بغیر بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

---

(۱) البحر الرائق ۳/۱۱۹

منگیتر سے بات چیت

کیا منگنی کے بعد لڑکا اپنی منگیتر کی تصویر اپنے لیے منگوا سکتا ہے؟ کیا وہ اپنی منگیتر سے فون پر بات چیت کر سکتا ہے، اور خط وکتابت ہو سکتی ہے؟ کیونکہ بعض لوگ ان باتوں کے خلاف ہیں اور انہیں خلافِ اسلام قرار دیتے ہیں۔ ——— (اکبر خاں، جدہ)

شرعاً یہ بات جائز ہے کہ لڑکا اپنی منگیتر کو دیکھ لے، البتہ خلوت میں ملاقات اور منگنی کے بعد دونوں کا آزادانہ گھومنا پھرنا شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ کوئی مرد کسی عورت سے خلوت میں ملاقات نہ کرے کہ ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔(۱) منگنی صرف ایک رسمی عمل ہے اور چونکہ اکثر منگنیوں میں نکاح نہیں ہوتا، لہٰذا جب تک نکاح نہ ہو منگنی کے باوجود لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے محرم ہیں، لہٰذا اس دوران تصویر مانگنا، ٹیلی فون پر بات کرنا وغیرہ مناسب نہیں ہے۔

والدین کی مرضی کے بغیر شادی

بعض ناخلف اپنے ماں باپ کی مرضی کے بغیر شادی کر لیتے ہیں، اس کے لیے یا تو عدالت سے رجوع کرتے ہیں یا بناوٹی رشتہ دار بنا کر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں، شرعاً ایسی شادی کی کیا حیثیت ہے، کیا عدالت کو یہ اختیار ہے کہ وہ شادی کا اجازت نامہ جاری کرے؟

(امتیاز الحق، ریاض)

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات ابواب الرضاع

سول عدالت، فوجی عدالت یا دوسری کوئی عدالت شرعی امور اور مسلم خانگی امور مسلم پبلک لا، یا عائلی قوانین میں مداخلت کا حق نہیں رکھتیں، شرعی عدالتیں ان امور کے فیصلے کی مجاز ہیں، اگر والدین اپنی اولاد کی شادی کی مخالفت جس وجہ سے کر رہے ہیں وہ معقول اور جائز ہے تو یہ والدین کا حق ہے لیکن والدین اپنی اولاد کو اپنی پسند کا رشتہ کرنے پر مجبور نہ کریں، بہتر اور شرعی طریقہ یہ ہے کہ اولاد کے رشتے اولاد کی مرضی اور پسند سے طے کئے جائیں بیٹی کا معاملہ یہ ہے کہ لڑکی اپنے ولی وارث کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی، جب کہ لڑکے پر کوئی ایسی پابندی نہیں ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفوء میں بالغہ لڑکی خود اپنا نکاح کر سکتی ہے، گو بہتر ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ ولی کی اجازت سے نکاح ہو۔

اپنی پسند سے شادی کی اجازت

والدین میری شادی اپنے خاندان میں کرنا چاہتے ہیں، جب کہ میرا ارادہ اپنی پسند سے شادی کرنے کا ہے، شرعاً میرے لئے کیا حکم ہے؟

(شاہد ریاض، دمام)

آپ کے والدین کے لئے شرعاً یہ مناسب اور جائز نہیں ہے کہ وہ زبردستی جبراً آپ کو کسی جگہ شادی کرنے پر مجبور کریں، لیکن والدین کسی حکمت کی وجہ سے آپ کو کسی خاص گھر میں شادی کے لئے اکساتے ہیں، اور ان کی تمنا و خواہش بھی یہی ہے تو آپ کے لئے بھی زیادہ بہتر یہی ہے کہ والدین کی مرضی اور فیصلہ کو قبول کر لیں۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے

اسلام میں کن عورتوں سے نکاح حرام ہے؟

(محمد معروف خاں، بریدہ)

سورۂ نساء آیت ۲۲ تا ۲۴ میں محرمات نکاح کی کچھ وضاحت اور تفصیل موجود ہے،

اس سلسلہ میں مکمل تفصیل سورۂ نساء کی اس آیت میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے :

حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخواتکم وعمّٰتکم وخٰلٰتکم وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت وامھٰتکم التی ارضعنکم واخوٰتکم من الرضاعۃ وامھٰت نسائکم وربائبکم التی فی حجورکم من نساءکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم وحلائل ابناءکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ماقد سلف ان اللہ کان غفوراً رحیما۔ (نساء/۲۳)

اس کی مزید تشریح وتوضیح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ہوتی ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہاء نے حرمتِ نکاح کی بنیادی طور پر دو قسمیں کی ہیں حرمت مؤبدہ اور حرمتِ مؤقتہ۔ حرمتِ مؤبدہ کا مطلب ایسی عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہے' اور حرمتِ مؤقتہ کا مطلب وہ عورتیں جن سے نکاح کسی سببِ حرمت کے پائے جانے کی وجہ سے عارضی اور وقتی طور پر حرام ہے جب وہ سبب دور ہوجائے تو ایسی عورتوں سے نکاح بھی حلال ہوجاتا ہے۔

حرمتِ مؤبدہ کے تین اسباب ہیں، نسبی رشتہ، سسرالی رشتہ اور رضاعت (یعنی دودھ کا رشتہ) ان تین رشتوں کی بناء پر جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ دائمی ہے' عارضی اور وقتی نہیں، نسبی رشتہ کی وجہ سے جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ یہ ہیں :

۱۔ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھانجی، بھتیجی (واضح رہے کہ پھوپھی' خالہ' ماموں اور چچا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے' حرام نہیں)۔

سسرالی رشتہ کی بناء پر جن عورتوں سے نکاح حرام ہے' وہ یہ ہیں۔

۱۔ ساس کسی عورت سے نکاح ہوتے ہی مرد (شوہر) کے لئے اپنی بیوی کی ماں سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہوجاتا ہے' چاہے بیوی سے صحبت وتعلق نہ ہوا ہو اور اس سے پہلے جدائی کی نوبت آگئی ہو۔

۲۔ بیوی کی بیٹی، کوئی عورت مطلقہ یا بیوہ تھی، اور اسے سابق شوہر سے لڑکی بھی تھی، اب اگر کوئی شخص ایسی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح کرلے تو ایسے شخص پر اس بیوی کی بیٹی سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، بشرطیکہ اس شخص نے نکاح کے بعد بیوی سے صحبت بھی کی ہو، اگر نکاح کے بعد بیوی سے صحبت و تعلق نہ ہوا ہو اور اس سے پہلے ہی جدائی ہوگئی ہو تو اس شخص کے لئے اس عورت کی بیٹی سے نکاح شرعاً حرام نہیں ہے۔

۳۔ سوتیلی مائیں، جن عورتوں سے والد کا نکاح ایک مرتبہ ہوگیا ہو، ایسی عورتوں سے اولاد کے لئے دائمی طور پر نکاح حرام ہے۔

رضاعت (دودھ پینے) کی وجہ سے جن عورتوں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں کتب حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اصولی ارشاد مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رضاعت کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں" (متفق علیہ) یعنی جس طرح نسبی اور حقیقی ماں، بیٹی، بہن وغیرہ سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی ماں، بہن اور بیٹی وغیرہ سے بھی نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔

مذکورہ بالا تمام عورتوں سے نکاح کی حرمت دائمی ہے، یعنی کبھی بھی ان سے نکاح حلال نہیں۔ جن عورتوں سے نکاح عارضی طور پر حرام ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ جمع بین الاختین، یعنی بیک وقت دو بہنوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں، اگر بیوی کا انتقال ہو جائے یا اس کو طلاق دے دی جائے تو اس کی عدت گزرنے کے بعد اس کی بہن سے نکاح درست اور جائز ہے، دو بہنوں ہی کی طرح کسی عورت سے نکاح کے بعد (جب تک وہ نکاح میں رہے) اس عورت کے پھوپھی یا خالہ سے بھی نکاح جائز نہیں، بیوی کے انتقال یا طلاق اور عدت کے گزرنے کے بعد جائز ہے، اس سلسلے میں فقہاء نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ ایسی عورتوں کو بہ یک وقت نکاح میں نہیں رکھا جاسکتا کہ اگر ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کو مرد تصور کرلیا جائے تو ان دونوں

کا آپس میں نکاح حرام ہوجاتا ہو، ہندیہ میں ہے: الاصل ان کل امرأتین لو صورتا احدٰھما من ای جانب ذکرا لم یجز النکاح بینھما برضاع او نسب لم یجز الجمع بینھما (ہندیہ ۱/۲۷۷)

اصل میں یہ ضابطہ بھی حدیثِ نبوی سے مستفاد ہے، آپؐ کا فرمان ہے: لایجمع بین المرأۃ وعمتھا ولا بین المرأۃ وخالتھا۔ بخاری، عن جابر باب لاتنکح المرأۃ علی عمتھا۔

۲۔ کسی بھی مسلمان مرد کے لئے غیر مسلم کافر و مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کرلے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: لاتنکحوا المشرکٰت حتی یؤمن۔ (البقرۃ: ۲۲۱)

اگر کسی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس وقت تک حرام رہتی ہے، جب تک کہ عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح نہ ہوجائے، پھر صحبت و تعلق کے بعد کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے، اور عدت بھی گزرجائے تب وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوتی ہے، یعنی اب اس صورت میں اس سے نکاح درست ہے۔

۴۔ جو عورت شادی شدہ ہے اور کسی مرد کے نکاح میں قائم ہے، یا مطلقہ ہے لیکن ابھی عدت گزار رہی ہے تو نکاح کے قائم رہنے اور عدت کے باقی رہنے تک اس سے کسی کے لئے نکاح درست نہیں۔

۵۔ اگر کوئی شخص چار عورتوں سے شادی کرلے، تو اب اس کے لئے پانچویں عورت سے شادی کرنا حرام ہے جب تک کہ چار عورتیں اس کے نکاح میں رہیں، ہاں اگر کسی کو طلاق دے دے اور اس کی عدت بھی گزرجائے تو عدت کے گزرنے کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح جائز ہے۔

عورتوں کی یہ وہ پانچ قسمیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت عارضی ہے وقتی ہے دائمی نہیں، اختصار کے ساتھ ہم نے ان عورتوں کا بیان کردیا جن سے نکاح دائمی یا وقتی طور پر حرام ہے، مزید تفصیل تشریح و توضیح کے لئے کتاب و سنت اور کتب فقہ کی طرف رجوع کیا

با سکتا ہے محرماتِ نکاح کے سلسلے میں بعض فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود مذکورہ بالا اصولی تقسیم اور مسائل میں تقریباً ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

سوتیلی بہن سے شادی

میرا ایک دوست میرے ساتھ رہتا ہے اس کے والد نے دو شادیاں کی ہیں، دوسری شادی اس نے ایک بیوہ سے کی تھی جس کی پہلے سے ایک لڑکی ہے، میرا دوست اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شادی جائز نہیں ہے جب کہ لڑکی تو پہلے گھر سے ہے اس کے باپ سے تو نہیں، قرآن و حدیث میں ایسے رشتے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ——— (ذیشان حیدر، مدینہ منورہ)

اس لڑکی کے ماں اور باپ دونوں لڑکے کے ماں باپ کے علاوہ ہیں، لہٰذا ان کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں، چنانچہ ان دونوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے۔

رضاعی رشتہ کی ایک صورت

میری خالہ کا تقریباً پندرہ سال قبل انتقال ہو گیا، مرنے سے قبل وہ ہمیشہ ایک بچی کو اپنا دودھ پلاتی تھیں، بعد میں اس لڑکی کا نکاح ان کے بیٹے سے ہوا، شادی تو ہو گئی لیکن اس کے بعد بھی یہ رشتہ متنازعہ رہا، بعض عورتیں کہتی ہیں کہ میری خالہ کے سینے میں دودھ تھا، اور بعض کہتی ہیں کہ صرف پانی تھا، لڑکی کی ماں، دادی اور ایک عورت یہ کہتی رہی کہ دودھ تھا، لیکن خاندان کے دوسرے افراد نے یہ بات تسلیم نہیں کی اور مسلسل شادی کا مطالبہ کرتے رہے، بالآخر ان کی شادی ہو گئی اور وہ

اب ساتھ رہ رہے ہیں، کیا ان کا یہ رشتہ جائز ہے؟

(ذیشان حیدر، مدینہ منورہ)

مذکورہ لڑکا اور لڑکی آپس میں رضاعی بھائی بہن ہے اس لئے ان کا نکاح درست نہیں، ضروری ہے کہ علیحدگی اختیار کرکے دونوں دوسری جگہ شادی کریں. خاندان کی بعض عورتیں جب یہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی خالہ کے سینے میں دودھ تھا اور لڑکی نے ان کا دودھ پیا تو اس سے رضاعت ثابت ہو جائے گی. اب بعض عورتوں کا یہ کہنا ہے کہ سینے میں پانی تھا دودھ نہیں تھا اس سے اس مسئلے پر کوئی فرق نہیں پڑتا، ان دونوں کے درمیان حرمت رضاعت بدستور قائم رہے گی، پھر نکاح کا معاملہ تو ایسا ہے کہ اس میں حرمت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو اس سے بچنا ہی بہتر ہے، جیساکہ ایک روایت میں آتا ہے "عقبہ بن حارث نے ابواہاب بن عزیز کی لڑکی سے شادی کی، پھر ایک عورت نے آکر کہا کہ میں نے عقبہ کو اور ابواہاب کی اس بیٹی کو دودھ پلایا ہے، عقبہ نے اس عورت سے کہا مجھے یہ نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے اس سے پہلے اس بارے میں بتلایا، پھر عقبہ نے ایک آدمی کو ابواہاب کے خاندان والوں کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ کیا اس عورت نے تمہاری بیٹی کو دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو اس کے بعد عقبہ سوار ہو کر مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنے نکاح کے بارے میں پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس لڑکی کو کسطرح اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو جب کہ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ تمہاری دودھ شریک بہن ہے؟ چنانچہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کو علیحدہ کر دیا اور اس لڑکی نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا" (بخاری عن عقبہ بن الحارث، باب شہادۃ المرضعۃ ابوداؤد باب الشہادۃ فی الرضاع، کتاب الاقضیۃ)۔

اس روایت کی بناء پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تو یہ کہتے ہیں کہ ایک عورت کی

گواہی سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی، جب کہ بعض ائمہ اس کے لئے ایک عورت کی گواہی کو اگرچہ کافی نہیں سمجھتے لیکن ان کے یہاں بھی ایسی صورت میں بہتر و افضل بات اور احتیاط و تقویٰ کا تقاضہ یہی ہے کہ کسی لڑکی کے بارے میں حرمت رضاعت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو اس سے نکاح نہ کیا جائے اور اگر کر چکا ہو تو اس کو الگ کر دیں۔ (۱)

رضاعی بھانجی سے رشتہ

ایک عورت نے اپنی بیٹی کی شادی کی، سال بھر بعد اسے لڑکا ہوا، اسی دوران خود اس عورت کے ہاں بھی ولادت ہوئی اور لڑکی پیدا ہوئی لیکن بیماری کی وجہ سے چند دنوں تک ماں اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکی، مجبوراً اس عورت یعنی بچہ کی نانی نے دودھ پلایا، پھر کچھ عرصہ بعد اس عورت کی دوسری لڑکی کی بھی شادی ہوئی اور اس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی، اس طرح اس عورت کی دونوں لڑکیوں کی اولاد یعنی ایک لڑکی کا لڑکا اور دوسری لڑکی کی لڑکی جب جوان ہوئے تو آپس میں ان کی شادی کر دی گئی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ رشتہ ناجائز ہے کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے؟ —— (طالب حسین، بھیزان)

اگر یہ لڑکا وہی ہے جس نے ولادت کے بعد اپنی نانی کا دودھ پیا تھا تو پھر شرعاً یہ نکاح درست نہیں، کیونکہ یہ لڑکی (یعنی بیوی جس سے اس کا نکاح ہوا ہے) اس کے لئے

---

(۱) ان کان المخبر واحدا و وقع فی قلبه انه صادق فالاولی ان یتنزه و یأخذ بالثقة وجدا لاخبار قبل العقد او بعده ولا یجب علیه ذلک۔ (الفتاوی الهندیه ۱/۳۴۷)

رضاعی بھانجی ہوئی، جس طرح حقیقی اور نسبی بھانجی سے نکاح درست نہیں، اسی طرح رضاعی بھانجی سے بھی نکاح درست نہیں (۱) ہاں اگر یہ لڑکا دوسرا ہے، اور اس نے اپنی نانی کا دودھ نہیں پیا تو پھر یہ رشتہ جائز ہے، کیونکہ حرمت رضاعت میں حرمت کا تعلق دودھ پینے والے سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے بھائی بہنوں سے (بشرطیکہ انہوں نے اس عورت کا دودھ نہ پیا ہو) ان کا نکاح دودھ پینے والے لڑکے کی رضاعی بھائی بہنوں سے ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان کے درمیان کوئی اور حرمت نکاح کا سبب نہ پایا جائے۔ اس کو بلکہ سوال میں مذکور صورت ہی کو آپ اس مثال سے سمجھئے کہ ہندہ کی دو بیٹیاں ہیں، خالدہ اور عاتکہ، اب ہندہ نے جس طرح خالدہ اور عاتکہ کو دودھ پلایا، اسی طرح کسی ضرورت کے تحت خالدہ کے بیٹے طارق کو بھی اس نے دودھ پلایا تو اب ہندہ سے طارق کا رشتہ رضاعی ماں کا بھی ہو گیا اور عاتکہ اس کی رضاعی بہن ہو گئی، اور اس کی تمام لڑکیاں رضاعی بھانجی، لہذا طارق کا نکاح عاتکہ کی کسی لڑکی سے بھی شرعاً درست نہیں، ہاں اگر خالدہ کا کوئی اور لڑکا مثلاً ناصر بھی ہو اور اس نے اپنی نانی ہندہ کا دودھ نہ پیا ہو تو ظاہر ہے نہ ہندہ اسکے حق میں ماں ہوگی اور نہ عاتکہ رضاعی بہن، لہذا ناصر کا نکاح عاتکہ کی کسی بھی لڑکی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ اس کی صرف خالہ زاد بہن ہو گی جب کہ طارق کے حق میں خالہ زاد بہن کے علاوہ رضاعی بھانجی کا بھی رشتہ ہے۔

حقیقی بھائی کی رضاعی بہن سے رشتہ

میرے بڑے بھائی نے بڑی مامی کا دودھ پیا ہے، اور چھوٹی مامی کی لڑکی

---

(۱) یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ترمذی عن عائشۃ باب ما جاء یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب کتاب الرضاع۔

سے میری شادی ہوئی جس سے مجھے دو بچے بھی ہیں، کیا یہ شادی میرے لئے جائز ہے؟ ——— (محمد معیز الدین' ناصر)

جی ہاں! آپ کے لئے رشتہ نکاح جائز ہے' صرف بڑے بھائی کے حق میں آپ کی بڑی مامی رضاعی ماں ہیں' آپ کے حق میں نہیں' لہٰذا آپ کا نکاح تو بڑی مامی کی لڑکی سے بھی جائز تھا' چھوٹی مامی سے تو آپ کا نکا کے بڑے بھائی کا رضاعت کا کوئی تعلق نہیں' لہٰذا ان کی اولاد نہ آپ کے لئے رضاعی بہن بھائی کا درجہ رکھتی ہیں' اور نہ آپ کے بڑے بھائی کے لئے (۱)' ہاں اگر ان کی اولاد میں سے کسی نے آپ کی بڑی مامی کا دودھ پیا ہو تو پھر وہ آپ کے بڑے بھائی کے لئے رضاعی بہن بھائی ہوں گے۔

پھوپھی زاد بھانجی سے رشتہ

پھوپھی زاد بہن کی لڑکی جو میرے رشتے میں بھانجی کہلاتی ہے' اس سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح میری بھانجی کی میرے خالہ زاد بھائی سے شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (محمد عبدالرحیم' ریاض)

پھوپھی زاد بہن سے بھی شادی جائز ہے' اور پھوپھی زاد بھانجی سے بھی (بشرطیکہ حرمت رضاعت کا رشتہ نہ ہو) اسی طرح خالہ زاد ماموں یا خالہ زاد بھائی سے بھی شادی ہوسکتی ہے' ہاں حقیقی ماموں بھانجی کے درمیان شرعاً نکاح نہیں ہوسکتا۔

جائز شادی

---

(۱) علامہ حصکفی فرماتے ہیں: وتحل اخت اخیہ رضاعا یصح اتصالہ بالمضاف کأن یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ۔ (درمختار مع الرد المحتار ۲/۴۰۸' ط: بیروت)

ایک مسلمان شخص نے ناجائز طور پر غیر مسلم عورت کو گھر میں رکھا، زندگی گذاری اولاد بھی پیدا ہوئی، عورت کے لوگوں کو پتہ چلنے پر لڑائی جھگڑے سے اس عورت کو اپنے گھر لے جاتے ہیں، کچھ دن بعد وہ عورت مرجاتی ہے اور اس کے خاندان والے اسے جلادیتے ہیں، مسلمان باپ بچوں کی پرورش کرتا ہے پھر لوگوں سے یہ کہہ کر اپنی لڑکی کی شادی کردیتا ہے کہ لڑکی کی ماں مسلمان تھی، کیا یہ شرعی اور جائز شادی ہوسکتی ہے؟۔

اس شخص نے غیر مسلم عورت کو مسلمان کئے بغیر اور اس سے نکاح کئے بغیر ناجائز تعلقات رکھے تو یقیناً اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا، اسے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر نادم ہوکر سچے دل سے معافی مانگنی چاہیئے، لیکن لڑکی اگر مسلمان ہے اور باپ کے دین یعنی اسلام پر قائم ہے اور اس کا باپ کسی مسلمان لڑکے سے شادی کردیتا ہے تو اس کی شادی شرعاً جائز شادی ہے، ہاں لڑکی کی ماں مسلمان نہ ہونے کے باوجود باپ نے اسے مسلمان کیا ہو تو جھوٹ کا گناہ اس کے اوپر رہے گا جب تک توبہ نہ کرے، ماں کے غیر مسلم ہونے یا لڑکی کا رشتہ کرنے کے لئے باپ کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے لڑکی کی شادی ناجائز نہیں ہوجاتی۔

اپنی بیٹی کا ماموں زاد بھائی سے رشتہ

کیا میرے ماموں زاد بھائی یا میری بیوی کے چچا زاد بھائی سے میری بیٹی کی شادی ہوسکتی ہے؟۔ ——— (سلیم، بجیزان)

ہوسکتی ہے (بشرطیکہ ان دونوں میں رضاعت (دودھ) کا رشتہ نہ ہو) قرآن کے اس فرمان واحل لکم ماوراء ذلکم) کے تحت یہ رشتہ حلال ہے۔

سوتیلی ماں کے لڑکے لڑکیوں سے نکاح

ایک صاحب کا ایک خاتون سے عقدِ ثانی، نکاح ہوا اور دونوں پہلے سے صاحبِ اولاد ہیں، ان کی شادی کے بعد کیا ان کی اولاد آپس میں شادی کرسکتی ہے؟ بعض اصحاب سے میں نے معلوم کیا تو کسی نے کہا کہ کرسکتے ہیں اور کسی نے کہا کہ نہیں کرسکتے، صحیح اور شرعی جواب سے آگاہ فرمائیں۔ ——— (محمد ظہیر خاں، دمام)

جن بھائی بہن کے ماں باپ ایک ہی ہوں، انہیں حقیقی بھائی بہن کہا جاتا ہے، جن کے باپ ایک ہی ہوں اور ماں الگ الگ تو ایسے بھائی بہن کو "علاتی" کہتے ہیں، اور جن کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ تو ایسے بھائی بہن کو "اخیافی" کہتے ہیں جس طرح حقیقی بھائی بہن کا نکاح آپس میں نہیں ہوسکتا اسی طرح اخیافی (ماں شریک) یا علاتی (باپ شریک) بھائی بہن کا نکاح آپس میں شرعاً جائز نہیں۔ اب اگر مثال کے طور پر زید نے ہندہ سے شادی کی، اور ان دونوں کی یہ دوسری شادی ہے، صورتِ حال یہ ہے کہ زید کی پہلی بیوی سے بھی اولاد ہے اور ہندہ بھی سابقہ شوہر سے صاحبِ اولاد ہے، تو زید کی پہلی بیوی کی اولاد اور ہندہ کے سابقہ شوہر کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں ہے، نہ وہ آپس میں حقیقی بھائی بہن ہیں، نہ علاتی اور نہ اخیافی، لہٰذا ان کا آپس میں نکاح جائز اور درست ہے، اور ان کا آپس میں نکاح زید اور ہندہ کے نکاح سے پہلے بھی جائز ہے، اور ان کے نکاح کر لینے کے بعد بھی کیونکہ ان کے نکاح کرلینے سے ان کی سابقہ اولاد کے درمیان کوئی نسبی رشتہ (شرعاً) پیدا نہیں ہوجاتا (اگرچہ عرفِ عام میں وہ ایک دوسرے کے بھائی بہن، اور زید و ہندہ ان کے سوتیلے ماں باپ سمجھے جاتے ہوں)، کیونکہ یہ احل ما وراء ذلکم میں داخل ہے۔

یہاں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اب زید اور ہندہ سے جو اولاد ہوگی ان کا

نکاح نہ زید کی سابقہ بیوی کی اولاد سے ہوسکتا ہے اور نہ ہندہ کے سابقہ شوہر کی اولاد سے، اس لئے کہ ان کے درمیان آپس میں اخیافی (ماں شریک) یا علاتی (باپ شریک) بھائی بہن ہونے کا رشتہ پایا جائے گا اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اخیافی یا علاتی بھائی بہن کا نکاح آپس میں جائز نہیں، جس طرح سے کہ حقیقی بھائی بہن کا نکاح جائز نہیں۔

کیا یہ نکاح درست ہے؟

اگر ایک لڑکی کسی لڑکے کو چاہتی ہو اور وہ دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہوں لیکن ان کے والدین اس شادی پر راضی نہ ہوں اور پھر لڑکی کے والدین لڑکی کی مرضی کے خلاف کسی دوسری جگہ اس کا نکاح کردیں جہاں وہ دل سے راضی نہ ہو لیکن مجبوری میں یا کسی قسم کے دباؤ میں آکر وہاں کردے تو کیا یہ شادی جائز ہے؟ کہیں پڑھا ہے کہ یہ نکاح صحیح نہیں، جتنی مدت بھی وہ میاں بیوی کی طرح رہیں ان کا عمل زنا میں شمار ہوگا، کیا یہ بات درست ہے؟۔

(الحاج میاں محمد سلیم، جدہ)

بالغ لڑکے اور لڑکی کو اپنی مرضی اور پسند سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہے اس معاملے میں والدین کو زبردستی نہیں کرنی چاہئے، دوسری طرف اولاد کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے شریک زندگی کے انتخاب میں والدین کی مرضی اور خوشنودی کو ملحوظ رکھیں، نیز انکے طویل تجربات زندگی سے فائدہ اٹھائیں، کون والدین ایسے ہوں گے کہ جو اپنی اولاد کا برا چاہتے ہوئے ان کے لئے غلط رشتہ کریں گے جب کہ اس معاملے میں لڑکے اور لڑکیوں کے ذاتی فیصلے ناتجربہ کاری اور جذباتیت کی بنیاد پر ہونے کی وجہ سے مستقبل میں اکثر ناکامیوں کا شکار ہوتے ہیں، بہر حال بالغ لڑکے اور لڑکیوں کو یہ شرعی حق حاصل ہے کہ وہ نکاح کے سلسلے

میں رشتہ کا انتخاب خود اپنی پسند سے کریں، نیز عقد نکاح کے وقت ایجاب و قبول میں جب وہ قبولیت کا اظہار کریں تب ہی نکاح درست ہوگا، اگر لڑکا یا لڑکی قبول نہ کریں تو پھر نکاح ہی درست نہیں، لیکن واضح رہے کہ لڑکا یا لڑکی عقد نکاح میں اپنی زبان سے قبولیت کا اظہار کر دیں تو چاہے وہ اس رشتہ پر دل سے راضی اور مطمئن نہ ہوں، یا کسی قسم کے اخلاقی یا خاندانی دباؤ میں قبول کریں، بہرحال اس صورت میں نکاح درست اور صحیح ہوگا، کیونکہ نکاح کی صحت و عدمِ صحت کا تعلق زبان سے قبول کرنے یا نہ کرنے پر ہے، نہ کہ دل سے راضی و مطمئن ہونے پر، اس لئے آپ کا رشتہ شرعاً درست ہے، آپ نے جو باتیں اس سلسلہ میں سن رکھی ہیں، وہ بالکل بے بنیاد ہیں۔

سالی سے شادی جائز نہیں

کیا ایک شخص بیک وقت دو سگی بہنوں سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے، پھر کچھ عرصہ بعد بیوی کی اجازت سے اس کی سگی بہن (یعنی اپنی سالی) سے شادی کرنا چاہے تو کیا یہ اس شخص کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(نصیر احمد، محمد اسلم، القنفذہ)

جب تک بیوی نکاح میں یا طلاق دینے کے بعد عدت میں رہے سالی سے نکاح جائز نہیں کہ قرآن میں اس کو منع فرمایا گیا: وان تجمعوا بين الاختين (نساء/ ۲۳) ہاں اگر بیوی کو طلاق دے دے، اور پھر اس کی عدت گزر جائے یا بیوی کا انتقال ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کی بہن یعنی سالی سے نکاح شرعاً جائز ہے، سالی سے نکاح کی حرمت شرعی ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے، بیوی کے اجازت دے دینے سے سالی سے نکاح جائز نہیں ہو جاتا، اگر کوئی شخص سالی سے نکاح کر ہی لے تو یہ نکاح حرام ہی رہے گا، اور

اس نکاح کی وجہ سے صحبت وتعلق حلال نہیں ہوجائے گا، اور اگر کوئی شخص بیک وقت دو سگی بہنوں سے نکاح کرتا ہے یعنی ایک ہی ایجاب وقبول میں دونوں بہنوں سے نکاح ہوجاتا ہے تو یہ نکاح بھی باطل ہوگا اور دونوں بہنوں میں سے کوئی بھی اس شخص کے لئے شرعاً حلال نہ ہوگی، ہاں اگر ایجاب وقبول دونوں کے لئے الگ الگ ہو تو پہلے جس بہن سے نکاح کے لئے ایجاب وقبول ہوگا وہ نکاح تو صحیح ہوگا اور اس کے بعد والا نکاح اور ایجاب وقبول باطل ہوگا۔ حصکفی لکھتے ہیں: حرم الجمع بین المحارم نکاحاً ای عقداً صحیحاً وعدۃ ولو من طلاق بائن (درمختار ۲/۲۸۴) علامہ شامی نے اس پر جو تشریحی نوٹ قلم بند کیا ہے، وہ ملاحظہ کے قابل ہے: اذا تزوجہا علی التعاقب کان نکاح الاولی صحیحاً فان نکاح الثانیۃ والحالۃ ھذہ باطل قطعاً (ردالمحتار ۲/۲۸۴)

عورت کے لئے سسر محرم ہے

کیا عورت کے لئے اس کا سسر (شوہر کا والد) محرم ہے یا غیر محرم؟ چنانچہ بہو اپنے سسر کے ساتھ حج وعمرہ ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟ بیٹے کے انتقال کے بعد کیا باپ اپنی بہو سے شادی کرسکتا ہے؟

بیٹے کے انتقال کے بعد باپ کے لئے بہو سے شادی کرنا جائز نہیں، بہو سے نکاح کی حرمت دائمی ہے یعنی ہمیشہ کے لئے، چنانچہ سسر اپنی بہو کے لئے رشتہ دار محرم کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کے ساتھ سفر اور حج وعمرہ کی ادائیگی بھی درست ہے۔(۱)

سوتیلی ماں سے نکاح جائز نہیں

---

(۱) وحلائل ابنائکم (النساء: ۲۳)

والد کے طلاق دینے یا انتقال کر جانے کے بعد کیا سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے؟ ——— (سید امیر علی، جدہ)

سوتیلی ماں سے نکاح دائمی طور پر حرام ہے، کسی صورت میں حلال نہیں، سورہ نساء آیت نمبر ۲۲ میں اس کا صاف حکم موجود ہے۔

دو بہنوں سے شادی جائز نہیں

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے پھر اس کی بہن (یعنی سالی) سے شادی کر لے پھر اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے طلاق شدہ عورت (جو اس کی پہلی بیوی تھی) سے بھی نکاح کر لے تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

(فضل خالق، ریاض)

بیک وقت نکاح میں دو بہنوں کو جمع رکھنا شرعاً جائز نہیں، مثلاً اگر کوئی شخص ایک عورت سے نکاح کرے تو جب تک یہ اس کی منکوحہ رہے گی اسکی بہن (یعنی سالی) سے نکاح اس شخص کے لئے جائز نہ ہوگا، ہاں اگر یہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے پھر اس کی عدت بھی گزر جائے تب سالی سے نکاح جائز ہے، بیوی کے عدت میں ہوتے ہوئے سالی سے نکاح جائز نہیں، سالی سے نکاح کر لینے کے بعد اب دوبارہ اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح اس شخص کے لئے جائز نہیں، جب تک کہ سالی اس کے نکاح میں رہے، اگر کسی وجہ سے سالی کو بھی طلاق دے دے اور اس کی عدت بھی گزر جائے پھر باہمی رضامندی سے وہ پہلی بیوی سے نکاح کرنا چاہے تو جائز ہے، خلاصہ یہ کہ دو بہنیں بیک وقت کسی ایک ہی شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔ (۱)

---

(۱) وان تجمعوا بین الاختین۔ (النساء: ۲۳)

کیا بہنوئی محرم ہے؟

اگر سالی شادی شدہ ہو تو کیا اس کا بہنوئی محرم بن سکتا ہے یا نہیں؟۔

جی نہیں! سالی چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اس کے لئے بہنوئی محرم رشتہ دار نہیں ہے۔

کیا یہ رشتہ ناجائز ہے؟۔

دو بہنوں کے ساتھ باپ اور بیٹا شادی کر سکتے ہیں یا نہیں، یہ دونوں ہی رشتے عملاً واقع ہوئے ہیں جن پر مجھے شک ہے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ ———— (فضل خالق، ریاض)

باپ نے جس عورت سے شادی کی ہے، وہ بیٹے کی یا تو حقیقی ماں ہوگی یا سوتیلی، بیٹے کے لئے ان دونوں ہی سے نکاح حرام ہے، اب رہی یہ بات کہ منکوحۂ اب (یعنی باپ کی بیوی) کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر منکوحۃ الاب بیٹے کی حقیقی ماں ہے، تب تو یہ رشتہ جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں وہ اس شخص کے حق میں سگی خالہ ہوگی، لیکن منکوحۃ الاب بیٹے کی حقیقی ماں نہیں بلکہ سوتیلی ماں ہے، تو سوتیلی ماں سے تو نکاح حرام ہے لیکن سوتیلی ماں کی بہن یا اس کی بیٹی (جو کہ سابقہ شوہر سے ہو) سے نکاح جائز ہے، لہٰذا اگر صورت مسئلہ یہ ہو کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو یا اس کا انتقال ہو گیا ہو، یا اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کرنا چاہے اور وہ کسی (اجنبی) عورت سے شادی کرے اور ساتھ ہی اپنی پہلی بیوی سے ہونے والے بیٹے کا رشتہ بھی اس عورت کی بہن سے کر دے تو شرعاً یہ رشتہ جائز ہے (بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان کوئی دوسرا نسبی یا رضاعی رشتہ حرمت نہ پایا جائے)۔

اپنے ناجائز لڑکے سے حقیقی بیٹی کی شادی

زید کے اپنی سالی سے تعلق کی وجہ سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے، توکیا زید اپنی حقیقی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے کرسکتا ہے؟ دوسرے رشتہ داروں کو چونکہ یہ معلوم نہیں کہ لڑکا اور لڑکی ایک ہی مرد کے نطفے سے ہیں، اس لئے ان کو اسی رشتے پر اصرار ہے جب کہ زید اور اس کی سالی حقیقت سے واقف ہیں، اس لئے وہ اس شادی سے راضی نہیں لیکن رشتہ داروں اور بڑوں کے دباؤ سے اس رشتہ پر مجبور ہیں، کیا شرعاً یہ رشتہ درست ہے؟ ——— (ایک قاری، جدہ)

مسئلہ یہ ہے کہ زنا سے ہونے والی اولاد کا نسب زانی سے نہیں، بلکہ مزنیہ جس کے حرم زوجیت میں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے، آپ کا ارشاد ہے: الولد للفراش وللعاهر الحجر (بخاری عن عائشۃ باب قول الموصی الخ کتاب الوصایا) لہٰذا جب اس کا نسب زانی سے ثابت نہیں تو زانی کی لڑکی کا نکاح مزنیہ کے لڑکے سے درست ہے، ردالمحتار میں ہے: ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بها وفروعها (ردالمحتار ۲/۲۷۶، ط: بیروت) اس لئے دریافت کردہ صورت میں یہ رشتہ درست تو ہے لیکن بہتر ہے کہ اس سے اجتناب کرے۔

حرام وناجائز لڑکی سے شادی

اگر کوئی عورت زنا کی وجہ سے حاملہ ہوجائے تو اس کی اولاد (اس حمل سے پیدا ہونے والی) حرام ہوئی، کیا کسی مسلمان (مرد وعورت) کے لئے اس عورت کی لڑکی یا لڑکے سے شادی کرنا جائز ہے؟

(اسد علی، ابہاء)

زنا کی وجہ سے پیدا ہونے والے لڑکے یا لڑکی سے نکاح کرنا حرام نہیں ہوتا، اگر کوئی مسلمان مرد و عورت ایسے لڑکے یا لڑکی سے نکاح کرنا چاہیں (جو زنا کے سبب سے پیدا ہوں) تو شرعاً اجازت ہے، بشرطیکہ ان کے درمیان کوئی حرمت نکاح کا رشتہ نہ پایا جاتا ہو، کیونکہ یہ احل لکم ما وراء ذلکم میں داخل ہے۔ (سورۂ نساء ۴)

اپنی ناجائز بیٹی سے رشتہ

ہمارے ساتھ ایک آدمی کام کرتا ہے، اس نے ایک عورت سے زنا کیا اس سے وہ حاملہ ہو گئی، اس عورت نے ایک بچی کو جنم دیا، اب وہ بچی جوان ہو چکی ہے، وہ آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس بچی سے نکاح کرے، حالانکہ وہ اس کے نطفے سے ہے، اور وہ جواز کی دلیل میں ماضی قریب کے ایک عالم کی فارسی کتاب کا حوالہ پیش کرتا ہے کہ اس میں ایسا نکاح کرنے کی اجازت ذکر کی گئی ہے، کیا یہ نکاح درست ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ (محمد سرور، بحرین)

آپ نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے، وہ ہمارے پاس موجود نہیں کہ ہم براہ راست اس کو دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ نیا نہیں بلکہ فقہاء متقدمین کے درمیان بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، اکثر ائمہ اور فقہاء کے یہاں ایسی لڑکی سے نکاح ناجائز اور حرام ہے (۱) اس لئے کہ محرمات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سورۂ نساء آیت ۲۳ میں ارشاد باری ہے: "تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں حرام کر دی گئیں" زنا کے سبب پیدا ہونے والی

---

(۱) ابن قدامہ لکھتے ہیں: ویحرم علی الرجل نکاح بنته من الزنا .... وهو قول عامة الفقهاء۔ (المغنی ۷/۹۱)

لڑکی اگرچہ احکامات کے لحاظ سے شرعاً زانی کے حق میں بیٹی نہیں ہوتی، مثلاً زانی سے اس لڑکی کا نسب ثابت نہیں ہوتا، نہ وہ اس کی پرورش اور اخراجات کا ذمہ دار ہے، اور نہ ہی شرعاً ان کے درمیان وراثت کے احکامات جاری ہوتے ہیں لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ حقیقی اور ثابت النسب بیٹی سے نکاح جس بنیاد پر حرام ہے، وہ یہی تو ہے کہ لڑکی حقیقت میں باپ کا ایک جزو اور اسی کے نطفہ سے وجود میں آئی ہوئی ہے، یہ سبب اور علت زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی میں بھی پائی جاتی ہے کہ وہ زانی کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے، لہٰذا حرمت نکاح کے بارے میں وہ حقیقی بیٹی کی طرح ہی تصور کی جائے گی، اس کی ایک نظیر یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اجنبی عورت سے شبہ کی وجہ سے (یعنی یہ سمجھ کر کہ یہ اسکی بیوی ہے) جماع کرلے اور اس سے حمل قرار پاکر لڑکی تولد ہو تو تمام ہی فقہاء یہ کہتے ہیں کہ وہ اس (صحبت وجماع کرنے والے شخص) پر حرام ہے۔

زنا کے سبب پیدا ہونے والی لڑکی سے زانی کا نکاح حرام ہونے کا مسلک امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء وائمہ کا ہے، صرف امام شافعی سے اس کا جواز منقول ہے، امام مالک کے بارے میں فقہ حنبلی کی مستند کتاب "المغنی" میں ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ "امام مالک اور امام شافعی کا مشہور مسلک یہ ہے کہ ایسی لڑکی سے زانی کے لیے، نکاح کرنا ہے (۱) لیکن علامہ عبدالرحمان الجزیری نے اپنی مشہور کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" میں مالکیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں ان کے (علماء کے) درمیان اختلاف ہے لیکن زیادہ راجح اور قابل اعتماد بات یہی ہے کہ ان کے یہاں بھی زانی کے لیے ایسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، اگرچہ ان میں بعض علماء شوافع کی طرح یہی کہتے ہیں کہ ایسی لڑکی سے نکاح حرام نہیں، اور شوافع کا مسلک بیان کرتے

---

(۱) المغنی ۷/۹۱

ہوئے لکھا ہے کہ ان کے ہاں جائز تو ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ احناف و حنابلہ کے یہاں بالاتفاق زانی کے لئے زنا کے سبب پیدا ہونے والی لڑکی سے نکاح حرام ہے، مالکیہ کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن راجح قول اور اکثر علماء مالکی کا مسلک حرمت ہی کا ہے اور شوافع کے ہاں اگرچہ بالاتفاق جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ (تفصیل کے لئے المغنی الجزء السابع صفحہ ۴۸۳ کتاب النکاح فصل یحرم علی الرجل وطیٔ بنتہ من الزنا، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں مبحث حرمۃ المصاہرۃ۔ المجلد الرابع صفحہ ۶۶ اور دیگر کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے)

خادمہ سے بغیر نکاح کے تعلق

ہمارے ایک دوست کا کہنا ہے کہ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ کے الفاظ "او ما ملکت ایمانکم" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ان عورتوں کے ساتھ...... جنسی تعلق جائز ہے جو جنگ کے بعد ان کے قبضے میں آئی ہیں یا جن کو ایک مخصوص رقم کے عوض گھریلو کام کاج کے لئے حاصل کیا گیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور کیا اس کا اطلاق آج کے دور میں بھی ہوسکتا ہے؟ ———— (مظہر علی ینبع الصناعیہ)

اسلام میں یقیناً باندی سے بغیر نکاح کے بھی تعلق کو جائز رکھا گیا ہے، یعنی ان عورتوں سے جو غیر مسلموں سے جہاد میں فتح و نصرت کے بعد قیدی بنالی گئی ہوں لیکن یہ صرف مسئلہ کا ایک پہلو ہے، کتاب و سنّت میں اس سلسلے میں تفصیلی احکام موجود ہیں اس

---

(۱) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/ ۶۳ وما بعدہا

کا ایک بہت بڑا حصہ انہی غلام و باندی کے احکام پر مشتمل ہے، اس سے وہ خادمائیں ہرگز مراد نہیں جنہیں گھریلو کام کاج کے لئے رکھا جائے، نیز آج کے دور میں اس کا اطلاق اسلئے نہیں ہوسکتا کہ آج کہیں بھی شرعی طور پر غلام و باندی کا وجود نہیں، نیز یہ بھی اسلام کا انسانیت پر بڑا احسان ہے کہ اس نے اسے غلامی کے دور سے نجات عطا کی۔

چچازاد بہن کی لڑکی سے نکاح

چچازاد بہن کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ میں رشتہ میں اس کا ماموں لگتا ہوں؟ نیز پھوپھی زاد بہن کی بیٹی سے بھی شادی جائز ہے یا نہیں؟ ——— (احمد علی، حائل)

سگی بہن کی بیٹی یعنی حقیقی بھانجی سے شادی اسلام میں جائز نہیں لیکن چچازاد، پھوپھی زاد اور ماموں زاد بہنوں سے اور ان کی لڑکیوں سے (یعنی رشتہ کی بھانجیوں سے) نکاح شرعاً جائز ہے، جب کہ رضاعت یا نسب کا دوسرا کوئی سبب حرمتِ نکاح نہ پایا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: احل لکم ما وراء ذٰلکم. (نساء: ۲۴)

بھائی کی بیوی سے نکاح

اگر ایک چھوٹے بھائی کی بیوی بیوہ ہوجائے یا کسی وجہ سے بھائی نے طلاق دے دی ہو تو کیا عدت کے بعد بڑا بھائی اس عورت سے شادی کرسکتا ہے؟ ——— (محمد معروف خاں، بریدہ)

جی ہاں! اگر کوئی عورت بیوہ یا مطلقہ ہوجائے تو عدت گزرنے کے بعد اسکا نکاح اس کے (سابق) شوہر کے کسی دوسرے بھائی سے ہوسکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

ممانی اور چچی سے نکاح

ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ چاہے وہ مطلقہ ہوں یا بیوہ؟۔ ——— (محمد افراز، رحیمہ)

ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ ان کے اور نکاح کرنے والے شخص کے درمیان کوئی اور حرمتِ نکاح کا سبب نہ پایا جائے، جیسے کہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہوں (بچپن میں ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہو) یا جیسے کسی نے ممانی اور چچی کی لڑکی سے نکاح کیا ہو تو چونکہ ساس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، لہٰذا ایسی صورتوں میں ان سے نکاح نہیں ہوسکتا، اس طرح کی حرمتِ نکاح کا سبب نہ پایا جائے تو صرف ماموں اور چچا کی منکوحہ حرمتِ نکاح کا سبب نہیں، اگر وہ طلاق پا جائیں یا بیوہ ہو جائیں تو عدت گزرنے کے بعد ان سے نکاح ہوسکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں، اس لئے کہ یہ اللہ کے ارشاد "احل لکم ماوراء ذلکم" کے تحت حلال ہے

خالہ زاد بہن سے نکاح

میں اپنی خالہ کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اور خالہ جان کی بھی خواہش ہے کہ یہ شادی ہو جائے لیکن جب میں چھوٹا تھا تو میں نے اپنی اسی خالہ کا دودھ پیا تھا، اب کیا اس صورت میں یہ شادی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ ——— (مجاہد، بلیشہ)

خالہ کی لڑکی سے شادی جائز ہے لیکن چونکہ آپ نے اپنی خالہ کا بچپن میں دودھ پیا ہے، لہٰذا وہ آپ کی رضاعی ماں اور ان کی لڑکی آپ کے لئے رضاعی بہن ہوئی، اور رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں، لہٰذا شرعاً آپ کے لئے یہ رشتہ صحیح نہیں،

سالے کی بیوی سے نکاح

میں شادی شدہ ہوں، بچے بھی ہیں، اِدھر ڈھائی سال قبل میرے چھوٹے سالے کا انتقال ہوگیا، اس کے تین چھوٹے بچے بھی ہیں، میرا خالہ زاد بھی لگتا تھا، میں اس کی بیوی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، کیا شرعاً میرے لیئے یہ رشتہ جائز ہے؟۔

اگر آپ کے اور سالے کی بیوی کے درمیان کوئی حرمتِ نکاح کا رشتہ نہیں ہے تو پھر یہ شادی جائز ہے، خالہ زاد بھائی یا سالے کی بیوی ہونا حرمتِ نکاح کا سبب نہیں۔

چچی سے شادی ہوسکتی ہے

ایک شخص کا سگا چچا انتقال کر گیا، اس نے اپنی چچی سے شادی کرلی، کیا یہ جائز ہے؟ ——— (راجہ طارق محمود، عرعر)

ہاں اگر اس بھتیجے اور چچی کے درمیان کوئی اور نسبی یا رضاعی حرمت کا رشتہ نہ پایا جائے تو یہ شادی جائز ہے۔

پھوپھی بھتیجی سے ایک ساتھ شادی

میری شادی کو عرصہ ہوچکا مگر اولاد نہیں، میں دوسری شادی اپنے سالے کی بیٹی سے کرنا چاہتا ہوں، کیا ایک وقت میں پھوپھی بھتیجی سے شادی جائز ہے؟ ——— (ظفر علی، بیزان)

ایک وقت میں پھوپھی بھتیجی کو رشتہ نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر

بیوی کو طلاق دے دی جائے تو اس کی عدت گزرنے کے بعد یہ رشتہ شرعاً جائز ہو سکتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ دوسرا رشتہ تلاش کریں۔

پھوپھی زاد بہن سے شادی

میری بیوی کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہو گیا، میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں جس سے شادی کا ارادہ ہے وہ میری پھوپھی کی بیٹی ہے، اور میں نے بچپن میں پھوپھی کا دودھ پیا ہے، کیا یہ رشتہ میرے لئے جائز ہے؟۔۔۔۔۔۔ (محمد الیاس، جدہ)

پھوپھی کی لڑکی سے شادی جائز ہے، مگر چونکہ آپ نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا ہے اس لئے اب یہ آپ کی رضاعی بہن بھی ہے اور رضاعی بہن سے شادی کرنا حرام ہے لہٰذا آپ کے لئے یہ رشتہ کسی صورت میں جائز نہیں۔

سالی کی لڑکی سے شادی

میں اپنی سالی کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں یا نہیں؟۔

اگر آپ کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہو یا آپ نے طلاق دے دی ہو اور مطلقہ کی عدت بھی گزر چکی ہو تو سالی کی لڑکی سے (بلکہ خود سالی سے بھی) شادی ہو سکتی ہے (بشرطیکہ کوئی اور رشتہ اس سے نکاح کی حرمت کا پایا نہ جائے)۔

مامی سے شادی

کیا سگی چچی اور سگے ماموں کی بیوی (مامی) سے شادی ہو سکتی ہے؟۔

(نور حسین، ابہار)

جی ہاں! چچی اور ممانی سے اگر کوئی اور ایسا رشتہ نہیں ہے جس سے کہ نکاح حرام ہوتا ہے تو پھر ان سے شرعاً نکاح جائز ہے (یہ الگ بات ہے کہ عرف میں اس کا رواج نہیں لیکن شرعی طور پر ان سے نکاح میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

سیّد لڑکی سے نکاح

کیا کسی غیر سید مرد کا نکاح سید لڑکی سے جائز ہے؟

(حاجی اختر حسین خاں، الطائف)

اللہ کی نگاہ میں حسب نسب کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ وہاں تو تقویٰ دیکھا جاتا ہے، تقویٰ ہی کی بنیاد پر کوئی بھی مسلمان مرد کسی بھی عورت سے نکاح کرسکتا ہے، سید وغیر سید کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

صرف اپنی برادری میں شادی

بعض لوگ شادی بیاہ کے معاملے میں صرف اپنے خاندان میں رشتہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، بعض لوگ اپنے خاندان کو سب سے اونچا سمجھتے ہیں کیا شرعاً یہ جائز ہے؟ ——— (محمد اشرف ابراہیم، بحرین)

اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و بلندی صرف تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے، سورہ الحجرات آیت ۱۳ میں یہی بات کہی گئی ہے کہ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم شخص وہ ہے، جو تقویٰ کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ ہو، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم لوگوں کی شکل و صورت اور جسم و جان کو اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے" (صحیح مسلم) جب کہ ایک دوسری حدیث میں کہا گیا ہے کہ تقویٰ کا مرکز دل ہے، لہٰذا اس حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے یعنی تقویٰ دیکھا جاتا ہے۔

رشتے کے معاملے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کسی عورت سے رشتہ چار باتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اس کا مال، اس کا خاندان، اس کا جمال (خوبصورتی)، اور اسکی دینداری، اور کامیابی حاصل کر دا اس کی دینداری کی وجہ سے"(۱) یعنی رشتہ طے کرتے وقت صرف حسب و نسب (خاندان) مال و جائیداد اور خوبصورتی ہی دیکھی نہ جائے بلکہ دینداری بھی دیکھی جائے، یہی سب سے اہم اور قابلِ ترجیح امر ہے، کوئی لڑکا یا لڑکی خاندان، مال اور خوبصورتی کے لحاظ سے اعلیٰ و بہتر نہ ہو لیکن سیرت و دینداری میں بہتر ہو تو فوراً رشتہ کر دیا جائے، خواہ اس کا تعلق دوسرے خاندان ہی سے کیوں نہ ہو۔

جو شادیاں دینداری کی بنیاد پر کی جاتی ہیں، اور جو رشتے سیرت و اخلاق اور کردار کو سامنے رکھ کر طے کئے جاتے ہیں، تجربے نے یہ بات بتائی ہے کہ ان میں برکت ہوتی ہے اور ایسے لوگ معاشرے میں خیر و بھلائی کے پھیلانے کا سبب بنتے ہیں، جب کہ وہ رشتے جو بڑے خاندان، مالداری یا دنیاوی اثر و رسوخ کی بنیاد پر طے ہوتے ہیں ان کا انجام علیحدگی اور رسوائی کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اسوہ بھی ہمارے سامنے ہے کہ ان کی اکثر شادیاں خاندان سے باہر ہوئیں، اور امتِ مسلمہ کے مختلف خاندان و قبیلے ان رشتوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے قریب ہوئے۔

وٹہ سٹہ کی شادی

وٹہ سٹہ کی شادی اسلام میں جائز ہے کہ نہیں؟ (شیخ عبدالقدیر بن سعد)

---

(۱) مسلم عن ابی ھریرۃ باب استحباب نکاح ذات الدین کتاب النکاح۔ بخاری باب الاکفاء فی الدین کتاب النکاح۔

اگر آپس میں حرمتِ نکاح کا رشتہ نہ ہو تو اس طرح شادی کرنا جائز ہے، دوسری اہم شرط یہ ہے کہ دونوں طرف سے مہر مستقل ہو، اسی رشتہ کو آپس میں ایک دوسرے کے لئے مہر نہ قرار دیا جائے، اگر ایسا کیا جائے تو نکاح تو ہو جائے گا لیکن دونوں عورتوں کے لئے ان کے شوہروں پر مہرِ مثل واجب ہو گا لیکن اس جائز نکاح سے آجکل جو معاشرتی نقصان اور مرض پھیل رہا ہے، اس کے تدارک کے لئے اس طرح کے رشتوں سے گریز بہتر ہے

لے پالک سے شادی

میرے ماموں کی کوئی اولاد نہ تھی، انہوں نے محلے کی ایک غریب بچی کو گود لیا اور اسے پالا، اب اس بچی کی عمر ۱۶ سال ہے جب کہ ماموں جان ۵۵ سال سے بھی اوپر کے ہیں، اور اب ماموں جان اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ ——— (ا۔ا، ابہار)

شرعاً یہ نکاح جائز ہے اور اس نکاح میں کوئی شرعی ممانعت موجود نہیں، کیونکہ اسلام میں کسی کو لے پالک بنانے سے وہ حقیقی اولاد کے درجہ میں نہیں ہو جاتا، حضور نے حضرت زید بن حارث کو متبنی بنایا تھا پھر آپ نے انکی مطلقہ بیوی سے اللہ کے حکم سے نکاح کر لیا تھا حالانکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اسے برا سمجھتے تھے (احزاب /۵) البتہ زوجین کی عمر میں توازن ہو یہ بات بہتر ہے۔

شیعہ مرد سے نکاح

میرے شوہر شیعہ ہیں، اور وہ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں ان کے مسلک کے مطابق نماز پڑھوں، اور وہ مجھے یہ بھی کہتے ہیں کہ شیعہ مسلک قبول کرلو، میں کیا کروں؟۔

آپ کے شیعہ شوہر کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ آپ کو شیعہ مسلک قبول کرنے پر مجبور کرے' علماء وفقہاء نے شیعہ مرد اور سنی عورت کے نکاح کے بارے میں بھی کتب فقہ میں یہ تصریح کردی ہے کہ اگر شیعہ مرد قرآن میں تحریف کا قائل ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھتا ہے' ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے' اور اس سے نکاح جائز نہیں، وہ شیعہ جو کافرانہ عقائد نہ رکھتے ہوں صرف تفضیل علی رضی اللہ عنہ (یعنی صحابہ کرام میں سیدنا علی رضی کے سب سے افضل ہونے) کے قائل ہوں' اور ان کے باقی عقائد اہل سنت والجماعت کی طرح ہوں تو ایسے شیعہ سے نکاح جائز ہے لیکن پھر بھی علماء نے ایسے نکاح سے منع کیا ہے' علامہ ابن عابدین شامی رقمطراز ہیں:

ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية في علي او ان جبرئيل غلط في الوحي او كان ينكر صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقه فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة. (رد المحتار ۲/۳۸۹)

قرآن سے شادی

عمرہ سے واپسی پر مسقط میں اردو نیوز کا ایک شمارہ نظر سے گزرا جس میں ایک مسئلہ بعنوان "قرآن سے شادی غیر اسلامی ہے" اس کا مطلب میرے لئے واضح نہیں ہو سکا' امید ہے کہ اس کی وضاحت فرمائیں گے' اور اسلام میں اس کی حیثیت پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

(محمد وحید الدین، مسقط)

اسلام نے انسانوں کے طبقات میں عدل واعتدال قائم کرکے ہر رشتہ دار اور ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کے لئے حقوق ومراتب مقرر کئے' انسانی اور خاندانی رشتوں میں ماں بہن' بیٹی اور بیوی ان سب کے لئے مستقل حقوق مقرر کئے گئے جو قرآن وسنت میں موجود ہیں

اگرچہ عموماً شرعی عدالتوں میں تمام رشتے داروں کے حقوق حصے اور فیصلے اسی دینی نظام کے تحت ہوتے ہیں لیکن بعض ملکوں میں انسانی شیطانوں نے دین کو کھیل اور مذاق سمجھا، اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو ناکافی سمجھا اور دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈالے، انہی جرائم میں ایک بڑا جرم یہ ہے کہ پاکستان کے بعض علاقوں میں جب بیٹی کو یا بہن کو جائداد سے محروم کرنا چاہا تو اسے عیسائیت کی راہبہ کی طرح ایک دینی عورت اس طرح سے بنایا کہ اسے ساری زندگی کنواری رکھا، اس کنوارے پن کے لئے شیطان نے انہیں جو راستہ دکھایا وہ یہ تھا کہ اس بچی کی قرآن سے شادی کردی جائے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اب کوئی بھی شخص اس کے قریب نہ آسکے گا، کوئی مرد اس سے نکاح نہ کرسکے گا، اور نہ ہی اس کا اپنے والد، بھائی کی جائداد میں کوئی حصہ ہوگا، یہ تارک الدنیا عورت بنی رہے گی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو شوہر کے والدین اور بہن بھائیوں نے جائداد ہڑپ کرنے کی خاطر اس عورت کی قرآن سے شادی کہہ کر مشہور کردیا۔

اس طرح بعض دوسرے پاکستانی علاقوں میں یہ بات مشہور ہے کہ والد کے مرنے کے بعد بیٹی کا اپنے والد کی جائداد اور وراثت میں کچھ حصہ نہیں، حالانکہ اسلام نے بیٹوں کے ساتھ ساتھ بیٹیوں کا بھی حصہ مقرر کیا ہے، یہ تمام حربے اس لئے استعمال کئے جاتے ہیں تاکہ بیٹی کو اور عورت کو اس کے جائز حقوق نہ ملیں، حالانکہ یہ ظلمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی ہوئی اور نافذ کی ہوئی کسی بات کا انکار کرنا اور اسے تبدیل کرنا اگر کفر نہیں ہے تو پھر کفر کسے کہتے ہیں؟۔

خالہ زاد ماموں سے شادی

میری بیوی نے میری بیٹی کی منگنی اپنے خالہ زاد بھائی سے کردی ہے مجھے

دل سے یہ رشتہ پسند نہیں ہے، کیا شرعاً یہ رشتہ جائز ہے؟

شرعاً یہ رشتہ جائز ہے آپ اپنے دل سے شک وشبہ نکال دیں۔

رضاعت کے احکام

کیا حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی

دادی اپنے دونوں بیٹوں کی اولاد کو دودھ پلاتی رہی، جب لڑکا اور لڑکی جوان ہوئے تو ان کی آپس میں شادی کا پروگرام ہوا، کسی نے بتایا کہ یہ نکاح جائز نہیں کیونکہ ان دونوں نے دادی کا دودھ پیا ہے، جب دادی سے معلومات کی گئیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میری چھاتی میں دودھ نہیں تھا صرف بچوں کو بہلانے کے لئے انہیں چھاتی لگا دیتی تھی، اب ان بچوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

(شاہد علی شاہ، بریدہ)

اگر دادی کی چھاتی میں دودھ حقیقۃً نہ رہا ہو تو پھر یقیناً بچوں کو چھاتی سے لگانے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، چنانچہ رد المحتار میں ہے: امرأة كانت تعطي ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثدي لبن حين ألقمتها ثدي ولم يعلم ذلك إلا من جهتها جاز (رد المحتار ۲ / ۴۰۵) —— لیکن دودھ کے پائے جانے کا امکان یا قرینہ ہو تو پھر دادی کی بات نہ مانی جائے گی، نیز "شبہ حرمت" سے بچنے کے لئے احتیاط کا بھی تقاضا یہ ہے کہ اب آپس میں ان کی شادی نہ کی جائے بلکہ دوسری جگہ اور دوسرا رشتہ تلاش کیا جائے جہاں حرمت کا شبہ بھی نہ ہو۔

بیٹے کی رضاعی بہن سے شادی

کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کے رضاعی بھائی کی کسی بہن (چھوٹی یا بڑی) یا ماں سے شرعاً شادی کر سکتا ہے؟

(محمد فیاض الدین، جدہ)

بیٹے کے کسی عورت کا دودھ پینے کی وجہ سے صرف بیٹے سے حرمت کے احکامات وابستہ ہوں گے نہ کہ بیٹے کے باپ سے، لہٰذا اس باپ اور بیٹے کی رضاعی ماں یا بہن کے درمیان کوئی نسبی یا رضاعی رشتہ نہ ہو تو شرعاً یہ نکاح درست ہے۔(۱) بیٹے کے دودھ پینے کی وجہ سے اسکی رضاعی ماں یا بہن سے باپ کے لئے نکاح حرام نہیں ہوتا۔

سگی بہن کی رضاعی بہن سے شادی

چھوٹی بہن کی رضاعی ماں کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(محمد بشیر، مدینہ منورہ)

جائز ہے(۲) کیونکہ حرمتِ رضاعت اسی کے حق میں ہو گی جس نے کسی خاتون کا دودھ پیا، مثال کے طور پر زید نے اگر زینب کا دودھ پیا ہو تو زید کے حق میں زینب رضاعی ماں ہو گی اور اس کی اولاد رضاعی بہن بھائی، لہٰذا زید کے اور ان کے درمیان رشتہ نکاح شرعاً درست نہیں لیکن زید کے دوسرے حقیقی بھائی بہنوں کا زینب سے کوئی تعلق نہیں ہو گا، اگر انہوں نے دودھ نہ پیا ہو، لہٰذا زینب کی اولاد اور زید کے بہن بھائیوں میں (زید کے زینب کا دودھ

---

(۱) ویجوز تزوج اخت ابنه من الرضاع۔ (هدایة ۲/۳۲۲ ط: رشیدیه دهلی)

(۲) ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع (هدایه ۲/۳۲۲ ط: دهلی)

پینے کی وجہ سے، حرمتِ رضاعت نہیں پائی جائے گی، اور ان کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے بشرطیکہ کوئی اور سبب حرمتِ نکاح نہ پایا جائے۔

رضاعی بہن سے شادی کسی صورت میں جائز نہیں

ایک بچے کی ماں کو دودھ نہ آنے کی وجہ سے وہ اپنے ایک رشتہ دار خاتون سے دودھ پلانے کی خواہش ظاہر کرتی ہیں، اور وہ دو سال تک دودھ پلانے کے بعد اب جب لڑکا بڑا ہوا تو اپنی لڑکی سے شادی پر اصرار کرتی ہے، نیز یہ بیان دیتی ہے کہ مجھے یاد نہیں میں نے کب اسے دودھ پلایا تھا، دیکھنے سننے والے سب جھوٹے ہیں، کیا اس عورت کے دودھ پلانے کے انکار پر اس کی لڑکی سے شادی ہوسکتی ہے؟

(کے بیگم عزیز، ابہار)

شرعاً یہ رشتہ کسی صورت میں نہیں ہوسکتا، جب دو یا دو سے زیادہ گواہ موجود ہوں تو دودھ پلانے والی عورت (رضاعی ماں) کے دودھ پلانے سے انکار کی کوئی حیثیت نہیں (۱) نیز حلت و حرمت میں اگر شبہ ہوجائے تو شریعت کا اصول یہ ہے کہ حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے (۲) اور یہی احتیاط کا تقاضہ بھی ہے، اسلام میں اگرچہ کسی چیز کے ثبوت کے لئے دو مرد گواہ یا اور دو عورتیں گواہ ہونا ضروری ہے لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک صحابی کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی بیوی ان کی رضاعی بہن ہے تو اگرچہ اس معاملہ میں شرعی گواہی مکمل نہ تھی تب بھی شبہ حرمت کی بناء پر رسول اللہ صلی

---

(۱) انما یثبت بشهادة رجلین او رجل وامرأتین (ہدایہ ۲/۳۲۴، ط: دہلی)

(۲) اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام. القواعد الفقهیة ۲۷۲

اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کی بقا پر ناپسندیدگی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا، چنانچہ ان صحابی نے اپنی بیوی سے علاحدگی اختیار کر لی۔ (۱)

رضاعی بھتیجی سے شادی

میں اپنی خالہ سے ایک سال چھوٹا ہوں، اور میری خالہ اپنے سب بہن بھائیوں سے چھوٹی ہے، میری والدہ نے کئی بار مجھ سے کہا کہ جب تم روتے تھے تو نانی صاحبہ کی چھاتی منہ میں ڈال کر سو جاتے تھے، یہ معلوم نہیں کہ ان کی چھاتی میں دودھ تھا بھی یا نہیں، دس سال قبل بڑے ماموں کی لڑکی سے میری شادی ہوئی، اولاد بھی ہوئی، اور ہم بہت خوش رہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ شادی جائز ہے یا ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ——— (سلطان محمود، جیزان)

دودھ پلانے کے سلسلہ میں عام طور پر بہت سی عورتیں جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے کوتاہی برتتی ہیں، کسی کا بچہ ہو، رو رہا ہو، ماں موجود نہ ہو تو چپ کرنے کے لئے چھاتی منہ میں رکھ دیتی ہیں، کسی لڑکے کو دودھ پلانا شرعاً ناجائز نہیں ہے لیکن آئندہ شادی بیاہ کے معاملات میں شرعی طور پر اس کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں احتیاط برتنی چاہیے، سورۂ نساء آیت نمبر ۲۳ میں صراحت ہے کہ کچھ رشتے ایسے ہیں جن سے دودھ کے رشتہ کی وجہ سے ہی شادی کرنا حرام ہو جاتا ہے، بخاری و مسلم کی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دودھ پلانے (رضاعت) کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں (۲) یعنی دودھ پلانے والی عورت اس لڑکے کیلئے رضاعی

---

(۱) بخاری: عن عقبہ بن حارث باب الرحلة فی المسألة النازلة وتعلیم اہلہ

(۲) ابوداؤد عن عائشہ باب مایحرم من الرضاعة مایحرم من النسب۔

ماں ہوگی، اور اسکی اولاد اس کی رضاعی بھائی بہن جس طرح حقیقی ماں کی اولاد یعنی سگے بھائی بہن اور ان کی اولاد یعنی بھانجیوں اور بھتیجیوں سے شادی جائز نہیں، اسی طرح رضاعی بھائی بہن اور انکی اولاد سے بھی شادی جائز نہیں، اس لئے کہ آپؐ کا ارشاد ہے: یحرم من الرضاع مایحرم من النسب۔ (ابوداؤد عن عائشۃ باب مایحرم من الرضاع مایحرم من النسب)

مدتِ رضاعت امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق ڈھائی سال اور صاحبین کے قول کے مطابق دو سال ہے (جو مفتی بہ بھی ہے) اس مدت کے اندر کسی لڑکے کے پیٹ میں کسی عورت کا دودھ داخل ہونے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، چاہے چھاتی سے براہِ راست پلایا جائے، یا کسی برتن میں نکال کر، درمختار میں ہے: ویثبت التحریم فی المدۃ فقط۔ (درمختار ۲/۴۰۴ ط: بیروت) ایک اور جگہ رقمطراز ہیں: والحق بالمص لوجور والسعوط ہاں شرط یہ ہے کہ دودھ پیٹ میں داخل ہو، اگر کسی عورت کو کم عمری، بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے دودھ نہ آتا ہو تو صرف اس کی چھاتی کو منہ میں رکھ لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

اگر آپ کی نانی صاحبہ کی چھاتی میں اس وقت دودھ رہا ہو تو اس رشتہ سے آپ کی بیوی بھتیجی ہوئی جس سے شادی جائز نہیں، آپ کو ان سے جدائی اختیار کرنا ضروری ہے اگر آپ کی خالہ جو آپ سے صرف ایک سال بڑی ہیں، اگر انہوں نے اپنی ماں (یعنی آپ کی نانی صاحبہ) کا دودھ پیا ہو تو بظاہر یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے پیٹ میں بھی نانی صاحبہ کا دودھ گیا ہو، بہرحال آپ اس کی تحقیق کریں، اگر نانی صاحبہ کی چھاتی میں دودھ کا نہ ہونا ثابت ہوجائے تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن اگر اس کا شبہ موجود ہو تو حرمت سے بچنے کے لئے احتیاط پر عمل ہی بہتر ہے، مزید اطمینان کے لئے دیگر اہلِ علم سے بھی رجوع کیا جاسکتا ہے۔

مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانا

اگر کوئی بچہ تین یا چار سال کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پی لے تو کیا
وہ عورت اس کی رضاعی ماں بن جائے گی؟

(سلیم جاوید، جدہ)

رضاعت یعنی دودھ پلانے اور پینے کی مدت دو سال اور بعض ائمہ کے یہاں ڈھائی سال ہے، اس کے بعد اگرچہ دودھ پلانا اور پینا صحیح نہیں لیکن اگر کوئی بچہ ڈھائی سال کی عمر کے بعد اگر کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس سے بالاتفاق حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور وہ عورت اسکی ماں نہیں ہوتی۔ (۱)

رضاعی بہن سے شادی جائز نہیں

میں نے سنا ہے کہ بچپن میں والدہ کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے مجھے میری مامی نے دودھ پلایا ہے، اب میرے گھر میں انہی کی ایک لڑکی سے میری شادی کا پروگرام ہے، میں سخت الجھن میں پڑا ہوں کہ یہ رشتہ جائز ہے یا ناجائز؟ —————— (حاجی خالد، بریدہ)

اگر آپ نے بچپن میں اپنی مامی کا دودھ پیا تھا تو یہ رشتہ کسی صورت میں جائز نہیں کیونکہ ان کی لڑکی آپ کے حق میں رضاعی بہن اور آپ کی مامی رضاعی ماں ہیں، اور رضاعی بہن سے شادی جائز نہیں۔ (۲)

رضاعی اور پھوپھی زاد بہن سے شادی

---

(۱) ابوداؤد عن عائشة باب مایحرم من الرضاعة مایحرم من النسب۔

(۲) حوالہ سابق

کچھ عرصہ قبل میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے' میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اب میں جس جگہ شادی کرنا چاہتا ہوں' وہ میری پھوپھی کی لڑکی ہے' اور میں نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا ہے' کیا میرے لئے اس بہن سے شادی کرنا جائز ہے؟ ———— (محمد الیاس' جدہ)

پھوپھی زاد بہن سے شادی اگرچہ جائز ہے لیکن چونکہ آپ نے بچپن میں اپنی پھوپھی کا دودھ پیا ہے' اس لئے وہ آپ کے حق میں رضاعی اور ان کی لڑکی رضاعی بہن ہے' اس بنا پر آپ کے لئے یہ رشتہ جائز نہیں' آپ کوئی اور جائز رشتہ تلاش کریں۔ (۱)

اہل کتاب سے نکاح

جمعہ ۳ نومبر کے اخبار میں محرمات نکاح کے ضمن میں آپ نے تحریر فرمایا کہ کسی بھی مسلمان مرد کے لئے غیر مسلم کافر مشرک عورتوں سے نکاح جائز نہیں جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کرلے' اس سلسلے میں یہ وضاحت مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا کھا سکتے ہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں' حالانکہ اہل کتاب قومیں بھی غیر مسلم ہیں' تو کیا اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز نہیں؟۔

(شوکت سیال' جدہ)

غیر مسلم کے ساتھ "کافر مشرک" کی صراحت ہم نے اسی لئے کی تھی کہ اہل کتاب سے نکاح کے متعلق شبہ پیدا نہ ہو' بہرحال اہل کتاب کے علاوہ تمام غیر مسلم اقوام جن کو ہم اصطلاح میں کافر مشرک کہہ سکتے ہیں اور کہا بھی جاتا ہے' ان سے ازدواجی زندگی کسی صورت میں جائز

---

(۱) ابوداؤد' باب ما کرم من الرضاعة

نہیں جب تک کہ وہ ایمان قبول نہ کرلے، نہ ان کی لڑکیوں کو اپنے نکاح میں لینا جائز ہے، اور نہ اپنی لڑکیوں کو ان کے نکاح میں دینا جائز، سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱ میں ارشاد باری ہے "مشرکہ عورت سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، اور مشرک مردوں سے (اپنی لڑکیوں) کا نکاح نہ کراو جب تک کہ وہ ایمان قبول نہ کریں"

اہلِ کتاب بھی یقیناً غیر مسلم ہی ہیں لیکن ان کا حکم عام مشرکوں سے مختلف ہے، قرآنِ پاک میں صراحتہً مذکور ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال، اور ان کی پاکدامن عورتوں سے نکاح جائز ہے (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۵) واضح رہے کہ اہلِ کتاب مرد سے مسلمان لڑکی کا نکاح جائز نہیں۔

اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں توراۃ وانجیل اور زبور وغیرہ میں سے کسی کتاب پر ایمان رکھتے اور اسے منزل من اللہ سمجھتے ہوں، ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے، اصولی طور پر اس میں کسی کا اختلاف نہیں، ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض صحابہ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کیا، سیدنا عثمان نے "نائلہ" نامی عیسائی خاتون سے نکاح کیا جو بعد میں مسلمان ہوگئیں اور سیدنا ابوطلحہؓ نے شام کی ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تھا۔

اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہونے کے باوجود ان سے نکاح کرنا بہرحال بہتر اور پسندیدہ نہیں ہے، سیدنا عمرؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت عراق کے گورنر تھے، ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تو سیدنا عمرؓ نے انہیں خط لکھ کر طلاق دینے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح بعض اور صحابہ سے بھی اس سلسلے میں ممانعت منقول ہے۔ کراہت وناپسندیدگی کی وجہ یہی ہے کہ بچوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہوتی ہے، بچوں کی ذہنی نشوونما اور ان کی تربیت میں ماں کا جو کردار ہوتا ہے، وہ محتاجِ اظہار نہیں، نیز عورتیں

مردوں کی فکر و نظر پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، اور معاشرے کی اصلاح و فساد میں بھی ان کا اہم کردار ہوتا ہے، اور نکاح کا اولین مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے ایک اچھے خاندان اور صالح معاشرے کا وجود ہو۔

یہ تو حکم ان عورتوں کا ہے جو واقعی اہلِ کتاب ہوں کہ ان سے نکاح کرنا جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ، پھر بعض فقہاء نے اسے مطلقاً مکروہ تحریمی قرار دیا ہے[1] اور بعض نے یہ فرق کیا کہ اگر کتابیہ عورت دارالکفر کی ہو تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر دارالاسلام میں ہو تو مکروہ تنزیہی[2] لیکن آجکل کے اکثر اہلِ کتاب کی طرح اگر کوئی عورت صرف نام کی یہودی یا عیسائی ہو حقیقۃً وہ ملحد و دہریہ ہو تو پھر اس سے نکاح جائز نہیں، اور وہ قرآن کی اصطلاح میں "اہلِ کتاب" نہیں ہوگی۔ (۳)

عیسائی لڑکی سے شادی

میں شادی شدہ اور بچوں والا ہوں، یہاں میری دکان پر ایک لڑکی اکثر و بیشتر آکر شاپنگ کرتی ہے، مجھے لگتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، وہ لڑکی عیسائی ہے، اگر وہ اسلام قبول کرلے تو کیا میں اس سے شادی کرسکتا ہے؟۔

کسی بھی لڑکی کو صرف چند بار دیکھ کر کسی نتیجہ پر پہونچنا جلد بازی ہے، خصوصاً ایسے مرد کے لئے جو شادی شدہ ہو اور بچوں والا ہو، آج اس لڑکی کو دیکھ کر آپ اسے مسلمان بنانے اور

---

(۱) فتح القدیر ۳/۱۳۵

(۲) وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعاً لانفتاح باب الفتنۃ فتح القدیر ۳/۱۳۵

(۳) فوائد عثمانی مائدۃ: ۵

اس سے شادی کرنے کے شوقین ہیں، کل کوئی اور لڑکی دیکھ لی اور وہ پسند آگئی تو آپ اسے بھی اپنی شریکِ حیات بنانا چاہیں گے، یہ سلسلہ اس طرح دراز ہوتا رہا تو شاید آپ کسی کے بھی نہ رہیں، آپ کے لئے یہی مشورہ ہے کہ آپ اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنی ازدواجی زندگی کے ٹھہراؤ میں کنکر نہ پھینکیں، قصے کہانیوں، ڈراموں، فلموں اور حقیقی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

نصرانی لڑکی سے شادی

کیا ایک مسلمان لڑکا کسی نصرانی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے؟ (محمد نواز ناصح، جدہ)

اہلِ کتاب عورتوں سے اصولی طور پر نکاح کرنا جائز ہے (مائدہ ۵) لیکن ہمارے زمانہ میں اہلِ کتاب خواتین اور انکے معاشرہ میں جو اباحیت اور انارکی پھیلی ہوئی ہے یہ محتاجِ اظہار نہیں اسی لئے ان حالات میں صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ عیسائی اور یہودی خواتین جو خدا اور رسالت پر یقین رکھتی ہوں وہ دہریہ نہ ہوں ان سے نکاح جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں اور بقولِ شامی مسلم ممالک میں ہو تو مکروہ تنزیہی اور غیر مسلم ملکوں میں ہو تو قریب بہ حرام ہے۔ وہ عورتیں جو نام کی عیسائی یا یہودی ہو لیکن درحقیقت دہریہ ہوں ان سے نکاح جائز نہیں، وہ عورتیں جو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی یا یہودی بن گئی ہوں، ان سے نکاح جائز نہیں۔

شادی بیاہ میں جہیز اور مہر کا مسئلہ

صوبہ سرحد پاکستان اور یہاں سعودی عرب میں لڑکی والے نکاح سے قبل، بوقتِ نکاح یا بعد از نکاح لڑکے والوں سے ایک اچھی خاصی رقم طلب کرتے ہیں، کیا یہ رقم لینا جائز ہے؟ نیز برصغیر کے اکثر علاقوں میں لڑکے کیطرف سے لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (نوید ملک، جدہ)

اسلام نے عقدِ نکاح کو نہایت ہی آسان بنایا ہے بلکہ ایسے نکاح کو بہتر اور بابرکت قرار دیا ہے جو آسانی سے انجام پا جائے اور جس میں نام و نمود کے لئے زیادہ اخراجات برداشت کر کے فریقین میں سے کسی کو مشقت میں ڈالا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "سب سے زیادہ بابرکت اور بہتر نکاح وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان اور کم خرچ والا ہو۔" (مسند احمد ۶/۸۲) اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "سب سے بہتر نکاح وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو۔" (ابوداؤد باب فیمن تزوج ولم یسم صداقاً)

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عورت کی حیثیت حقیر ساز و سامان سے زیادہ کچھ نہ تھی، کہیں تو وہ پیدائش کے بعد ہی زندہ درگور کر دی جاتی، اور کسی کو اگر اس سے نجات ملتی تو وہ طرح طرح کے دوسرے ظلم سہتی، شوہر کے مرنے کے بعد اس کے مال و جائداد کی طرح اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی، وہ چاہتے تو خود اپنی بیوی بنا کر رکھتے یا دوسرے شخص کو بیچ دیتے، اس کے علاوہ بھی عورت پر ظلم و زیادتی کی اور مختلف شکلیں تھیں، غرض معاشرہ میں اس کا کوئی مقام نہ تھا، اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے عورت کو عزت و شرافت عطا کی، اس پر ڈھائے جانے والے مظالم کو دور کیا اور اس کے ساتھ یہ برابری کی کہ انسان ہونے کی حیثیت سے مرد ہی کی طرح اسے انسانی شرافت اور عزت کا مستحق قرار دیا، عورت کے اسی عزت و احترام اور تکریم کے پیش نظر اسلام نے اسے مرد کی طرح وارث قرار دیا کہ کسی کے انتقال کے بعد اب وہ مال متروکہ کی طرح تقسیم نہیں ہوگی بلکہ مردوں کی طرح اسے بھی وراثت ملے گی۔ اسی طرح عورتوں کا مقام و مرتبہ بلند کرنے اور ان کی شرافت و کرامت کو ظاہر کرنے ہی کے لئے اسلام نے مردوں پر ضروری قرار دیا کہ وہ عورت سے نکاح کرتے وقت مہر ادا کریں اور اسے خوشدلی سے دیں۔ (سورۃ النساء آیت نمبر ۴) نیز نکاح کے بعد اس کی رہائش، نان نفقہ اور علاج و معالجہ وغیرہ کی ساری ذمہ داری مرد پر رکھی گئی نہ کہ عورت پر، اسی طرح نکاح کے موقع پر بھی اسلام نے عورت یا اس کے ولی و سرپرست پر مالی بوجھ نہیں ڈالا کہ اس کے لئے نکاح کرنا کرانا ہی مشکل ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ شادی کے موقع پر باپ اپنی بیٹی اور داماد کو اپنی استطاعت کے مطابق ضروریاتِ زندگی کی چیزیں دے سکتا ہے، جیساکہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی صاحبزادی کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیا تو اس موقع پر آپ نے جہیز میں ایک چارپائی، بستر، چادر، دو چکیاں اور ایک مشک عنایت فرمایا۔ (سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی) لیکن جہیز کے عنوان سے ہمارے موجودہ معاشرے میں جو لین دین کا رواج ہے، اور لڑکے والوں کی طرف سے جہیز میں جو قیمتی اشیاء کا مطالبہ کیا جاتا ہے، وہ کسی طرح درست نہیں، اور شرعاً اس کا کوئی جواز نہیں، سیدنا علی رضؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کا مطالبہ نہیں کیا تھا کہ اس موقع پر لڑکی والوں سے مانگنے یا مطالبہ کرنے کا کوئی جواز نکلے، پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضؓ کے علاوہ دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے موقع پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں جہیز میں اس طرح کی چیزیں دینے کا کوئی ذکر ہمیں روایات میں نہیں ملتا، اگر ایسا ہوتا تو شاید شادی میں جہیز کی کسی شرعی حیثیت کا تسلیم کیا جانا ممکن تھا۔ جہاں تک "جہیزِ فاطمی" کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سیدہ فاطمہ رضؓ کے والد ہونے کی حیثیت سے سرپرست تھے، اسی طرح آپ سیدنا علی رضؓ کے بھی سرپرست اور مربی تھے، کیونکہ وہ رشتہ میں آپ کے چچازاد بھائی تھے، جو ابوطالب کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور گویا آپ ہی کی پرورش وکفالت میں رہنے لگے، اس طرح دونوں طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرپرست ہونے کی حیثیت سے مناسب سمجھا کہ شادی کے موقع پر الگ گھر بسانے کے لئے ضرورت کی چیزیں فراہم کردی جائیں۔ (ملاحظہ ہو: حلال وحرام ص: ۲۷۶)

شادی میں قیمتی جہیز دینے یا اس کا مطالبہ کرنے کا کوئی ثبوت ہمیں نہ عہدِ نبوی میں ملتا ہے، اور نہ عہدِ صحابہ میں، بلکہ بہت بعد کے دور تک بھی اس کا کوئی رواج نہ تھا، یہ چیز ہمارے معاشرے میں ہندوؤں کے اثر اور ان سے اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوئی جو آہستہ آہستہ

معاشرے کے لیے ایک فتنہ بن گئی، اس لیے اس سے سخت پرہیز کی ضرورت ہے۔

جہیز کے نام پر ہمارے معاشرے میں جو لین دین کا رواج ہے اور لڑکے والوں کی طرف سے جن قیمتی چیزوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے شرعاً اس کا کوئی جواز نہیں۔

جو مرد حضرات بھی شادی کے موقع پر لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں انہیں جاننا چاہیئے کہ وہ ایک طرف معاشرے میں لڑکیوں کے نکاح کو مشکل اور دشوار بنا کر بدترین جرم اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں تو دوسری طرف "بے ضرورت سوال اور مطالبہ" کے ذریعے وہ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہونے کو ترجیح دے رہے ہیں، اس لیے کہ کتبِ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی موجود ہے کہ جو شخص بغیر کسی شدید ضرورت کے کسی سے کچھ مانگتا ہے اور سوال کرتا ہے تو قیامت کے اس طرح اٹھے گا کہ اسکے چہرے پر گداگری کی وجہ سے نشانات اور دھبے ہوں گے۔ آپ کا یہ ارشادِ گرامی بھی ہے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا بوجھ پیٹھ پر لادے اور اسے بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ عن ابی ھریرۃ باب النھی عن المسئلہ کتاب الزکوٰۃ۔

ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟ بولے کہ ایک بستر ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں اور کچھ بچھا لیتا ہوں اور ایک پانی کا پیالہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزیں منگوائیں، پھر فرمایا، یہ چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے ایک درہم قیمت لگائی، آپ نے فرمایا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگائے گا؟ ایک دوسرے صاحب نے دو درہم کر دی، آپ نے وہ چیزیں انہیں دے دی اور درہم انصاری کو دے کر فرمایا کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر دے آؤ، اور دوسرے سے رسی و کلہاڑی خریدو، اور جنگل سے لکڑیاں لا کر شہر میں بیچو، پندرہ دن کے بعد وہ خدمتِ اقدس میں آئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہو گئے تھے، جس سے انہوں نے کچھ کپڑا اور غلہ خریدا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت میں چہرہ پر

گدائی کا داغ لگا کر جاتے"۔(ابوداؤد عن انس باب ماتجوز فیہ المسألۃ)۔

ایک موقع پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا، نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے" یعنی عطا کرنا مانگنے سے بہتر ہے۔(مسلم عن ابی ھریرۃ باب النھی عن المسئلہ:)

ایک دفعہ قبیصہ نام کے ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، وہ مقروض ہو گئے تھے، انہوں نے اپنی حاجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی، آپؐ نے وعدہ کیا پھر ارشاد فرمایا" اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے، ایک اس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار ہو، وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیے، دوسرا اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی ہے جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کر دیا، اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے، تیسرے اس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلہ کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کا فاقہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے تو وہ حرام کھاتا ہے"(ابوداؤد)

اس طرح بے ضرورت مانگنے اور سوال کرنے کی مذمت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی ارشادات کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ شادی کے موقع پر لڑکے کیطرف سے مختلف قیمتی سامان اور چیزوں کا مطالبہ جو اگرچہ "جہیز" کے شائستہ عنوان سے ہوا کرتا ہے، حقیقت میں بلاضرورت سوال اور گداگری ہی کی ایک شکل ہے، جو کسی طرح جائز نہیں۔

جس طرح لڑکوں کے لیے جہیز کا مطالبہ جائز نہیں، اسی طرح لڑکی یا لڑکی والوں کے لئے شادی بیاہ کے موقع پر مہر کے علاوہ کسی اور رقم کا مطالبہ جائز نہیں، جہاں کہیں بھی اس کا رواج ہے یہ غلط اور غیر شرعی رواج ہے، ہاں مہر یقیناً عورت کا شرعی حق ہے جس کا وہ شادی کے موقع پر یا اس کے بعد شوہر سے مطالبہ کر سکتی ہے لیکن مہر کے تعین میں بھی یہ بات

پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ وہ شوہر کی استطاعت کے مطابق ہو یعنی وہ جسے باآسانی ادا کر سکے، مہر کی وجہ سے مشقت میں نہ پڑ جائے جیسا کہ اوپر ہم نے ایک حدیث ذکر کی کہ سب سے بہتر نکاح وہ ہے جس کا مہر سب سے آسان ہو، مسندِ احمد کی ایک روایت جسے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے "بلاشبہ یہ بات عورت کی سعادت و نیک بختی میں شامل ہے کہ اس کا پیغامِ نکاح اور اس کا مہر آسان ہو" اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "عورت کی سعادت یہ ہے کہ اس کا مہر ہلکا ہو اس کا نکاح آسان ہو اور اس کے اخلاق اچھے ہوں، اور عورت کی بدبختی یہ ہے کہ اس کا مہر زیادہ ہو، اسکا نکاح دشوار ہو اور اس کے اخلاق برے ہوں" (۱)

اسلام نے اگرچہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد متعین نہیں کی ہے بلکہ اسے فریقین پر چھوڑا کہ وہ آپس میں باہمی رضامندی سے جتنا مناسب سمجھیں مہر مقرر کریں، لہٰذا مہر کی مقدار زیادہ ہو تو بھی شرعاً درست ہے لیکن اس کے باوجود روایات و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مہر کی زیادتی مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے، اگر ایسی بات ہوتی تو خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کا مہر زیادہ ہوتا، حالانکہ بالعموم ازواجِ مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (پانچ سو درہم) سے زیادہ نہ ہوا کرتا تھا جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ رضؓ روایت کرتی ہیں (صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی) بناتِ رسول کا مہر بھی اس سے زیادہ نہ تھا، روایات میں اس سے بہت ہی کم مہر پر نکاح کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

سیدنا عمرؓ کے زمانے میں لوگ بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے تھے تو آپ نے سخت تنبیہ فرمائی، اور منبر پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ لوگو! مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو، اگر یہ چیز دنیا میں باعثِ عزت و افتخار ہوتی یا آخرت میں اللہ کے یہاں تقویٰ اور ثواب کی بات

---

(۱) بحوالہ الزواج الاسلامی للشیخ محمد علی الصابونی

ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سب سے پہلے اختیار فرماتے، اور آپؐ سب سے زیادہ اس بات کے مستحق تھے، آپؐ نے اپنی ازواج میں کسی کا مہر نہ تو ساڑھے بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر کیا، اور نہ اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا اس سے زیادہ مہر مقرر کیا۔ ابن ماجہ عن عمر باب فی صداق النساء۔

ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب تمہارے پاس (پیغامِ نکاح لے کر) ایسا شخص آئے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم برپا ہوگا"۔ معلوم ہوا کہ "داماد" کے انتخاب میں جو چیز ملحوظ رکھنی چاہیئے وہ دینداری اور اخلاق ہیں، نہ کہ مال و دولت اور جاہ و منصب، یہ تو ثانوی چیز ہے، ازدواجی زندگی کی سعادت و خوشگواری میں اس کو خاص دخل نہیں، اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر ضرور فرماتے۔

خلاصہ یہ کہ جہیز کے لین دین کی رسم جہاں کہیں بھی ہو لڑکی یا اس کے سرپرست کی طرف سے مہر میں خطیر رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہو، یا مہر کے علاوہ دوسرے کسی عنوان سے بھی رقم کا مطالبہ کر کے لڑکے پر مالی بوجھ ڈالا جاتا ہو، یہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسا کرنے والے لڑکوں کی شادیوں میں رکاوٹ بن کر معاشرے میں فساد کے پھیلنے کا سبب بنتے ہیں، جس کا انجام یقیناً دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اچھا نہیں ہوگا۔

مہر کی ادائیگی

ہمارے ایک عزیز دوست کی شادی حال ہی میں ہوئی ہے جس میں ۵ ہزار روپے مہر طے پایا جو وہ ادا کرنے کی قوت نہیں رکھتے، بہرحال مہر کی ادائیگی سے پہلے انہوں نے بیوی سے صحبت کی، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

(محمد صغیر صدیقی، ریاض)

مہر دو طرح کا ہوتا ہے' ایک وہ جو فوراً ادا کیا جائے اس کو "مہر معجل" کہتے ہیں، دوسرے وہ جو تاخیر سے ادا کیا جائے اس کو "مہرِ مؤجل" کہتے ہیں، اگر مہر معجل ہو یعنی عقدِ نکاح کے وقت فوراً ادا کرنے کا وعدہ یا صراحت ہو تو ایسی صورت میں مہر کی رقم وصول ہونے تک بیوی کو صحبت سے روکنے کا حق حاصل ہے (۱) ہاں اگر بیوی راضی ہو اور وہ اس سے انکار نہ کرے تو صحبت میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں' کیونکہ مہر بیوی کا حق ہے۔

اگر مہر مؤجل ہو یعنی عقدِ نکاح کے وقت فوراً ادا کرنے کی صراحت نہ ہو بلکہ دیر سے' حسب سہولت دیئے جانے کا وعدہ ہو تو ایسی صورت میں بیوی کو صحبت سے روکنے اور منع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ (۲)

عقدِ نکاح کے وقت اگر مہر معجل یا مؤجل کی صراحت نہ ہو تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا، نیز صحیح اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ مہر اتنا ہی مقرر کیا جائے جتنا کہ شوہر آسانی کے ساتھ ادا کر سکتا ہو اور پھر فوراً یا جلد سے جلد ادا کر دیا جائے' المغنی میں ہے: ویستحب ان لا یغلی الصداق۔ (المغنی ۷/ ۱۶۱) مزید آگے لکھا ہے: لاتستحب الزیادة لانه اذا کثر ربما تعذر علیه فیتعرض للضرر فی الدنیا والآخرة۔ (المغنی ۷/ ۱۶۲) اور اگر تاخیر سے دینا ہو تو کچھ نہ کچھ صحبت سے پہلے دیدے۔

آجکل بالخصوص برصغیر میں یہ جو عام تصور ہے کہ مہر دینا تو ہے نہیں' لہٰذا جتنا چاہے

---

(۱) ہندیہ میں ہے: فی کل موضع دخل بها او صحت الخلوة وتأکد کل المهر لو ارادت ان تمنع نفسها لاستیفاء المعجل لها ذلك۔ (ہندیہ ۱/ ۳۱۷) فان منعت نفسها حتی تتسلم صداقها وکان حالا فلها ذلك۔ (المغنی ۷/ ۲۰۰)

(۲) اذا کان المهر مؤجلا اجلا معلوما فحل الاجل لیس لها ان تمنع نفسها لتستوفی المهر (ہندیہ ۱/ ۳۱۸)

مقرر کرلو، یہ نہایت غلط اور جاہلانہ تصور ہے، شریعت میں بغیر مہر کے نکاح کا تصور ہی نہیں، اگر کوئی شخص عقدِ نکاح کے وقت ہی سے مہر نہ دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو پھر اس نکاح میں اور زنا میں کیا فرق رہ جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اللہ کے حضور زانی کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ (۱) اگر عقدِ نکاح کے وقت کسی وجہ سے مہر کا تذکرہ ہی نہ ہو تب بھی احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ بیوی کو مہر ملے گا، اور اتنا ملے گا جتنا کہ اس کے خاندان میں اس جیسی عورتوں کا مہر ہے۔ اگر عقدِ نکاح کے وقت مہر کی مقدار طے ہو جائے تو جو کچھ بھی مہر مقرر ہو، وہ بیوی کا حق ہے، اگر زندگی میں شوہر نہ دے سکے تو مرنے کے بعد اس کے مال میں سے وراثت تقسیم کرنے سے پہلے بیوی کا مہر دیا جائے گا، زبردستی معاف کرانے سے یہ حق معاف نہیں ہوتا، ہندیہ میں ہے: لوکانت مکرھۃ لم یصح۔ (ھندیہ ۱/۳۱۳) ہاں اگر بیوی خود اپنی خوشی سے برضا ورغبت معاف کردے تو اس کو اس کا اختیار ہے کہ جتنا چاہے معاف کردے۔ (۲)

مہر شوہر کے ذمہ قرض ہے

نکاح کے وقت جو مہر مقرر کیا جاتا ہے، اس کی ادائیگی کب تک ہو سکتی ہے؟ اگر دو تین سال گذر جائیں تو گناہ ہوگا؟ نیز ادائیگی کے وقت نہ تو شوہر کو یاد ہے کہ مہر کتنا مقرر ہوا تھا اور نہ بیوی کو، تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟۔

---

(۱) مجمع الزوائد ۴/۲۸۴ باب فی من نوی ان لا یؤدی صداق امراتہ

(۲) وآتوا النساء صدقتھن نحلۃ فان طبن لکم عن شیٔ منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریئا۔ (نساء ۴)

مہر دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جس کی ادائیگی فوراً کر دی جائے یعنی نکاح کے لئے ایجاب وقبول ہی اس طرح ہوا ہو کہ اتنا مہر فوراً ادا کر دیا جائے تو ایسے مہر کو "مہر معجل" کہتے ہیں، اس کی ادائیگی فوراً ضروری ہے، ورنہ بیوی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ مہر کی ادائیگی تک اپنے آپ کو شوہر کے حوالے نہ کرے، ہاں چونکہ مہر بیوی کا حق ہے اس لئے وہ "معجل" ہونے کے باوجود وصولی میں تاخیر گوارا کر کے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دے سکتی ہے، اگر وہ خود راضی ہو تو مہر معجل کو بھی تاخیر سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

مہر کی دوسری قسم "مہر مؤجل" ہے یعنی وہ جس کی ادائیگی تاخیر سے ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے لئے ایجاب وقبول کے وقت ہی اس بات کی صراحت کر دی جائے کہ میں آئندہ حسب سہولت اتنا مہر ادا کر دوں گا، اگر ایجاب وقبول مہر مؤجل پر ہوا ہو تو گویا بیوی نے نکاح کے وقت ہی اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ مہر بعد میں وصول کرے گی، لہٰذا ایسی صورت میں بیوی کے لئے جائز نہیں کہ شوہر کے لئے حقوق زوجیت کی ادائیگی میں رکاوٹ بنے(۱) تاہم دونوں صورتوں میں وہ شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے، اور شوہر کو بھی چاہیے کہ وہ جتنا جلد ہو سکے مہر ادا کر دے کیونکہ یہ شرعاً اس کے ذمہ قرض ہے (۲) اور قرض کی ادائیگی میں تاخیر اچھی چیز نہیں۔ اگر بیوی کی طرف سے رضامندی ہو اور مطالبہ نہ ہو تو تاخیر پر بھی کوئی گناہ نہیں، اگر شوہر و بیوی میں سے کسی کو مہر کی مقدار یاد نہ ہو اور گواہوں وغیرہ کے ذریعے بھی اس کا پتہ نہ چل سکے تو شوہر و بیوی باہمی رضامندی سے کوئی مقدار دوبارہ مقرر کر سکتے ہیں، جس پر بھی رضامندی ہو جائے، وہی مہر شوہر ادا کر دے، چاہے وہ وقت نکاح مقرر کئے ہوئے مہر سے

---

(۱) وان كان الصداق مؤجلاً فليس لها منع نفسها قبل قبضه لان رضاها بتأجيله رضا بتسليم نفسها۔ (المغنی ۷/۲۰۰)

(۲) والصداق اذا كان فى الذمة فهو دين۔ (المغنی ۷/۲۰۰)

کم ہو یا زیادہ)۔

مہر میں معیار کیا ہو؟

میری شادی ۱۹۶۹ء میں ہوئی، اس وقت مہر مؤجل ۵۰۱ روپے مقرر ہوا تھا جو ابھی تک واجب الادا ہے، بعض مجبوریوں کی بنا پر ادا نہ کر سکا تھا اب دائیگی کا ارادہ ہے، سوال یہ ہے کہ شادی کے وقت اتنی رقم میں کم و بیش ۲۵ تولے سونا خریدا جا سکتا تھا، مگر اب اس رقم سے صرف ایک تولہ سونا خریدا جا سکتا ہے، لہٰذا اس وقت مہر میں شرعاً مجھے کتنی رقم بیوی کو دینا چاہیے؟ (محمد یوسف خاں، پٹیل راجہ محبوب، جدہ)

شادی کے وقت سے مہر آپ کے ذمہ قرض ہے، روپے کی قدر و قیمت میں کمی بیشی سے قرض کی مقدار میں کمی بیشی نہیں ہوگی، لہٰذا اس وقت بھی آپ کے ذمہ ۵۰۱ روپے ہی شرعاً واجب الادا ہیں، (البتہ اپنی خوشی سے زیادہ دے دیں یا کوئی زیور بیوی کو بنوا دیں تو یہ بہتر اور حسنِ سلوک کا تقاضہ ہوگا) جو چیز مہر میں مقرر کی جائے وہی اصل اور معیار ہوگی (نہ کہ اس کا بدل) مثلاً نکاح کے وقت دس ہزار روپے مہر مقرر ہوا ہو تو دس ہزار روپے ہی واجب الادا ہوں گے، چاہے جس وقت بھی ادا کئے جائیں، اور اگر دس تولہ سونا مہر مقرر ہو تو دس تولہ سونا ہی اصل اور معیار ہوگا، جس وقت بھی مہر ادا کیا جائے بیوی دس تولہ سونا کی مستحق ہوگی، ہاں روپے کے علاوہ کوئی دوسری چیز (سامان، جیسے سونا، چاندی یا فرنیچر، زمین، مکان وغیرہ) مقرر ہوا اور پھر باہمی رضامندی سے اس کی قیمت ادا کی جائے تو ادائیگی کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا نہ کہ نکاح کے وقت کی۔ مناسب یہ ہے کہ سنتِ نبوی کی اتباع کے پیشِ نظر ازواجِ مطہرات اور بناتِ طیبات میں سے کسی کے مطابق مہر مقرر کرے، اور فی زمانہ کرنسیوں کی قوتِ خرید بڑھنے اور کم ہونے کا خیال کرتے ہوئے بہتر یہ ہے کہ سونے چاندی کی کوئی مقدار مہر میں

متعین کی جائے تاکہ اگر تاخیر سے بھی شوہر مہر ادا کرے تو عورت کا حق ضائع نہ ہونے پائے۔

مہر کی ادائیگی سے قبل عورت کا انتقال

کسی عورت کا انتقال ہوگیا، اور حق مہر ادا نہ کیا گیا ہے، اور نہ ہی معاف کرایا گیا ہے، اب کیا کیا جائے؟۔

مہر کی رقم کو بھی عورت کے "مالِ متروکہ" میں شامل کر کے اس کے مستحق ورثاء میں شرعی طریقے کے مطابق تقسیم کر دیا جائے، نیز اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، اور مرحومہ کے لئے دعاءِ مغفرت اور صدقہ و خیرات بھی کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

مہر لڑکی کا حق ہے

کیا مہر کی رقم لڑکی کے والدین لے سکتے ہیں؟۔

مہر لڑکی کا حق ہے، اگر لڑکی اپنی مرضی سے یہ رقم اپنے والدین کو دے دے تو جائز ہے، لیکن لڑکی کی اجازت کے بغیر مہر کی رقم نہ شوہر لے سکتا ہے، نہ سسرال والے، نہ میکے والے۔[1]

مہر مثقال کے ذریعہ

ہمارے علاقے کوکن میں شادی کے وقت لڑکی کا مہر مثقال میں مقرر کیا جاتا ہے وہ بھی ۱۹ مثقال، ساتھ ہی قاضی صاحب خالص سونے کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں، کیا مہر مثقال میں مقرر کرنا شرعی حیثیت

---

(۱) ان کان رشیدۃ لم یبرأ الا بالتسلیم الیھا او الی وکیلھا ، ولا یبرأ بالتسلیم الی ابیھا ولا الی غیرہ بکرا کانت او ثیبا۔ (المغنی ۷/۱۹۹)

سے جائز ہے؟ ——— (طاہر دبیر کوکنی، بحرین)

موجودہ زمانہ میں کرنسیوں کی قیمت میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اگر ملکی کرنسیوں سے مہر مقرر کیا جائے تو اس میں عورتوں کا بہت بڑا نقصان ہے جس عورت کا مہر پچیس ہزار ہو تو وہ آج کل کم از کم پانچ تولہ سونا خرید سکتی ہے لیکن دس سال بعد دو تولہ بھی مشکل سے خریدا جا سکے گا' اور اگر پانچ تولہ مقرر کر دیا جائے تو وہ یہ مقدار اور اس کی قیمت دس سال میں بھی حاصل کر سکتی ہے' اور اس کا حق متاثر نہیں ہوگا' اس لئے بہتر یہی ہے کہ سونے یا چاندی کو ہی مہر مقرر کیا جائے' آپ کے علاقہ میں جو رسم اور رواج ہے' وہ شرعاً صحیح اور درست ہے۔

مہر کی رقم میں والد کا تصرف

کیا کسی والد کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی مہر کی رقم کھا جائے؟

(یار محمد قلندرانی، مکہ مکرمہ)

مہر صرف لڑکی کا حق ہے' نہ شوہر کو اس میں سے حصہ لینے کا اختیار ہے' نہ سسرال والوں کو' اور نہ ہی والدین کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا حقِ مہر لے کر کھا جائیں۔

نکاح میں اگر مہر متعین نہ ہو

اگر کسی عورت کا مہر نکاح کے وقت کسی وجہ سے متعین نہیں کیا جا سکا تو اب شوہر اس کا مہر کس طرح ادا کرے؟

(محمد ایوب محاسن، احساء)

اگر عقدِ نکاح میں ایجاب و قبول کے ساتھ مہر کی تعیین نہ کی جا سکی' اور اس کی مقدار نہ ذکر کی جا سکے' تو ایسی صورت میں نکاح تو درست ہو جائے گا' لیکن شوہر پر عورت

کے لیے "مہر مثل" کی ادائیگی لازم ہوگی (۱) مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کے خاندان کی دوسری اس جیسی عورتوں کا جو مہر تھا وہی اس عورت کے لیے "مہر مثل" ہوگا، جیسے اس کی بہنوں کا مہر پھوپھی یا ان کے بیٹیوں کا مہر وغیرہ، البتہ مہر مثل کی تعیین میں حسن وجمال، عمر اور دیگر صلاحیت وقابلیت کا بھی اعتبار کیا جائے گا کہ خاندان کی جو عورت ان چیزوں میں اس کے مماثل ہوا ان کا مہر اس عورت کے حق میں "مہر مثل" ہوگا (۲) ایسی صورت میں نکاح کے بعد بھی شوہر وبیوی مہر کی کسی مقدار پر راضی ہو جائیں تو اس کی ادائیگی بھی درست ہے، کسی مقدار پر اتفاق نہ ہونے کی صورت میں شوہر پر "مہر مثل" کی ادائیگی کو لازم کیا جائے گا۔

بیوی مہر معاف کرسکتی ہے

ہم مہر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، اس کے دینے کا طریقہ بتائیں، نیز نکاح کے بعد بیوی حق مہر معاف کرسکتی ہے یا نہیں، اور کس طریقے سے، گواہوں کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ (محمد منیر، جدہ)

نکاح کے وقت عورت سے استمتاع اور نفسیاتی خواہشات کی تکمیل کے عوض کے طور پر جو رقم عورت کو دی جاتی ہے (یا آئندہ دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے) اسے "مہر" کہتے ہیں

---

(۱) وان تزوجها ولم يسم لها مهراً او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها۔ (ہدایہ ۲/۳۰۴، ط: رشیدیہ دہلی)

(۲) ومهر مثلها من قوم ابيها وقت العقد سنا وجمالاً ومالاً وبلداً وعصراً وعقلاً ودينا وبكارة وثيوبة وعفة وعلما وادبا وكمال خلق۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲/۳۵۵)

مہر عورت کا شرعی حق ہے، بغیر مہر کے شریعت میں نکاح کا کوئی تصور نہیں، اگر کوئی غلطی سے نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کرے تب بھی شوہر کی طرف سے بیوی مہر کی حقدار ہوگی اور اسے "مہر مثل" دیا جائے گا (۱) مہر اپنی استطاعت کے مطابق مقرر کیا جانا چاہیے، اگرچہ شریعت نے زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کم سے کم مہر دس درہم (تقریباً ۳۲ گرام چاندی) ہونا چاہیے، اس سے کم صحیح نہیں (۲) دیگر ائمہ کے یہاں کم سے کم مہر کی بھی کوئی مقدار متعین نہیں، میاں بیوی جتنے اور جس مقدار میں مہر پر راضی ہوجائیں، وہی عورت کا مہر ہے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں: اذا كانت المرأة بالغة رشيدة او صغيرة عقد عليها ابوها فأي صداق اتفقوا عليه فهو جائز اذا كان شيئاً له نصف يحصل۔ (المغنی ۷/۱۶۰)

مہر دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو فوراً ادا کر دیا جائے یعنی نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد صحبت سے پہلے، یہی صورت زیادہ بہتر ہے، اسے اصطلاح میں "مہر معجل" کہتے ہیں، دوسرے وہ مہر جو فوراً ادا نہ کیا جائے بلکہ مہر مقرر کرکے بعد میں دینے کا وعدہ کیا جائے اسے "مہر مؤجل" کہتے ہیں۔ مہر مؤجل کی صورت میں بھی صحبت سے پہلے عورت کو مہر کا کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنا بہتر و پسندیدہ ہے۔

نکاح کے وقت مہر مقرر ہوجانے کے بعد اب یہ عورت کا حق ہے کہ اسے قبول کرے یا معاف کردے، اگر وہ نکاح کے بعد اپنی خوشی سے سارا مہر یا مہر کا کچھ حصہ معاف کردے تو شوہر سے اتنا حصہ معاف ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئاً مريئاً۔ (نساء/۴) اس معافی کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں، اگر

---

(۱) ان تزوجها ولم يسم لها مهراً............ فلها مهر مثلها۔ (ہدایہ ۲/۳۰۴)

(۲) اقل المهر عشرة دراهم مضروبة او غير مضروبة (ہندیہ ۱/۳۰۲، ط: بیروت)

بیوی پر دباؤ ڈال کر زبردستی مہر معاف کرایا جائے تو اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔(۱)

مہر کا حق

کیا مہر مقرر کرنا ضروری ہے، حق مہر کا طریقہ، مقدار اور وقت کیا ہے؟

(طاہر کوئنی، بحرین، محمد صیاد عباسی، بدر)

مہر مقرر کرنا ضروری ہے، مہر کے بغیر شریعت میں نکاح کا تصور ہی نہیں، اور یہ مہر عورت کا حق ہے، شریعت نے یہ حق عورتوں کے لئے خاص کیا ہے، مہر دونوں (لڑکی والے اور لڑکا) مل کر باہمی رضامندی سے مقرر کریں، نہ اتنا کم ہو کہ اس کی کوئی وقعت ہی نہ ہو، اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ شوہر ادا ہی نہ کر سکے۔ عقدِ نکاح کے وقت مہر کا تعین ہو جانا چاہیے۔

مہر فاطمی کی حیثیت

ہمارے ہاں مہر فاطمی ۳۲ روپے مقرر کیا جاتا ہے، اور وہ بھی سہاگ رات کو معاف کروالیا جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

شریعت نے مہر کی رقم یا حد اس لئے مقرر و محدود نہیں کی کہ وقت اور حالات کی تبدیلی کی بنا پر یہ معاملہ کم بھی ہو سکتا ہے اور بڑھایا بھی جا سکتا ہے، حق مہر نہ تو اتنا زیادہ ہو کہ شوہر کی مالی حیثیت اسے ادا کرنے سے قاصر رہے اور نہ ہی اتنا کم ہو کہ چند روپوں تک محدود ہو جائے بلکہ اسے شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق طے کیا جانا چاہیے۔

مہر صرف اور صرف بیوی کا حق ہے، اسے ادا نہ کرنا یا زبردستی معاف کروانا بہت بڑا جرم اور گناہ ہے، ہاں بیوی خود اپنی خوشی سے معاف کر دے تو الگ بات ہے۔

---

(۱) لابد صحة حطها من الرضا حتی لو کانت مکرهة لم یصح. (هندیه ۱/۳۱۳)

حضرت فاطمہؓ کا جو مہر مقرر کیا گیا تھا، بہت سے لوگ اتباعِ سنت کے لئے وہی مقرر کرتے ہیں، یہ مہر مقرر کرنا اتباعِ سنت تو ضرور ہے لیکن صرف اسی مہر کو سنت سمجھنا غلطی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزار دو ہزار پر بھی اپنا نکاح فرمایا ہے، اور کم پر بھی، حضرت فاطمہؓ کا مہر آپ نے پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا، جس کی مقدار مفتی محمد شفیع صاحب نے ۱۳۱ر تولہ ۳ر ماشہ چاندی مقرر کی ہے، یہ حساب مفتی صاحب نے بڑی تحقیق سے لگایا ہے، اس ۱۳۱ر تولہ ۳ر ماشہ چاندی کی جتنی قیمت روپے یا دوسرے سکوں کے اعتبار سے ہو وہی مہر فاطمی کی مقدار ہے، ۳۲ر روپیہ کو مہر فاطمی کہنا قطعاً درست نہیں۔ (دیکھئے جواہر الفقہ ۴/۱۵۱-۱۴۸ ط: دیوبند)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح کس شخص نے پڑھایا تھا؟

(وزیر محمد خاں، مدینہ منورہ)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جو اپنے خاندان کی ایک معزز خاتون تھیں، ان کے پاکیزہ اخلاق اور شرافتِ نفس کی بنا پر جاہلیت میں ان کو لوگ "طاہرہ" (پاک) کے لقب سے پکارتے تھے، جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم "امین وصادق" کے القاب سے مشہور تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے، اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ کی چچیری بہن بنتی تھیں، نہایت دولتمند تھیں، جب اہلِ مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ودیانت اور پاکیزہ اخلاق کی شہرت سن کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مالِ تجارت لے کر "شام" کو جائیں، جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو دوں گی، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور

مالِ تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے، واپس آنے کے تقریباً تین ماہ بعد سیدہ خدیجہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغامِ نکاح بھیجا جسے آپ نے قبول فرمایا، تاریخ معین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اور رؤسائے خاندان جس میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، خدیجہ طاہرہ کے مکان پر آئے، ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھایا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا، نکاح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ۴۰ سال تھی، نیز سیدہ خدیجہ بیوہ تھیں، پہلے ان کے دو شوہر انتقال کر چکے تھے، جن سے انہیں دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بھی تھیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے ہوئی، سوائے ایک صاحبزادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (۱)

دو مرتبہ نکاح

کیا ایک ہی عورت سے دو بار نکاح کیا جا سکتا ہے، جیسے کوئی شخص یہاں جدہ میں نکاح کرلے، پھر وطن جا کر لوگوں کو دکھانے کے لئے اسی لڑکی سے نکاح کرے تو کیا یہ جائز ہے؟۔

جی نہیں! جب گواہوں کی موجودگی میں شرعی طریقے کے مطابق ایک مرتبہ نکاح ہو گیا، تو اس نکاح کے ٹوٹنے سے پہلے (یعنی نکاح کے برقرار ہوتے ہوئے) دوسری مرتبہ اسی لڑکی سے تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ وطن اور خاندان والوں سے ایک طرح کا دھوکہ بھی ہے، صرف انہیں اطلاع دے دینا یا خوشی و مسرت کے اظہار میں استطاعت کے مطابق دعوت وغیرہ کا اہتمام کرنا کافی ہے۔

---

(۱) السيرة النبوية لابن سعد ۱/۱۳۳-۱۳۵، ط: قاہرہ

بابرکت نکاح

میں دو سال سے یہاں سعودی عرب میں کام کر رہا ہوں، میری ابھی تک شادی نہیں ہوئی، پاکستان میں والد صاحب کے ذمہ کچھ قرض بھی ہے، جس کا وہ مجبوراً سود بھی دیتے ہیں، دوسری طرف میری منگیتر جوان ہے سسرال والوں کا تقاضہ ہے کہ جلد شادی کرو، گھر میں بھائی اور والد کا اصرار ہے کہ تمہاری شادی آخری ہے لہٰذا جلدی نہ کرو، دھوم دھام سے تمہاری شادی ہوگی، میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ والد صاحب کا قرض ادا کروں، یا وطن جا کر شادی کروں، اور شادی بھی والدہ اور بھائی کی مرضی کے مطابق یا کیسی؟ ــــــــ (ایم ابرار، تبوک)

بہتر ہے کہ جلد سے جلد والد صاحب کا قرض ادا کر کے انہیں سود کی لعنت سے بچائیں اور اسی کے ساتھ کوشش کریں کہ نکاح کی سنت بھی ادا ہو جائے جو کہ آج کے اس پرفتن دور میں میاں بیوی کی عفت و عصمت کی بڑی حد تک محافظ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوجوانوں کو جو نکاح کی استطاعت رکھتے ہوں، اور اس کے بعد عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو نبھا سکتے ہوں، ایسے نوجوانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی رغبت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس سے نگاہ نیچی رہتی ہے اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے، اور جو نوجوان اس قابل نہ ہوں، انہیں اپنی خواہشات پر قابو پانے کیلئے کثرت سے روزے رکھنے کا حکم فرمایا[1] ایک دوسری حدیث میں جو شخص نکاح کرلے اسکے بارے میں فرمایا کہ اسنے اپنا آدھا ایمان مکمل کرلیا۔[2]

---

(۱) بخاری: عن عبد الرحمٰن بن یزید: باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم

(۲) حوالہ سابق

شادی جب بھی کریں، شریعت کے مطابق کریں، فضول خرچی اور رسم ورواج سے پرہیز کریں، اسلام نے نکاح کو نہایت آسان بنایا ہے، اور اس نکاح کو بابرکت قرار دیا ہے جس میں مالی تکلیف اور پریشانی کم ہو، مسند احمد کی ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "اتنا ہی زیادہ وہ بابرکت نکاح ہے جس میں مالی تکلیف اور پریشانی جتنی ہی کم ہو" (۱) اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ناجائز کاموں میں (جس میں اللہ ورسول کی نافرمانی ہو) والدین یا کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں، لہٰذا آپ اپنی والدہ اور بھائی کو حکمت ونرمی کے ساتھ شریعت کے مطابق شادی کی مبارک رسم انجام دینے پر آمادہ کریں، اور اس موقع پر ناجائز رسم ورواج کو انجام دے کر گناہ اور اللہ کی ناراضگی نہ مول لیں۔

نومسلم کے لئے تجدیدِ نکاح

ہمارے یہاں ایک غیر مسلم نے اسلام قبول کرلیا، پھر اس نے اپنی بیوی کو بھی مسلمان بنالیا، کیا انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت پڑے گی، ایک صاحب نے کہا کہ جب بیوی نے بھی اسلام قبول کرلیا تو اب دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، کیا یہ بات درست ہے؟۔

(لطیف احمد، السلیل)

میاں بیوی اگر ساتھ ہی مسلمان ہوجائیں تو ان کو دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا پہلا نکاح ہی کافی ہے، چاہے وہ جس مذہب کے مطابق ہوا ہو، ہاں اگر دونوں میں سے کسی ایک نے اسلام قبول کیا تو دوسرے فریق کے سامنے شرعی قاضی اسلام پیش کرے گا اگر وہ قبول کرلے تو ٹھیک ہے، نکاح برقرار رہے گا، تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں، ابن قدامہ

---

(۱) مسند احمد ۶/۸۲

لکھتے ہیں: ان الزوجین اذا اسلما معاً فھما علی النکاح سواء کان قبل الدخول او بعدہ کو لیس بین اھل العلم فی ھذا الاختلاف بحمداللہ۔ (المغنی ۷/۱۱۷) اور اگر انکار کردے تو پھر شرعی قاضی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کردے گا، ردالمحتار میں ہے: اذا اسلم احد الزوجین المجوسیین أو امرأۃ الکتابی عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم فبھا والا بان ابی أو سکت فرق بینھما۔ (درمختار علی ہامش الرد ۲/۳۸۹) علامہ شامی فرق بینھما پر توضیحی نوٹ چڑھاتے ہوئے رقمطراز ہیں: مالم یفرق القاضی فھی زوجتہ (ردالمحتار ۲/۳۸۹) جب تک قاضی شرع کی طرف سے تفریق نہ ہو، دونوں کے درمیان رشتۂ نکاح برقرار رہے گا یعنی حکماً، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں کو اس طرح سے رہنا اور ازدواجی تعلق برقرار رکھنا جائز ہے، بلکہ اختلافِ مذہب کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ازدواجی تعلق برقرار نہیں رہ سکتا تفریق ضروری ہے۔

اگر کوئی عورت اسلام قبول کرے اور وہ دارالحرب سے ہجرت کرکے آئی ہو، یا ایسی جگہ کی رہنے والی ہو جہاں کہ اسلامی نظامِ حکومت اور نظامِ قضا نہیں، تو پھر وہ قبولِ اسلام کے بعد تین حیض تک انتظار کرے گی، اس مدت میں اگر شوہر اسلام قبول کرلے تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے، ایسی صورت میں اس مدت کا گزر جانا ہی تفریقِ نکاح کے قائم مقام ہوگا۔

پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی

کیا آدمی اپنی پہلی بیوی سے اجازت لئے بغیر دوسری شادی کرسکتا ہے؟

جی ہاں! کرسکتا ہے مگر واضح رہے کہ اسلام میں ایک سے زیادہ چار بیویوں تک شادی کرنے کی اجازت اس صورت میں ہے جب آپ ان کے درمیان انصاف اور برابری

کر سکتے ہوں، اور ان سب کے حقوق پورے کر سکتے ہوں، ورنہ قرآن پاک میں صراحتہً ایک ہی بیوی پر اکتفار کرنے کا حکم دیا گیا، اور اس کے ظلم وجور سے دور اور زیادہ قرینِ انصاف قرار دیا گیا۔ (نساء آیت نمبر ۳) نیز احادیث میں اس شخص کے لئے بڑی وعید ہے، جو اپنی بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کرتا، آپؐ نے فرمایا:

اذا کان للرجل امرأتان فمال الی احدھما جاء یوم القیامۃ واحد شقیہ مائل۔ (۱)	اگر آدمی کی دو بیویاں ہوں، اور وہ ایک کی طرف مائل ہو تو وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

ولیمہ سنّت ہے

۱۹۶۶ء میں ہماری شادی ہوئی، اور اس وقت سے یہی ارادہ تھا کہ ولیمہ کریں گے، لیکن سالہا سال گزرے اور تا حال ولیمہ نہ کر سکا، اب رہ رہ کے خیال آرہا ہے کہ ولیمہ کیوں نہ کیا! کیا اب یہ ذمہ داری ادا ہو سکتی ہے؟

(عبدالمجید خاں، المدینۃ المنورۃ)

نکاح کے بعد شب زفاف کے پہلے دن یا دوسرے دن ولیمہ کرنا سنت ہے (۱) اور اگر کسی کے مالی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تو اس پر کچھ گناہ یا کفارہ نہیں ہے، اب ولیمہ کرنے کی ضرورت نہیں، آپ پر یہ کام فرض وضروری نہیں ہے۔

---

(۱) مسند دارمی عن قتادۃ ۲/۱۴۳، باب العدل بین النساء۔

(۲) لا خلاف بین اھل العلم فی ان الولیمۃ سنۃ فی العرس مشروعۃ۔ (المغنی ۷/۲۱۲)

بغیر طلاق کے بیوی سے طویل عرصہ جدائی سے نکاح نہیں ٹوٹتا

دو سال قبل میرا نکاح ہوا، نکاح کے تین ماہ بعد میں بحرین آگیا مزید ایک سال یہاں رہنے کا ارادہ ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو مرد اپنی بیوی کے پاس چھ ماہ تک نہ جائے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(اکبر بھٹی، بحرین)

چھ ماہ یا اس سے زیادہ طویل عرصہ بھی بیوی سے دور رہنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا البتہ بغیر عذرِ شرعی اور شدید مجبوری کے چھ ماہ سے زیادہ بیوی سے دور رہنا جائز نہیں۔ (۱)

نکاح اور پردیس کی دوری

اگر کوئی شخص زیادہ عرصہ تک اپنے بیوی بچوں سے دور رہے تو کیا واپسی کے بعد اپنے نکاح کی تجدید کرنی چاہیئے؟ (حاجی رستم خاں، جدون جدہ)

اسلام میں کسی بھی معاملہ میں نہ تو حد سے زیادہ اضافہ ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کمی، میاں بیوی کے رشتے کا مطلب ہی ایک ساتھ مل کر رہنا ہوتا ہے، شرعاً بلا عذر کوئی بھی مرد اپنی بیوی سے دور نہیں رہ سکتا، یہ زندگی خلافِ فطرت ہے، اور اسلام کسی بھی خلافِ فطرت کام کی اجازت نہیں دیتا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ شوہر اپنی بیوی سے چھ ماہ سے زیادہ عرصہ دور نہ رہے، (۲) شرعی عذر کی بنا پر ایک سال یا دو سال بیوی سے دور رہنا جائز ہے لیکن بغیر عذرِ شرعی کے محض دولت کمانے اور شاندار زندگی بسر کرنے کی دھن میں

---

(۱) غنیۃ الطالبین ۱/۳۳

(۲) حوالہ سابق

جو لوگ اپنی بیوی اور اولاد سے پانچ پانچ سال اور دس دس سال دور رہتے ہیں، ان کی گھریلو زندگی تباہ ہو جاتی ہے، بیوی اور اولاد دونوں بگڑ جاتے ہیں یا اولاد آوارہ ہو جاتی ہے، دونوں طرف کے لوگ (یعنی وہاں بیوی بچے اور یہاں شوہر) ذہنی و نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں، اور یوں محض لالچ دنیا کی خاطر ایک پرسکون اور خوشحال گھرانہ تباہ ہو جاتا ہے لیکن اپنی بیوی سے دور رہنے سے (خواہ یہ عرصہ طویل ہی کیوں نہ ہو) نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور تجدید نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔

نکاح میں وکالت

اگر لڑکا سعودی عرب یا کسی دوسرے ملک میں ہو تو کیا اس کی غیر موجودگی میں کسی لڑکی سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے؟۔

(محمد دوست خاں، جیزان)

اگر لڑکے نے اپنی طرف سے کسی رشتہ دار کو اپنا وکیل مقرر کیا ہو تو یہ وکیل اسکی طرف سے ایجاب و قبول کر سکتا ہے (۱) اسی طرح ٹیلی فون پر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔

دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی سے اجازت

کیا دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟۔

پاکستان میں مروجہ عائلی قوانین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔

(سید احسان الحق، جدہ)

شرعاً شوہر پر یہ بات واجب اور ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسری شادی کے لئے

---

(۱) یصح التوکیل بالنکاح وان لم یحضرہ الشھود۔ (ھندیہ ۱/۲۹۴)

میں پہلی بیوی سے اجازت لے (۱) عائلی قوانین کے بارے میں یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ یہ قوانین اسلامی قوانین نہیں ہیں، کیونکہ عائلی قوانین میں کئی اہم باتیں شریعت کے بالکل خلاف ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

نکاح میں خطبہ

کیا نکاح میں خطبہ فرض ہے، آیا خطبے کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(امتیاز احمد فیصل، بریدہ)

نکاح میں خطبہ فرض نہیں بلکہ مسنون ہے، اور بغیر خطبے کے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، نکاح میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ضروری ہے، خطبہ رکن یا شرطِ نکاح نہیں ہے کہ اس پر نکاح موقوف ہو (۲) لیکن بغیر کسی عذر اور مجبوری کے کسی مسنون عمل کو ترک کرنا بھی صحیح نہیں۔

منکوحہ سے دوبارہ نکاح

کیا بیس بچوں کی ولادت کے بعد ایک منکوحہ عورت پر اپنے شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا لازم ہو جاتا ہے، اسلام میں اس بارے میں کیا حکم ہے؟۔

(خورشید انور، جدہ)

ایک عورت چاہے کتنے ہی بچے جنم دے، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا، لہٰذا اسے اپنے شوہر سے تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں، ایک مرتبہ نکاح

---

(۱) دیکھئے : نساء/۳

(۲) ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ۔ (درمختار علی ہامش الرد ۲/۲۶۲)

ہونے کے بعد وہ اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک شوہر و بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال نہ ہو جائے، یا اس سے پہلے شوہر طلاق دے دے، بیوی خلع لے لے، یا شرعی عدالت سے رجوع ہو کر اپنا نکاح فسخ کروائے۔ نکاح کا تعلق ختم ہونے کی صورت میں اسی شوہر سے ازدواجی تعلق برقرار رکھنے کے لئے از سرِ نو نکاح کی ضرورت پڑتی ہے جس کے تفصیلی احکامات کتاب وسنت اور کتب فقہ میں موجود ہیں۔ آپ نے جو بات لکھی ہے، وہ قرآن وحدیث کی تعلیم کے خلاف ہے، اور شریعتِ محمدیہ میں اس کا کوئی تصور نہیں۔

بیوی سے دوری

اگر کوئی آدمی سفر پر جاتے ہوئے بیوی سے سال بھر کی اجازت لے، پھر مذکورہ مدت گزرنے کے بعد چند مجبوریوں کی بنا پر گھر نہ جا سکے تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ نیز عورت اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں ننگے سر بیٹھ سکتی ہے یا نہیں؟ ——— (گلزار خاں، القصیم)

اگر مجبوری اور عذر کی بنا پر بیوی سے زیادہ عرصے تک دور رہا جائے تو یہ جائز ہے، اور اگر اشد مجبوری نہ ہو تو چھ ماہ سے زیادہ عرصہ رہنا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح عورت اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں ننگے سر بیٹھ سکتی ہے۔

کم عمری میں شادی

ہمارے یہاں علاقوں میں کئی لڑکیوں کی ایک ساتھ یعنی اجتماعی شادی ہوتی ہے، ان میں بعض نابالغ بھی ہوتی ہیں تو کیا اس طرح نکاح درست ہے؟ بسا اوقات دو چار ماہ کی عمر میں بھی شادی کر دی جاتی ہے۔ لڑکے کی طرف سے اس کے والد اور لڑکی کی طرف سے اس کی والدہ نکاح کی رسم پوری

کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب بالغ ہوں گے تو دوبارہ نکاح پڑھا دیں گے لیکن اکثر ایسا ہوتا نہیں، کیا کم عمری میں کیا گیا نکاح معتبر ہے یا نہیں؟

(ذاکر حسین تنور، الرس)

ایک ہی تقریب میں اجتماعی طور پر کئی لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کرنا درست ہے (بشرطیکہ ہر لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول الگ الگ ہو) اسی طرح نکاح کے صحیح ہونے کے لئے بالغ ہونا ضروری نہیں، کم عمری میں بھی لڑکے اور لڑکی کا نکاح ان کے سرپرست یا عزیز واقارب میں سے کسی کی طرف سے ہو سکتا ہے (۱) نیز ایسی صورت میں بالغ ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کی تجدید ضروری نہیں، البتہ بعض صورتوں میں لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد (کم عمری میں دوسروں سے کئے گئے) اس نکاح کو فسخ کرنے اور کالعدم قرار دینے کا حق حاصل رہتا ہے جس کو اصطلاح میں "خیار بلوغ" کہتے ہیں جس کی تفصیلات اور شرائط کتب فقہ میں موجود ہیں۔

شادی سے قبل منگیتر کے ساتھ سفر

کیا منگنی لڑکی منگنی سے پہلے اکٹھے حج یا عمرہ کر سکتے ہیں؟

(ذوالفقار احمد حریری، جدہ)

منگنی سے پہلے یا منگنی کے بعد جب تک دونوں کا نکاح نہیں ہو جاتا، یہ دونوں اکٹھے کہیں سفر نہیں کر سکتے، اور حج وعمرہ بھی نہیں، اس لئے کہ وہ اب تک غیر محرم ہیں اور غیر محرم مرد وعورت کے تنہا ہونے کو آپ نے منع فرمایا ہے۔ (۲)

---

(۱) دیکھئے: معارف القرآن ۲/۲۸۶، ط: دیوبند انڈیا

(۲) بخاری عن ابن عمر ۲/۱۰۴، باب کم اقام النبی ﷺ فی حجتہ

ٹیلی فون کے ذریعے نکاح

ہمارا ایک دوست جو چار سال سے یہاں مقیم ہے، اس نے ابھی حال میں ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کیا ہے جب کہ نہ تو اس نے پہلے لڑکی کو دیکھا تھا اور نہ ہی لڑکی نے اور نہ لڑکی کے والدین نے اس کو دیکھا، کیا یہ نکاح جائز ہے؟ اور کیا ٹیلی فون پر نکاح کیا جاسکتا ہے؟۔

(بشیر احمد، عسفان)

ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایسا شخص ٹیلی فون پر کسی کو نکاح کے معاملے میں اپنی طرف سے وکیل بنادے اور وہ شخص بحیثیتِ وکیل اس کی طرف سے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرے، ٹیلی فون پر براہِ راست ایجاب و قبول درست نہیں، کیونکہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے گواہوں کی موجودگی میں اور ایک ہی مجلس میں ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے، اور ٹیلی فون سے ایجاب وقبول کی صورت میں مجلس بھی مختلف ہوگی اور فریقین کی بات کو گواہ سن بھی نہیں سکتے، بہرحال ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کے صحیح ہونے کی صورت یہ ہے کہ لڑکا یا لڑکی فون پر اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنادے اور وہ شخص بحیثیتِ وکیل کے مجلسِ نکاح میں گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کرے، البتہ گواہوں کا لڑکے اور لڑکی سے واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ ایجاب وقبول میں لڑکے اور لڑکی کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام بھی ذکر کیا جائے تاکہ ان کا تعین اور تعارف ہوسکے۔ (۱)

میاں بیوی کے حقوق

---

(۱) جدید فقہی مسائل ۱/۱۴۹ ط: دھلی

ایک ایسے میاں بیوی جن کی شادی کو ۱۶ سال ہو چکے ہیں، ابتدائی سالوں میں ان کو دو بچے بھی ہوئے پھر ان کا آپس میں کوئی جسمانی رشتہ نہیں رہا حالانکہ وہ دونوں ساتھ رہتے ہیں، شوہر بیوی پر سختی بھی کرتے ہیں، نان نفقہ بھی نہیں دیتے، نہ اپنی اولاد سے محبت ہے اور نہ ان کا خرچ برداشت کرنے کو تیار ہیں، بیوی خود ہی چھوٹا موٹا کام کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا خرچ برداشت کرتی ہے پھر بھی گالی گلوج اور مار پٹائی کا سلسلہ رہتا ہے، گھر میں ساتھ رہتے ہوئے بھی بیوی بچے الگ کمرے میں رہتے ہیں، شوہر کی نظر پڑ جائے تو گالم گفتار تک کی نوبت آجاتی ہے، شوہر نے دو بار طلاق دے کر رجوع بھی کیا ہے، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ اسلام میاں بیوی کے ان تعلقات کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

(عظمت اللہ بیگ، جدہ)

نکاح صرف جنسی اور جسمانی خواہشات کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ تو اسلام کے صاف ستھرے، پاک و شفاف معاشرے میں خیر اور بھلائی کے پھیلاؤ کا ایک ذریعہ بھی ہے، نکاح ہی وہ فطری عمل ہے جو مرد اور عورت دونوں کو ایک طرف برائی و بدکاری سے روکتا ہے جب کہ دوسری طرف انہیں فطری زندگی گزارنے کا موقع عطا کرتا ہے، شادی کے بعد آپس میں مودت و الفت بڑھانا اور گھر کے ماحول کو اور اعتدال و عدل پر قائم دائم رکھنا میاں بیوی دونوں کی ذمہ داری ہے، اولاد کی صحیح تربیت بھی انہی کی ذمہ داری ہے، مرد بیوی بچوں کے نان نفقہ اور تمام خرچ وغیرہ کا ذمہ دار ہے جب کہ بیوی گھر میں رہتے ہوئے گھریلو ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانے کی مکلف ہے۔

آپ نے جن میاں بیوی کے بارے میں پوچھا ہے، حیرت ہے کہ یہ دونوں اپنے گھر کی تباہی پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ کیا یہ دونوں شوہر کی محبت، بیوی کی وفا و خدمت، باپ

کی شفقت اور ماں کی مامتا اور دوسرے جذبات سے بالکل عاری ہیں، ان دونوں کے بڑوں اور مخلص احباب کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان دونوں کو صلح و اعتدال پر آمادہ کریں، خصوصاً شوہر کو اس کی اہم ذمہ داریوں سے ضرور آگاہ کریں اور اسے مجبور کریں کہ وہ بیوی اور اولاد کے حقوق ادا کرے۔ آپ نے جو صورتِ حال بیان کی ہے، وہ شوہر کی طرف سے ظلم و جبر اور زیادتی کی ایک سنگین و مکروہ صورت ہے، اللہ تعالیٰ نے انہی انسانی رشتوں کی حرمت اور حقوق کے بارے میں ڈراتے اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا "اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتوں کے بارے میں۔" (سورۃ النساء آیت نمبر ۱) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو۔" (۱) ایک متفق علیہ حدیث میں ارشاد فرمایا " میں تمہیں عورتوں سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔" (۲) حیرت ہے کہ ۱۶ رسال کے طویل عرصے میں طرفین کے بزرگوں اور دونوں نے صلح و صفائی کی کوشش کیوں نہیں کی؟ بہر حال اب بھی موقع ہے کہ دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق کے بارے میں بتایا اور سمجھایا جائے، خصوصاً شوہر کو اس کی اہم اور حساس ذمہ داریوں کے بارے میں تفصیل سے بات سمجھائی جائے، اللہ کرے کہ اس گھر میں دوبارہ وہی محبت الفت اور صلح و صفائی والا ماحول لوٹ آئے جو شادی کے ابتدائی ایام میں موجود تھا۔

میاں بیوی میں نفاق

میری شادی کو کافی عرصہ ہو گیا، مگر شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جس میں

---

(۱) ابن ماجہ عن ابن عباس باب حسن معاشرۃ النساء کتاب النکاح

(۲) بخاری۔ کتاب النکاح باب الوصاۃ بالنکاح ۷/۲۶

میاں نے لڑائی نہ کی ہو' بغیر کسی وجہ کے معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا شروع کر دیتے ہیں، غصہ حد سے زیادہ ہے' بچوں سے بھی غصہ کرتے ہیں شک بہت زیادہ کرتے ہیں' میاں بیوی میں پیار ومحبت تو ہے ہی نہیں' میں اس مشکل میں کیا کروں؟ ——— (فرزانہ، جدہ)

گھریلو مسائل اور ازدواجی زندگی کے بارے میں شکوے شکایات تو شروع ہی سے موجود رہے ہیں' لیکن میاں بیوی، ساس سسر اور بہو نند وغیرہ کا ایک دوسرے کے حقوق غصب کرنا اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہمارے آباء واجداد اور بزرگوں کے ہاں نہیں تھا' یہ لوگ رواداری' عدل واعتدال' انصاف وبرابری، صبر وتحمل اور اخلاقِ حسنہ سے اپنے تمام مسائل حل کر لیا کرتے تھے' زیادہ بات پھیلتی تو کسی بزرگ شخصیت کو بیچ میں لا کر ان سے اپنی مشکلات سلجھا لیا کرتے تھے' آج عالم یہ ہے کہ ہر گھر ظلم وستم اور جبر ومشقت کا کیمپ بن گیا ہے، گھروں کا سکون برباد ہو گیا ہے' برکت اور سکون ختم ہے' ہر شخص پریشان اور ہر آدمی فکرمند ہے' گھروں خاندانوں اور رشتہ داروں کا یہی جھگڑا وفساد یہ صورت اختیار کر چکا ہے کہ کئی دلہنیں، کئی نوجوان اور کئی خواتین خودکشی پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ہم نے بارہا اپنے دروس اور تحریروں میں ہر شخص سے یہی درخواست کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے' اور اپنے اپنے گھر کے ماحول کو عدل واعتدال' رواداری اور محبت واحترام پر قائم رکھنا چاہیئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارکہ' صحابہ وتابعین اور سلفِ صالحین کی پاکیزہ زندگیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ اور نشانِ منزل کے طور پر موجود ہیں، شوہر کو اپنے والدین کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی اولاد کے حقوق کا خیال بھی رکھنا چاہیئے' اس بارے میں ہمارے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی کافی ہے کہ تم لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے' جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہو (یعنی ان کے ساتھ بہتر سلوک کرے) اور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر ہوں۔ (۱)

---

(۱) ابن ماجہ عن ابن عباس باب حسن معاشرۃ النساء

بیوی کی سستی کا علاج

میری بیوی بہت سست اور کاہل ہے، میری والدہ اور ہماری خدمت بھی نہیں کرتی، میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن بیوی اس پر راضی نہیں، میں اپنی بیوی کو طلاق بھی دینا نہیں چاہتا، آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کوئی مؤمن مرد کسی بھی مومنہ عورت یعنی کوئی مرد اپنی بیوی سے بغض و عداوت نہ رکھے، اگر کسی کی ایک عادت ناپسند ہو تو دوسری پسندیدہ ہوگی"، اگر آپ کی بیوی سست و کاہل ہے تو اس میں دوسری کئی خوبیاں بھی موجود ہیں، جن کا ذکر خود آپ نے اپنے خط میں کیا ہے لیکن اپنی بیوی کی کسی کمزوری اور سستی کا علاج دوسری شادی کرنا یا اسے طلاق دینا نہیں ہے، بلکہ اسے سمجھانا اور اس کی اصلاح کرنا ہے، آپ اپنی بیوی کو سمجھایئے اور اس کی اصلاح کیجئے، کیا آپ اس بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ دوسری بیوی پہلی بیوی سے اچھی اور بہتر ہوگی؟ فی الحال دوسری شادی نہ کیجئے بلکہ اپنی پہلی بیوی کے ساتھ مل جل کر زندگی گزاریئے۔

۱۰ محرم کو نکاح

کیا محرم کے مہینے میں یا یوم عاشورہ (دس محرم) کو شادی کرنا جائز ہے؟ ——— (عبدالجبار تونسوی، مکہ مکرمہ)

محرم کا مہینہ ان مہینوں میں سے ہے جن کو "اشہر حرام" کہا جاتا ہے، یہ حرمت والے

مہینے چار ہیں جیسا کہ سورہ التوبہ آیت نمبر ۳۶ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ حدیث پاک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار مہینوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ چار مہینے یہ ہیں' رجب' ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم (۱) ان مبارک مہینوں میں لڑائی جھگڑے' فساد و خونریزی اور نافرمانی و برائی کے دوسرے کاموں سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

محرم کا مہینہ بھی انہی حرمت والے مہینوں میں سے ہے' صحابہ کرام' تابعین اور سلف امت نے اس مبارک مہینے میں شادیاں بھی کی ہیں' اور خوشی و مسرت کے دوسرے کام بھی کیے ہیں' اس مہینے میں یا دسویں محرم کو شادی کرنا جائز ہے۔

بیوی کی تلخ کلامی پر شوہر کیا کرے؟

جو عورت اپنے شوہر کو ہر بات میں جواب دے' زبان چلائے' شوہر کا کہنا نہ مانے' اور خاص کر ایسے گھر میں جہاں اولاد بھی جوان ہو' لیکن بیوی روزانہ شوہر سے تلخ کلامی اور گالی گلوج کرے تو ایسے شوہر کو کیا کرنا چاہیے؟ ——— (محمد نواز ناصح، جدہ)

ایک اچھی مسلمان بیوی کی نشانی یہ ہے کہ اس سے اس کا شوہر اور دوسرے تمام رشتہ دار خوش رہتے ہیں' اور اسے دعائیں دیتے ہیں، بشرطیکہ یہ شوہر اور یہ رشتہ دار سچے اور پکے مسلمان ہوں' اور خود بھی دوسروں کے حقوق ادا کرنے والے ہوں' اور یوں یہ تمام افراد ایک ہی گھر اور ایک ہی خاندان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے' اور ایک دوسرے کے حقوق و جذبات و احساسات کا خیال کرتے ہوئے اچھا مسلم گھرانہ تعمیر کرتے ہیں لیکن جہاں ایک دوسرے کے حقوق سلب کر لیے جائیں، جہاں ایک دوسرے پر ظلم ہو رہا ہو' جس گھر میں

---

(۱) بخاری عن ابن ابی بکرہ باب قولہ ان عدۃ الشھور عند اللہ الخ کتاب التفسیر

رہنے والے افراد ایک دوسرے کے بارے میں ہمیشہ بدگمان اور بری سوچ رکھتے ہوں، جہاں بات بات پر آئے دن تلخ کلامی اور شور وغل ہوتا ہو، ایسے گھر کے افراد نہ تو اپنے گھر و خاندان کو بچا سکتے ہیں، اور نہ ہی مسلم معاشرے کی کوئی خدمت کر سکتے ہیں۔ شیطان کی روزِ اول سے یہ کوشش رہی ہے کہ معاشرے کے گھروں کے سکون کو تباہ و برباد کیا جائے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرایا ہے اور بار بار تلقین و ترغیب دلائی ہے کہ دیکھو ایک دوسرے پر ظلم مت کرنا، ایک دوسرے سے حسد نہ کرنا، ایک دوسرے کے بارے میں بدگمان نہ رکھنا، اخوت و محبت سے رہنا۔ (۱)

ہر اچھی مسلم خاتون کو یقیناً یہ علم ہوتا ہے کہ اس کی کیا کچھ ذمہ داریاں ہیں؟ اگر اس سے کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو شوہر کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے، اور غلطی کی اصلاح کرنی چاہیے، اسی طرح اگر شوہر سے کبھی کوئی زیادتی ہو جائے تو بیوی تحمل و صبر سے برداشت کرے اور بعد میں کسی موقع پر اپنے شوہر کی اصلاح کرے، ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کر کے اسلامی اصولوں اور احکاماتِ دینیہ پر عمل کر کے کوئی بھی شخص اپنے گھر کو جنت بنا سکتا ہے۔

رخصتی سے قبل بیوی کا نفقہ

تین سال قبل میرا نکاح ہوا تھا، اس کے بعد میں سعودی عرب آگیا، رخصتی باقی ہے، لڑکی ابھی اپنے والدین کے گھر ہے، کیا بیوی کا خرچہ میرے ذمہ ہے؟ لڑکی کے والدین نہایت غریب بھی ہیں، لیکن میرے گھر والے خرچہ دینے نہیں دیتے، اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے گھر آئے گی تب ہمارا

---

(۱) ترمذی: عن انس باب ماجاء فی الحسد ابواب البر والصلۃ

حق ہوگا؟ ——————— (اختر حسین خمیس مشیط)

شادی کے بعد بیوی خود یا اس کے گھر والے رخصتی کرانا نہیں چاہتے تو یقیناً ایسی صورت میں شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب نہیں ہے، لیکن بیوی اور اس کے گھر والے رخصتی چاہتے ہیں اور رکاوٹ شوہر کی طرف سے ہے، تو پھر شوہر کو شرعاً بھی بیوی کا خرچہ دینا ضروری ہے (۱) اپنی ذمہ داری پوری کرنے یا کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے لئے گھر والوں سے اجازت لینا یا انکو اس کی اطلاع دینا ضروری نہیں۔

اولادِ نرینہ کے لئے دوسری شادی

میری تین بچیاں ہیں، جب کہ لڑکا نہیں ہے، میرے چار عدد آپریشن ہوئے اور سارے بچے بڑے آپریشن سے ہوئے، یہ میرا آخری آپریشن ہوگا، میرے شوہر کو گھر والے دوسری شادی کے لئے تنگ کر رہے ہیں، جب کہ میں کہتی ہوں ایک مرتبہ اور دیکھ لوں، مجھے قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی وظیفہ بتائیں جسے میں آسانی سے کرسکوں، اور اللہ تعالیٰ لڑکے سے نواز کر میری مشکل آسان کرے، ورنہ میرا اور میرے بچیوں کا مستقبل خراب ہو جائے گا، میں ایک دکھی بہن ہوں، میری مشکل و پریشانی دور کرنے میں میری مدد کریں۔

(ایک بہن، مکہ مکرمہ)

اولاد کا دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، خود رب کریم نے ارشاد فرمایا کہ وہی جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں

---

(۱) الكبيرة اذا طلبت النفقة وهي لم تزف الى بيت الزوج فلها ذلك اذا لم يطالبها الزوج بالنقلة .... وعليه الفتوىٰ. (هنديه ۱/۵۴۵)

دونوں دیتا ہے اور جس کے لئے نہیں چاہتا اسے کچھ بھی نہیں دیتا، وہی حقیقی اور صحیح علم والا اور قدرت و تقدیر والا ہے۔(الشوریٰ، ۵۰۔۴۹)

آپ اس لحاظ سے کم از کم خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹیاں دی ہیں، آپ ذرا ان سے پوچھیں جن کو اولاد نہیں ہے تو وہ حسرت و افسوس اور تمنا و شوق سے کہیں گے کہ کاش لڑکی ہی مل جاتی اور کاش کہ ایک ہی لڑکی ہو جاتی، انسان کسی بھی حال میں مطمئن اور قانع نہیں ہے، ہر اچھی اور عمدہ چیز کی لالچ و حرص اسے زندگی بھر بے چین کئے رہتا ہے، اگر ہم لوگ ہر حال میں شکر کرنے کی عادت اپنالیں تو کم از کم اپنی زندگی کو ضرور پر سکون اور آرام دہ بنا سکتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" ان لوگوں کو دیکھا کرو جو دنیاوی طور پر تم سے کم درجہ کے ہیں تاکہ تم شکر ادا کر سکو، اگر ان کو دیکھو گے جو تم سے اونچے ہیں تو ناشکری پیدا ہوگی"۔ (۱)

اگرچہ یہ خواہش بھی جائز اور روا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیٹیوں کے بجائے بیٹیا دے، لیکن بیٹے کا ہونا کوئی اتنی بڑی نعمت بے بہا بھی نہیں ہے جیسا کہ ہم لوگوں نے سمجھ لیا ہے، اولاد اگر صالح و نیک ہو تو یہ بیٹیوں یا بیٹوں دونوں صورتوں میں زینت و رونق دنیا اور ذخیرۂ آخرت ہے، اور اگر صالح نہ ہو تو بیٹی بھی عذاب اور بیٹا بھی باعثِ ذلت و رسوائی۔

آپ ہر نماز کے بعد سورۂ آل عمران آیت نمبر ۳۸ میں موجود دعائے زکریا طاق عدد میں پڑھ لیا کریں، اسی طرح سورۂ الانبیاء آیت نمبر ۸۹ بھی طاق عدد میں پڑھیں، اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگتی رہیں، آپ تو خود مکہ مکرمہ میں رہتی ہیں، حرم جا کر خوب دعائیں کریں اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے جو فیصلہ کرتا ہے، بندے کی دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہوتی ہے، سورۂ البقرہ آیت نمبر ۲۱۶ میں ارشاد ہے"ممکن ہے کسی چیز کو تم

---

(۱) مسلم عن ابی ہریرۃؓ کتاب الزھد

ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر سفر

کیا عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنا گھر چھوڑ کر دس پندرہ دن کے لئے کسی دوسرے شہر (رشتہ دار وغیرہ کے یہاں) جا سکتی ہے؟
نیز شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے یا سسرال کی اجازت کافی ہے؟

(شیر خاں، بحرین)

چاہے ایک دن یا اس سے بھی کم وقت کے لئے کہیں جانا ہو تو شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر عورت کے لئے نفل روزہ رکھنے کی بھی شرعاً کوئی گنجائش نہیں تو اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا کیسے جائز ہوگا، اس سلسلے میں شوہر کی اجازت ہی معتبر ہوگی (۱)، ہاں اگر شوہر خود والدین یا گھر کے کسی اور فرد کی اجازت کو کافی سمجھتا ہو اور اسے اپنی طرف سے بھی اجازت تصور کرتا ہو تو الگ بات ہے، نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ دوسرا شہر اگر ۴۸ میل یا اس سے زیادہ دور ہو تو پھر بغیر محرم کے سفر کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ (۲)

بیٹی کی شادی یا فریضۂ حج کی ادائیگی

اگر جوان بیٹی گھر میں ہو تو والدین یا والدین میں سے کوئی ایک حج پر

---

(۱) لیس للمرأة ان تخرج بغیر اذن الزوج (قاضی خاں ۱/۴۴۳، فتح القدیر ۴/۲۰۷)

(۲) تاتارخانیہ ۴/۸۷، بدائع الصنائع ۴/۲۰

آسکتا ہے؟ ——————— (عمر زماں، دمام)

جوان بیٹی کی شادی بجائے خود ایک مستقل ذمہ داری ہے اور حج کرنا اسلام کے اہم بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے' جوان بیٹی کے ہوتے ہوئے اگر کسی پر حج فرض ہے تو اسے پہلی فرصت میں یہ فریضہ ادا کر لینا چاہیئے' حج سے فراغت کے بعد بیٹی کی شادی کا انتظام کر لیا جائے۔

حالتِ حیض میں نکاح

جس طرح حالتِ حیض میں عورت کو طلاق دینا جائز نہیں' اسی طرح کیا حالتِ حیض میں کسی عورت سے نکاح کرنا جائز ہے یا ناجائز؟۔

(محمد سلیم ' بحرین)

حالتِ حیض میں اگرچہ طلاق دینا جائز نہیں مگر کوئی دے دے تو طلاق پڑ جاتی ہے' بہتر یہ ہے کہ شوہر خود رجوع کرے' اور طلاق دینا ہی ہو تو پھر حالت طہر یعنی پاکی کی حالت میں طلاق دے' حالتِ حیض میں عورت سے نکاح جائز ہے' البتہ نکاح کے بعد پاک ہونے تک ہمبستری نہیں کی جاسکتی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لاتقربوھن حتیٰ یطھرن (البقرہ:۲۲۲)۔

پردیس اور ازدواجی زندگی

میں سات سال سے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ جدہ میں رہ رہی ہوں بچے یہاں اسکول میں پڑھ رہے ہوں' اب میرے شوہر کا کہنا ہے کہ چونکہ تنخواہ کم ہے اور اخراجات بڑھ گئے ہیں۔ لہٰذا تم لوگ انڈیا چلے جاؤ' وہیں بچوں کو پڑھاؤ' اگر ہم لوگ انڈیا چلے جاتے ہیں تو میرے شوہر ہر دو سال کے بعد صرف ایک ماہ کے لئے ہمارے پاس آسکیں گے' اور دو سال

ہم سے دور رہیں گے، کیا شرعاً یہ جائز ہے؟۔

میاں بیوی کا آپس کا تعلق، محبت اور الفت اور اکٹھے ایک جگہ رہنا فطری بات ہے اور یہی شریعت نے حکم دیا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں جہاد کے لیئے جانے والوں پر بھی یہ شرط عائد کر رکھی تھی کہ کوئی بھی شخص اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ عرصے تک دور نہیں رہ سکتا، بعد میں ایک ماہ جانے کا سفر اور ایک ماہ لوٹنے کا سفر ملا کر یہ مدت چھ ماہ کر دی گئی تھی، چھ ماہ سے زیادہ کسی شرعی اشد ضرورت کے بغیر شوہر کا اپنی بیوی سے دور رہنا مناسب نہیں۔ (۱)

بیرونِ ملک ملازمت اور ریال کمانا شرعی ضرورت نہیں ہے، اسے حرص و لالچ کہا جائے گا، جو لوگ اپنی بیویوں سے عرصہ دراز تک دور رہتے ہیں، تو خود اور ان کی بیویاں بھی نفسیاتی بیمار بن جاتی ہیں، اولاد احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہے، چونکہ باپ گھر میں موجود نہیں رہتا لہٰذا اولاد جوں جوں عمر کے مراحل طے کرتی ہوئی لڑکپن اور جوانی کی حدود میں داخل ہوتی ہے، ان میں بے ادبی، نافرمانی، بغاوت و سرکشی، جرائم و تخریب کاری اور دوسری اخلاقی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ایسے کئی گھرانوں کو برباد ہوتے ہوئے دیکھا گیا ہے جن کے سرپرست طویل عرصہ اپنے وطن سے دور اور اپنی بیوی بچوں سے دور رہتے ہیں، کئی شوہروں نے اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے جھوٹے خطوط پر اپنی بے گناہ بیوی کو طلاق دے دی اور زندگی بھر کا یہ زخم اور غم اپنے دل سے لگا لیا کہ ایک بے گناہ عورت پر یہ ظلم کیوں کیا؟ اولاد والدین سے باغی ہو کر تخریب کاروں کے گروہوں میں شامل ہو گئی۔

وہ لوگ جو اپنے بیوی بچوں سے سالہا سال دور رہتے ہیں، ان کی اولاد کو ان سے

---

(۱) غنیۃ الطالبین ۱/۱۳۳

وہ انس نہیں ہوتا جو ساتھ رہنے والے والدین اور اولاد میں ہوتا ہے، دو سال قبل کئے گئے ایک اخباری سروے کے مطابق اپنی بیوی بچوں سے دور رہنے والے مردوں کی اکثریت (۸۰ فیصد) نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہے۔

آپ اپنے شوہر کو یہ تمام باتیں سمجھائیے اور روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرنے کی عادت ڈالیئے، سادہ زندگی بسر کیجیئے فضول خرچی اور دوسروں کی نقالی میں اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلایئے، اللہ تعالیٰ سے زندگی مال اور اولاد میں برکت کی دعا مانگتی رہیئے اور جہاں بھی رہیے اکٹھے رہیئے کہ یہی فطری زندگی ہے، اسلام غیر فطری زندگی کو کبھی بھی پسند نہیں کرتا۔

کیا منگنی توڑی جاسکتی ہے؟

ابھی کچھ عرصہ قبل میں چھٹی پر وطن گیا تھا، والدین نے میرے رشتہ کے سلسلے میں کئی لڑکیاں دیکھیں بالآخر ایک لڑکی انہیں پسند آئی، انہوں نے مجھے بھی دکھایا، میں نے والدہ سے کہا کہ اگر آپ کو لڑکی پسند ہے تو میں بھی اس پر راضی ہوں، پھر جلد ہی منگنی کی تاریخ طے کر دی گئی، منگنی سے دو تین دن قبل کچھ لوگوں نے مجھے وہم میں ڈال دیا کہ لڑکی سانولی ہے اور لمبی ہے وغیرہ بالآخر منگنی ہو گئی لیکن آج تک اس مسئلہ پر بے چینی محسوس کرتا ہوں، سوچتا ہوں کہ ابھی یہ حالت ہے، اگر نکاح کر دوں گا تو ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو جاؤں گا، اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ منگنی توڑ دوں کیا شرعاً مجھے اس کا کوئی کفارہ دینا پڑے گا؟ امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں گے۔ ——— (س، القطیف)

سب سے پہلی بات آپ یہ سمجھ لیں کہ اگرچہ شریعت میں اس بات کی اجازت اور گنجائش موجود ہے کہ اگر لڑکا چاہے تو وہ شادی سے قبل لڑکی کو دیکھ لے (یعنی منگنی یا نکاح سے قبل)

جیسا کہ مختلف احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے لیکن یہ عام قاعدہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام کی اکثریت نے کبھی بھی شادی سے قبل ہونیوالی بیوی کو نہیں دیکھا، نہ کسی نے اس بات کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی ایسا ہوا، یہاں ہم اس بات کی وضاحت کر دیں کہ جس معاشرے میں یا کسی خاندان میں اولاد کی طرف سے والدین کی پسند کے رشتے نہیں کئے جاتے تو ایسے حالات میں والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اولاد کی مرضی اور پسند کے خلاف کوئی رشتہ طے نہ کریں تاکہ بعد میں ہونے والے گھریلو اختلافات اور خاندانی انتشار سے بچا جاسکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ منگنی اور نکاح کوئی کھیل مذاق نہیں ہے کہ اسے بار بار باندھا جائے اور توڑا جائے کہ یہاں تو دوسروں کے جذبات و احساسات ہی نہیں بلکہ مستقبل زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے، لہٰذا منگنی توڑنے سے قبل آپ اچھی طرح سے سوچ لیں، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو آپ اس منگنی کو توڑ سکتے ہیں، شرعاً آپ کے لئے یہ جائز ہے اور اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں لیکن چونکہ آپ نے اپنے والدین سے یہ کہہ دیا تھا کہ ان کی پسند آپ کی پسند ہے، لہٰذا کسی دوست کے بہکاوے میں آکر یہ اقدام نہ کریں، اور جہاں منگنی ہوئی ہے وہیں شادی کر لیں، عموماً ہم مرد لوگ اپنی ہونے والی بیوی کے معاملے میں تو ھزار خوبیاں تلاش کرتے ہیں کہ حسن و جمال بھی ہو، سیرت و صورت بھی بے مثال ہو، مالدار و اچھا گھرانہ بھی ہو اور نجانے کیا کچھ ہو لیکن کیا ہم نے کبھی اپنی شکل و صورت، اپنی سیرت اور اپنے خاندان کے بارے میں بھی سوچا ہے کہ ہم کیا ہیں؟ حور صفت بیوی تلاش کرنے والے کو خود بھی تو یوسف ثانی ہونا چاہیے، یہ کیا بات ہوئی کہ بیوی تلاش کی جائے ملکہ حسن کی مانند اور اپنا عالم یہ ہو کہ آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے بھی شرم آئے۔

اس وقت معاشرتی مسائل میں کثرت طلاق اور لڑکیوں کا وقت پر نکاح نہ ہونا اہم خطرناک مسائل ہیں، جن کے فوری حل کی ضرورت ہے، ہر ایک شخص اگر پری صفت اور مثل

جو لڑکی تلاش کرنے لگے تو باقی بچیاں کہاں جائیں؟ بات بات پر طلاق ہونے لگے تو گھروں کا سکون کیسے باقی رہے؟ آپ نے لڑکی کے سانولی رنگت ہونے کے وہم کا ذکر کیا ہے تو کیا یہ ایسا عیب ہے جس کی وجہ سے منگنی توڑ دی جائے؟ ممکن ہے یہی سانولی رنگت والی لڑکی آپ کو اتنا پیار دے، اور آپ کی اتنی خدمت کرے کہ آپ اپنی قسمت پر رشک کرنے لگیں، قرآن نے تو ہم سے یہی بات کہی ہے جب یہ فرمایا "کبھی تم ایک بات کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہوتی ہے، اور کبھی تم ایک بات کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوتی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔ (البقرہ آیت نمبر ۲۱۶)

ولیمہ کی شرعی حیثیت

ولیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر کوئی شخص ہنگامی حالت میں شادی کرے، اور مالی پریشانیوں کی وجہ سے ولیمہ نہ کرسکے، تو کیا وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ولیمہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ ——— (خورشید انور، جدہ)

ولیمہ کرنا مسنون عمل ہے، اور یہ ہر شخص کے لئے سنت ہے (۱) اگر کسی کی استطاعت نہیں ہے تو کم از کم درجے میں چند دوستوں ہی کو بلا کر اس سنت پر عمل کرلے لیکن اسے ترک نہ کرے، شب زفاف گزارنے والے دن یا دوسرے دن ولیمہ کرنا سنت ہے جیسا کہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے (۲) اگر یہ وقت گزر جائے، اور کسی وجہ سے ولیمہ نہ کیا گیا ہو تو اب عام کسی وقت میں ولیمہ کرنا مسنون نہیں، اگر احباب و رشتہ داروں کو کھانا کھلایا جائے تو یہ عام دعوت ہوگی نہ کہ ولیمہ، اور اگر فقراء و مساکین کا کھانا ہو تو اسے صدقہ کہا جائے گا۔

---

(۱) لا خلاف بین اھل العلم فی ان الولیمة سنة فی العرس مشروعة۔ (المغنی ۷/۲۱۲)

(۲) کتاب الاطعمة باب فی کم تستحب الولیمة ۲/۵۲۶

شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے رشتہ داروں کی مدد کرنا

ہمارے کچھ رشتہ دار غریب اور نادار ہیں، میں ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں لیکن ہمارے گھر (شوہر کے گھر) والے صرف اپنی جان پہچان کے لوگوں میں یہ رقم مدد کے طور پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں، کیا میں ان سے چھپا کر یہ رقم ان غریبوں کو دے سکتی ہوں؟ ——— (ش، ھ الباحہ)

آپ کے سسرال والے جن لوگوں کو یہ رقم دینا چاہتے ہیں (جو کہ زکوٰۃ کی رقم ہے) اگر یہ لوگ واقعی مستحق ہیں تو ان کا یہ عمل جائز ہے، البتہ آپ انہیں رشتہ داروں اور قریبی لوگوں کی مدد کی طرف کر سکتی ہیں کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ وصدقہ اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرتا ہے، اور ان کی مدد وخدمت کرتا ہے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے، ایک اجر صدقہ کرنے کا اور دوسرا اجر صلہ رحمی کا۔ (۱)

شوہر یا سسرال والوں کی اجازت کے بغیر آپ ان کی یہ رقم چھپا کر خرچ نہیں کر سکتیں، البتہ آپ کے اپنے مال میں سے جتنی آپ کی استطاعت ہے اتنا خرچ کر سکتی ہیں۔

زنا سنگین جرم ہے

زنا کبیرہ گناہ ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کافر کے ساتھ زنا کر کے آدمی نہانے کے بعد پاک ہو جاتا ہے مگر کفار میں بھنگی، چمار وغیرہ سے زنا کے بعد آدمی پاک نہیں ہوتا اور ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) یجوز الدفع الیہم وھو اولی المافیہ من الصلۃ مع الصدقۃ

(فتح القدیر: ۲/۲۰۹)

زنا کبیرہ گناہ ہے اور یہ معاشرے میں فساد و بگاڑ کا اہم سبب ہے، زنا کی وجہ سے زانی اللہ تعالیٰ کی لعنت اور عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے، زنا انسانی شرافت و عفت کے نظام پر بدنما داغ ہے، جسے صرف اخلاص و صدق دل کی توبہ ہی دور کر سکتی ہے۔ زنا حرام ہے خواہ یہ جرم کوئی مسلمان مرد کسی غیر مسلم عورت کے ساتھ کرے یا مسلمان عورت کے ساتھ ہر حال میں یہ جرم سنگین جرم ہے۔

شوہر و بیوی کے مزاج میں ہم آہنگی

چند سال قبل میری شادی ہوئی، مگر مجھ میں اور میری بیوی کے خیالات میں ہم آہنگی نہیں، پھر میں قدرے دینی رجحان کی طرف مائل اور میری بیوی قدرے ماڈرن، چنانچہ وہ اکثر میری نافرمانی کرتی ہے، بیوی کو شوہر کی مرضی کا تابع ہونا چاہیئے کہ نہیں؟ اور شوہر کو کہاں تک بیوی کی مرضی کو قبول کرنا چاہیئے؟ ——— (ایک سائل، مدینہ منورہ)

ہر مسلمان نوجوان کو اپنی شادی سے قبل اپنی ہونے والی بیوی اور اس کے خاندان کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لینی چاہئیں تاکہ شادی کے بعد کوئی تنازع و اختلاف نہ کھڑا ہو، اگر شادی ہو گئی ہے اور شادی کے بعد میاں بیوی کے مزاج میں ملاپ اور محبت و نہیں ہے تو اس کا علاج بھی دین میں موجود ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں، ایک دوسرے کی خاطر اور اپنے مستقبل کی خاطر مزاج میں تحمل، صبر و قناعت اور رواداری پیدا کریں، ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمی، عیب اور کمزوری ضرور ہوتی ہے، اگر ہم میں سے ہر ایک اپنے عیوب و نقائص پر نظر ڈالے اور اپنی اصلاح کی فکر کرے تو ہمارے سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے، اب چونکہ آپ کی شادی ہو گئی ہے، لہٰذا آپ اس رشتے کو نبھائیے اور نرمی و حکمت سے گاہے بگاہے اپنی بیوی کو نصیحت کرتے رہیئے، اچھی دینی

کتابیں اور دینی کیسٹ سے بھی بعض اوقات بات سمجھ میں آجاتی ہے، اسی طرح اچھے دیندار لوگوں کے ہاں آنے سے سے بھی اصلاح ہوتی ہے۔

سالی سے زنا کا اثر

کیا سالی سے ناجائز تعلق سے اس کی بہن (یعنی بیوی) سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ اور کیا کسی کبیرہ گناہ سے (چاہے مرد کرے یا عورت) نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ ———— (ایک قاری، جدہ)

زنا کبیرہ گناہوں میں بھی بدترین گناہ ہے، جس کی سزا شریعت نے سو کوڑے اور بعض صورتوں میں رجم (یعنی پتھروں سے مار کر ہلاک کرنا) مقرر کی ہے، جرم ثابت ہو جائے تو اسلامی حکومت میں زانی و زانیہ پر "حد شرعی" (شرعی سزا) نافذ کی جائے گی، لیکن دوسرے کبیرہ گناہوں کی طرح اس کبیرہ گناہ سے بھی (بیوی سے) اس شخص کا نکاح نہیں ٹوٹتا، میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے یا کسی کلمہ کفر کے بکنے کی وجہ سے کافر ہو جائیں تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، ورنہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کریں تو اس سے ان کا نکاح نہیں ٹوٹتا۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنی ساس سے جنسی تلذذ کرے کہ اس صورت میں بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے

اگر بیوی بدچلن ہو

اگر کوئی عورت بدچلن ہے اور اس نے اپنے شوہر کے سامنے حلفیہ طور پر کہا کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کر چکی ہے، پھر بھی شوہر نے اسے اپنی آنکھوں سے گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیا تو کیا شوہر اسے قتل کر سکتا ہے؟

(باؤ اعجاز، مدینہ منورہ)

اگر شوہر اپنی بیوی کو کسی اور کے ساتھ بری حالت میں دیکھ لے یا اسے یقین ہو کر

واقعی عورت بدچلن ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع دے لیکن ایسی حالت میں اپنی بیوی کو دیکھ کر خود اسے قتل کرنا شرعاً جائز نہیں، یہ تو شرعی عدالت کا کام ہے کہ وہ کسی بھی مجرم کو شرعی سزا دے، لوگوں کو اگر اس طرح سے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی اجازت مل جائے تو نہ جانے کتنے لوگ مارے جائیں۔

شریعت نے ایسے مرد سے چار گواہ طلب کئے ہیں، جیسا کہ سورۂ نور کی ابتدائی آیات میں یہ مسئلہ "لعان" تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، متفق علیہ حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلے کی بابت حکیمانہ و مربیانہ انداز سے فرمایا "اے امت محمد! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اور غیرت والا نہیں ہے، اس کو بڑی غیرت آتی ہے جب وہ اپنے کسی بندے یا کسی بندی کو حرام کاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔" (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کو حرام کاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے، پھر بھی ان کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اس موقع پر سزا نہیں دیتا، توبہ کرنے کا موقع دیتا ہے، اسی طرح بندے کو بھی غیرت میں آکر خود کسی کو سزا نہیں دینی چاہیئے، بلکہ مجرم کو شرعی عدالت کے ذریعے شرعی سزا دلوائے، فقہاء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شرعی حدود نافذ کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، کوئی فرد اپنی طرف سے کسی کو بھی شرعی سزا دینے کا مجاز نہیں۔ (۲)

آپ نے غور و فکر نہیں کیا کہ کتنے انسان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں زندگی، عافیت، رزق اور دوسری تمام نعمتیں دیتا رہتا ہے، اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب زمین پر بسنے والا کمزور انسان اپنے ساتھ اپنی ہی طرح کے دوسرے انسان کو ایک خاص رشتے میں شریک کے طور پر برداشت

---

(۱) بخاری: باب الصدقۃ فی الکسوف

(۲) بدائع الصنائع: ۵۷/۷

نہیں کرتا تو احکم الحاکمین اور خالق و مالک کیسے اپنے ساتھ مخلوق میں سے کسی کو شریک برداشت کرے۔

ثبوتِ زنا میں میڈیکل رپورٹ

اسلام میں سب سے اذیت ناک سزا زانی اور زانیہ کے لئے ہے، بشرطیکہ چار گواہ چشم دید ہوں، مگر عورت اور مرد جب رضامندی سے زنا کریں گے تو ظاہر ہے چوری چھپے کریں گے، گواہ تو پاس نہیں کھڑے کریں گے، لہٰذا اتنا بدترین جرم کرنے کے بعد بھی سزا سے بچ جائیں گے، تو کیا اس سلسلے میں میڈیکل سائنس سے مدد لی جاسکتی ہے؟

(ایک قاری، جدہ)

حدودِ شرعی کا نفاذ اسلامی حکومت میں حاکم یا شرعی قاضی ہی کر سکتا ہے، کسی اور کو اس کا اختیار نہیں کہ وہ خود کسی پر شرعی حد قائم کرے، نیز شرعی حد کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ جرم مکمل طور پر ثابت ہو جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مجرم خود قاضی کے سامنے جرم کا اقرار کرلے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ گواہوں کے ذریعے جرم ثابت کیا جائے، ثبوتِ زنا کے لئے چار گواہ ہونا ضروری ہے، ثبوتِ جرم کے سلسلے میں اگر کچھ بھی شبہ پیدا ہو جائے تو حدِ شرعی" ساقط ہو جاتی ہے لیکن قیاس و قرائن کی بناء پر قاضی "تعزیری سزا" دے سکتا ہے، جو حالات اور زمانہ نیز مجرم اور اس کے جرم کے لحاظ سے حدِ شرعی کے قریب قریب بھی ہو سکتی ہے، یا اس کے علاوہ کوئی اور سزا قید و بند اور جرمانہ وغیرہ کی صورت میں بھی قاضی دے سکتا ہے، چنانچہ حدِ زنا کے سلسلے میں بھی زانی و زانیہ اپنے جرم کا اقرار نہ کریں اور چار گواہ بھی موجود نہ ہوں تو ان پر میڈیکل رپورٹ کی بناء پر شرعی حد نافذ نہیں کی جاسکتی، البتہ تعزیری طور پر کوئی اور سزا دی جاسکتی ہے، جو قاضی کی صوابدید پر ہے، مثلاً انہیں سال دو سال کے

لئے قید کر دیا جائے، یا مالی تاوان اور جرمانہ ان پر عائد کیا جائے، یا شہر بدر کر دیا جائے وغیرہ

شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا

کیا بلا اجازت شوہر درسِ قرآن کی کسی محفل میں جانا جائز ہے؟۔

(ایک بہن، جدہ)

شوہر کو چاہیئے کہ وہ نیکی کے کاموں میں اپنی بیوی کا تعاون کرے، درسِ قرآن اور دوسری دینی جائز تقریبات میں جانے سے اگر بیوی اور اہل وعیال کی اصلاح و تربیت ہو رہی ہے تو شوہر کو تعاونِ خیر پر یقیناً اجر و ثواب ملے گا، لہٰذا شوہر کو چاہیئے کہ وہ اپنی بیوی کو درسِ قرآن میں جانے سے نہ روکے، اگر شوہر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو درسِ قرآن یا کسی دوسری دینی تقریب میں جانے سے روکتا ہے، تو بیوی کے لئے بلا اجازتِ شوہر گھر سے نکلنا شرعاً ناجائز ہے، اگر بیوی بلا اجازتِ شوہر کے گھر سے باہر نکلے گی تو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے گی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دوسری شادی سے روکنے کی وجہ

اسلام میں ایک مرد کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، لیکن کیا یہ بات کوئی بھی شخص پسند کرتا ہے کہ اسکی بہن یا اس کی بیٹی پر دوسری سوکن لائی جائے، پھر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ہم نے ایک عالمِ دین سے سنا کہ ایک موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب دوسری شادی کرنی چاہی تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع کیا، آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(نزہت آصف جاہ، حائل)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان مرد کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت

ہے لیکن یہ اجازت عدل، اعتدال، انصاف اور برابری کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے، اگر کوئی شخص اپنے آپ کو ان امور کے بارے میں کمزور اور کم ہمت پاتا ہے تو اسے دوسری شادی نہیں کرنی چاہیئے، آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی بہن یا بیٹی پر دوسری سوکن کو پسند نہیں کرتا، یہ بالکل درست ہے، اس لیئے کہ کوئی بھی شخص اپنی بیٹی یا بہن پر ظلم و زیادتی اور اس کے حقوق کا غصب کرنا پسند نہیں کرتا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسری شادی سے چند وجوہات کی بنا پر منع فرمایا، ایک وجہ تو وہ فطری محبت ہے جو ہر باپ کے دل میں اپنی بیٹی کے لیئے ہوتی ہے، اس سلسلے میں جو روایات کتبِ احادیث میں نقل کی گئی ہیں، ان میں ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارک موجود ہیں کہ "ہشام بن المغیرہ" نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی علی کو بیاہ دیں، میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا، پھر میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا، پھر میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا، البتہ ابوطالب کا بیٹا (علی) چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کرے، میری بیٹی میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، جس کام (یا شخص) سے وہ خوش ہو میں اس سے خوش ہوتا ہوں، جس کام (یا شخص) سے وہ ناراض ہو میں ناراض ہو جاتا ہوں۔" (۱) یہ حدیث شفقت پدری اور اس خاص محبت کا کھلا اظہار ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس بیٹی سے تھی، اسی لیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سخت ناپسند فرمایا۔

دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جس عورت کو اپنے گھر دوسری بیوی بنا کر لانا چاہتے تھے، وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کی بیٹی تھی، اسی لیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت نے اس بات کو برداشت نہ کیا، اس بارے میں دوسری حدیث کے

---

(۱) بخاری ۵/۵، کتاب المناقب ط: بیروت۔

الفاظ یہ ہیں " فاطمہ مجھ سے ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے سخت آزمائش سے دوچار نہ ہونا پڑے میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا، لیکن اللہ کی قسم ایک شخص کے گھر میں اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی اکٹھے ہو کر نہیں رہ سکتیں" (۱) یہ حدیث صاف صاف وضاحت کر رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو اسلئے ناپسند فرمایا کہ وہ جس خاندان کی عورت سے شادی کرنا چاہتے تھے، یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے۔

بیمار بیوی سے وظیفۂ زوجیت پر اصرار

ہماری شادی کو چند سال کا عرصہ ہو گیا ہے، ماشاء اللہ کئی بچے ہیں، اب میری صحت کمزور ہو گئی ہے، کئی بار آپریشن کے ذریعہ بچوں کی ولادت ہوئی، شوہر کی تنخواہ اتنی زیادہ نہیں ہے کہ ہم کوئی ملازمہ رکھ سکیں، گھر کے سارے کام کاج میں خود ہی انجام دیتی ہوں، چونکہ میرے شوہر آپ کے درس میں باقاعدگی سے حاضری دیتے ہیں، اور "اردو نیوز" میں آپ کے جوابات بھی پڑھتے ہیں، اس لئے میں اپنا یہ گھریلو مگر حساس مسئلہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں، میرے شوہر وظیفۂ زوجیت پر شدید اصرار کرتے ہیں، جب کہ میری صحت اور میری موجودہ حالت اس بات کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی، میں دبے الفاظ میں کئی بار شوہر کو سمجھا چکی ہوں لیکن وہ اسے اپنا شرعی حق سمجھتے ہیں، آپ نے اپنے درس میں ایک بار اشارۃً یہ مسئلہ بیان کیا تھا، لیکن چونکہ وضاحت

---

(۱) مسلم عن علی بن الحسین، باب من فضائل فاطمۃ، ابواب المناقب

نہیں کی تھی، اس لئے میرے شوہر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو جوڑے جوڑے اس لئے بنایا تاکہ یہ ایک دوسرے کے آرام و سکون کا باعث بنیں جیسا کہ قرآن میں خود اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے (سورۃ نساء آیت نمبر ا، سورۃ روم آیت نمبر ۲۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو مستقل سنت قرار دیا، قرآن نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کی ضرورت بلکہ ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ (البقرہ آیت نمبر ۱۸۷)۔

شریعتِ اسلامیہ نے دونوں کے کچھ حقوق مقرر کئے ہیں تاکہ توازن برقرار رہے اور دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے، فرمایا "اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو" (جس کے نام پر تمہارے رشتے قائم ہوتے ہیں) النساء آیت نمبر ا۔

اگرچہ شوہر (مرد) کے اختیارات اور درجات بلند اور زیادہ ہیں لیکن یہ محض اس وجہ سے نہیں ہیں کہ وہ صرف مرد ہے بلکہ اس کی ذمہ داریوں کے پیشِ نظر اس کا درجہ اونچا رکھا گیا ہے، اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ مرد اپنے ان حقوق کا ناجائز استعمال کرے اور عورت پر ظلم کرے، میاں بیوی کے آپس کے "خاص" تعلقات بھی کچھ اسی نوعیت کے ہیں کہ اس بارے میں دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت کا احساس ہونا چاہیے کسی ایک طرف سے جبر و زبردستی گھریلو تعلقات میں بگاڑ کا سبب بن سکتی ہے۔

شوہر اور بیوی دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں، ان دونوں میں سے جو بھی حد سے تجاوز کرے گا وہ ظالم کہلایا جائے گا کہ زیادتی اور تجاوز ظلم ہی کی ایک قسم ہے، وظیفہ زوجیت شرعی حق بلکہ اس کی ضرورت ہے لیکن اس حق کے استعمال کے کچھ آداب اور قیود ہیں، جن کا خیال رکھنا ضروری ہے نکاح کے فوائد اور حکمتوں کا ایک بڑا فائدہ اور حکمت یہ بھی ہے کہ نکاح کی وجہ سے انسان کئی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور معاشرے میں فساد و تخریب

کا باعث نہیں بنتا، اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے تعاون نہیں کرتے تو اس بات کا اندیشہ وخطرہ ہے کہ شیطان اس معاملہ کو بگاڑ دے یا کم از کم شیطان کو مداخلت کا موقع مل جائے۔

لیکن دوسرے امور کی طرح اس بارے میں بھی اعتدال ضروری ہے اور حد سے تجاوز کرنا نقصان دہ ہے خیر الامور اوسطھا ہر معاملہ میں میانہ روی اچھی و بہتر ہے، خواتین کے مخصوص ایام اور ولادتِ مولود کے ایام اور اسی طرح اگر بیوی بیمار ہے تب بھی یہ شرعی حق استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے اپنے سوال اور طویل خط میں اپنی بیماری کا ذکر بھی کیا ہے، اس بارے میں علماء وفقہاء نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیماری کی صورت میں مرد اپنی بیوی کو قربت پر مجبور نہیں کرسکتا (۱)، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ ظالم ہے، بیوی ایسے شوہر کے خلاف شرعی عدالت میں جاکر شکایت کرسکتی ہے، آپ کے شوہر کا اس بارے میں یہ کہنا کہ یہ ان کا شرعی حق ہے بالکل غلط بات ہے، یہ شرعی حق نہیں جنسی آوارگی ہے، اگر وہ آپ کو بیماری کی حالت میں بھی معاف نہیں کرتے تو یہ صریحاً ظلم وزیادتی ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا حل جو کہ ظاہری اعتبار سے مشکل اور تکلیف دہ ہے، یہ ہے کہ آپ کے شوہر دوسری شادی کرلیں، اگر وہ دو بیویوں کے درمیان عدل قائم رکھ سکتے ہیں، اور حالات کا تقاضہ ہے تو آپ انہیں دوسری شادی کی اجازت دے دیں۔

آپ کے شوہر چونکہ "اپنے حقِ شرعی" کا بار بار حوالہ دیتے ہیں، اس لئے انکی صحیح رہنمائی اور فائدے کے لئے متعدد شرعی حوالے دیئے جاتے ہیں۔

مثلاً امام ابن حزم الظاہری نے لکھا ہے کہ "اگر عورت مخصوص ایام سے ہے، یا بیمار ہے تو وہ اپنے شوہر کا یہ حکم نہ مانے" (۲)، ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی نے اپنی کتاب الفقہ الاسلامی میں

---

(۱) المغنی ۷/۲۲۶

(۲) المحلی ۹/۲۳۱

اور ڈاکٹر زیدان نے اپنی مشہور کتاب المفصل فی احکام المرأۃ میں لکھا ہے کہ بیوی شوہر کے اس حکم کو رد نہیں کر سکتی، سوائے اس صورت کے کہ اس فعل سے بیوی کو سخت تکلیف اور ضرر کا اندیشہ ہو کیونکہ بیوی کو ضرر پہونچانا حرام ہے۔ (۱)

آپ کے شوہر سے آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس بات کی کوشش کریں کہ رات کی عبادت میں کثرت اور خشوع و خضوع پیدا ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین میں سے کتنے ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں لیکن کسی کے بارے میں یہ بات ثابت نہیں کہ ان کا طرز عمل ایسا ہو، وہ لوگ توراتوں کو کم سوتے تھے اور اکثر حصہ شب نوافل و تلاوت اور استغفار میں گزارتے تھے، رات کا قیام (یعنی تہجد) اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ عبادت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو محبوب تر ہے، آپ راتوں کو کثرت سے عبادت کیجیے اور اپنے تمام کاموں میں میانہ روی اختیار کیجیے کہ ؎

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

خود لذتی حرام ہے

کئی لوگ ایسے ہیں کہ وطن سے دور رہنے کی بناء پر اپنی نفسانی خواہشات کو کم کرنے کے لئے اپنے ہی ہاتھوں سے تلذذ حاصل کرتے ہیں، کیا شرعاً یہ فعل جائز ہے؟ ایک صاحب نے اس پر اصرار کرتے ہوئے کہا کہ زنا حرام ہے لیکن خود لذتی جائز ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟

(عبداللطیف کمپا، نجران۔ محمد خالد احمد، حفر الباطن)

---

(۱) المفصل فی احکام المرأۃ، للدکتور عبدالکریم الزیدان

جس طرح انسان کے لئے کھانا پینا اور دوسری ضروریاتِ زندگی لازم و ملزوم ہیں، اور انسان ان کو جائز و مباح اور حلال طریقے سے پورا کرتا ہے، بالکل ویسے ہی جنسی خواہشات ہیں کہ ان کو بھی حلال و جائز طریقے سے پورا کرنا ضروری ہے، نکاح کے بے شمار فوائد میں ایک بڑا فائدہ بلکہ ہدفِ اول یہی ہے کہ مسلمان بالغ مرد اور عورت بلوغت کے بعد کسی بھی قسم کی بے راہ روی اور فساد و بگاڑ میں نہ پڑیں، اس کا بہترین علاج و طریقہ نکاح ہے، اسی حکمت کے پیشِ نظر اسلام نے نکاح اور اس سے متعلق تمام امور کو آسانی اور اچھے طریقے سے طے کرنے کا حکم دیا ہے، اسلام ہی یہ حکم دیتا ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو فوراً شادی کر لینی چاہیئے تاکہ معاشرہ میں امن و سکون برقرار رہے، یہ ذمہ داری والدین کی ہے کہ وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے رشتے فوراً آسان طریقے سے طے کردیں، اور دنیاوی رسم و رواج یا دوسری کسی مصلحت کی وجہ سے اس میں تاخیر نہ کریں۔

وہ نوجوان جو اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے، ان کے لئے طریقۂ علاج بلکہ احتیاطی تدابیر سب سے اہم چیز نگاہوں کی حفاظت ہے، نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس سے وہ شکار کرتا ہے۔ دوسری اہم تدبیر یہ ہے کہ غیر شادی شدہ نوجوانوں کو اگر ڈر ہو کہ کہیں وہ کسی حرام کاری میں مبتلا نہ ہو جائیں، تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلسل نفلی روزے رکھیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کر سکتا ہو تو وہ شادی کر لے، کہ یہ نگاہوں اور شرمگاہ (دونوں) کی، حفاظت کے لئے بہترین چیز ہے، جو اسکی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ، وہ روزے رکھے، یہ اس کے لئے ڈھال ہے۔" (۱)

وہ لوگ جو شادی شدہ ہیں، مگر اپنی بیویوں سے دور ہیں، ان کے لئے بھی یہی

(۱) ترمذی عن ابن مسعود، اوائل ابواب النکاح۔

علاج مناسب اور درست ہے کہ وہ نفلی روزے رکھیں کہ روزہ ڈھال ہے۔ خود لذتی کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ عمل بھی کبیرہ گناہ ہے (۱) جہاں ایک طرف شرعی طور پر یہ کبیرہ گناہ ہے، وہیں طبی اصول کے تحت بھی یہ عمل مرد کے لئے نقصان دہ ہے کہ اس سے قوت ضائع ہو جاتی ہے اور بالآخر ختم ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ دوسری کئی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کام سے سختی سے پرہیز کیا جائے، اگر کوئی شخص زنا سے بچنے کی خاطر یہ عمل کرتا ہے تو بعض علماء نے غلبۂ شہوت کی ایسی حالت میں اس عمل کو جائز قرار دیا ہے کہ ایسا کرنے سے وقتی طور پر بڑے گناہ سے انسان بچ جاتا ہے لیکن یہ عمل بہر حال ناپسندیدہ اور نامناسب ضرور ہے۔

شوہر کا نام لینا

کیا عورت اپنے شوہر کو نام لے کر پکار سکتی ہے، یا کسی محفل میں دوسروں کے سامنے اس کا نام لینا جائز ہے؟

شوہر چونکہ رتبہ اور مرتبہ میں بیوی سے بڑا ہوتا ہے، اور اکثر و بیشتر عمر میں بھی، اس لئے شوہر کا نام لے کر پکارنا خلافِ ادب ہے، البتہ کسی محفل میں یا کہیں بھی شوہر کا نام لینے کی ضرورت پڑے تو اس کا نام لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ (۲)

کیا بچے کو ماں کا دودھ پلانا ضروری ہے؟

کیا عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچے کو دو سال تک دودھ

---

(۱) کنز الاعمال ۱۹۴/۸

(۲) در مختار مع الرد ۴۰۷/۶، ط: بیروت

پلائے؟ ــــــــــــــــــــ (۱)

سورۃ بقرہ کی آیت ۲۳۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں"۔ (۱) لیکن کسی عذر یا کسی دوسری مجبوری کی وجہ سے اگر کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاتی یا دو سال تک اپنا دودھ نہیں پلاسکتی، تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے لیکن بلا کسی وجہ اور ضرورت کے اپنے بچوں کو آیاؤں اور دایوں کے حوالے کرنا یا انہیں بازاری دودھ پلانا مناسب نہیں ہے، طبی اور سائنسی تحقیق نے بھی یہ بات ثابت کردی ہے کہ ماں کا اپنا دودھ بچے کے لئے سب سے اچھی اور بہترین غذا ہے۔

بچوں کو دودھ پلانا ماں کا حق ہے

میری بچی کی عمر چار ماہ ہے، میں اب تک اسے اپنا دودھ دیتی رہی ہوں، اب سے بازار کا دودھ دینا شروع کیا ہے جب کہ مجھے اپنا دودھ پلاتے ہوئے کوئی تکلیف یا دودھ کی کمی وغیرہ کی شکایت بھی نہیں ہے، اب میری ساس نے مجھے کہا ہے کہ شرعاً تم دو سال دودھ پلانے کی پابند ہو کیا شرعاً ماں اپنے بچے کو لازمی طور پر دو سال تک دودھ پلائے گی؟

(شمامہ جاوید برکی، طائف)

شرعاً ماں اس بات کی پابند ہے کہ وہ اپنے بچے کو دو سال تک دودھ پلائے جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۳۳ میں ارشاد ہے، اگر کوئی ماں بلا عذر شرعی اپنے بچے کو دودھ نہیں پلاتی تو وہ گنہگار ہے، البتہ کسی عذر یا مرض کی وجہ سے وہ چاہے تو بازاری دودھ پلاسکتی ہے۔

---

(۱) بقرۃ: ۲۳۳

کیا طلاق دینا گناہ ہے؟

میرا ایک قریبی دوست جو رشتہ دار بھی ہے، دو سال سے ذہنی پریشانی میں ہے، اس کی مشکل یہ ہے کہ اس نے پانچ سال قبل ایک لڑکی سے محض اس کی زندگی بچانے کے لئے، شادی کی تھی، شادی کے بعد وہ سعودی عرب آگیا، سال بھر بعد وہ گھر گیا تو بیوی کے طور طریقے اور تھے، اس نے بیوی کو روکا لیکن اس نے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا کہ میں تم سے طلاق لینا چاہتی ہوں، اسے اپنی خوبصورتی پر ناز تھا کہ طلاق لے کر فلاں دوسرے مرد سے شادی کرلوں گی، لڑکے نے غیرت آکر بیوی کو تیزاب سے جلا دیا، پھر علاج بھی کروایا جس سے وہ کافی حد تک ٹھیک ہوگئی مگر وہ حسن نہ رہا پھر بھی وہ طلاق پر بضد تھی، بالآخر طلاق کی نوبت آگئی، میرا دوست یہ گناہ کرکے پچھتا رہا ہے اور لڑکی بھی پچھتا رہی ہے کہ اس نے طلاق لے کر اچھا نہیں کیا، اب وہ پھر اسی سے شادی کرنا چاہتی ہے، اب آپ رہنمائی فرمائیں کہ میرا دوست کیا کرے؟ ———— (محمد اکمل عباسی، مدینہ منورہ)

آپ نے سوال میں اپنے قریبی کے دوست بارے میں زیادہ تفصیل تو نہیں لکھی لیکن جو کچھ لکھا وہ بہر حال اپنی جگہ عبرتناک اور افسوسناک بات ہے، اگر بیوی سے شکوہ شکایت تھی تو اس کا حل بھی اچھے اور مناسب طریقے سے کیا جانا چاہیے تھا، بالفرض اگر سزا ہی دینی تھی تو اس کے لئے شریعت نے شوہر کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو سزا دے، بشرطیکہ یہ سزا وحشیانہ اور نامناسب نہ ہو، کسی کے چہرے پر تیزاب ڈالنا بدترین جرم اور سنگین ظلم وگناہ ہے، اسلام میں کسی انسان کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اس طرح

کی وحشیانہ اور سخت سزا دے، بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں تک کے چہرے پر مارنے سے منع کیا ہے، آپ کے دوست کو اپنے اس گھناؤنے فعل پر اپنی بیوی سے معافی مانگنی چاہیئے تھی، جہاں تک طلاق کا معاملہ ہے تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، میاں بیوی جب اکٹھے نہ رہ سکیں، صلح وصفائی اور اصلاح کے تمام طریقے آزمائے جا چکے ہوں پھر بھی صلح صفائی نہ ہو تو اس کا حل طلاق ہے کہ شوہر بیوی کی پاکی کے ایام میں اسے ایک مرتبہ طلاق دے دے، اس طرح طلاق کوئی گناہ یا عیب نہیں ہے، چونکہ آپ کے دوست نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے لہٰذا اب دونوں آزاد ہیں، دونوں دوسری جس جگہ چاہیں نکاح کرلیں، اور ایک دوسرے کو معاف کردیں اور اگر دونوں پھر سے شادی کرنے پر باہم رضامند ہوں اور سمجھتے ہوں کہ اب اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے تو یہ بھی ممکن ہے، بشرطیکہ آپ کے دوست نے تین طلاقیں نہ دی ہوں۔

طلاق کا مسئلہ

چند سال قبل میری شادی پاکستان میں ہوئی تھی، میرے شوہر پہلے سے صاحبِ اولاد ——— تھے جس کا مجھے اور میرے گھر والوں کو علم تھا، کچھ عرصے بعد اس کا علم میرے شوہر کی پہلی بیوی اور ان کے رشتہ داروں کو ہوا تو انہوں نے بہت ہنگامہ کیا، ہنگامے کو ختم کرنے کے لئے ایک تحریر ان کے حوالے کی گئی جس پر تحریر تھی کہ میں نے فلاں بنت فلاں کو ہوش وحواس کیساتھ طلاق دی اور اس کا حق مہر جو کہ اتنا اتنا ہے ادا کر دیا حالانکہ مجھے حق مہر ادا نہیں کیا گیا، پھر وہ میرے پاس آئے اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ میں نے دل سے تمہیں طلاق نہیں دی، اللہ گواہ ہے کہ تم میری بیوی اور میں تمہارا شوہر ہوں،

اس کے بعد اس بات کا علم ان کی بیوی کو ہوا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق نہیں دی، بلکہ رخصتی کے بعد میں ان کے ساتھ رہ رہی ہوں، تو اس نے پھر ہنگامہ کھڑا کر دیا، اور لوگ میری جان کے درپے ہو گئے، میری جان چھڑانے اور ہنگامہ ختم کرنے کے لئے میرے شوہر نے ان سب کے سامنے کہا کہ میں پہلے بھی آپ لوگوں کے سامنے اسے طلاق دے چکا ہوں، کیوں اس کا پیچھا کرتے ہیں، آپ لوگوں کو یقین نہیں تو (قرآن سامنے رکھ کر) دوبارہ طلاق دیتا ہوں، پھر وہی ہوا کہ میرے شوہر آکر مجھ سے کہنے لگے کہ یہ حقیقت نہیں، اللہ گواہ ہے کہ میرا طلاق کا کوئی ارادہ نہیں، کیا مجھ پر طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟ عملی طور پر میرے اور ان کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہے؟

(ف، د، جدہ)

آپ اپنے شوہر سے مطلقہ ہو چکی ہیں، آپ دونوں کے درمیان اب وظیفہ زوجیت شرعاً درست نہیں، کیونکہ طلاق کے صحیح ہونے کے لئے نیت وارادہ کا ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی شخص سنجیدگی میں طلاق دے تب بھی طلاق پڑ جاتی ہے، اور اگر ہنسی مذاق میں بھی (بغیر ارادۂ طلاق کے) طلاق دے دے تب بھی بیوی مطلقہ ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے۔ (۱)

بیوی کے کہنے سے طلاق

اگر بیوی اپنے شوہر سے کہے کہ مجھے طلاق دے دو، میں تمہاری ماں

---

(۱) ابوداؤد عن ابی ہریرۃ باب فی الطلاق علی الہزل

بہن کی طرح ہوں یا کہے کہ مجھے چھوڑ دو، مجھے آزاد کر دو تو کیا یہ نکاح ٹوٹ گیا، پھر کہے کہ میں تو مذاق کر رہی تھی، مجھے معاف کر دو۔

(ابا بو حسین، راس)

طلاق دینے کا حق و اختیار شوہر کو ہے، بیوی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ اس قسم کی باتیں مذاق میں کرنی بھی گناہ اور حرام ہیں۔

طلاق کا مناسب طریقہ

میں یہاں سعودی عرب میں رہتا ہوں، اور وطن میں میرے والد صاحب میرے چچا جو میرے سسر بھی ہیں، کا آپس میں اختلاف اور جھگڑا ہو گیا والد صاحب نے مجھے فون کر کے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، میں نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور اپنی بات پر اٹل رہے، اور مجھے مجبوراً طلاق دینی پڑی، میں سفارت خانے گیا، اور ایک کاغذ لے کر لکھوایا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں، اور پھر اس کی تصدیق کروا کر ایک کاپی بیوی کو، اور ایک یونین کونسل کو بھیج دیا، کیا شرعی لحاظ سے یہ طلاق ہو گئی، جب کہ کاغذ پر صرف ایک بار لکھا ہوا تھا کہ میں طلاق دیتا ہوں؟ —————— (محمد عارف، عسفان)

خط کے ذریعہ دی گئی یہ طلاق واقع ہو گئی (۱)، آپ چاہیں تو عدت کے اندر رجوع

---

(۱) درمختار میں ہے: اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة (درمختار ۲/۴۲۸)، المغنی میں ہے: اذا کتب الطلاق فان نواه طلقت زوجته۔ (المغنی ۷/۲۴۲)

کرسکتے ہیں، اور اگر عدت گزر جائے تو دوبارہ نکاح اسی بیوی سے، ہوسکتا ہے، یہ غلط تأثر اور خیال ہے کہ طلاق کے صحیح ہونے کے لئے تین طلاقیں دینا ضروری ہے بلکہ یہ تو طلاق کی سنگین قسم ہے جس میں ائمہ اربعہ کے نزدیک بیوی تا حلالہ شرعی حرام رہتی ہے، دوبارہ اس سے نکاح بھی نہیں ہوسکتا، میاں بیوی کے درمیان نباہ نہ ہوسکے اور صلح صفائی کی کوئی صورت نہ ہو اور شوہر طلاق دینے پر شرعاً مجبور ہو جائے تو اس کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ عورت کی پاکی کے ایام میں جس میں اس سے صحبت بھی نہ کی ہو اسے بلفظ طلاق سے، ایک طلاق دے دے یعنی یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے طلاق دی، اس طلاق کو "طلاق رجعی" کہتے ہیں، اس صورت میں شرعاً شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ بیوی کی عدت گزرنے سے پہلے اپنی طلاق کو واپس لے لے، اور اگر عدت گزر جائے تو تجدید نکاح کے ذریعے دونوں میں پھر ازدواجی تعلق قائم ہوسکتا ہے، واضح رہے کہ طلاق کے صحیح ہونے کے لئے گواہوں کی موجودگی یا بیوی کے سامنے طلاق دینا یا اس تک طلاق کی تحریر پہونچنا بھی ضروری نہیں، اور یہ بھی جائز نہیں کہ بلا وجہ شرعی عذر کے بغیر، والدین یا کسی رشتہ دار کے کہنے پر بیوی کو طلاق دیدی جائے۔

طلاق نہ دیں

میں شادی شدہ اور بچوں والا ہوں، عرصہ دراز سے بیوی کی بداخلاقی بدتمیزی، بے ادبی، بدکلامی اور نافرمانی کی حرکات سے تنگ ہوں، میں اسے وکیل یا خط کے ذریعے طلاق رجعی کا نوٹس بھیجنا چاہتا ہوں، چونکہ وہ اس وقت تین ماہ کے حمل سے ہے، اور میں اپنی چھٹی پر ستمبر ۹۶ء میں گھر جاؤں گا، اس لئے اس چیز کو سامنے رکھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں مجھے مشورہ دیں کہ کیا میرا یہ اقدام صحیح ہوگا یا غلط؟

(ع، ع، م، ریاض)

فیکس پر بھیجے گئے چار پانچ صفحات پر مشتمل اپنے طویل سوال میں آپ نے جا بجا اپنی بیوی کی بدتمیزی اور بد اخلاقی کا ذکر کیا ہے اور اس عیب کے علاوہ کوئی دوسری اہم بات تحریر نہیں کی، اگرچہ بد اخلاقی خود سب سے بڑا عیب ہے لیکن صرف اس گناہ کی وجہ سے بیوی کو طلاق دینا مناسب نہیں۔ آپ اپنی بیوی کو اچھی کتابیں اور اچھے دینی کیسٹ دیں، جن کی وجہ سے شاید ان کا اخلاق سدھر جائے، اور وہ اپنی اصلاح کریں، خاندان میں دونوں طرف کے بزرگوں کو بیچ میں ڈال کر ان کے ذریعے نصیحت اور اصلاح کا کام کروالیجیے، خود بھی نرمی وحکمت سے اپنی بیوی کو سمجھاتے رہیں، بار بار کی نصیحت اور یاد دہانی سے برسوں کی سختی وبے مروتی ختم ہو جاتی ہے، اور انسان اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جاتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " مؤمن مرد مؤمن عورت (اپنی بیوی) سے عداوت (مکمل قطع تعلق) نہ کرے، اس لئے کہ اگر اسے اس کی کوئی ایک عادت وخصلت ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ ہوگی۔ اس حدیث کی روشنی میں آپ اپنی بیوی کی اس ایک برائی اور اس ایک عیب کے مقابلے میں دوسری کئی خوبیاں سامنے لائیے، اور اپنے آپ کو طلاق دینے سے باز رکھیے، قرآن میں اللہ نے اس بابت بہت اہم ہدایات دی ہیں، فرمایا:

عاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسى ان تكرهوا شيئا ويجعل الله فيه خيرا كثيرا۔

ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

(۱)

(۱) (نساء: ۱۹)

بلاوجہ طلاق دینا مناسب نہیں

ایک صاحب کی بیوی پابند صوم وصلوٰۃ ہے، اور ان کی خدمت بجالانے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی، لیکن وہ اپنے سسر کی خدمت نہیں کرتی اور انہیں کسی نہ کسی بہانے تنگ کئے رکھتی ہے، ان کے سسر نابینا اور ضعیف ہیں اس بنا پر ان صاحب نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے کیا اس بنیاد پر ان کا بیوی کو طلاق دینا درست ہے؟۔

(عبداللہ، بریدہ)

اسلام جس بلند اخلاق وکردار کی تعلیم دیتا ہے، اس کی روشنی میں بیوی کی یہ اخلاقی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے ضعیف اور نابینا سسر کی خدمت کر کے ثواب اور اخروی فائدہ حاصل کرلیتی، اگر وہ اخلاص اور اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے ایسا کرتی تو یقیناً اللہ کے یہاں اس کی یہ نیکی ضائع نہ ہوتی، اور اس کا درجہ بلند ہوتا، تاہم شریعت نے قانونی طور پر بیوی کی یہ ذمہ داری نہیں قرار دی کہ وہ ساس وسسر کی خدمت کرے، یہ فرض شوہر کا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرے، خود نہ کرسکتا ہو تو کسی خادم وملازم کو رکھے، چنانچہ بیوی کے اس قصور پر اسے طلاق دینا درست نہیں، اور پھر طلاق تو نصیحت، افہام وتفہیم اور صلح صفائی کی تمام کوششوں کے بعد آخری مرحلے میں دی جانی چاہیئے نہ کہ کسی بات پر ناراض ہو کر فوراً، جو لوگ اس طرح معمولی باتوں پر طلاق دیتے ہیں، ان کا انجام ندامت وپشیمانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

شوہر نامرد ہو تو؟

اگر شوہر قوت مردانگی سے محروم ہو تو کیا بیوی کو طلاق لینے کا حق

حاصل ہے؟ ——————— (محمد جمیل اختر، حفر الباطن)

جو شخص بیوی کی جنسی خواہش کی تکمیل پر قادر نہ ہو اس کو شریعت میں عنین کہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ عنین کی بیوی شرعی دار القضاء میں علاحدگی کی درخواست دے جس کے پاس عورت نے درخواست دی ہے اس کو چاہیئے کہ شوہر سے خود پوچھے کہ اس کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر شوہر نامردی کا اقرار کرے تو پھر اس کو ایک سال علاج کی مہلت دے دے، اب اگر ایک سال کے علاج کے بعد مرد علاج کے قابل ہو جائے اور عورت بھی مطمئن ہو جائے تو پھر عورت کو اس سے تفریق کا حق نہ ہوگا اور اگر عورت نے اطمینان کا اظہار نہیں کیا بلکہ تفریق کا مطالبہ کیا یا شوہر نے خود اقرار کر لیا کہ اب بھی وہ ناکارہ ہے تو دونوں صورتوں میں اگر عورت اس سے علاحدگی ہی چاہتی ہے، شوہر سے طلاق دے دینے کو کہا جائے گا، اگر شوہر طلاق دے دے تو مقصود حاصل ہے لیکن اگر شوہر طلاق نہ دے تو قاضیٔ شریعت دونوں کے درمیان تفریق کرادے گا، تاہم اتنی بات واضح ہونی چاہیئے کہ نامرد شوہر سے تفریق کے لئے درج ذیل چند شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ شوہر کے نامرد ہونے کا بیوی کو پہلے سے علم نہ ہو، اگر پہلے سے نامرد ہونے کا علم تھا پھر بھی نکاح کیا تو تفریق کا حق نہیں ملے گا۔

۲۔ نکاح کے بعد ایک بار بھی مباشرت نہ کیا ہو، اگر ایک بار بھی مباشرت نہ ہو تو اب تفریق کا حق باقی نہیں رہے گا۔

۳۔ شوہر کی نامردی سے واقفیت کے باوجود بیوی نے ساتھ رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کیا ہو اگر رضامندی ظاہر کیا ہو تو پھر تفریق کا حق نہ ہوگا۔

۴۔ یہ تفریق عورت خود بخود نہیں کر سکتی بلکہ شرعی دار القضاء میں قاضیٔ شریعت کے پاس دعویٰ کر کے تفریق کرانا چاہیئے۔

یہ شرطیں پائی جائیں تو تفریق صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔

طلاق کا مطالبہ

ایک عورت اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہے اور اس کا شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا اور بیوی کے حقوق بھی ہر طرح سے پورے کرتا ہے، ایسی صورت میں طلاق کا مطالبہ کیسا ہے؟۔ (منیر حسین، ریاض)

بیوی کا بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت بلا کسی وجہ اور تکلیف کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو جنت کی خوشبو بھی اس پر حرام ہے جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کی دوری سے بھی محسوس ہوتی ہے۔ (۱) ہاں اگر شوہر بیوی کے حقوق پورے نہ کرے اور باہمی مصالحت بھی نہ ہوسکے اور اس سلسلہ میں خاندان کے بڑوں کی کوششیں ناکام ہوجائیں تو ایسی صورت میں طلاق دینا اور طلاق کا مطالبہ کرنا دونوں صحیح ہیں بلکہ شوہر حقوق بھی پورے کرتا ہو اور طلاق بھی نہ دیتا ہو تو شریعت میں شرعی عدالت سے رجوع ہو کر نکاح فسخ کرانے کی صورتیں بھی موجود ہیں۔

کیا کوئی عورت بلا سبب اور بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق مانگ سکتی ہے؟ —— (عالیہ امام حسین طاشی، جدہ)

اگرچہ طلاق دینا شوہر کے اختیار و مرضی پر منحصر ہے لیکن اگر بیوی کسی معقول اور جائز وجہ کی بنا پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اسے یہ حق حاصل ہے، وہ عورت جو بلا وجہ اور بغیر کسی معقول سبب کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے ایک بڑے گناہ اور جرم عظیم کا ارتکاب کرتی ہے کہ اسلام انسانی رشتے جوڑنے اور انہیں باہم مضبوط کرنے

---

(۱) مسند احمد: ۵/۲۷۷

کا حکم دیتا ہے کہ رشتوں کو توڑنے اور باہم نزاع کو اسلام نے کبھی بھی پسند نہیں کیا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی سببِ معقول کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق مانگنے والی عورت پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔ ترمذی: عن ثوبان باب ما جاء فی المختلعات

والد کے کہنے پر بیوی کو طلاق

تیرہ سال قبل ماموں کے گھر میری شادی ہوئی، شادی کے دوران کچھ اختلافات سسرال اور والدین کے درمیان پیدا ہو گئے، بات یہاں تک پہونچی کہ میں روزانہ اپنی بیوی کو مارتا پیٹتا، گالیاں دیتا اور سسرال والوں کو بھی گالیاں دیتا تو میرے والدین اور بھائی خوش تھے لیکن جب میں یہاں آیا، اللہ نے مجھے توفیق دی، اور صلہ رحمی کا احساس ہوا تو اپنی غلطی پر ندامت ہوئی، پھر جب میں چھٹی پر گیا تو بیوی اور سسرال والوں کے ساتھ میرا رویہ مختلف تھا، والدین نے دیکھ کر میرے ساتھ ضد شروع کر دی، میں نے سمجھایا کہ جو کچھ ہوا بھول جائیں، اور اللہ کے لئے معاف کر دیں لیکن انہوں نے نہ مانا، میرے آنے کے بعد دروازے کو تالے لگا دیئے، اور میری بیوی سے کہا کہ تم اپنے والدین کے گھر نہیں جاؤ گی، اور مجھ پر اصرار ہے کہ بیوی کو طلاق دے دوں، میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ اگر بیوی اور سسرال والوں سے اچھے اخلاق سے پیش آتا ہوں تو والدین کی نافرمانی ہوتی ہے تو کیا میری نماز وغیرہ وغیرہ قبول ہوگا کہ نہیں؟

میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ میری بڑی ہمشیرہ بیوہ ہوگئی ہیں، ان کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے ہیں، میں ان کے لئے فی سبیل اللہ خرچہ روانہ کرتا ہوں

تو میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ اس کو پیسے وغیرہ دیتے ہو تو میں اس گھر میں نہیں رہوں گا، کیا میں ان کا خرچہ بند کر دوں؟۔

(عبدالمنان، ابہار)

تمام انسانی رشتوں کی حرمت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خطبہ نکاح میں سب سے پہلے سورۃ النساء کی پہلی آیت پڑھی جاتی ہے جس کا مقصد صرف ثواب کی خاطر اسے سننا نہیں ہے بلکہ اس آیت اور تمام آیات پر غور کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" اس اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں کے بارے میں (اللہ سے ڈرتے رہو)" والدین کے حقوق اپنی جگہ اہم اور واجب الادا ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ والدین کے کہنے پر بیوی بچوں پر ظلم و ستم کیا جائے، ایک شخص نے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں یہی شکایت کی کہ میرے ماں باپ میری بیوی سے خوش نہیں ہیں اور میرے ماں باپ نے سختی سے کہا ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو جب میں نے انکار کیا تو باپ نے کہا کہ کیا تم نے وہ صحیح حدیث نہیں پڑھی جس میں سیدنا عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور جب عبداللہ بن عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے تو آپؐ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ جس طرح تمہیں تمہارے والد کہتے ہیں اس پر عمل کرو اور ان کی بات مانو (۱)۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر غصے کے عالم میں فرمایا کہ کیا تمہارا باپ (اور ہر باپ) عمر بن الخطاب کی طرح ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے اپنی بیوی کو طلاق دینا مناسب نہیں ہے، اسے طلاق مت دو اور باپ کا کہنا نہ مانو۔

اگر آپ کے والدین آپ کی بیوی کے ساتھ نہیں رہ سکتے تو آپ اپنی بیوی کو

---

(۱) بخاری عن ابن عمر باب تحریم طلاق الحائض

الگ رکھیں، اور دونوں کو صلہ رحمی، تحمل مزاجی اور صبر و برداشت کی نصیحت کرتے رہیں، اپنی ہمشیرہ کے ساتھ تعاون اور حسن سلوک بھی آپ جاری رکھیں اور والدین کو ادب و حکمت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرتے رہیں، اور یاد رکھیں کہ اگر والدین کسی غلط بات یا کام کا حکم دیں تو اس کی تعمیل ضروری نہیں، اور یہ والدین کی نافرمانی شمار نہیں ہوگی، نیز والدین کی بلا وجہ ناراضگی سے عبادات کی قبولیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تو میرے لئے حرام ہے

زید نے اپنی بیوی سے غصہ میں کہا کہ تو میرے لئے حرام ہوگئی، پھر فوراً یعنی غصہ اترنے کے بعد نادم ہوا، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(قدوس احمد، حفر الباطن)

اس لفظ سے ایک طلاق بائن پڑجاتی ہے (۱) یعنی زید کی بیوی مطلقہ ہوچکی، زید کے لئے جائز نہیں کہ تجدید نکاح سے پہلے اس سے صحبت و تعلق قائم کرے، مالکیہ کے نزدیک اسی طرح طلاق کی نیت ہونے کی صورت میں شوافع کے نزدیک بھی اس لفظ سے طلاق واقع ہوگی، جب کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک مرد کی نیت جیسی ہوگی اتنی ہی طلاق واقع ہوگی، اور کسی طرح کی نیت نہ ہو تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی، المغنی میں ہے:

انت علی حرام .... عن احمد روایتان واحدھما انھا ثلاث والثانیۃ ترجع الی ما نواہ وان لم ینو شیئاً فواحدۃ کسائر الکنایات۔ (المغنی ۷/۳۰۱)

فقہاء احناف نے طلاق کے معنی میں اس لفظ کا استعمال عام ہونے کی وجہ سے نیت کو بھی ضروری قرار نہیں دیا ہے جیسا کہ لفظ طلاق کے ذریعہ بلا ارادہ و نیت بھی

---

(۱) ہندیہ ۱/۳۷۵

طلاق پڑجاتی ہے، البتہ حقیقی حرمت طلاق بائن ہی میں ہوتی ہے (نہ کہ طلاق رجعی میں) اسلئے فقہاء متاخرین نے اس لفظ کے ذریعہ بلانیت بھی طلاق بائن ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ (۱)

ایک طلاق

مجھے اپنی بیوی سے اور بیوی کو بھی مجھ سے محبت ہے لیکن میرے والدین اور میرے سسرال والوں کی آپس میں نہیں بنتی، ادھر کچھ عرصہ قبل میرے والد نے خط لکھا کہ ہمیں اپنی بہو کو کسی قیمت پر نہیں لانا ہے، اگر تمہیں لانا ہو تو ہمارا اور تمہارا تعلق ختم، میں نے ۱۶ اپریل کو صرف ایک طلاق لکھ کر بھیجی تھی لیکن میں بیوی کو چھوڑنا نہیں چاہتا، اس کا کیا حل ہے، اگر میں باقی دو طلاقیں نہ دوں تو کیا یہ طلاق نہیں ہوگی یا یہ طلاق صحیح ہوجائے گی، اب بیوی سے فون پر ہی بات ہوسکتی ہے، مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ——— (محمود چودھری، جدہ)

طلاق کے صحیح ہونے کے لیے تین مرتبہ طلاق دینا یا ایک دفعہ میں تین طلاقوں کا دے دینا ضروری نہیں ہے بلکہ طلاق دینے کا (جب کہ واقعی طلاق دینے کی مجبوری اور شرعی جواز موجود ہو) صحیح طریقہ یہی ہے کہ پاکی کی حالت میں ایک طلاق دے دی جائے، اس صورت میں عدت گزرنے کے بعد خود بخود بیوی شوہر سے الگ ہوجائے گی اور شرعاً دونوں کے درمیان میں نکاح کا تعلق ختم ہوجائے گا، اور عدت گزرنے سے پہلے شوہر کو اپنی طلاق سے رجوع کرنے کا حق حاصل رہے گا، اور اگر عدت گزرنے سے پہلے رجوع

---

(۱) کان الحرام فی الاصل کنایۃ یقع بہا البائن لانہ لما غلب استعالہ فی الطلاق لم یبق کنایۃ ولذا لم یتوقف علی النیۃ او دلالۃ الحال۔ (رد المحتار ۲/۴۶۴)

نہ کیا جائے تو عدت کے بعد تجدید نکاح کے ذریعہ دوبارہ شوہر و بیوی کے درمیان تعلق قائم ہو سکتا ہے۔

آپ نے چونکہ ایک طلاق دی ہے، لہٰذا اپنی طلاق سے رجوع کر سکتے ہیں، اس سلسلے میں زبان سے رجوع کے علاوہ عملاً بیوی سے تعلق و صحبت کا قیام بھی ضروری ہے البتہ بیماری یا دوری کی وجہ سے صرف زبان سے رجعت بھی کافی ہے، یعنی صرف اتنا کہنا بھی کافی ہے کہ "میں نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا" یا "طلاق سے رجوع کر لیا" اور اس کی اطلاع آپ بذریعہ فون بیوی کو دے سکتے ہیں۔

آپ والدین اور سسرال والوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کریں، بغیر کسی معقول سبب کے والد کا بہو کو طلاق دینے کا مطالبہ بھی درست نہیں، اگر آپس میں اتفاق کی صورت فی الوقت پیدا نہ ہو سکے تو آپ بیوی کو والدین اور سسرال والوں سے الگ ہو کر والدین اور سسرال والوں کے ساتھ اچھے اخلاق و برتاؤ اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرتے رہیں، اور جائز امور میں والدین کی نافرمانی نہ کریں۔

واضح رہے کہ طلاق کی عدت، طلاق دینے کے بعد سے تین حیض آنا ہے اور اگر بیوی حمل سے ہو تو وضع حمل عدت ہے، چاہے وہ طلاق کے چند دنوں بعد ہی کیوں نہ ہو۔

الفاظِ کنایہ سے طلاق

اگر بیوی نافرمان ہو اور شوہر تنگ آکر اصلاح کے طور پر اس سے یہ کہے کہ جاؤ اپنے باپ کے گھر، پھر نہیں آنا، تم سے میرا کوئی تعلق نہیں، تم کو میری طرف سے آزادی ہے، جو مرضی ہو کرو، کیا اس طرح کے الفاظ سے طلاق سمجھی جائے گی؟

(محمد وارث، ریاض)

صراحتاً لفظِ طلاق کے ذریعے طلاق دی جائے تو اس سے طلاق پڑ جاتی ہے، چاہے طلاق دینے کی نیت ہو یا نہ ہو، نیز یہ طلاق رجعی ہوتی ہے، عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق رہتا ہے، ایسے الفاظ جو طلاق کے مفہوم کے لئے صریح نہیں بلکہ اس سے طلاق کے معنی بھی لئے جاسکتے ہوں اور دوسرے بھی، انہیں الفاظ کنایہ کہتے ہیں (۱) ایسے الفاظ سے شوہر کی نیت طلاق دینے کی ہو تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی، یعنی ایسی طلاق پڑے گی کہ عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق نہیں رہے گا (البتہ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے) اور اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت نہ ہو، صرف ڈرانا، دھمکانا اور اصلاح کرانا مقصود ہو تو اس سے طلاق نہیں پڑے گی۔

عدت اور اس کی مدت

طلاق کی عدت گزرنے کے بعد عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے، یہ عدت کے کیا معنی ہیں، اور عدت کیا ہے، اس کی مدت کتنی ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ ——— (اشفاق خان، مکہ مکرمہ)

عدت کے لفظی معنی شمار کرنے کے ہیں، اصطلاحِ شریعت میں اس مدتِ انتظار کو کہتے ہیں جو نکاح کے ختم ہو جانے پر عورت کے لئے شریعت نے مقرر کی ہے (۲) اور نکاح کا رشتہ دو صورتوں میں منقطع ہوتا ہے، یا تو شوہر و بیوی میں سے کسی کا انتقال ہو جائے یا پھر آپس میں طلاق و خلع ہو جائے، اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو بیوی کے لئے شریعت نے چار

---

(۱) شامی میں ہے: کنایة عند الفقهاء مالم یوضع له أی الطلاق، واحتمله وغیرہ فالکنایات لاتطلق بها قضاء إلا بنیة أو دلالة الحال۔ (درمختار ۲/ ۴۶۳)

(۲) ہندیہ میں ہے: هی انتظار مدة معلومة یلزم المرأة بعد زوال النکاح (ہندیہ ۱/ ۵۲۶)

مہینے دس دن عدت مقرر کی ہے (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) اور اگر طلاق کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جائے تو مدتِ عدت تین حیض (تین مرتبہ ماہواری کا آجانا) ہے۔ (سورہ البقرہ آیت ۲۲۸) لیکن اگر عورت کو کم سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہے (سورہ الطلاق آیت ۴) اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل یعنی حمل کا ساقط ہو جانا ہے چاہے طلاق کی عدت ہو یا موت کی۔ (سورۃ الطلاق آیت ۴)

عدت کا ایک مقصد یہ اہمیت ذہن نشین کرانا ہے کہ نکاح کا ٹوٹنا بڑی اہم بات ہے، حقیقتاً یہ ایک مضبوط پائیدار اور مستحکم رشتہ ہے جسے بغیر کسی شدید مجبوری اور عذر کے نہیں توڑنا چاہیے، دوسرے یہ یقین حاصل کرنا ہے کہ عورت کو سابقہ شوہر سے کوئی حمل نہیں ہے تاکہ دوسرے شخص سے اگر وہ نکاح کرے تو اولاد کا نسب مشتبہ نہ ہو جائے، چنانچہ عدت کے اندر عورت کے لئے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں، اور اگر کوئی نکاح کر بھی لے تو یہ نکاح شرعاً باطل اور غیر صحیح ہے۔

اسی طرح عدت کے اندر عورت کے لئے بلا کسی شدید ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا یا زیب و زینت اختیار کرنا اور بناؤ سنگھار کرنا بھی جائز نہیں ہے البتہ اگر شوہر نے طلاق رجعی دی ہو تو بیوی کے لئے زیب و زینت اختیار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ یہ بہتر و پسندیدہ ہے تاکہ شوہر رجعت کی طرف راغب ہو اور ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے بحال ہو جائے۔

عدت کے دوران نفقہ

کچھ عرصہ قبل یہاں سعودیہ میں میرا نکاح ہوا میری بیوی اور اس کے والدین بھی یہیں رہتے ہیں، شادی کے بعد سے اب تک پاکستان جانے کا اتفاق بھی نہیں ہوا اس وقت طلاق کی نوبت آچکی ہے لڑکی والے مجھ سے عدت کے خرچ کے علاوہ پاکستان کا ٹکٹ بھی مانگ

رہے ہیں، کیا عدت کا خرچہ شرعاً میرے اوپر ضروری ہے؟ اور پاکستان جانے کا ٹکٹ بھی جب کہ ہمارے یہاں کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی خرچہ کتنا دینا ہوگا؟ اور عدت کی مدت کتنی ہے؟ نیز مہر کے علاوہ جو سونا میں نے بیوی کو دیا ہے کیا میں اس کا مطالبہ کرسکتا ہوں؟ شرعی اعتبار سے میری رہنمائی فرمائیں؟ —— (محمد اسماعیل اداسی، مکہ مکرمہ)

طلاق کے بعد بیوی شوہر ہی کے گھر عدت گزارے گی، رہائش کا انتظام اور دورانِ عدت کھانے پینے کا خرچہ شوہر کو دینا ہوگا (۱) یہ شرعی حکم ہے، چاہے اس بیوی سے اولاد ہو یا نہ ہو، لیکن عدت کے بعد اور کوئی خرچ (پاکستان پہونچانے وغیرہ کا) آپ کے ذمہ نہیں، عدت کا خرچ اپنی مالی حیثیت کے اعتبار سے متوسط طور پر جتنا ہوتا ہو اتنا ہی ادا کرنا ضروری ہے حیثیت و استطاعت سے زیادہ کا بھی شوہر مکلف نہیں، عدت تین حیض (ماہواری) کا آنا ہے اور اگر طلاق کے وقت بیوی حمل سے ہو تو وضعِ حمل (یعنی ولادت یا حمل کے ساقط ہونے) تک عدت ہے۔ مہر کے علاوہ جو چیز آپ نے (سونا وغیرہ) بیوی کو دی ہے اس کا مطالبہ آپ نہیں کرسکتے، اسی طرح بیوی کی طرف سے آپ کو کوئی چیز ملی ہو تو وہ بھی آپ سے مطالبہ نہیں کرسکتی۔

طلاق کے بعد عورت کا نفقہ

اگر ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اسے کب تک مطلقہ بیوی کو نان نفقہ دینا ہوگا؟۔

---

(۱) وتجب لمطلقة الرجعي والبائن والفرقة بلا معصية كخيار عتق وبلوغ وتفريق بعدم كفاءة النفقة والسكنى والكسوة۔ (هندية ۱/۶۶۹)

مطلقہ کی عدت گزرنے تک (یعنی تین ماہواری کے ایام ختم ہونے یا اگر حمل سے ہو تو ولادت تک) شوہر پر ضروری ہے کہ وہ بیوی کو نان نفقہ دے اور اس کی رہائش کا انتظام کرے، عدت گزرنے کے بعد سابقہ شوہر کی ذمہ داری کچھ بھی نہیں۔ (۱)

خلع کی شرعی حیثیت

خلع کیا ہے؟ کیسے حاصل کیا جاتا ہے اور کن باتوں پر خلع ہو جاتا ہے؟ جب کہ شوہر ہر جائز مطالبہ ماننے کو تیار رہے، اسی طرح اگر شوہر وطن سے دور دوسرے ملک میں ہو اور بیوی عدالت میں خلع کی درخواست داخل کرے تو کیا کوئی جج شوہر کی بات سنے بغیر خلع کا فیصلہ کر سکتا ہے؟ نیز خلع کے کچھ عرصے بعد کیا وہی عورت دوسرا نکاح کیے بغیر پہلے شوہر کے پاس آسکتی ہے، اور ایسی صورت میں ان کے درمیان ازدواجی تعلق کیا صحیح ہوگا؟۔

خلع ایک طریقہ سے مال وغیرہ دے کر بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ کرنے یا دوسرے لفظوں میں کچھ دے کر شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا نام ہے۔ اس میں ابتدا اگرچہ بیوی کی طرف سے ہوتی ہے لیکن فریق مخالف یعنی شوہر کی رضامندی بھی اس معاملہ میں ضروری ہے، شوہر اگر اس چیز کو قبول نہ کرے تو تنہا بیوی کی طرف سے یا بیوی کے کہنے سے خلع واقع نہیں ہوتا۔ (۲)

دراصل نکاح سے میاں بیوی کے درمیان جو تعلق اور رشتہ قائم ہوتا ہے،

---

(۱) اذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها (هداية ۲/۴۲۲)

(۲) جدید فقہی مسائل ۲/۱۸۶، ط: دہلی

وہ حقیقتاً دائمی (تاحیات) رہتا ہے، دونوں میں سے کسی ایک کے انتقال کر جانے ہی سے یہ رشتہ ٹوٹتا ہے، پھر اگر شوہر کا انتقال ہو تو بیوی عدت گزار کر اور اگر بیوی کا انتقال ہو تو شوہر فوراً دوسرا نکاح کر سکتا ہے۔

شوہر و بیوی میں سے کسی کے انتقال سے پہلے زندگی ہی میں اس رشتہ کے ختم کرنے کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت "طلاق" کی ہے، جو کہ معروف ہے، جس کا اختیار شریعت نے صرف "مرد" یعنی شوہر کو دیا ہے، جس کے تفصیلی احکام کتاب و سنت اور کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر بیوی نافرمان ہو، شوہر کی بات نہ مانتی ہو اور اس کی اطاعت نہ کرتی ہو، یا کوئی اور شرعی یا طبعی عذر ایسا پایا جاتا ہو جس کی بناء پر ایسی بیوی کے ساتھ شوہر کا نباہ مشکل ہو، پھر وعظ و نصیحت، افہام و تفہیم اور ہلکی پھلکی مار پیٹ سے بھی کام نہ چلے، اور اصلاح کی کوئی کوشش کارگر نہ ہو تو مجبوراً آخری درجہ میں شوہر کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ پاکی کی حالت میں بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے (۱)۔

دوسری صورت خلع کی ہے، جو ایک طرح سے بیوی کے لئے ظالم و جابر شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک شرعی راستہ ہے، مثلاً شوہر بیوی کے حقوق پورے نہ کرتا ہو یا اس پر ظلم و زیادتی کرتا ہو اور طلاق بھی نہ دیتا ہو، بیوی چاہتی ہو کہ کم از کم ایسے شوہر سے آزادی ملے تو کہیں دوسری جگہ شادی کرے تو ایسی صورت میں بیچاری کیا کرے؟ کیونکہ طلاق کا حق اور اختیار تو مرد کو ہے عورت کو نہیں، ایسی صورت میں شریعت نے بیوی کے لئے دو راستے رکھے ہیں، ایک راستہ خلع کا ہے کہ بیوی اپنا پورا مہر یا آدھا مہر معاف کرنے کی شرط پر یا کچھ مال دے کر یا کسی بھی چیز کے عوض شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اس کو

---

(۱) طلاق کی بابت ان احتیاطی تدابیر کے اختیار کرنے کے سلسلہ میں قرآنی تعلیمات و ہدایات ملاحظہ ہوں: نساء / ۳۴

اپنے سے جدا کرنے پر آمادہ کرے، اگر شوہر بیوی کی طرف سے پیش کردہ کسی عوض کو قبول کرلے تو وہ اس چیز کا حقدار ہوگا اور دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی، اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو اور بیوی کی طرف سے نافرمانی نہ پائی جائے تو شوہر کے لئے جائز نہیں کہ وہ طلاق کے عوض بیوی سے کچھ مال وغیرہ لے۔

چونکہ خلع میں بھی شوہر کی رضامندی ضروری ہے، اگر شوہر کوئی بھی چیز لے کر چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو، نیز بیوی پر زیادتی اور حقوق کی عدمِ ادائیگی والا معاملہ بھی برابر جاری رہے، تو پھر شریعت نے یہ راستہ مقرر کیا کہ بیوی اسلامی عدالت میں اپنا مقدمہ داخل کرے اور شرعی قاضی کے سامنے اپنی صورتِ حال بیان کرے، قاضی دونوں فریقوں اور ان کے گواہوں کے بیانات سن کر اسلامی اصولِ قضا کی روشنی میں فیصلہ کرے گا، اگر وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے تو وہ دونوں کے درمیان نکاح فسخ کرا دے گا (۱)، اس طرح اگر شوہر طلاق نہ بھی دے تو شرعی قاضی (جج) کے نکاح فسخ کر دینے سے نکاح ٹوٹ جائے گا، عورت عدت (طلاق کی عدت) گزار کر دوسرے کسی بھی مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اگر کسی وجہ سے پھر سابقہ شوہر ہی کے ساتھ زندگی گزارنے پر مصالحت ہو تب بھی قاضی کی طرف سے نکاح فسخ کرنے کے بعد نکاح کی تجدید ضروری ہے، شرعی قاضی (جج) کا مسلمان ہونا اور علومِ شرعیہ سے باخبر ہونا ضروری ہے۔

شرعی قاضی کا فیصلہ اس درجہ معتبر ہے کہ اگر وہ جانبداری سے غلط فیصلہ بھی کرے تب بھی وہ نافذ العمل ہوگا، البتہ عند اللہ جواب دہ اور سخت گنہگار ہوگا اور حاکم وقت ایسے قاضی کو معطل کر سکتا ہے، نکاح و طلاق کے معاملے میں غیر اسلامی یا غیر شرعی

---

(۱) جدید فقہی مسائل ۲ / ۱۵۷

عدالت یا غیر مسلم جج کے فیصلے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اگر کوئی غیر مسلم جج کسی کا نکاح فسخ کردے تو اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ (سابقہ شوہر سے ہی) برقرار رہتا ہے، اس لئے اس طرح کے معاملات میں اسلامی عدالت یا اسلامی دارالقضاء کی طرف ہی رجوع ہونا چاہئے۔ شوہر کی بات سنے بغیر کوئی قاضی خلع کا فیصلہ نہیں کرسکتا، بلکہ قاضی کو خلع کا حق نہیں ہے، وہ شوہر و بیوی کے درمیان نکاح فسخ کرسکتا ہے، فسخ نکاح کی صورت میں شوہر کے لئے بیوی پر کچھ مال وغیرہ دینا بھی لازم نہیں۔

بچوں کا حقِ پرورش

طلاق یا خلع یا فسخ نکاح کے بعد بچے کس کے پاس رہیں گے؟۔

میاں بیوی کے درمیان جدائی کے بعد بچوں کی پرورش کا حق شرعاً ماں کو حاصل ہے اور اس سلسلے میں ہونے والے اخراجات کا باپ ذمہ دار ہے (۱) لڑکا جب تعلیم و تربیت اور عقل و شعور کی عمر کو پہونچ جائے اسی طرح لڑکی جب بلوغ کی عمر (ماہواری کی ابتداء) تک پہونچ جائے تو باپ اپنی اولاد کو ماں سے حاصل کرنے کا شرعاً حقدار ہے (۲) پرورش کی مدت کے دوران بھی باپ کو بچوں کی ملاقات سے روکنا شرعاً درست نہیں (۳)

خلع کے بعد دوبارہ نکاح

اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور دوبارہ اس کے ساتھ رہنا

---

(۱) بقرہ: ۲۳۳ نیز دیکھئے: درمختار مع الرد ۳/۶۱۰ باب الحضانۃ۔

(۲) دا فت الجاریۃ مبلغ النساء (ا) بکر اضمہا الاب الی نفسہ (درمختار مع الرد ۳/۶۲۳ ط: بیروت)

(۳) تنویر الابصار علی الدر المختار مع رد المحتار ۳/۶۲۵، ط: بیروت

چاہتا ہے تو اسے ایک خاص مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے لیکن اگر بیوی شوہر سے خلع لے لے اور پھر دوبارہ دونوں ساتھ رہنے کا فیصلہ کریں تو اس صورت میں کیا طریقہ کار ہے؟۔

(شرافت علی خاں، جدہ)

واضح رہے کہ خلع دراصل عورت کی طرف سے مہر کی معافی یا کچھ مال کے عوض میں شوہر سے طلاق کے مطالبہ کا نام ہے، اس میں شوہر کی رضامندی بھی ضروری ہے، اگر بیوی کی طرف سے خلع کے مطالبہ کو شوہر نے قبول کر لیا اور خلع دے دیا تو اس سے عورت پر ایک "طلاق بائن" پڑتی ہے یعنی وہ شوہر سے فوراً جدا ہو جائے گی، اس صورت میں عورت عدت گزار کر کہیں بھی شادی کر سکتی ہے، اور اگر سابقہ شوہر ہی کے ساتھ رہنا چاہتی ہو اور دونوں اس پر راضی ہوں تو نکاح کی تجدید ضروری ہے، اور سابقہ شوہر سے (جس سے جدائی پر وہ عدت گزار رہی ہے) نکاح کی تجدید کے لئے عدت کا ختم ہونا ضروری نہیں، یعنی دوران عدت بلکہ طلاق بائن کے فوراً بعد بھی نکاح کی تجدید ہو سکتی ہے ہاں اگر خلع کے وقت شوہر نے تین طلاق (یعنی طلاق مغلظہ) کی نیت کی ہو تو ایسی صورت میں فقہاء احناف تین طلاقوں کو صحیح مانتے ہیں (یعنی اب بغیر حلالہ کے وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی)۔

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

۱۹۷۸ء میں افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو کمیونسٹ حکومت کے خلاف جنگ شروع ہوئی تھی جس کے نتیجہ میں کئی اسلام پسند افراد کو گرفتار کیا گیا، اس طرح ۱۹۷۹ء میں ہمارے گاؤں کے ایک نوجوان عالم دین مولانا عبد الجلیل کو گرفتار کیا گیا، جن کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں کہ آیا وہ زندہ ہیں یا مر گئے، تقریباً پندرہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے

اب کیا ان کی بیوی دوسری شادی کرسکتی ہے، عبدالجلیل کے والد کہتے ہیں کہ میرا بیٹا گم ہوگیا ہے اور ایسے شخص کی بیوی دوسری شادی نہیں کرسکتی بلکہ اسے ۷۰ رسال تک انتظار کرنا پڑے گا؟ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر نہیں تو صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

(سلمان۔ آبار علی، مدینہ منورہ)

دراصل نکاح کے وقت جو تعلق قائم ہوجاتا ہے، وہ شرعاً طلاق یا شوہر و بیوی میں سے کسی ایک کے انتقال پر ختم ہوجاتا ہے، چونکہ ایک عورت شرعاً بیک وقت دو مردوں کی زوجیت میں نہیں رہ سکتی، اس لئے شوہر کی زندگی میں اس کی طرف سے طلاق یا خلع کے بغیر یہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔

جب شوہر لاپتہ ہوجائے تو اس سے طلاق یا خلع کی صورت ممکن نہیں رہی، اس لئے بعض متقدمین فقہاء احناف سے یہ بات منقول ہے کہ ایسی عورت اس وقت تک شادی نہ کرے جب تک کہ شوہر کے مرنے کا یقین نہ ہوجائے، جس کے لئے بعض نے سو سال یا اس سے کچھ کم و بیش مدتِ انتظار کی تحدید بھی کی ہے، بعض نے کہا کہ اس کے ہم عمر دوست احباب جب سب انتقال کرجائیں تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اس لاپتہ شخص کا بھی انتقال ہوگیا لیکن اس سلسلہ میں فقہاء مالکیہ نے صرف چار سال انتظار کرنا ضروری قرار دیا ہے اس کے بعد دوسری شادی کی اجازت دی ہے (۱)۔

حالاتِ زمانہ کی رعایت اور عورتوں کی عفت و عصمت کی حفاظت کے پیشِ نظر متاخرین فقہاء احناف نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے لیکن واضح رہے کہ چار سال کے انتظار کے بعد عورت خود شادی نہیں کرسکتی، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ شرعی عدالت

---

(۱) المدونۃ الکبریٰ ۲ر۹۲-۹۳

میں اپنا مقدمہ دائر کرے پھر شرعی قاضی صورتِ حال کا جائزہ لے کر نکاح فسخ کردے گا(۱)، قاضی شرع کی طرف سے سابقہ نکاح فسخ ہو جانے کے بعد یہ عورت دوسرے کسی بھی شخص سے شادی کر سکتی ہے۔



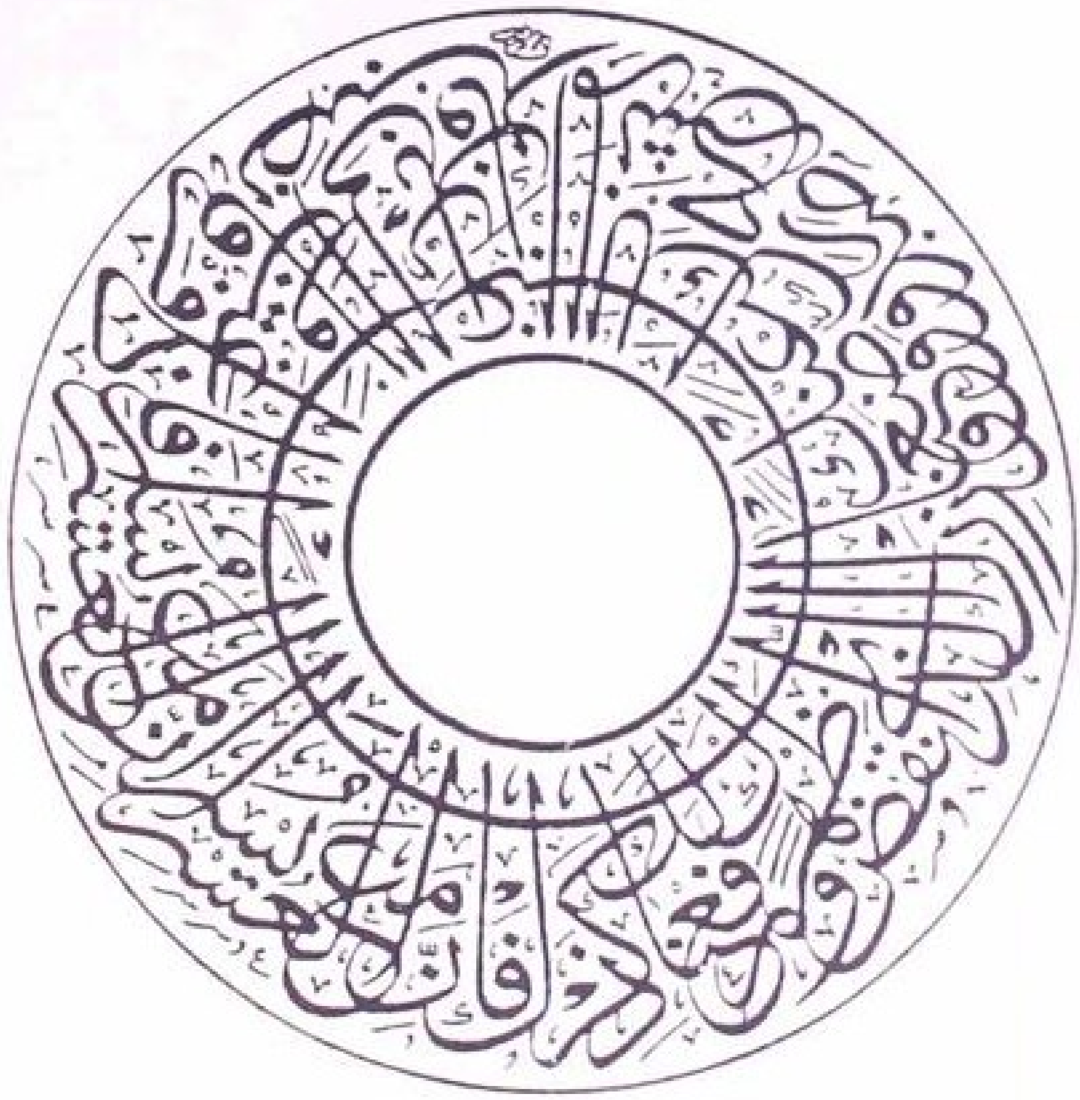
(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: جدید فقہی مسائل ۲/۱۴۳

سوال و جواب

حصہ اول

نواں باب

نذر و قسم



قسم کی قسمیں

گپ شپ لگاتے ہوئے اگر کسی آدمی نے یہ کہا کہ "قسم سے میں نے یہ کام کیا" حالانکہ اس نے وہ کام نہیں کیا یا کہا کہ "اللہ کی قسم میں نے دیکھا" حالانکہ اس نے وہ نہیں دیکھا تو ایسی صورت میں یہ جھوٹ تو ہے ہی، لیکن قسم کا کیا حکم ہے؟ ——— (لالچی خان، جدہ)

جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے، اور قرآن و حدیث میں جھوٹوں پر اللہ و رسول کی طرف سے لعنت بھیجی گئی ہے، اور جھوٹی قسم کھانے کا گناہ عام جھوٹ سے بھی زیادہ ہے، لیکن قسم کا معاملہ اس سے مختلف ہے، فقہاء نے قسم کی تین قسمیں بیان کی ہیں، یمین لغو، یمین غموس اور یمین منعقدہ (عربی میں یمین کے معنی قسم کے آتے ہیں) یمین لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا ارادہ زبان سے نکل جائے، یعنی آدمی کے قسم کھانے کا کوئی ارادہ نہیں لیکن باتوں باتوں میں قسم کا لفظ زبان سے نکل گیا، یا پھر قسم کا کوئی لفظ کسی شخص کا تکیہ کلام ہو یا کوئی لفظ عرف عام میں قسم کے علاوہ تاکید کلام کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے یہاں عام بول چال میں "واللہ" کا لفظ ہے (عربی استعمال میں بھی واللہ کا لفظ قسم کے علاوہ صرف کلام میں زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے آتا ہے) اس طرح کی

قسم کو "یمین لغو" کہتے ہیں، اس میں قسم کھانے والے پر کوئی مواخذہ نہیں، نہ قسم کا گناہ ہوگا اور نہ اس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا وثانیہما لغو، لامؤاخذة فیہا .... (ان حلف کاذبا یظنہ صادقا، فی ماض وحال (ویرجی عفوہ.) .... (واضح رہے کہ اگر کوئی اس طرح جھوٹ بات اپنی زبان سے نکالے تو جھوٹ کا گناہ بہرحال اس کے ذمہ رہے گا۔)

قسم کی دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے ارادہ واختیار سے گزرے ہوئے زمانہ کے بارے میں جھوٹی قسم کھائے، مثال کے طور پر آج ایک شخص نے فجر کی نماز نہیں پڑھی، اور اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس نے فجر کی نماز آج نہیں پڑھی ہے لیکن پھر بھی جانتے بوجھتے عمداً جھوٹی قسم کھاتے ہوئے یہ کہے کہ "اللہ کی قسم آج میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی تو اس قسم کو "یمین غموس" کہتے ہیں، اسی طرح ایک شخص نے کوئی کام کیا لیکن عمداً قسم کھا کر یہ بات کہے کہ اس نے وہ کام نہیں کیا تو یہ بھی یمین غموس ہے، یمین غموس کا حکم یہ ہے کہ بالاتفاق ایسا شخص گنہگار ہے، اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اس جھوٹی قسم پر سچے دل سے معافی مانگے اور توبہ واستغفار کرے وہی غموس ان حلف علی کاذب عمداً کواللہ مافعلت عالماً بفعلہ أو کواللہ مالہ علی الف عالماً بخلافہ وواللہ انہ بکر عالماً بانہ غیرہ، ویأثم بہا رفتلزمہ التوبة) (تنویر الابصار علی ہامش الدر المختار ۴/۶)

البتہ اس قسم کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ (یعنی قسم کا کفارہ) واجب نہیں، یہی امام ابوحنیفہ امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ کا مسلک ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارۂ قسم واجب ہے (یعنی قسم توڑنے کا جو کفارہ ہے وہی کفارہ اس جھوٹی قسم پر بھی ادا کرنا ہوگا) زحیلی لکھتے ہیں: وحکمہا عند الجمہور ومنہم الحنفیة والمالکیة والحنابلة علی الراجح عندہم: انہ یأثم فیہا صاحبہا و یجب علیہ التوبة والاستغفار ولا کفارة علیہ بالمال .... وقال الشافعیة

وجماعة: تجب الكفارة فی الیمین الغموس (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳؍۶۲-۳۶۲)

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص گزرے ہوئے زمانہ کے بارے میں کسی بات پر جھوٹی قسم ہی کھائے لیکن اپنے گمان اور خیال میں وہ سچا ہو اور بعد میں پتہ چلے کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو اس پر کوئی گناہ بھی نہیں، اس طرح اس صورت میں یہ قسم بھی "یمین لغو" ہی کے حکم میں ہوگی، مثال کے طور پر خالد ایک ہفتہ قبل سلیم کے گھر گیا اور پھر بھول گیا چنانچہ قسم کھاتے ہوئے وہ یہ کہے کہ میں دو ہفتے سے سلیم کے گھر گیا ہی نہیں (اور قسم کھاتے وقت وہ اپنے آپ کو سچا سمجھ رہا ہے، بعد میں اسے یاد آیا کہ میں نے تو جھوٹی قسم کھائی کیونکہ ایک ہفتہ قبل ہی اس کے گھر میں گیا تھا) تو یہ قسم بھی "یمین لغو" ہی کے حکم میں سمجھی جائے گی، یعنی اس پر کوئی گناہ یا کفارہ نہیں۔

یمین کی تیسری قسم "یمین منعقدہ" ہے جس میں بالاتفاق قسم کھانے والا (قسم توڑنے پر) گنہگار بھی ہوتا ہے اور اس پر دنیا میں سزا کے طور پر کفارہ بھی واجب ہے "یمین منعقدہ" یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے نام پر یا اس کی صفات کے ذریعہ قسم کھا کر کہے کہ "فلاں کام کروں گا" یا "میں فلاں کام نہ کروں گا" یعنی زمانہ مستقبل کے بارے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے، اگر کوئی اللہ کا ذاتی یا صفاتی نام ذکر کئے بغیر ہی یہ کہے کہ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے فلاں کام نہ کروں گا" تب بھی یہ قسم ہی سمجھی جائے گی، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یمین منعقدہ میں دل کے ارادہ کا ہونا بھی ضروری نہیں، یعنی اگر کوئی شخص الفاظِ قسم کے ذریعہ آئندہ زمانے کے بارے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی (سہواً) قسم کھالے یا اس سے زبردستی قسم لی جائے تب بھی اس کی قسم معتبر ہوگی یعنی اس کے توڑنے پر اس شخص کو کفارہ ادا کرنا پڑے گا، جب کہ دیگر ائمہ کے ہاں اس قسم کے انعقاد میں بھی نیت وارادہ کا ہونا ضروری ہے، زبردستی یا سہواً کھائی گئی قسم معتبر نہ ہوگی، زحیلی کا بیان ہے کہ: الکفارة تجب فی الیمین المنعقدة عند الحنفیة والمالکیة سواء

أكان الحانث عامداً أم ساهياً أم مخطئاً أم نائماً أم مغمى عليه أم مجنوناً أم مكرهاً.....

.... وقال الشافعية والحنابلة: لا كفارة ولا حنث على غير المكلف كالصبي والمجنون والنائم. (الفقه الإسلامي وادلته ۲/۳٦۸)

قسم اگر گناہ کی کھائی گئی ہو تو اس کو توڑنا اور کفارہ ادا کرنا ضروری ہے، اور اگر کسی جائز کام کی قسم کھائی گئی ہو تو قسم کو پورا کرنا چاہیے، یہی اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت وحرمت اور عزت کا تقاضہ ہے، اگر قسم توڑ دے گا تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا، اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو (صبح وشام) کھانا کھلائے، یا انہیں کپڑا پہنائے، اگر اس کی استطاعت وقدرت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزے رکھے، قسم کے سلسلے میں سورہ المائدہ آیت نمبر ۸۹ میں ارشاد باری ہے "اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری لغو قسم کے بارے میں مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن اس پر (ضرور) مؤاخذہ کرے گا، جس قسم کو تم نے (ارادہ کے ساتھ) کھایا ہے، پس اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اوسط درجہ کا جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑا پہنایا جائے، یا غلام آزاد کیا جائے، اگر کوئی نہ کر سکے تو تین دن روزہ رکھے، یہی تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ تو اپنے قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات (احکام کو) کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو"۔

قسم کے سلسلے میں کئی جزئیات فقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں، اور عام بول چال میں قسم کے استعمال کے لحاظ سے اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، لیکن یہاں اس کی صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی (یمین منعقدہ میں) قسم کھاتے ہوئے مثلاً انشاء اللہ کہہ دے تو اس قسم کا اعتبار نہ ہوگا، یعنی قسم منعقد نہ ہوگی، اور اس کے خلاف کرنے پر قسم توڑنے کا کفارہ واجب نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی طلاق کے ساتھ یمین لغو یا یمین غموس کا استعمال کرے، متصلاً اپنی بیوی سے عمداً جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ میں نے تمہیں پہلے ہی

طلاق دے دی ہے (حالانکہ اس سے قبل اس نے طلاق نہ دی ہو) تو اگرچہ اس پر کفارۂ یمین واجب نہیں، جیسا کہ اوپر گزرا، لیکن وقوعِ طلاق میں یہ قول معتبر ہوگا، اور اس طرح سے بھی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ نکاح و طلاق اور عتاق (غلام کی آزادی) کے سلسلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ یہ جملے مذاق میں بھی کہے جائیں تو معتبر ہوں گے، اور نکاح و طلاق واقع ہو جائیں گے۔

زندگی بھر نہ بولنے کی قسم

پاکستان میں ہم آٹھ لڑکوں کا گروپ تھا، کسی بات پر ایک لڑکا میرے سوا سب سے ناراض ہو گیا، باقی تمام نے زندگی بھر اس سے نہ بولنے کی، صلح نہ کرنے کی قسم کھائی، بعد میں اس لڑکے نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور مجھ سے ساتھیوں کے درمیان صلح کرانے کی درخواست کی، لیکن وہ لوگ اپنی قسم پر قائم ہیں، دو تین نے قسم کا کفارہ ادا کر کے صلح کی خواہش ظاہر بھی کی تو ایک مولوی صاحب نے کہا کہ قسم کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، وہ یہ سن کر کہنے لگے کہ ہم میں اتنی استطاعت نہیں، لہٰذا ہم صلح ہی نہیں کرتے، کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ اب کیا کیا جائے؟

(شبیر بدر، ابو عریش)

عذرِ شرعی کے بغیر تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق جائز نہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے درمیان باہمی صلح صفائی کی اتنی اہمیت کہ اس کے لئے شریعت میں ایک حد تک جھوٹ کو بھی گوارا کیا گیا ہے، لہٰذا آپ کے ساتھیوں کا آپس میں قطع تعلق یا صلح صفائی سے گریز

جائز نہیں، انہیں چاہیئے کہ اپنے ساتھی سے بات چیت شروع کردیں اور صلح کریں، پھر قسم توڑنے کا کفارہ ادا کردیں۔

قسم کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محترم و مبارک اور باعظمت نام اس لئے نہیں کہ اسے ناجائز اور خلافِ شرع کاموں میں استعمال کیا جائے، اور جائز کاموں کے کرنے میں اسے رکاوٹ بنایا جائے چنانچہ احادیث میں صراحت موجود ہے کہ کسی گناہ کے کام پر قسم کھانا جائز نہیں، اور اگر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے تو اسے قسم توڑنا ضروری ہے، ورنہ آدمی دوہرے گناہ کا مستحق ہوگا، گناہ کرنے کا اور اس کے کرنے کی قسم کھانے کا، قسم کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا نہیں، بلکہ دس مسکینوں کو (دو وقت یعنی صبح و شام) کھانا کھلانا یا انہیں کپڑا پہنانا ہے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر تین دن مسلسل روزے رکھنا قسم کا کفارہ ہے (مائدہ ۸۹) واضح رہے کہ جن جن ساتھیوں نے بھی قسم کھائی ہے انہیں قسم توڑنے کا الگ الگ کفارہ ادا کرنا پڑے گا، یہ نہیں کہ سب مل کر دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔

جھوٹی قسم کا کفارہ

ایک شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر جھوٹی قسم کھاتا ہو تو اس گناہ کی توبہ کیسے کی جاسکتی ہے؟ نیز اس وقت سے تاحال جتنی عبادتیں کیں وہ ضائع تو نہیں ہوگئیں؟ ——— (م ن، جدہ)

جھوٹی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے، احادیث میں ایسے شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے، جو شخص جھوٹی قسم کھالے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے اس گناہ پر اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی مانگے اور کثرت سے استغفار پڑھتا رہے، اس گناہ کی وجہ سے اس کی دیگر عبادتیں انشاء اللہ ضائع نہیں ہوں گی، یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ جب

بھی بوقتِ ضرورت قسم کھانی پڑے تو اللہ کی قسم کھائی جائے غیر اللہ کی قسم مثلاً قرآن کی، کلمہ کی یا کسی انسان کی قسم کھانا جائز نہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہے۔

جھوٹی قسم کھانا جائز نہیں

کیا حالات کی وجہ سے کسی مسلمان مرد یا عورت کی زندگی بنانے کیلئے جھوٹی قسم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟۔

جھوٹی قسم کھانا ناجائز اور کبیرہ گناہ ہے بلکہ کبیرہ گناہوں میں بھی بڑا گناہ ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے بڑے گناہ تبلاؤں؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمایئے، آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے بیٹھے تھے سیدھے ہو کر ارشاد فرمانے لگے خبردار جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، خبردار اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی (راوی کہتے ہیں کہ) آپ بار بار یہ بات دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ خاموش نہ ہوں گے (۱)" صحیح بخاری ہی میں اسی کے بعد سیدنا انس بن مالک سے مروی ہے کہ آپ سے کبائر (کبیرہ گناہوں) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا" اللہ کے ساتھ شریک کرنا کسی نفس کو (ناحق) قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا پھر فرمایا کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں بھی سب سے بڑا گناہ بتاؤں؟ فرمایا جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی" عن انس بن مالکؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اکبر الکبائر الاشراک باللہ وقتل النفس وعقوق الوالدین وقول الزور او قال وشہادۃ الزور (بخاری عن انس ۹/۵ کتاب الدیات)

---

(۱) بخاری عن ابی بکرۃ ۹/۲۴ کتاب استتابۃ المرتدین۔

قرآن پاک میں ارشاد باری ہے کہ "جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے" (آل عمران /۶۱، نور /۷) ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو صرف ہنسانے کے لئے ہنسی مذاق کے طور پر جھوٹ بولنے والے پر بھی ہلاکت کی وعید سنائی ہے، لہٰذا جھوٹی بات، جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کسی صورت میں جائز نہیں اس سے بچنا چاہیئے، اگر کوئی جھوٹی قسم کھالے، یا جھوٹی گواہی دے تو وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، اسے سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہیے اور کثرت سے توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔

وعدہ خلافی نفاق کی علامت ہے

ایک شخص نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر کسی سے حلفیہ کوئی وعدہ کیا بعد میں اسے پورا نہ کرسکا، جس سے دوسرے شخص کی دل آزاری ہوئی اب اس شخص کا دل وعدہ کا پاس نہ کرکے پشیمان ہے، اب اس شخص کو قسم یا حلف کے پورا نہ کرنے پر کیا کفارہ ادا کرنا چاہیئے؟۔

(صغیر احمد، حفر الباطن)

وعدہ کرکے پورا نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، ایک صحیح حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ منافق کی نشانیاں تین ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، اور اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اسمیں خیانت کرے (۱) اس شخص کو چاہیئے کہ وعدہ خلافی سے جس شخص کی دل آزاری ہوئی ہے اس سے معافی مانگے، پھر حلفیہ وعدہ تھا لہٰذا قسم کے توڑنے کا کفارہ بھی ادا کرے، اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو پیٹ بھر دو وقت (صبح وشام) کھانا کھلائے یا انہیں متوسط درجہ کا کپڑا

---

(۱) بخاری عن ابی ہریرہ ۱/۲۶ باب علامۃ المنافق کتاب الایمان

پہنائے اگر اس کی استطاعت و قدرت نہ ہو تو پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھے (مائدہ / ۸۹) یاد رہے کہ اگر صرف قرآن پر ہاتھ رکھا اور قسم کا لفظ نہیں بولا تو یہ قسم نہیں ہوگا اور کوئی کفارہ اس کے ذمہ نہ ہوگا۔

جھوٹی قسم کا کفارہ

اگر کسی سے کوئی بات معلوم کرنی ہو اور اس سے کہا جائے کہ تم قسم کھاؤ تو کیا یہ جائز ہے، اگر کوئی جھوٹی قسم کھالے تو اس کا گناہ کتنا ہے؟

(ایک بہن، الخبر)

معمولی معمولی باتوں پر قسم کھانا اور کسی سے قسم کا مطالبہ کرنا مناسب نہیں ہے اگر کوئی اہم معاملہ ہو اور فریقین کے پاس کوئی ثبوت یا دلیل نہ ہو تو قسم کھائی جا سکتی ہے اور اس کا مطالبہ بھی کیا جا سکتا ہے، واضح رہے کہ ضرورت پڑنے پر بھی قسم صرف اللہ تعالیٰ کی کھانی چاہیے کسی اور چیز کی نہیں۔

جھوٹی قسم کا گناہ بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج آیت نمبر ۳۰ میں جھوٹی بات کو شرک کے ساتھ ذکر کر کے اس سے بچنے کا حکم فرمایا ہے، نیز ایک صحیح حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی کو "اکبر الکبائر" یعنی کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے گناہ قرار دیا (۱) اسی طرح بعض صحیح احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق دبالے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس سے سخت ناراض ہوگا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: من حلف على يمين وهو فيها فاجر ليقتطع بها مال

---

(۱) بخاري عن انس كتاب الديات۔

امرأ مسلم لقی اللّٰہ وھو علیہ غضبان۔ (ترمذی عن ابن مسعود، باب ما جاء فی الیمین الفاجرۃ) جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے (جیسا کہ مختلف جگہوں پر قرآن پاک میں مذکور رہے) تو یقیناً جھوٹی گواہی دینے اور جھوٹی قسم کھانے والے لعنتِ الٰہی کے مستحق اور رحمتِ الٰہی سے دور ہیں۔

قسم توڑنے کا کفّارہ

میرا ایک دوست ایک لڑکی سے پیار کرتا تھا، دونوں نے جذبات میں آکر قسم کھائی تھی کہ ایک دوسرے کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کریں گے، اب لڑکی کے والدین دوسرے لڑکے سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اب کیا لڑکی اور لڑکے کو اپنا فیصلہ بدل کر دوسری جگہ شادی کرنا جائز ہے یا ان کو اپنی شادی سے پہلے کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا؟ ——— (نوید ظفر، ریاض)

ہاں، دونوں کو اپنا فیصلہ بدل کر دوسری جگہ شادی کرنا جائز بلکہ امید ہے کہ یہی بہتر ہوگا، کیونکہ شریعت میں اگرچہ بالغ لڑکے اور لڑکی کو اپنا رشتہ خود منتخب کرنے کی اجازت ہے لیکن عام طور پر ایسے "جذباتی رشتے" ناکام ہوتے ہیں، اور ان کی انتہا طلاق پر ہوتی ہے، اس لئے والدین اور بڑوں کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر ان کے فیصلہ اور اختیار کو تسلیم کرنے ہی میں عافیت ہے، دوسری جگہ شادی کرنے سے ان کی قسم ٹوٹ جائے گی اس لئے شادی کے بعد دونوں کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق دس مسکینوں کو دو وقت یعنی صبح و شام، کھانا کھلائے، یا انہیں کپڑا پہنائے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر تین دن روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فکفادتہ اطعام عشرۃ مسٰکین	اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا
من اوسط ماتطعمون	دینا ہے اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں
اھلیکم او کسوتھم او	کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا
تحریر رقبۃ فمن لم یجد	یا ایک گردن (غلام یا باندی) آزاد کرنا
فصیام ثلثۃ ایام، ذلک کفارۃ	اور جس کو قدرت نہ ہو تو تین دن کے
ایمانکم اذا حلفتم، واحفظوا	روزے ہیں، یہ کفارہ ہے تمہاری
ایمانکم۔	قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو (پھر توڑ دو)
(مائدۃ ۸۹)	اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو

معمولی باتوں پر قسم کھانا

یہاں اکثر لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی واللہ بولتے ہیں، کیا اسطرح معمولی باتوں پر قسم کھانا جائز ہے؟ ——— (چنگیز اقبال، جدہ)

معمولی باتوں پر اگرچہ قسم نہیں کھانی چاہیے لیکن لفظ واللہ یہاں عام طور پر اکثر لوگوں کا تکیہ کلام ہوتا ہے جو صرف تاکید کے مقصد سے بولا جاتا ہے قسم کے ارادہ سے نہیں، اس طرح اس کا شمار شرعاً قسم میں نہیں ہوگا، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ان اللغو ما یجری بین الناس	نہیں خدا کی قسم، ہاں، واللہ اس طرح
من قولھم: لا واللہ، وبلیٰ واللہ۔	کے کلمات جو لوگوں کا تکیہ کلام ہوتے
(رد المحتار ۴/ ۸)	ہیں لغو ہے۔

قسم کا کفارہ

میرے دوست نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ زندگی بھر فلاں

کام نہیں کرے گا، کیا میرا دوست اس قسم کا زندگی بھر کے لئے پابند ہوگیا، اور اگر ہوگیا تو اس کا کفارہ کیا ادا کرنا ہوگا؟

(جاوید عبدالنعیم، الخبر)

قسم کے بعد آدمی پابند ہوجاتا ہے، جس طرح قسم کھائی جائے، اسی طرح پابندی عائد ہوجاتی ہے، چونکہ آپ کے دوست نے زندگی بھر فلاں کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، اس لئے وہ زندگی بھر کے لئے اس قسم کے پابند ہوگئے، اب اگر آپ کے دوست وہ کام کریں گے، جس کے نہ کرنے کی انہوں نے قسم کھائی تھی تو انہیں قسم کے توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو صبح و شام، کھانا کھلائیں، یا انہیں کپڑا پہنائیں اگر کوئی آدمی اس پر قادر نہ ہو، یعنی اس کی اتنی استطاعت نہ ہو کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا ان کے لئے کپڑا بنوائے تو وہ قسم کے کفارہ میں تین دن مسلسل روزے بھی رکھ سکتا ہے۔

قسم اگر اچھی بات پر کھائی جائے، تو اس کی حفاظت کرنا اور اسے نہ توڑنا بہتر ہے، لیکن اگر کسی گناہ کی قسم کھائی گئی ہو تو اسے توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہیے، آپ کے دوست نے اگر کسی غلط اور برے کام کے بارے میں قسم کھائی ہو کہ اسے نہ کریں گے تو انہیں چاہیے کہ وہ اس کی رعایت کریں، اور قسم نہ توڑیں، لیکن اگر کسی نیک یا جائز کام کے بارے میں قسم کھائی کہ اس کو زندگی بھر نہ کریں گے تو ایسی صورت میں ان کے لئے بہتر ہے کہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کریں، ہندیہ میں ہے: نوع منها يجب إتمام البر فيها وهو ان يعقد على فعل طاعة أمر به او امتناع عن معصية وذلك فرض عليه قبل اليمين وباليمين يزداد وكادة، ونوع لا يجوز حفظها وهو ان يحلف على ترك طاعة أو فعل معصية.

(هنديه ۲/۵۲، ط: بيروت)

نذر پوری کرنے کی استطاعت نہ رہ جائے

میری ساس نے بیت اللہ شریف میں ایک منت مانی تھی کہ اگر میرے لڑکے کی فلاں گھر شادی ہو جائے تو میں ہر جمعہ کو روزہ رکھوں گی، یہ نہیں کہا تھا کہ کتنی مدت تک، اب بڑھاپے اور گھر کے کاموں کی وجہ سے روزہ رکھنے میں بڑی مشکل پیش آرہی ہے، لہٰذا اب روزہ چھوڑنے کا خیال ہے، ان کے لئے کتاب و سنت کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

انسان بسا اوقات خود اپنے اوپر ایسی چیزیں واجب کر لیتا ہے جو اسکی استطاعت و ہمت سے باہر ہوتی ہیں، لہٰذا نہ تو انہیں پورا کر سکتا ہے نہ ہی اس کا نعم البدل ادا کر سکتا ہے، یہی معاملہ منت ماننے کا ہے (یعنی نذر ماننا) انسان منت مانتے ہوئے اچھی طرح سوچ لے کہ آیا وہ اس منت کو پورا کر سکے گا کہ نہیں؟

منت کی پہلی شرط یہ ہے کہ منت صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو، چونکہ منت عبادت ہے، لہٰذا یہ غیر اللہ کے لئے ناجائز اور حرام ہے، منت کا پورا کرنا واجب ہے، گھر کا کام شرعی عذر نہیں ہے کہ متعین نذر مانے ہوئے روزے نہ رکھنے اجازت ہو، اس صورت میں تو بہر حال روزہ رکھنا ہو گا، لیکن بوڑھاپے کی وجہ سے قدرت نہ ہو تو ہر جمعہ کے روزہ کے بدلہ ایک فدیہ ادا کریں، روزہ کا فدیہ یہ ہے کہ نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت کسی محتاج کو دے دے، اور دل میں یہ خیال بھی رکھے کہ اگر قدرت ہوتی تو میں روزہ ہی رکھتی، ایسی صورت میں امید ہے کہ اللہ نذر سے واجب شدہ روزے ذمہ سے ساقط فرما دے گا، قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے:

وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین۔ (بقرۃ/۱۸۴) جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں، ان کے ذمہ ایک غریب کا کھانا دینا ہے۔

نذر ماننا

اگر کوئی آدمی اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے یہ کہے کہ اے رب قدوس میرا فلاں کام کردے، میرا اگر یہ کام ہوگیا تو میں اس خوشی میں عمرہ ادا کروں گا، یا مدینہ پاک کی زیارت کروں گا، کیا ایسا کہا جاسکتا ہے؟

(گل عالم، جدہ)

ایسا کہنا اگرچہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ بات نہیں ہے لیکن جائز ہے، اس طرح اپنے اوپر کسی چیز کے لازم کرلینے کو نذر کہتے ہیں، غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا تو بہر صورت ناجائز بلکہ شرک ہے، اللہ کے نام کی نذر جائز ہے نیز اگر وہ کام ہوجائے تو جس چیز کی نذر مانی تھی، اس کا پورا کرنا واجب اور ضروری ہے بشرطیکہ وہ کام ناجائز نہ ہو، جس کی نذر مانی گئی ہے، حصکفی رقمطراز ہیں: من نذر نذراً مطلقا او معلّقا بشرط وكان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة ووجدا لشرط لزم الناذر كصوم وصلاة وصدقة و واعتكاف۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ۴/۳۸ ط: بیروت)

نذر کس طرح پوری کریں؟

میں نے ایک نذر مانتے ہوئے زبان سے یہ کہا تھا کہ اے اللہ اگر آپ میری مراد پوری کردیں تو میں بیل ذبح کردوں گا، اللہ تعالیٰ نے میری مراد پوری فرمادی، اب کیا میں بیل ذبح کرنے کے بجائے اس کی قیمت نقد صدقہ کرسکتا ہوں یا نہیں؟ ——— (گل عالم، جدہ)

اگر کسی معصیت اور گناہ کی نذر نہ ہو تو جس طرح نذر مانی گئی، اسی طرح اسے پورا کرنا ضروری ہے، اس مسئلہ میں آپ نذر کے مطابق جانور ذبح کرکے فقراء اور

مساکین میں گوشت تقسیم کرسکتے ہیں، اور چاہیں تو اس کی قیمت بھی صدقہ کرسکتے ہیں، دونوں میں سے کسی بھی صورت کو اپنانے سے نذر پوری ہوجائے گی، درمختار میں ہے: نذر ان یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ۔ (درمختار ۴/۴۵، ط: بیروت)

وعدہ پورا نہ کرنے پر کفارہ

میں نے سعودی عرب آنے سے پہلے کسی سے وعدہ کیا تھا، اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا کہ میں تمہارے فلاں رشتہ دار کو ایک سال کے اندر سعودی عرب بلوالوں گا، لیکن اب ایک سال گزر گیا ہے، اور میں اپنے حالات کی وجہ سے اسے یہاں نہیں بلاسکا، کیا اس پر کوئی کفارہ ہے؟ ———— (عارف حسین، بریدہ القصیم)

اگر آپ نے وعدہ کیا تھا تو اپنے وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کریں، اور جب بھی موقع ہو اس آدمی کو یہاں بلالیں، آپ کے حالات اگر یہ اجازت نہیں دیتے کہ آپ انہیں بلاسکیں تو آپ پر کوئی کفارہ نہیں ہے، البتہ اگر آپ نے قسم کھائی ہو کہ میں ایک سال میں فلاں آدمی کو ضرور یہاں بلالوں گا، اور ایک سال میں نہ بلاسکیں تو قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

الزام دور کرنے کے لئے قسم کھانا

ہم تقریباً ۱۲ لوگ ایک روم میں رہتے ہیں جو ہماری کمپنی کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے، ایک ساتھی کے ۲۲۰۰ ریال چوری ہوگئے، باہر سے آنے جانے والے پر شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اس لئے ہمارے ساتھی

نے ہم سب سے فرداً فرداً پوچھا، سبھی نے انکار کیا، یقین نہ آنے پر سب کو حرم مکہ لے جاکر قسم کھلوائی، ظاہر ہے کہ اگر کوئی وہاں جاکر قسم کھانے سے انکار کرتا تو سب اسی پر شک کرتے، لہٰذا سبھی نے وہاں چل کر قسم کھائی، شرعاً اس عمل کی کیا حیثیت ہے؟ کیا ہم سب کا اس طرح قسم کھاکر یقین دلانا درست ہے، اور ہمیں قسم کھانے پر جس طرح مجبور کیا گیا وہ صحیح و درست ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرماکر ہم سب کی ذہنی پریشانی دور فرمائیں۔ (سید حسن خاں، جدہ)

اس طرح کے باہمی اختلافات میں فریقِ مخالف کے بیان پر اعتماد نہ ہو تو شک و شبہ اور بدگمانی سے بچنے کے لئے اس سے قسم لی جاسکتی ہے تاہم جس شخص کی رقم چوری ہوگئی، اس کے لئے زیادہ عزیمت کی بات یہ تھی کہ قسم پر مجبور کئے بغیر ساتھیوں کے سادہ بیان پر یقین کر کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر لیتا اور صبر سے کام لیتا، صحیح احادیث میں کسی چیز کے گم ہو جانے چوری ہو جانے پر بھی صدقہ و خیرات کے ثواب کی بشارت ہے، اگر کسی شخص کے بارے میں یقین ہو کہ وہ اللہ کی قسم کھاکر بھی جھوٹ بولے گا اور جھوٹی قسم کھائے گا تو اسم الٰہی کی عظمت و احترام کے پیشِ نظر قسم پر مجبور کرنا درست نہیں (ہاں شرعی قاضی اور جج کو اس کا حق حاصل ہے کیونکہ شرعاً مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو فریقِ مخالف کی قسم پر ہی فیصلہ کا دار و مدار ہوتا ہے)

جن ساتھیوں نے قسم کھائی ہے اگر انہوں نے سچی قسم کھائی ہو تو انہیں بہرحال کسی ذہنی پریشانی یا تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اپنے اوپر سے الزام یا شک و شبہ دور کرنے کے لئے سچی قسم کھانا جائز ہے، ہاں اگر ساتھیوں میں سے ہی کسی نے رقم چوری کی اور پھر جھوٹی قسم کھائی تو انہیں ذہن میں اب بھی رکھنا چاہیے کہ جھوٹی قسم گناہِ کبیرہ ہے، بالخصوص حرم محترم میں جاکر قسم کھانا اور بھی خطرناک ہے، عذاب

آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب آسکتا ہے، ایسے شخص کو خدا کے سامنے اپنی اس غلط حرکت پر انتہائی ندامت کے ساتھ استغفار ضروری ہے، کیونکہ صحیح احادیث میں جھوٹی قسم کا بڑا سخت وبال بیان کیا گیا ہے، ایک حدیث میں ایسے شخص کے لئے جنت حرام قرار دی گئی ہے، جو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھاتا ہو، پھر چوری خود ایسا سنگین جرم ہے جس کی سزا شریعت نے قطع ید (ہاتھ کاٹنا) مقرر کی ہے، لہٰذا مسلمان ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ رقم واپس کرکے ساتھی سے بھی معافی مانگے، اور اللہ تعالیٰ سے بھی توبہ واستغفار کرے۔

نذر کا پورا کرنا ضروری ہے

میرے ہاں جب پانچویں اولاد متوقع تھی تو میں نے اللہ سے نذر مانی تھی کہ اولادِ نرینہ ہوگی تو اسے حافظِ قرآن بناؤں گا، نیز مجھ سے بڑی ایک بہن لاولد ہیں، اس موقع پر انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس وقت جو بھی اولاد ہو وہ اسے گود لیں گی، چونکہ میرے ہاں دو لڑکے اور دو لڑکیاں موجود تھے، اس لئے میں نے ان کی خواہش پوری کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھا، چنانچہ اپنی والدہ اور بیوی کے مشورہ سے حامی بھرلی، ساتھ ہی یہ واضح کردیا کہ اولاد نرینہ ہونے کی صورت میں اسے حافظِ قرآن بنانے کی میں نے نذر مانی ہے، تو انہوں نے بھی وعدہ کرلیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، الحمد للہ لڑکا ہوا اور بہن نے گود لے لیا لیکن انہوں نے وعدہ اپنا پورا نہیں کیا، اور بچے کو قرآن حفظ نہیں کرایا اس بات کو تقریباً دس سال ہوچکے ہیں، اس وقت بچے کی ذہنی کیفیت بھی اِدھر مائل نہیں ہے، اور مجھے امید نہیں کہ لڑکا قرآن حفظ

کرسکے گا، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے، کیا اس کا کوئی کفارہ ہے؟ اگر ہے تو کیسے ادا کرنا ہوگا، مجھے یا میری بہن کو؟

چونکہ آپ نے نذر مانی ہے، اور بیٹا بھی آپ کا ہے لہٰذا آپ اپنی طرف سے پوری کوشش کریں کہ یہ نذر پوری ہو اور اپنی بہن کو سمجھائیں کہ شرعی طور پر ہر اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے جو انسان کی استطاعت میں ہو اور گناہ کے کام کی نذر نہ ہو، آپ نے یہ بھی لکھا کہ اب بچے کی ذہنی کیفیت حفظِ قرآن کے قابل نہیں ہے چنانچہ اگر کوشش کے باوجود لڑکا حفظِ قرآن نہ کرسکے، تو آپ پر کوئی مواخذہ نہیں، البتہ نذر پوری نہ کرنے کا کفارہ دینا پڑے گا، اور نذر چونکہ آپ نے مانی ہے، لہٰذا یہ کفارہ آپ کو ادا کرنا ہوگا نہ کہ آپ کی بہن کو، نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم توڑنے کا ہے (در مختار ۳؍۷۴)

نذر کسی بھی وقت پوری کی جاسکتی ہے

اچانک میری والدہ کی طبیعت خراب ہوگئی تو میں نے یہاں کئی مرتبہ اللہ سے یہ منت مانی تھی کہ والدہ صحت یاب ہوجائیں تو گاؤں (محلہ) والوں کو کھانا کھلاؤں گا، اب الحمدللہ والدہ کی صحت بڑی حد تک صحیح ہے، گھر والوں کا کہنا ہے کہ وطن آنے کے بعد کھانا کھلایا جائے جب کہ مجھے وطن جانے میں ایک سال باقی ہے، ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ ——— (عبداللطیف، نجران)

اگر آپ نے اپنی منت کو کسی وقت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو یا یہ منت نہ مانی ہو کہ صحت ہونے کے فوراً بعد کھانا کھلاؤں گا، تب تو ایسی صورت میں اس نذر اور منت کو سال بھر بعد بھی پورا کیا جاسکتا ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ ابھی اس کو پورا کردیا جائے، اس لئے کہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے اور وجوب کے بعد واجب کی ادائیگی میں عجلت مستحب ہے۔

سوال و جواب

حصہ اول

دسواں باب

احکام مساجد


رأس الحكمة مخافة الله
١٢٤٨

بلاضرورت دوسری مسجد بنانا

پاکستان میں میرا گھر مسجد سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ہے، میں اپنے مکان سے متصل چھوٹی مسجد بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں، کیا تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک مسجد کے ہوتے ہوئے اپنے گھر کے ساتھ کوئی مسجد بن سکتی ہے جب کہ ہمارا پہاڑی علاقہ ہے؟

(محمد صادق عباسی، خمیس مشیط)

اگر پرانی مسجد میں جگہ موجود ہے تو پھر اس کے مقابلہ یا محض نام و نمود اور فخر و شہرت کے لئے دوسری مسجد بنانا درست نہیں، اس کے بنانے سے ثواب نہ ہوگا، اس سلسلہ میں یہ تفسیری عبارت آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے:

وقیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سواء ابتغاء وجھہ للّٰہ بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار قال صاحب الکشاف وعن عطاء لما فتح اللّٰہ الامصار علی عمر امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی مدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ ھٰذہ لفظہٗ فالعجب من المشائخین المتعصبین فی زماننا یبنون فی کل ناحیۃ مساجد طلباً للاسم والرسم واستعلاءً لشانھم ولم یتالوا امافی ھٰذہ الایۃ والقصۃ من شناعۃ حالھم وسوء افعالھم (الاکلیل ۴/۲۸۴)

(ترجمہ) کہا گیا کہ ہر وہ مسجد جو مباہات اور ریاکاری اور نام و نمود یا رضائے خداوندی کے علاوہ کسی اور غرض سے بنائی جائے، یا غیر طیب مال سے بنائی جائے، وہ مسجد ضرار

کے حکم میں ہے، مدارک صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ حضرت عطار سے روایت ہے کہ جب اللہ پاک نے حضرت عمر کے ہاتھ پر شہروں کو فتح فرمایا، انھوں نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم فرمایا اور یہ بھی کہ ایک شہر میں دو مسجدیں نہ بنائی جائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہونچے۔ ھذا لفظہ، پس تعجب ہے ہمارے زمانہ کے متعصب مشائخ سے کہ نام ونمود اور اپنی بلندیٔ شان اور اپنے آباء واجداد کی اقتدار میں ہر ہر کنارہ میں مسجدیں بنا ڈالتے ہیں، اور اس آیت وقصہ میں غور نہیں کرتے کہ اس میں ان کی اس حالت وفعل کی کتنی برائی ظاہر کی گئی ہے۔

تاہم اگر ناپسندیدگی کے باوجود کوئی دو مسجدیں بنا ہی لے اور بستی بڑی نہ ہو تو وہ باقاعدہ مسجد شمار ہوگی، اور نماز وغیرہ درست ہوگی۔

مسجد کا قدیم سامان

پرانی مسجد کا پرانا سامان جواب فالتو ہے، اس کا کیا کیا جائے؟

(طاہر دبیر کوکنی، بحرین)

ایسا سامان فروخت کرکے اس کی رقم مسجد میں لگائی جائے، صاحبِ ہدایہ رقمطراز ہیں: ان تعذر اعادۃ عینہ الی موضعہ بیع وصرف ثمنہ الی المرمۃ صرفاً للبدل الی مصرف البدل۔ (ھدایہ ۲۔ ٦٢٢)

مسجد میں باتیں کرنا اور سونا

کیا مسجد میں سونا جائز ہے؟ اور کیا مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھ کر باتیں کرسکتے ہیں؟

مساجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لئے بیٹھنا ناجائز ہے، البتہ اگر نماز وغیرہ

عبادتوں کے لئے مسجد آنے کے بعد کوئی ضرورت پیش آجائے تو مباح کی حد تک آہستہ گفتگو کرنے کی گنجائش ہے کہ کسی نمازی کو اذیت نہ ہو اور غیر مباح باتیں کرنا جیسے فحش گفتگو اور جھوٹے قصے کسی طرح درست نہیں، یہ مسجد کے ادب کے خلاف ہے (نفع المفتی والسائل ۱۲۹)

مسجد کے اوپر مکان کی تعمیر

کیا مسجد کے اوپر رہائش کے لئے مکان بنوانا جائز ہے؟

(نجم القمر، ریاض)

اگر مسجد کی تعمیر کے وقت بانی مسجد یہ نیت کرے کہ مسجد کے نیچے مسجد کے مفاد کے لئے دکانات اوپر کے حصہ میں مؤذن و امام کے لئے کمرے بنانے ہیں، گویا ابتداء ہی میں مسجد کے نقشہ میں دکان اور کمرے وغیرہ شامل ہوں، اور مسجد کے مفاد کے لئے وقت ہو تو بنا سکتے ہیں، اور یہ دکانات و مکانات شرعی مسجد سے خارج ہوں گے، وہاں حائضہ اور جنبی کو آنے جانے کی اجازت ہوگی (۱) مگر جب مسجد بن گئی ہو اور اس کے نقشہ میں مکان اور دکان نہ ہو تو اب مسجد کے اوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کا حصہ تحت الثری تک مسجد کے حکم میں ہوگا، اس میں مسجد کے مفاد کے لئے سہی، دکان اور مکان درست نہیں ہوگا، علامہ حصکفی لکھتے ہیں: لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع (درمختار مع الرد ۴/۵۵۴ ط: بیروت)

مسجد یا گھر میں لوبان کی خوشبو

---

(۱) درمع الرد ۴/۵۵۳

مسجد یا گھر کو لوبان کی خوشبو سے معطر کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

(لیاقت سرنائیک، ریاض)

مسجد یا گھر کو لوبان، عود یا کسی اور خوشبو سے معطر کرنا جائز ہے۔

اگر مسجد اور قبر ایک جگہ ہوں؟

جہاں مسجد اور کسی بزرگ کی قبر اکٹھی ہو تو وہاں نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ ——— (نذیر شاہد، خمیس مشیط)

ہاں ایسی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں، البتہ قبر کے قریب یا اس طرف رُخ کر کے نماز نہ پڑھے، اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے جائے نہ کہ قبر پر حاضری کی نیت سے۔

مسجد کی جگہ بدلنا

ہمارے گاؤں میں چھوٹی مسجد ہے، نمازیوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ گاؤں والوں کا ارادہ ہے کہ مسجد کی توسیع کی جائے، مسجد کے چاروں طرف ہماری زمین ہے، ہمارے والدین مسجد کے لئے مزید زمین بلا قیمت دینے کو تیار ہیں، جس میں ہم سبھی بھائیوں کا اتفاق ہے لیکن جس جگہ مسجد ہے کیا اس جگہ کو تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جگہ تبدیل کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم چار بھائی ہیں، اگر کبھی گھر الگ کرنا پڑا تو سبھی بھائیوں کا گھر صحیح نہیں بنے گا۔

(اے ایس خان، جدہ)

جو جگہ مسجد کے لئے وقف کر دی جائے، اور وہاں مسجد بنا دی جائے، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہی کے حکم میں رہے گی، اس کو بدلنا اور تبدیل کرنا جائز نہیں، یہی مسلک

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کا ہے، یہی رائے جمہور فقہاء کی ہے، البتہ امام احمد کے بعض اقوال میں کسی قدر گنجائش ہے (فقہ السنہ مبحث الوقف) فی زمانہ مسجد کی حرمت کے بقاء کے لئے ضروری ہے کہ جمہور کی رائے پر فتویٰ دیا جائے، بالخصوص برصغیر کے ممالک میں اس کا اہتمام اور زیادہ ضروری ہے، ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت کا ناقابلِ فراموش سانحہ ہم سب کے سامنے ہے، اس مسئلہ میں ذرا بھی تاہل سے اعداء اسلام کو غلط اشارے ملیں گے، اس لئے آپ ——— مسجد کی تعمیر و توسیع اس انداز سے کریں کہ مسجد کی موجودہ جگہ بھی مسجد ہی میں شامل رہے، چاہے صحن مسجد کے طور پر ہو یا وضو خانہ کے طور پر البتہ اس جگہ حمامات اور بیت الخلاء کی تعمیر سے گریز کیا جائے۔

تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم کی اعانت

وطن میں میرے ایک کے علاقے میں مسجد تعمیر ہو رہی ہے، اس سلسلے میں ان صاحب نے یہاں فنڈ جمع کیا تو اس میں کمپنی کے دوست احباب نے حصہ لیا، جس میں ہندو اور کرسچن وغیرہ بھی شامل ہیں، عام طور پر لوگ مسجد کے لئے رقم جمع کرتے ہیں تو غیر مسلموں سے تعاون لینے میں احتراز کرتے ہیں، لیکن اس آدمی نے دانستہ یا نادانستہ ایسا نہیں کیا، بہر حال کتاب و سنت کی روشنی میں مطلع فرمائیں کہ مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کی مالی اعانت کا کیا حکم ہے؟

(مرزا محمد حنیف، الخبر)

مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور یہ عبادت کی جگہ ہے، مسجد میں نماز، تلاوت اور ذکر ہوتا ہے، لہٰذا مسجد کی تعمیر کے لئے کسی مشرک یا کافر سے چندہ لینا درست نہیں، سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "مشرکوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد

کی تعمیر میں حصہ لیں " اگرچہ بعض علماء و فقہاء نے مشروط طور پر کسی غیر مسلم سے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ لینا جائز لکھا ہے، لیکن جمہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، امام رازی لکھتے ہیں: دلت الآیة علی ان الکفار ممنوعون من عمارة مسجد من مساجد المسلمین. (تفسیر کبیر ۱۴/ ۵۹۷ ط: قاہرہ) اگر یہ صورت اختیار کرے کہ غیر مسلم اپنا روپیہ کسی مسلمان کو دے دے اور وہ مسلمان اس روپیہ کو مسجد میں دے دے تو اس صورت میں اس روپیہ کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے. (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۴۷)

مساجد دور ہوں تو کیا کیا جائے؟

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے مساجد کافی فاصلے پر ہیں، اور ہمارے گھر کافی دور جگہ یعنی کوئی پہاڑ کے اوپر ہے اور کوئی بہت نیچے اور راستہ بھی کافی دشوار گزار ہے، چنانچہ ہر نماز پر مسجد میں پہونچنا محال ہے، جب کہ اذان کی آواز بذریعہ اسپیکر ہم تک بہ آسانی پہونچ جاتی ہے، ایسی صورت میں ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ ——— (محمد عثمان، جدہ)

کسی قریبی جگہ دو تین آدمی بھی جمع ہو سکتے ہوں تو اس جگہ کو نماز کے لئے مختص کرکے وہاں جماعت سے نماز پڑھ لیا کریں، اور اگر گھر میں ایک سے زیادہ افراد ہوں تو اہل و عیال کے ساتھ بھی جماعت کی جا سکتی ہے، لیکن اس کی عادت نہ بنالی جائے، بلکہ جہاں تک ہو سکے مسجد میں حاضری کی کوشش کی جائے.

مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کا کام کرنا

کیا مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کام کر سکتا ہے؟.

بہتر وافضل تو یہی ہے کہ اللہ کے مقدس اور پاکیزہ گھر کی تعمیر میں جہاں تک تک مسلمان انجینئر اور مسلمان مزدوروں سے کام لیا جائے، لیکن اس بات کی بھی اجازت اور گنجائش ہے کہ تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم انجینئر یا غیر مسلم مزدوروں سے مدد لی جائے، اور ان سے اجرت و معاوضہ دے کر کام کرایا جائے۔

مسجد میں غیر مسلم کا داخلہ

کیا کوئی غیر مسلم دینی بات سننے کی غرض سے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے، جبکہ وہ طہارت سے نہ ہو؟ (اہلیان سعودی گلاس، جدہ)

اگرچہ حالتِ جنابت میں مسجد میں داخلہ جائز نہیں لیکن فی نفسہ غیر مسلم ہونا بھی مسجد میں داخلہ ممنوع ہونے کا سبب نہیں، صحیح احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، امام ابو داؤد نے تو اپنی سنن میں ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا "باب (ما جاء) فی المشرك يدخل المسجد" یعنی مسجد میں مشرک کے داخلے کا بیان، پھر اس باب کے تحت انہوں نے تین احادیث ذکر کیں جس سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی موجودگی میں یہود و مشرکین کا مسجد میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اسلام سے متعارف ہونے یا دینِ اسلام کی بات سننے کے لئے غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، البتہ کسی غیر مسلم کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ اس وقت حالتِ جنابت میں ہے اور غسل کیا نہیں ہے تو اسے ادب و حکمت کے ساتھ مسجد میں داخلے سے پہلے غسل کرنے کی ترغیب دی جانی چاہیے، لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو تو اس معاملے میں بھی شدت مناسب نہیں کیونکہ غیر مسلم پہلے اسلام لانے پھر اسلام کے فروعی احکام پر عمل کرنے کا مکلّف ہے اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے داعی کو ہر وقت حکمت و موعظت سے کام لینا چاہیے، فروعی احکامات یا اختلافات میں الجھا کر غیر مسلموں کو اسلام سے متنفر کرنا یا اس

سے دور کر دینا داعی کی شان نہیں۔

بخاری و مسلم اور ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث میں ایک یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان اعرابی مسجد میں آئے، دو رکعت نماز پڑھی، پھر واپسی میں مسجد کے ایک گوشے میں پیشاب کرنے بیٹھ گئے، بعض صحابہ کرام جو وہاں تشریف فرما تھے، اس کی طرف دوڑ پڑے، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، تنگی اور دشواری پیدا کرنے کے لئے نہیں، پھر وہ دیہاتی پیشاب سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کی جگہ پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم فرمایا اور اس دیہاتی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجد اللہ کے ذکر اور نماز کے لئے بنائی جاتی ہے، اس میں پیشاب نہیں کیا جاتا، چنانچہ وہ شخص بھی آپ کی نرمی سے بہت متاثر ہوا۔

واضح رہے کہ حرمین شریفین کا معاملہ اس سے مختلف ہے، سورۂ توبہ آیت نمبر ۲۸ اور صحیح احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ حدودِ حرم میں کسی کافر و مشرک کا داخلہ جائز نہیں۔

مسجد میں جوتے پہن کر داخلہ

ایک مرتبہ یہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جوتے اتارے بغیر مسجد میں داخل ہو گیا، اور اسی حالت میں نماز بھی پڑھی، ہمیں بڑا تعجب ہوا، ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اگر جوتے صاف ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟ جوتے چپل پہن کر مسجد میں داخل ہونا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

(عالم گیر، بلجبرشی)

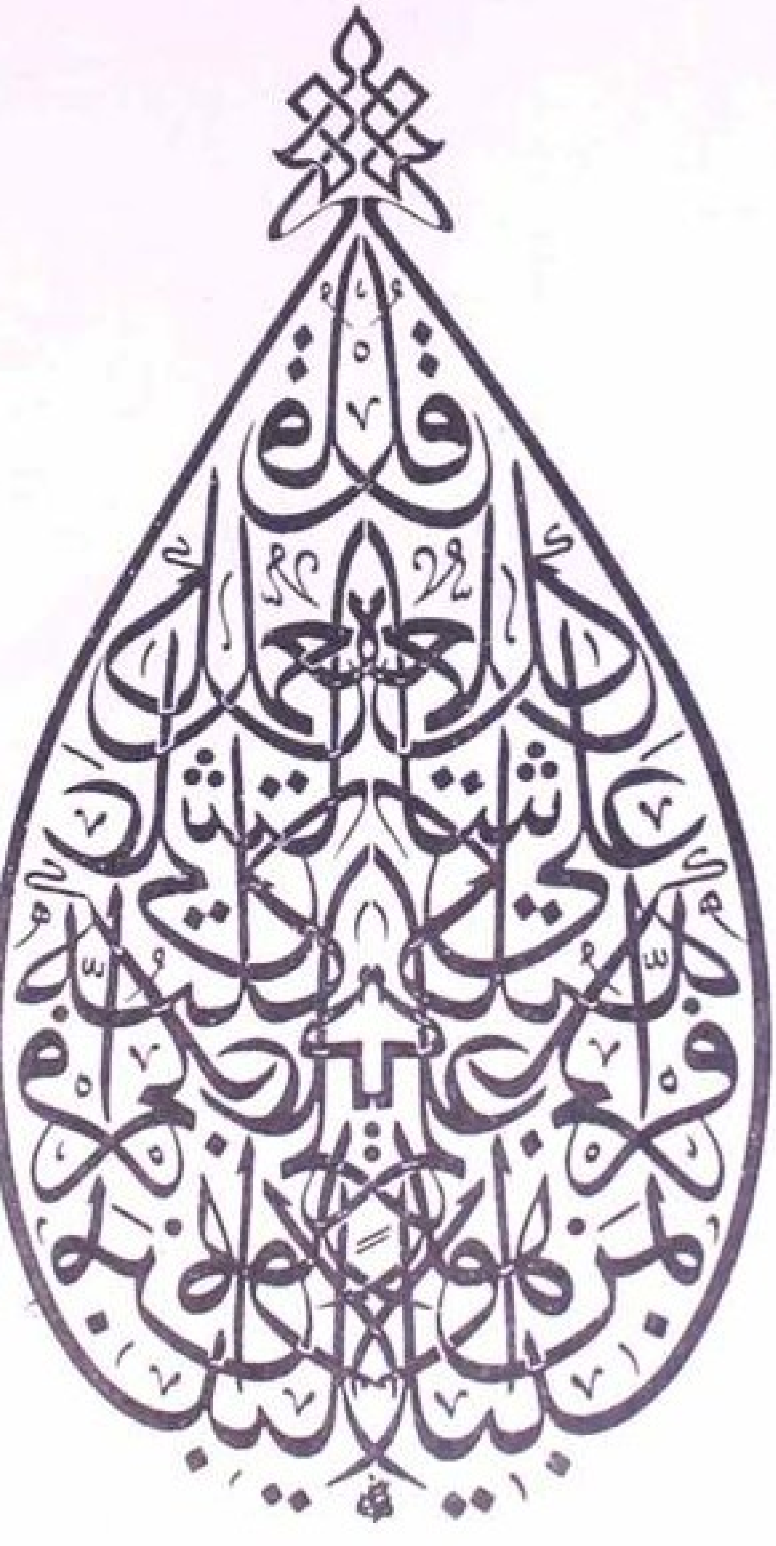
جوتے چپل اگر پاک صاف ہوں تو اس کو اتارے بغیر مسجد میں داخل ہونا اگرچہ

جائز ہے لیکن خلاف ادب ہے، اسی طرح اگر کوئی پاک صاف جوتے چپل پہنے ہوئے ہی نماز پڑھ لے تو نماز بھی درست ہے (۱) ہاں اگر جوتے چپل ناپاک ہوں تو اس میں نماز درست نہیں، اور اس کو اتارے بغیر مسجد میں داخل ہونا بھی درست نہیں۔


فاللہ خیر حافظا وهو أرحم الراحمين

گیارہواں باب

ذبح و قربانی



گوہ حلال ہے یا حرام؟

گوہ جس کو گھوڑ پھوڑ بھی کہتے ہیں، اور عربی میں ضب، حلال ہے یا حرام؟ پاکستان میں کبھی کھاتے ہوئے نہ دیکھا اور نہ کسی سے اس کے حلال ہونے کے بارے میں سنا، یہاں کچھ لوگوں کو کھاتے دیکھا تو تعجب ہوا، ساتھیوں سے پوچھتا ہوں تو صحیح جواب نہیں ملتا، قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کے حکم سے مطلع فرمائیں۔

(محمد اسحاق، حمد الذہب)

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گوہ کو کھاتے نہ تھے، اور طبعی طور پر آپ کو اس سے کراہت تھی لیکن آپ نے اس کو حرام قرار نہیں دیا، چنانچہ ایک مرتبہ آپ سے اس کی حلت کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نہ میں اس کو کھاتا ہوں، اور نہ اس کو حرام کہتا ہوں"[1] اسی طرح صحیح مسلم میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ دسترخوان پر جب

---

(۱) ترمذی عن ابن عمر ۲ ؍ ۱ باب ما جاء فی اکل الضب، مسلم عن ابن عمر باب اباحۃ الضب ۲ ؍ ۱۵

آپ کے سامنے گوہ پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ حرام ہے؟ ارشاد فرمایا، نہیں بلکہ یہ میری قوم کی زمین (میرے شہر) میں نہیں پایا جاتا اس لئے مجھے اس کے کھانے سے کراہت محسوس ہوتی ہے، سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس برتن کو اپنی طرف لیا اور کھاتا رہا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے رہے (۱)۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گوہ کو نہ کھانا طبعی کراہت کی بنا پر تھا نہ کہ حرمت کی وجہ سے، چنانچہ دستر پر آپ کی موجودگی میں اس کا گوشت کھایا اور آپ نے منع نہ فرمایا، لہٰذا امام احمد بن حنبل اور امام مالک و شافعی رحمہم اللہ بھی اس کو حلال سمجھتے ہیں، جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (سنن ابو داؤد کی) ایک روایت کی بنا پر جس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کھانے کی ممانعت منقول ہے اس کی حرمت کے قائل ہیں، نیز حلت پر دلالت کرنے والی احادیث اور واقعہ کو حرمت سے پہلے زمانے پر محمول کرتے ہیں، بہرحال (مختلف احادیث کی بنا پر) امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک گوہ کھانا حرام ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک حلال۔ (۲)

کبوتر، خرگوش اور جھینگا وغیرہ حلال ہیں

بگلا، بطخ، مور، خرگوش اور کبوتر کیا یہ حلال جانور ہیں یا ان میں سے کچھ مکروہ ہیں؟ —— (سید برہان الدین عسکری، بریدہ القصیم)

بگلا، بطخ، مور، خرگوش اور کبوتر یہ سارے کے سارے جانور جن کے بارے میں

---

(۱) مسلم عن ابن عباس ۲/۱۵۱ باب اباحۃ الضب

(۲) المغنی ۹/۳۳۶

آپ نے دریافت کیا ہے حلال ہیں۔ البتہ جھینگا چونکہ صورتاً حشرات الارض سے مشابہ ہے اسلئے بعض اہل علم کے نزدیک مکروہ ہے۔

کپورے وغیرہ کھانا

کپورے، اوجھڑی، جھینگے کھانا جائز ہے کہ نہیں؟

(وحید انصاری، جدہ)

حلال جانور کی اوجھڑی حلال و جائز ہے۔ کپوروں کے بارے میں فقہاء اور علماء احناف نے فرمایا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے جب کہ بعض دوسروں نے اسے صرف مکروہ کہا ہے۔ جھینگے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مچھلی ہی کی قسم ہے یا کوئی اور چیز ہے؟ جو علماء جھینگا کھانے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اسے مچھلی ہی کی طرح کا ایک جانور سمجھ کر یہ فتویٰ دیتے ہیں، اور جو علماء (احناف) جھینگے کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں، وہ اسے ایک الگ چیز کہتے ہیں۔ (۱)

عورت کا ذبیحہ

کسی مسلمان عورت کے ہاتھوں ذبح کیا ہوا جانور کا گوشت حلال ہے یا حرام؟ مرد کی غیر موجودگی میں عورت کوئی جانور ذبح کر سکتی ہے یا نہیں؟

جانور ذبح کرنے کیلئے مرد کا ہونا ضروری نہیں ہے، اگر کسی وجہ سے کوئی مسلمان عورت بھی اللہ کا نام لیکر ذبح کر دے تو اسکے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔(۲)

---

(۱) امداد الفتاویٰ ۴/۱۰۴، ط: دیوبند (انڈیا)

(۲) بدایۃ المجتہد ۱/۴۵۲

یورپی ممالک کے گوشت کا حکم

جو مرغیاں اور گوشت یورپ سے آتا ہے کیا یہ حلال ہے ؟ کیونکہ ھر پیکیٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ شریعت اسلامیہ کے مطابق ذبح کیا گیا ہے۔

یورپ سے آنے والے گوشت اور مرغیاں اس بارے میں اگر انسان کو یقین ہو کہ واقعی یہ شرعی طریقہ کے مطابق ذبح کیے گئے حلال جانوروں کا گوشت ہے تو یہ حلال ہے البتہ اگر آپ کو شک و شبہ ہو کہ یہ شرعی طریقہ پر حلال نہیں کیا گیا تو ایسے گوشت کو مت کھائیے۔

اب رہا یہ سوال کہ ان پیکٹوں پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ شرعی طریقے پر ذبح کیے گئے ہیں تو یہ بات تسلّی کے لیے کافی نہیں، کیونکہ میں نے خود ایک بار ایک سپر مارکیٹ میں (آج سے دس بارہ سال قبل) مچھلیوں کا ایک بڑا کارٹن (پیکیٹ) دیکھا، جس پر لکھا تھا "مذبوح علی الطریقہ الاسلامیہ (اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کی ہوئی)

آخر ہم لوگ یورپ کے ملکوں کی مرغیاں اور گوشت کیوں کھائیں ؟ جب کہ خود سعودی عرب میں بحمداللہ مقامی حلال جانوروں کا گوشت اور مقامی حلال مرغیوں کا گوشت مقدار میں باآسانی ہر جگہ دستیاب ہے، پھر اسلامی ممالک مثلاً مصر ترکی اور پاکستان وغیرہ سے حلال گوشت بھی یہاں آتا اور بازار میں ملتا ہے لہٰذا ہمیں یورپ کے ملکوں سے آئے ہوئے کسی بھی قسم کے گوشت کو نہیں کھانا چاہیے، یہی احتیاط کا تقاضہ ہے۔

عورت کا ذبیحہ

کیا کوئی مسلمان عورت اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کر سکتی ہے ؟

کوئی بھی کلمہ گو خواہ وہ مرد ہو کہ عورت قربانی کا جانور ذبح کر سکتا ہے یہ عمل جا

ہے، صحیح بخاری میں امام بخاری نے باقاعدہ اس سلسلہ میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے "عورت اور لونڈی کے ہاتھ ذبح کئے ہوئے جانور کا بیان"، جمہورِ علماء کا فتویٰ یہی ہے کہ عورت قربانی کا جانور یا کوئی بھی جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرسکتی ہے۔ (۱)

گھر تعمیر کرنے کے بعد جانور ذبح کرنا

ہمارے ہاں ولیمہ کے دن دولہے کے سامنے دو بکرے ذبح کرکے دولہے کو گھر کے اندر جانے دیتے ہیں، اور اسی طرح نیا گھر تعمیر کرنے کے بعد ہر منزل پر ایک ایک بکرا ذبح کرتے، اور اس کا گوشت پکوا کر کھلا دیتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے؟۔

ولیمہ کی دعوت کے لئے یا مکان کی تعمیر کے بعد خوشی کے اظہار میں رشتہ دار دوست احباب یا فقراء ومساکین کی دعوت کے لئے جانور ذبح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ہر ہر منزل پر جانور ذبح کرنا یا خصوصیت کے ساتھ دولہے کے سامنے ذبح کرنا، اور اس سے قبل گھر میں داخل نہ ہونے دینا، نامناسب اور غیر شرعی رسم ہے، اس سے احتیاط کرنا چاہیئے، اگر اس رسم کے ساتھ غلط قسم کے خیالات اور عقائد بھی وابستہ ہوں تو اس طرح جانور ذبح کرانا اور اس کا کھانا کھلانا ناجائز اور حرام کے زمرے میں بھی آسکتا ہے۔

بندوق سے شکار کرنا

ہمارے علاقے میں بعض لوگ بندوق وغیرہ جیسے ہتھیاروں سے شکار کرتے ہیں پھر جانور کو زندہ پاکر ذبح کرلیتے ہیں، اور پرندے تو ذبح کرنے

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۱/۴۵۲

پہلے ہی مرجاتے ہیں، شکاری حضرات ان پرندوں کی گردن پر چھری چلا کر ان کا گوشت کھالیتے ہیں اور اسے حلال تصور کرتے ہیں، کیا اس طرح یہ گوشت حلال ہوجاتا ہے؟

بعض لوگ بسم اللہ کہہ کر فائر کرتے ہیں، پھر اگر شکار مرجائے تو اسے حلال تصور کیا جاتا ہے، اور اگر نشانہ خطا کرجائے تو شکاری کے شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کی بیوی کو طلاق تصور کی جاتی ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان مسائل کی وضاحت فرمائیں: ——— (چنگیز اقبال ثاقب، جدہ)

جو جانور کہ انسان کے قابو میں ہوں، انہیں معروف طریقے کے مطابق حلق کی خاص رگوں کو کاٹ کر انہیں ذبح کیا جاتا ہے، اور اسی سے وہ حلال ہوتے ہیں، ورنہ بغیر ذبح کیے جو جانور طبعی موت مرجائیں یا چوٹ کھانے، گلا گھٹنے اور اونچائی سے گرجانے کی وجہ سے انہیں موت آجائے تو وہ حرام اور مردار ہیں، جیسا کہ سورہ المائدہ آیت ۳ میں وضاحت ہے۔ جو حلال جانور کہ انسان کے قابو میں نہ ہوں، جیسا کہ شکار کے جانور اور پرندے وغیرہ، تو ان کا گوشت کھانے کے لیے ان کا شکار کرنا شرعاً حلال اور جائز ہے، بشرطیکہ مقصود گوشت ہی ہو، صرف کھیل کود، تفریح یا جانوروں کی ایذا رسانی کے لیے کسی جانور یا پرندے کو نشانہ بنانا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ وہ موذی اور تکلیف پہونچانے والا ہو۔

شکار اگر تیز دھار دار چیز سے کیا جائے جیسے تلوار، تیر وغیرہ تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس آلہ شکار کو بسم اللہ کہہ کر پھینکا جائے اور اس کی تیز دھار سے جانور زخمی ہو کر مرجائے تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے، کیونکہ اس کا زخمی ہونا ہی ذبح کے قائم مقام ہے اور اگر وہ جانور یا پرندہ شکاری کو زندہ حالت میں مل جائے تو تکبیر پڑھ کر اس کی گردن پر چھری چلا کر اسے ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

شکاری اگر ایسی چیز سے شکار کرے جو تیز اور دھار دار نہ ہو جیسے جانور یا پرندے پر لاٹھی یا پتھر پھینک کر مارے، یا غلیل سے نشانہ لگائے تو ایسی صورت میں اگر جانور یا پرندہ زندہ حالت میں مل جائے تب تو معروف طریقے کے مطابق اسے ذبح کر کے کھایا جاسکتا ہے، لیکن اگر جانور لاٹھی یا پتھر کی چوٹ سے مر جائے تو ایسا شکار کیا ہوا جانور حرام ہے، مرنے کے بعد اس کی گردن پر چھری چلانے سے وہ حلال نہیں ہو جاتا۔

بندوق کی گولی کو علماء نے "دھار دار آلہ" میں شمار نہیں کیا ہے، لہٰذا اس کے ذریعہ کیا گیا شکار حلال نہیں، چاہے تکبیر پڑھ کر ہی گولی چلائی گئی ہو، ہاں اگر جانور یا پرندہ زندہ مل جائے تو اس کو شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے بعد وہ حلال ہو جائے گا"یہ جاہلانہ تصور اور غلط خیال ہے کہ نشانہ خطا کر جائے تو شکاری کی بیوی پر طلاق پڑ جاتی ہے۔

شکار کرنا جائز ہے

میں ایک شکاری ہوں، شکار کرنا حلال ہے یا حرام؟ کیونکہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ جانوروں کے مارنے سے عذاب ہوتا ہے۔ (فیض محمد خاں، ریاض)

حلال جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے آپ شکار کر سکتے ہیں، بشرطیکہ شکار کرنے کا مقصد اس جانور کو کھانا پینا بیچنا ہو، محض شکار برائے شکار نہ ہو۔

عید الاضحیٰ کی قربانی ضروری نہیں

ہم لوگوں نے حج تمتع کیا اور قربانی بھی دی، کیا وہ قربانیاں دینی

---

(۱) اعلاء السنن للشیخ ظفر احمد عثمانی ۱۸ / ۵۶، ط: پاکستان

(۲) واذا حللتم فاصطادوا۔ (مائدہ/ ۲)

ضروری ہیں؟ ایک حج کی اور دوسری عیدالاضحیٰ کی۔

(دمدار عادل خاں، کراچی)

جو صورتحال آپ نے لکھی ہے، اس طرح سے حج پر جانا شرعاً جائز نہیں ہے، اور اس طرح حج نہیں ہوتا، پہلی بات تو یہ ہے کہ بینک کا پیسہ حرام ہے اور حرام مال سے حج نہیں ہوتا، دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ لوگوں سے جبراً چندہ لیا جاتا ہے سو یہ بھی حرام ہے۔

مرحومین کی طرف سے قربانی

میری والدہ نے میرے مرحوم والد کے نام پر عیدالاضحیٰ میں قربانی کرنا چاہی لوگوں نے کہا کہ ایک قربانی اپنے نام پر دو اور دوسری اپنے شوہر کے نام پر، ورنہ اکیلی مرحوم کے لئے قربانی کرنا جائز نہیں ہے، اس بارے میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ —— (جاوید امجد رانا، ریاض)

عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی ہر صاحب استطاعت مسلمان پر سنت ہے بعض علماء نے اسے واجب قرار دیا ہے (۱)، اگر قربانی کا جانور گائے، بھینس، اونٹ، بیل وغیرہ ہے تو اس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، اور اگر قربانی کا جانور بکرا یا دنبہ وغیرہ ہے تو یہ قربانی ایک آدمی کی طرف سے دی جائے گی (۲)، آپ کی والدہ گائے کی قربانی میں دو حصے ڈال سکتی ہے، ایک حصہ اپنی طرف سے، اور ایک حصہ اپنے مرحوم والد کی طرف سے۔

قربانی کے گوشت پر فاتحہ

---

(۱) المغنی ۹/۳۴۵، ط: بیروت

(۲) المغنی ۹/۳۴۷، ط: بیروت

ہمارے ہاں جب قربانی کی جاتی ہے تو اس پر اس وقت تک غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا جب تک مولوی صاحب کو بلا کر اس گوشت پر فاتحہ نہ دلائی جائے، بعض لوگ قربانی کے جانور کے گلے میں پٹے اور ہار ڈال کر اسے بازار میں گھماتے پھراتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ کسی مرنے والے کے لئے کیسے ایصالِ ثواب کیا جائے؟۔

(ملک عشرت اقبال، نجران)

یہ عمل ہندوانہ ہے' ان کے یہاں کوئی ذبیحہ یا کھانا اس وقت باعثِ ثواب نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ کھانا پنڈتوں اور مذہبی پیشواؤں کے سامنے پیش نہ کر دیں' اس طرح کرنا اس ہندوانہ عمل کی مشابہت اختیار کرنا ہے' اور دوسری قوموں کی مشابہت اختیار کرنے سے حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

تمتع اور عید الاضحیٰ کی قربانی

ہم لوگ حج تمتع کی نیت سے حج کر رہے ہیں' اور پاکستان سے یہاں حج کرنے آئے ہیں' کیا ہم تمتع کی قربانی کے علاوہ عید الاضحیٰ کی بھی قربانی دیں' یا ایک ہی قربانی کافی ہے؟۔

حج تمتع کے اختتام پر ہدی (قربانی) واجب ہے جسے "دمِ تمتع" بھی کہتے ہیں لیکن عید الاضحیٰ کی قربانی آپ پر واجب نہیں' اس لئے کہ آپ مسافر ہیں' البتہ اگر آپ یہ قربانی بھی کرانا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

دوسرے کی طرف سے قربانی

میں چند سال سے یہاں سعودیہ میں مقیم ہوں، اس سال عید الاضحیٰ کی

قربانی کے لئے میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ وہ میری طرف سے انڈیا میں قربانی کر دیں، کیا یہ جائز ہے؟

جی ہاں! آپ کی طرف سے آپ کے والد یا کوئی اور شخص بھی ہندوستان میں قربانی کر سکتے ہیں۔

حجِ افراد میں قُربانی

حجِ افراد میں قربانی نہیں ہے کیا چھ روزے رکھنے ضروری ہیں؟

حجِ افراد میں نہ قربانی واجب ہے اور نہ ہی روزے۔[1]

گائے کی قُربانی

بعض جگہوں پر گائے کی قربانی قانوناً جرم ہے، کیا ایسی جگہوں پر ہم خفیہ طور پر گائے ذبح کر کے کھا سکتے ہیں؟ (محمد اسلم انصاری، ریاض)

جی ہاں! گائے شریعتِ مطہرہ میں حلال ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہو اسے کوئی حرام نہیں کر سکتا، اگر کہیں اس کا ذبح کرنا سرکاری طور پر ممنوع ہو اور وہاں کے ایسے حالات ہوں کہ آپ اس جانور کو ذبح نہ کر سکتے ہوں تو احتیاط ہی بہتر ہے لیکن کہیں آپ خفیہ طور پر ہی سہی اس کے ذبح کرنے پر قادر رہوں تو اس کو ذبح کر سکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنا

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلۃ ۳/۲۱۸

قربانی کے جانور گائے میں عقیقہ کے لئے بھی حصہ شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

قربانی کے جانور گائے اونٹ وغیرہ میں جس کے سات حصے ہوتے ہیں، عقیقہ کی نیت سے بھی حصہ لیا جا سکتا ہے، ایسی صورت میں قربانی اور عقیقہ دونوں درست ہیں البتہ اگر کوئی صرف گوشت حاصل کرنے کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ لیا تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ (۱)

عقیقہ کی حقیقت

عقیقہ کی حقیقت و فضیلت کیا ہے؟ (عبدالغفار چوہدری، جیزان)

عقیقہ کرنا سنت ہے، اور عقیقہ عق سے ہے جس کا معنی ہے کاٹنا، بچے کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے، نومولود کی پیدائش کے ساتویں دن اس کے سر کے بال مونڈے جائیں، بالوں کے وزن کے برابر کچھ صدقہ کیا جائے، اور بچے کا نام رکھا جائے، نومولود لڑکا ہے تو دو بکرے ذبح کئے جائیں لیکن اگر کسی کی مالی حالت دو بکروں کا بوجھ برداشت نہ کر سکتی ہو تو ایک بکرے کا عقیقہ کرنا بھی جائز ہے، لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکرا ذبح کیا جائے۔

حنابلہ و مالکیہ اور شوافع کے نزدیک عقیقہ سنت ہے (۲) بعض علماء نے اسے واجب بھی کہا ہے جب کہ احناف کے ہاں عقیقہ کرنا مباح ہے (۳) اگر کسی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ کیا جا سکے تو پھر چودھویں دن یا اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے، اس کے بعد عقیقہ کرنا مسنون و مستحب نہیں، بلکہ عام صدقہ بن جاتا ہے۔

---

(۱) ہندیہ ۵/۳۰۴

(۲) بدایۃ المجتہد ۱/۴۴۸

(۳) بدائع الصنائع ۵/۶۹

عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑی نہ جائیں بلکہ انہیں جوڑ سے کاٹا جائے، عقیقہ کا گوشت خود بھی کھایا جا سکتا ہے دوستوں کو بھی دیا جا سکتا ہے اور اسے کسی کو ہدیۃً بھی پیش کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی عقیقہ کے گوشت کو پکا کر اپنے دوست احباب اور غریب و نادار لوگوں کو کھانا کھلائے تو یہ بھی جائز بلکہ مستحسن ہے۔ (۱)

عقیقہ میں گائے کی قربانی

اگر غربت کی وجہ سے والدین اولاد کا عقیقہ نہ کر سکیں تو کیا ان پر کوئی گناہ ہوگا؟ نیز لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا وغیرہ مشروع ہے، اسی طرح عقیقہ کے سات حصے کر کے مثلاً دو لڑکوں اور تین لڑکیوں کی طرف سے عقیقہ میں ایک گائے ذبح کی جا سکتی ہے، یا ہر لڑکے اور لڑکی کی طرف سے الگ الگ جانور ہی ذبح کرنا ضروری ہے، اسی طرح بچے اگر بڑے ہو جائیں تو عقیقہ کرنا درست ہے؟

(نثار احمد قادری، ینبع الصناعیہ)

والدین پر اولاد کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے، اگر غربت و افلاس کی وجہ سے نہ کر سکیں تو کوئی گناہ نہیں، بعد میں حالات بہتر ہو جائیں لیکن بچے بڑے ہو جائیں تو بھی بعض علماء نے عقیقہ کرنے کی اجازت دی ہے لیکن یہ ضروری نہیں، گائے کے سات حصے عقیقہ کے ہوں، یا بعض قربانی کے اور بعض عقیقہ کے مثلاً بقرعید کے موقع پر ایک گائے میں تین آدمیوں نے قربانی کے طور پر شرکت کی اور دو آدمیوں نے چار حصے عقیقہ کے طور پر لیے تب بھی ایسی گائے کی قربانی عقیقہ و قربانی دونوں صحیح درست ہیں۔

---

(۱) المغنی ۹/۳۴۷، ط: بیروت

وطن میں قربانی

کیا میں حج کر کے قربانی اپنے گھر ہندوستان میں کروا سکتا ہوں؟۔

(انور ساجد، جدہ)

عام (بقر عید کی) قربانی اپنے وطن میں کروائی جا سکتی ہے لیکن (تمتع و قربانی کی صورت میں) حج کی قربانی حدودِ حرم ہی میں ہوگی۔

عقیقہ یا صدقہ

کیا میں اپنے بیٹے کا عقیقہ ڈیڑھ سال بعد کر سکتا ہوں؟ اس صورت میں اس کی حیثیت عقیقہ کی ہوگی یا صدقے کی؟

(عبدالحفیظ، المندق)

نومولود بچے کا عقیقہ اگر صحیح وقت پر نہیں کیا گیا تو والدین پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ یہ عمل سنت ہے، وقت گزرنے کے بعد کیا جانے والا عقیقہ مسنونہ نہیں ہوگا لیکن مباح ہوگا البتہ عقیقہ بجائے خود صدقاتِ نافلہ میں داخل ہے۔

صدقہ و کفارے کا گوشت کھانا

دم ادا کرنے یا صدقہ و خیرات کی نیت سے جو جانور ذبح کیا جائے اس کا گوشت خود یا رشتہ دار وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں یا سارا غریبوں میں تقسیم کرنا ہوگا؟ ——— (محمد احسن، مکہ مکرمہ)

قربانی و عقیقہ کا گوشت تو خود یا رشتہ دار وغیرہ کھا سکتے ہیں لیکن جو جانور صدقہ

واجب کی نیت سے ذبح کیے جائیں جیسے کسی غلطی کا کفارہ ادا کرنا مقصود ہو تو ان کا گوشت خود استعمال کرنا صحیح نہیں، سارا غریبوں کا حق ہے، رشتہ داروں میں اگر غریب و مستحق لوگ ہوں تو انہیں بھی دیا جاسکتا ہے۔

نذر کا گوشت فقرار کو دیں

ایک آدمی نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اللہ کے لیے جانور ذبح کروں گا، تو کیا ایسے جانور کے گوشت سے اپنے گھر والوں کو کھلا سکتا ہے؟ ——— (گلزار شاہ، دمام)

ایسا گوشت فقرار و مساکین پر صدقہ کرنا ضروری ہے، نہ خود کھا سکتا ہے، اور نہ اپنے گھر والوں کو کھلا سکتا ہے۔

قبروں پر ذبح کیے ہوئے جانور کا حکم

بزرگوں کے نام کی نیاز مثلاً گیارھویں شریف یا قبروں پر ذبح کیے ہوئے جانور کیا یہ حلال ہیں؟ ——— (بدر منیر، جدہ)

قرآن پاک میں چار مقامات پر اھل لغیر اللہ کے الفاظ سے اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ شے جس پر "عقیدہ" غیر اللہ کا نام رکھ دیا جائے وہ حرام ہے (دیکھیے البقرہ آیت نمبر ۱۷۳، المائدہ آیت نمبر ۳، الانعام آیت نمبر ۱۴۶، النحل آیت نمبر ۱۱۵)۔

جمہور مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام پر موسوم و معروف یا مشہور کی ہوئی چیز حرام ہے۔

کسی بزرگ کی قبر کے پاس عقیدۃً کوئی جانور ذبح کرنا بھی اسلام میں جائز نہیں ہے سنن ابو داؤد میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

اسلام میں عقر نہیں ہے' اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ کسی کے پاس گائے یا بکری وغیرہ ذبح کرنا عقر ہے۔

قبروں پر نیاز

قبروں پر جاکر نیاز دینا، بکرا ذبح کرنا یا ویسے ہی وہاں جاکر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے کھایا ہو تو کیا کرے؟۔

(نذیر شاہد، خمیس مشیط)

یہ سب چیزیں ناجائز اور حرام ہیں، اگر کسی نے اس کا ارتکاب کیا ہو یا وہاں جاکر کھانا کھایا ہو تو خلوص دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ ایسا نہ کرے۔

نذر یا صدقہ کا گوشت

اگر سفر پر جاتے ہوئے یا کوئی کام کرتے ہوئے ایک شخص یہ نذر و منت مانتا ہے کہ اگر میں کسی بڑے نقصان یا حادثے سے محفوظ رہا تو ایک جانور صدقہ دوں گا، ایسی صورت میں اس جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت میں سے کچھ خود کھا سکتا ہے' یا اس کے گھر والے کھا سکتے ہیں یا نہیں

نذر کا گوشت خود یا اس کے گھر والے نہیں کھا سکتے، بلکہ یہ صرف فقراء اور مساکین کا حصہ ہے' خواہ یہ پکا کر کھلایا جائے یا ویسے ہی تقسیم کر دیا جائے' ایسے جانور کی کوئی چیز اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لائی جا سکتی ہے۔

عقیقہ کا گوشت

اگر کسی عورت یا مرد کا عقیقہ نہ ہوا ہو اور وہ ۳۰، ۳۵ سال کی عمر میں عقیقہ

کریں تو بال کٹوانے کا کیا حکم ہے؟ آیا مرد و عورت بال کٹوائیں گے یا نہیں؟

(محمد مسرت خاں، خمیس مشیط)

عقیقہ ایک مسنون عمل ہے، واجب اور فرض نہیں، افضل اور بہتر یہ ہے کہ اسے ساتویں دن کیا جائے، کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو چودھویں اور اکیسویں دن بھی عقیقہ کرنا جائز ہے، اس کے بعد عقیقہ صرف مباح ہے، سنت ادا نہ ہوگی۔ ●

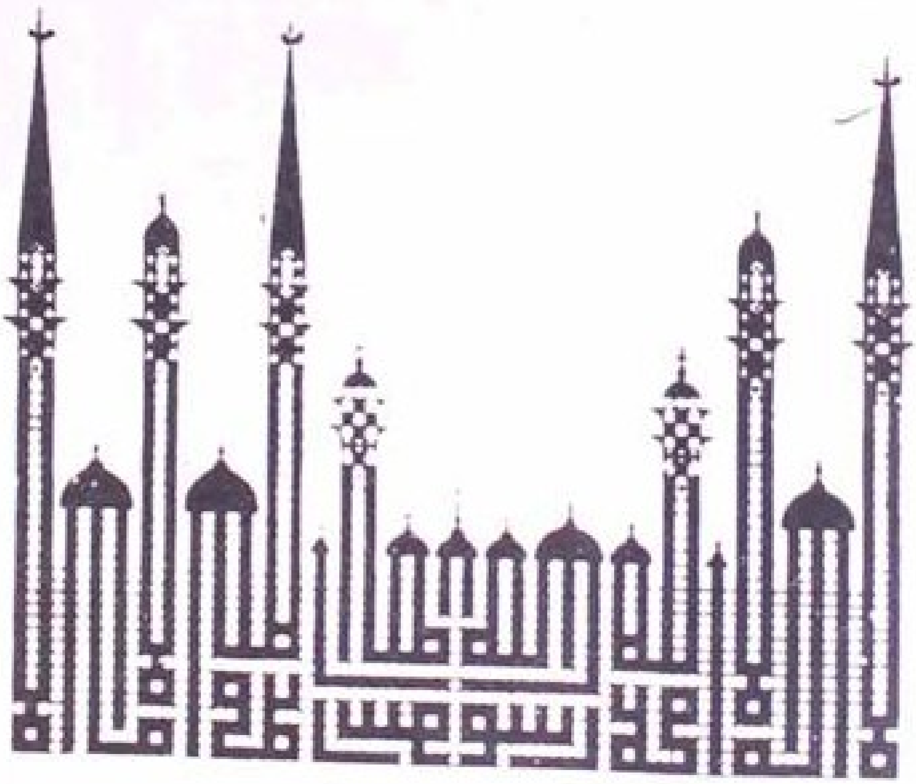
(۱)

سوال و جواب

حصہ اول

بارہواں باب

متفرق مسائل



عملِ خیر کا ارادہ کر لینا بھی باعثِ ثواب ہے

میں نے دل میں ارادہ کیا تھا کہ کسی مناسب جگہ حسبِ توفیق ایک چھوٹی سی مسجد بناؤں گا، لیکن مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے میں نے اپنے محلے کی غیر آباد مسجد میں درس کا انتظام کیا ہے جس سے مسجد آباد ہو گئی، اور لوگ اب اس میں نماز پڑھنے آتے ہیں، جتنی رقم سے میں نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا تھا، کیا میں اس رقم کو تعمیرِ مسجد کے بجائے درس میں صرف کر سکتا ہوں؟ ——— (محمد ارشاد خاں، جدہ)

حدیث میں آتا ہے کہ اگر آدمی کسی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ارادہ کرنے پر اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور جب وہ ارادہ پورا کرتا ہے یعنی وہ نیکی انجام دیتا ہے تو اس کا دس گنا (یا اس سے زیادہ) ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور اگر کوئی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ارادہ کرنے سے کوئی گناہ یا برائی اس کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھی جاتی بلکہ جب وہ اسے کر گزرتا ہے، یعنی وہ برا کام انجام دیتا ہے، تب اس برائی کے مثل (یعنی اس کا ایک گنا) ہی گناہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

---

(۱) المغنی: ۹/۳۶۴

اور اگر وہ برائی نہ کرے تو اس پر بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ (۱)

یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی اور فیاضی ہے کہ وہ بندہ کو نیکی کا ارادہ کرنے پر ہی ایک نیکی اور وہ کام کرنے پر دس نیکیوں کا ثواب عطا فرماتے ہیں، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اگر کسی وجہ سے اسے انجام نہ دے سکے تو اس پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں، لہٰذا اس بات کی بدرجۂ اولیٰ گنجائش ہے کہ آدمی ایک نیک کام کا ارادہ کرے پھر اسے کوئی دوسرا کام (نیکی) زیادہ بہتر اور مناسب نظر آئے تو وہ اپنا ارادہ تبدیل کردے، آپ تعمیرِ مسجد کے لئے مختص کی گئی رقم کو درسِ قرآن یا کسی دوسرے کارِ خیر میں بھی صرف کرسکتے ہیں (بشرطیکہ یہ نذر کی نیت نہ ہو) اگر آدمی نذر یعنی منت مانے کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اللہ کے لئے مسجد بناؤں گا، یا روزے رکھوں گا، وغیرہ تو اس صورت میں تبدیلی جائز نہیں، نذر جس طرح مانی جائے اس کو اسی طرح پورا کیا جائے ہے، (بشرطیکہ گناہ کی نذر نہ ہو)۔

گری پڑی چیز کا مصرف

مجھے راستہ چلتے ہوئے ایک گھڑی اور سو ریال ملا، میں نے اس کے مالک کو کافی تلاش کیا مگر وہ نہیں ملا، اب اس کا مصرف کیا ہے؟

(ابوبکر درخشانی، جیزان)

اگر کسی شخص کو کوئی چیز پڑی ہوئی ملی اور اس نے اٹھالی تو اس کی شرعی ذمہ داری ہے کہ مالک کو تلاش کرے جب پوری طرح تلاش کرنے کے باوجود نہ ملے تو پھر صدقہ کردے، اگر وہ خود غریب محتاج ہو تو خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اس سے دوسرا

---

(۱) بخاری عن ابن عباس ۸/۸۲، باب من هم بحسنة او سيئة. ط: بيروت

آدمی بھی خرید سکتا ہے اس پر آخرت میں مؤاخذہ نہیں ہوگا، درمختار میں ہے: فینتفع الرافع بها لو فقیراً والا تصدق علی فقیر ولو علی اصله وفرعه وعرسه (درمختار علی ہامش ۴ر۴۶۴)
اس عبارت پر تشریحی نوٹ چڑھاتے ہوئے شامی لکھتے ہیں: وفی الخلاصه: له بیعها ایضا وامساك ثمنها (ردالمحتار ۴ر۴۶۸)۔

کیڑے مکوڑوں کو مارنے کا حکم

گھر میں کیڑے مکوڑوں اور چیونٹیوں کو مارنے کے لئے اسپرے کیا جاسکتا ہے؟۔

کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں اگر موذی ہیں اور نقصان پہونچاتی ہیں تو ایسے کیڑے مکوڑوں اور چیونٹیوں کو مارنا جائز ہے(۱)۔

غیر مسلم سے دوستی کرنا

کیا کوئی مسلمان غیر مسلم سے دوستی کرسکتا ہے؟

(حامد مخدوم ترکمن، جدہ)

دوستی سے مراد اگر قلبی میلان ہے اور یہ خلوص دوستی ہے تو اسلام نے اس سے منع

---

(۱) لاباس بقتل البرغوث والبعوض والنملة والذباب والقرد والزنبور ...... لان هذه الاشياء من المؤذيات المبتدئة بالاذى غالباً فالتحقت بالمؤذيات المنصوص عليها من الحية والعقرب في حديث خمس فواسق يقتلن في الحل و الحرم: الحية والعقرب والفارة والكلب العقور والغراب۔

(الفقه الاسلامی وادلته ۳ر۲۵۰، کتاب الحج)

کیا ہے، قرآن بار بار کہتا ہے کہ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ البتہ اگر اس نیت سے دوستی کی جائے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس شخص کو میری وجہ سے ہدایت دے دے (ساتھ ہی ساتھ غیر مسلم کو اسلام کی دعوت بھی دی جاتی رہے) تب یہ دوستی جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی وقتی مجبوری یا مصلحت کی وجہ سے غیر مسلم سے دوستی رکھتا ہے تو یہ جائز ہے لیکن قلبی میلان کسی بھی غیر مسلم کی طرف ہونا اسلام میں منع ہے (۱)

چوری کسی کی بھی ہو جائز نہیں

ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ ٹیلی فون میں تار پھنسا کر مفت میں فون کرتے ہیں، ایک دو کو منع کیا تو کہنے لگے کہ حکومت کی چوری حرام نہیں ہے، کیا ان کا یہ فعل درست ہے؟ ——— (رانا شاہد احمد)

چوری چاہے کسی فرد کی کی جائے یا حکومت اور قومی خزانے کے مال سے کی جائے وہ بہر حال چوری ہے جو سنگین اور گناہِ کبیرہ ہے، اور پھر اس طرح کی حرکت ایک سچے مسلمان کے شایانِ شان بھی نہیں، کیونکہ اس میں ایک طرح سے دھوکہ دہی بھی ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "جو کسی کو دھوکہ دے، وہ ہم میں سے نہیں" (صحیح الجامع الصغیر حدیث ۶۴۰۶)

خاندانی منصوبہ بندی

کیا اولاد کے زیادہ ہونے سے رزق کم ہو جاتا ہے؟ میرے گیارہ بچے ہیں، معاشی حالات اچھے نہیں ہیں، کیا میرے لئے خاندانی منصوبہ بندی

---

(۱) بیان القرآن ۱۰۸/۱ ط: تاج پبلشرز دہلی انڈیا

کروانا جائز ہے؟ حالات کی درستگی اور رزق میں برکت کی دعا اور وظیفہ بھی بتائیں؟ ——— (خالد محمود، جدہ)

اولاد کی قلت و کثرت سے رزق یا تقدیر پر اثر نہیں پڑتا، بلکہ ہر آنے والا اپنا رزق و حصہ لے کر آتا ہے آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو اور آپ کے بچوں کو صحت و عافیت سے نوازا، آپ کو گیارہ بچے عطا فرمائے، رزق کا انتظام بھی وہی کرے گا کہ وہی رازق ہے (۱) خاندانی منصوبہ بندی عالمی یہودی جماعت کا وہ پروگرام ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کی نسل کشی ہے یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خائف ہیں وہ نہیں چاہتے کہ اللہ کے نام لیواؤں کی تعداد بڑھے، چنانچہ انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کی بنیاد رکھی اور اسے مسلمان ملکوں میں خوب پھیلایا، خاندانی منصوبہ بندی حرام ہے، اور یہ قتل کے برابر کا جرم ہے۔

حالات کی درستگی اور رزق میں برکت کی دعا اور وظیفہ کثرتِ استغفار ہے کہ سورۂ نوح کی آیات نمبر ۱۰ تا ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے استغفار کو بہت سارے مسائل کا علاج قرار دیا ہے، اولاد کے لئے، صحت و عافیت کے لئے، بارش و آبادی کیلئے، زمین کی ہریالی و رونق کے لئے، غرضیکہ ان سب مسائل کا حل استغفار ہے آپ صبح و شام سو سو بار استغفار پڑھ لیا کریں، انشاء اللہ بہت جلد حالات سدھر جائیں گے۔

داڑھی مونڈنا

کیا مسلمانوں کے لئے داڑھی مونڈنا جائز ہے، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ اپنے آپ کو خوبصورت دکھنے کے لئے داڑھی منڈا سکتے ہیں؟۔

---

(۱) انعام / ۱۵۱

مردوں کے لئے داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی شرعی مقدار ایک مشت ہے داڑھی تمام انبیار کی سنت ہے، اسلامی شعار اور شرافت و بزرگی کی علامت ہے، اس سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے کان اللحیة فی اوانها جمال تکملہ ــــ (بحر الرائق ۸/۲۳۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ داڑھی رکھنے کا اہتمام فرمایا ہے، اور داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے، منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس پر امت کا اجماع ہے، تفسیر روح البیان میں ہے :

حلق اللحية قبيح بل مثلة	داڑھی منڈانا برا ہے، بلکہ مثلہ اور حرام ہے
حرام وكما ان حلق شعر الرأس	جس طرح عورت اپنے سر کا بال منڈائے
فی حق المرأة مثلة منهى عنها	تو یہ مثلہ ہے، اور ممنوع ہے، اور اس سے
وتفويت للزينة كذلك حلق اللحية	عورت کی زینت ختم ہو جاتی ہے، اسی
مثلة فی حق الرجال وتشبه بالنساء	طرح مرد اگر داڑھی منڈادے تو یہ بھی مثلہ
منهى عنه وتفويت للزينة، قال	ہے اور اس سے مردانہ شان ختم ہو جاتی
الفقهاء : اللحية فی وضعها جمال	ہے، فقہاء لکھتے ہیں : داڑھی رکھنے میں جمال
وفی حلقها تفويت للزينة على	ہے اور اس کو منڈا دینا زینت کو مکمل طور
الكمال۔ (۱)	پر ختم کر دینا ہے۔

ہدایہ میں ہے :

لان حلق الشعر فی حقها مثلة	عورت کا سر کے منڈانا مثلہ ہے جس
كحلق اللحيه فی حق الرجال (۲)	طرح مرد کا داڑھی منڈانا مثلہ ہے۔

---

(۱) روح البیان ۲۲۲ در ضمن آیت : واذابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن

(۲) ہدایہ ۱/۲۲۵ باب الاحرام

سسرال والوں کی فرمائش پر داڑھی ترشوانا

میں نے کچھ عرصہ قبل داڑھی رکھ لی تھی، میری نیت داڑھی رکھنے کی نہیں تھی، بلکہ چہرہ کی ایک بیماری کی وجہ سے میں نے داڑھی رکھی، اب سسرال والے کہتے ہیں کہ بغیر داڑھی کے تصویر بھیجو، لیکن سنا ہے کہ داڑھی رکھ کر مونڈنا بڑا گناہ ہے، لہٰذا سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں؟

(امتیاز احمد حفر الباطن)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم میں سے کوئی بھی اسوقت تک مؤمن کامل نہیں بن سکتا جب تک اسے اپنی جان سے، اپنے والدین سے اور سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو" (۱) ایک دوسری حدیث میں ہے میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جس نے انکار کیا پھر ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے انکار کیا (۲)۔

داڑھی رکھنا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل سنت ہے، اگر آپ نے سنتِ مبارکہ پر عمل کرنے کی نیت نہیں بھی کی تھی تو کیا ہوا، اب نیت کیجئے اور داڑھی رکھ لیجئے کم از کم اس سنت کی بدولت آپ کا چہرہ تو مصطفوی بنے گا ہی، انشاء اللہ اس کی برکت سے دوسرے اعمالِ صالحہ کی بھی توفیق مل جائے گی۔

رہا سسرال والوں کا داڑھی پر اعتراض، تو اس کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق ایک طرف، اور اس سارے جہاں کی رنگینیاں

---

(۱) بخاری عن ابی ھریرہ ۱/۷، باب حب الرسول من الایمان، ط: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت۔

(۲) بخاری عن ابی ھریرہ ۹/۱۲۶، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک طرف مومن تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی ہی کا طوق پہنے گا، کیونکہ یہی حقیقی بادشاہی و کامیابی ہے۔

آپ کے لئے یہ عزیمت کا وقت ہے، کسی کی خوشی و ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر سنتوں پر عمل کیجئے، اپنے سسرال والوں کو بھی تنبیہ کر دیجئے کہ داڑھی جہاں ایک طرف سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، وہیں مردانہ حسن و جمال اور وجاہت کا ذیشان بھی ہے

وراثت میں عورت کا حصّہ کم کیوں ہے؟

اسلام نے مرد اور عورت کو برابر کے حقوق دیئے ہیں تو والد کی جائداد سے لڑکے کو لڑکی سے زیادہ حصہ کیوں مقرر کیا گیا، یہ کیسی برابری ہے؟

(محمد اشرف جذبی، جدہ)

اس میں شک نہیں کہ اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے یہاں اور دیگر مذاہب و اقوام میں بھی عورت نہایت مظلوم تھی، بحیثیتِ مسلمان معاشرے میں اس کا کوئی مقام و احترام نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا، عرب معاشرے میں عورت باعث ننگ و عار تھی، جب وہ پیدا ہوتی تو باپ شرم سے منہ چھپائے پھرتا اور پھر موقع پاکر اسے زندہ دفن کر دیتا، اگر کسی کو زندگی مل جاتی تھی تو خاندان اور معاشرے کے ظلم و ستم سہتے ہوئے اسے زندہ رہنا پڑتا، شوہر، باپ یا اپنے کسی عزیز و قریب کے انتقال کے بعد عورت کو اسکے مال سے وراثت ملنا تو دور کی بات ہے، عورت خود مالِ میراث کے طور پر تقسیم ہو جاتی، شوہر کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء میں سے جو کوئی اس کی بیوی پر پہلے چادر یا کپڑا ڈال دیتا وہ اس کے قبضے میں چلی جاتی، اور اس کی بیوی تصور کی جاتی، غرض عورت پر ظلم و زیادتی کی بے انتہا اقسام تھیں، اسلام سے قبل عورت کی مظلومیت اور معاشرے میں اس کی حیثیت پر علماء نے مستقل تصانیف لکھی ہیں جہاں تک عورت کے لئے وراثت سے حصے کا تعلق

ہے تو عربوں کا یہ خیال تھا کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے، دیگر مذاہب میں بھی عورت کے لئے وراثت کا کوئی تصور نہ تھا۔

یہ اسلام کا اعزاز ہے کہ اس نے عورت کو شرفِ انسانیت سے نوازا، معاشرے میں اسے عزت و احترام عطا کیا، مردوں کی طرح عورتوں کے بھی مساویانہ حقوق متعین کئے اور اس کی ادائیگی پر مردوں کو زور دیا اور پر زور انداز میں اس کی تاکید و وصیت کی، انہی حقوق میں ایک وراثت کا حق ہے کہ شریعت نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی وراثت میں حصہ دار قرار دیا۔ (سورۂ نساء آیت ۷)

اس میں شک نہیں کہ قانون وراثت کے ذریعے مرنے والے شخص کے مال و جائداد کی تقسیم میں (ایک آدھ مسئلے کے علاوہ) بالعموم عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں آدھا ہے لیکن اس پر عدم مساوات یا ناانصافی کا شبہ و اعتراض کسی طرح درست نہیں، اس لئے کہ ظاہری برابری کا نام مساوات نہیں بلکہ مساوات و برابری کا حقیقی تقاضہ یہ ہے کہ ہر صاحبِ حق کو اس کا جائز حق پورا پورا دے دیا جائے اگر ظاہری برابری کا نام مساوات ہوتا تو پھر عورت تو کیا مردوں کو بھی مرنے والے کی وراثت سے برابر حصہ ملنا چاہیئے، چاہے وہ مرنے والے کا باپ ہو، بیٹا ہو، بھائی ہو، چچا ہو یا کوئی قریب و دور کا رشتہ دار ہو حالانکہ ایسا نہیں ان کے درمیان بھی فرق ہے، اور مختلف صورتوں میں ان کے درمیان کمی بیشی ہوتی ہے جسکی تفصیل کتبِ حدیث و فقہ میں موجود ہے۔

دوسری اہم بات یہ کہ اگر اسلام کے معاشرتی نظام اور اس کے حقوق کا اچھی طرح مطالعہ کیا جائے تو یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ بہن کو بھائی کے مقابلے میں یا عورت کو مرد کے مقابلے میں آدھا حصہ کیوں ہے؟ بنیادی طور پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ اسلامی شریعت میں معاشی ضروریات کی طرف سے عورت بے نیاز ہے (بعض ناگزیر احوال کے علاوہ) اس پر نہ اپنی ذمہ داری ہے نہ کسی اور کی، نکاح تک اس کی ذمہ داری باپ یا اس کے دوسرے

اعزہ پر ہے، نکاح کے بعد اس کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے کہ وہ بیوی کی رہائش کھانے پینے اور علاج معالجہ کا انتظام کرے، پھر نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد شوہر بیوی کو مہر بھی ادا کرتا ہے۔

شرعاً عورت کے مقابلے میں مرد پر معاشی ذمہ داریاں کئی گنا زیادہ ہیں، اس پر نہ صرف اپنی اور بیوی بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری ہے، بلکہ بعض صورتوں میں ماں باپ اور دیگر اقربا کی معاشی کفالت بھی حسبِ استطاعت اس پر ضروری ہوتی ہے، اب اگر عورت کے مقابلے میں مرد کو وراثت میں دوسرا حصہ نہ دیا جاتا تو کیا یہ مردوں کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی نہ ہوتی؟ اگر عورتوں پر بھی مردوں کی طرح ذمہ داریاں ہوتیں اور پھر مرد و عورت کو برابر حصہ نہ دیا جاتا تو اس صورت میں اعتراض یا اشکال کا ہونا بجا تھا، حالانکہ ایسا معاملہ نہیں ہے، مہر یا وراثت کے ذریعے عورت کو جو مال ملتا ہے، وہ ذمہ داریوں کے بوجھ سے خالی ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اسراف سے بچتے ہوئے اپنے آرام و آسائش پر خرچ کرے، زیورات ہو تو اس کے مال کے ذریعے اس کی زکوٰۃ ادا کرے، نیز صدقہ و خیرات اور کارِ خیر میں حصہ لے کر عنداللہ ثواب کماتی رہے۔

لے پالک کی شرعی حیثیت

کیا کسی کی اولاد کو گود لے کر پرورش کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا بہن یا بھائی ایک دوسرے کو اولاد دے سکتے ہیں، اگر دونوں میں سے کسی کے ہاں اولاد نہ ہو؟ اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(غلاب شاہ، جدہ)

کسی کی اولاد کو لے کر پالنا اور پرورش کرنا جائز ہے، چاہے وہ بہن یا بھائی کی کیوں نہ ہو، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کسی کو لے کر پال

لینے سے لے پالک حقیقی بیٹوں کی طرح نہیں بن جاتے اور حقیقی ماں باپ سے ان کا رشتہ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ ان کی نسبت ان کے حقیقی ماں باپ ہی کی طرح ہو گی، اور وہ اپنے والدین سے بحیثیتِ وارث وراثت کے بھی حقدار ہوں گے جب کہ وہ اپنے پرورش کرنیوالے ماں باپ سے بحیثیتِ وارث وراثت نہیں پائیں گے (البتہ وصیت یا ہبہ اور عطیہ وغیرہ کی شکل اس سے مختلف ہے) اس سلسلے میں سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴،۵ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"اور اس نے تمہارے منہ بولے ..... (لے پالکوں کو) تمہارے (حقیقی) بیٹے نہیں بنایا، یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے، اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی راستہ کی ہدایت دیتا ہے، انہیں انہی کے باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف ہے، پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اور تمہارے رفیق ہیں"۔

مشہور صحابی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ اور لے پالک تھے، یہاں تک کہ لوگ انہیں زید بن محمد کہنے لگے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ممانعت نازل ہو گئی تو دوبارہ انہیں زید بن حارثہ کہا جانے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی ایک معزز خاتون زینب رضی اللہ عنہا سے کرائی لیکن جب دونوں میں نباہ نہ ہو سکا اور طلاق تک کی نوبت آئی تو بحکمِ الٰہی ان خاتون کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور تمام مؤمنین کی ماں (ام المؤمنین) بننے کا شرف حاصل ہوا (جبکہ شریعت میں حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں) اس نکاح کا ایک مقصد اور حکمت یہ بھی بیان کی گئی کہ (ضرورت کے وقت) اہلِ ایمان کو اپنے لے پالکوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی محسوس نہ ہو۔ (الاحزاب ۳۷)

خلاصہ یہ کہ کسی کی اولاد کو لے کر پالنا جائز تو ہے لیکن شرعی احکامات میں لے پالکوں

کی حیثیت حقیقی بیٹوں کی نہ ہوگی بلکہ ایک دینی بھائی کی ہوگی۔

عاق کی شرعی حیثیت

میری ایک لڑکی نے اپنی پسند کی شادی کرلی، شادی کے چند دن بعد گھر والوں نے مجھے اطلاع دی اور کہا کہ جو اس کی قسمت میں تھا وہ ہوگیا لیکن مجھے یہ رشتہ پسند نہیں میں اس لڑکی کو عاق کرنا چاہتا ہوں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ ——— (سید قادر محی الدین، الاحساء)

والدین سے زیادہ اولاد کا ہمدرد کون ہوسکتا ہے؟ اس لئے لڑکے اور لڑکیوں کو چاہیئے کہ وہ ہر معاملے میں بالخصوص شادی بیاہ کے معاملے میں اپنے آپ کو والدین کے سپرد کردیں، کیونکہ ناتجربہ کاری اور کم فہمی کی بنا پر ان کا اقدام نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے اور آج کل معاشرے میں عام طور پر ایسے رشتے ناکام ہوتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ شریعت نے بالغ لڑکے اور لڑکیوں کو اختیار دیا ہے اگر وہ کسی جگہ رشتے سے انکار کردیں تو والدین بھی انہیں سمجھا بجھا کر آمادہ تو کرسکتے ہیں لیکن ان پر زبردستی نہیں کرسکتے، آپ کی لڑکی نے جو اقدام کیا ہے، وہ یقیناً ناپسندیدہ ہے لیکن چونکہ شرعاً یہ شادی صحیح ہے اور پھر غور کیا جائے تو لڑکی کے اس اقدام میں گھریلو تربیت کا بھی کچھ نہ کچھ قصور ضرور ہوگا اس لئے بہتر یہی ہے کہ اب اس معاملے میں آپ خاموشی اختیار کریں اس سے جو تکلیف آپ کو ہوئی اس پر صبر کریں اور اس رشتہ میں خیر و برکت کی دعا کریں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شریعت میں "عاق" کا کوئی تصور نہیں ہے، اس طرح اولاد کو عاق کرنے سے والدین کی طرف ان کی نسبت شرعاً ختم نہیں ہوتی، اور نہ وہ وراثت وغیرہ سے محروم ہوتے ہیں، بلکہ سارے احکام علی حالہ برقرار رہتے ہیں، کیونکہ یہ خونی رشتہ عاق کرنے سے ختم نہیں ہوجاتا، ہاں والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے، اس لئے نافرمان

اولاد عنداللہ سخت مجرم اور گنہگار ہے ایسی اولاد کو دنیا میں بھی عنداللہ سزا مل سکتی ہے، لیکن والدین کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ اولاد کو ان کی نافرمانی کی بنا پر عاق کر دیں اور نہ ہی شرعاً عاق کا کوئی اعتبار ہے۔

جائیداد میں بھائیوں کا حصہ

ہم لوگ پانچ بھائی ہیں، سب سے بڑا میں ہی ہوں، تقریباً پندرہ سال سے سعودی عرب میں ملازمت کر رہا ہوں، اتنے دنوں میں جو کچھ کمایا سب بھائیوں کو برابر دیتا رہا ہوں، سب کی شادی بیاہ کیا، زمین بھی سب کے نام برابر ہے، والد، والدہ موجود ہیں، گھر بھی سب کے لئے ہے مگر ایک روم ممبئی شہر میں میرے نام ہے، اس میں کاروبار کر کے اپنے بچوں کا گزارہ کر سکتا ہوں، تو کیا اس میں بھی سب بھائیوں کو حصہ دینا ضروری ہے؟ جب کہ والد صاحب کی کمائی کی کوئی چیز میرے حصے میں نہیں ہے، والد صاحب کے پاس گھر وغیرہ بھی نہیں تھا سب میں نے ہی خرید کر بنوایا ہے۔ ——— (محمد حسین میر حسن، القصیم)

والدین نے اگر اپنی کمائی سے کچھ بنایا ہے، کچھ خریدا ہے تو اس میں تمام اولاد کا حصہ ہے، البتہ اولاد میں سے کسی نے خود پیسے کما کر مکان بنایا ہو یا زمین خریدی ہو تو اس میں دوسرے بھائیوں کا حصہ نہیں ہوتا، آپ اگر چاہیں تو اپنی خوشی سے اپنے بھائیوں کو دے سکتے ہیں، شرعاً آپ پر یہ واجب نہیں ہے۔

وراثت میں لڑکی کا حق

میں ہندوستان کے ایسے علاقے سے تعلق رکھتا ہوں، جہاں یہ بات

سو فیصد یقینی ہے کہ بغیر جہیز اور جوڑے کے لڑکی کی شادی ممکن نہیں بعض اوقات لڑکی کا باپ لڑکی کی شادی کے لئے اپنی آدھی جائداد تک فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے تو کیا ایسی صورت میں بھی (باپ کی وفات کے بعد) بھائی کے مقابلے میں بہن کو آدھا حصہ والد کی جائداد سے ملے گا۔

(حافظ اللہ خان، القصیم)

والد کی جائداد میں لڑکی کا حق شرعی ہے، اسے وراثت کے اس حقِ شرعی سے محروم نہیں کیا جاسکتا، چاہے ماحول کے بگاڑ کی وجہ سے اس کی شادی پر کتنا ہی خرچ آئے، اگر مرتے وقت والد مال و جائداد چھوڑ جائے تو اسے وراثت کے اسلامی اصول وضوابط کے تحت تقسیم کیا جائے گا اور لڑکی کو بھی اس میں سے اپنا حقِ شرعی ملے گا(۱) (ہاں وہ خود ہی اپنی رضا و رغبت اور خوشی سے دستبردار ہو جائے تو الگ بات ہے)۔

زرعی زمین میں لڑکی کا حق

ترکہ کی زرعی زمین میں لڑکی اور لڑکے کا حق کیا ہے؟ کیا لڑکی کو زرعی زمین میں حصہ نہیں ملتا، اور وہ صرف متوفی والدین کی دوسری چھوڑی ہوئی جائداد سے حصہ پائے گی، یا زرعی اور غیر زرعی جائداد سے؟

(محمد مشہود مرزا، ریاض)

مرنے والے شخص کی جائداد، چاہے منقولہ ہو یا غیر منقولہ، زمین زرعی ہو یا غیر زرعی یا نقد روپیہ پیسہ یا اور کوئی چیز تقسیم وراثت کے لحاظ سے اس میں کوئی فرق نہیں، مرحوم کی

---

(۱) دیکھئے: نساء/۱۱ ان كانت واحدة فلها النصف، وان كن نساء فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك۔

ساری جائداد (جتنی چیزیں مرتے وقت اس کی ملکیت میں تھیں) تمام ورثار میں شرعی اصول کے مطابق تقسیم کی جائے گی، جائداد کی کوئی ایسی قسم نہیں جس میں لڑکی یا کوئی اور وارث شرعی محروم رہے بلکہ تمام جائداد سے ورثار اپنا حصہ پائیں گے' سورۂ نسار آیت نمبر۱۱ میں، ارشاد باری ہے" مردوں کے لئے حصہ ہے اس (مال وجائداد) میں سے جس کو والدین یا (دوسرے) اقربار نے چھوڑا چاہے وہ تھوڑا ہو یا بہت (ہر ایک کا) حصہ متعین ہے" لہٰذا زرعی زمین میں بھی لڑکی وراثت کی حقدار ہوگی، جہاں تک لڑکے اور لڑکی کے حصہ کا تعلق ہے تو اصولی طور پر لڑکی کے مقابلہ میں لڑکے کو دوگنا حصہ ملتا ہے لیکن صحیح طور پر تقسیم وراثت اور حصوں کی تعیین کے لئے مرحوم کے تمام ورثار سے واقفیت ضروری ہے کیونکہ مختلف احوال میں ورثار کے درمیان حصوں میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔

ترکہ اور قرض

اگر کوئی شخص مقروض ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو شرعًا اس کے ورثار کے لئے کیا حکم ہے؟ —————— (س م ا، بحرین)

اگر کوئی شخص واقعی ضرورت اور مجبوری کی بنار پر کسی سے قرض لے تو اسے جلد سے جلد ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے نخواہ مخواہ تاخیر اور ٹال مٹول سے کام نہ لے' بلکہ ادا کرنے کی قدرت کے باوجود ٹال مٹول کرنے کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے' کئی احادیث میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سوال کرتے کہ اس پر کسی کا قرض تو نہیں؟ اگر وہ مقروض نہ ہوتا تو اس کی نمازِ جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھاتے' اور اگر اس پر کسی کا قرض ہوتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم لوگ نماز پڑھ لو میں اس کی نماز نہیں پڑھتا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں

شہید ہو جائے تو اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، سوائے قرض کے۔ یہ اور اس طرح کی احادیث سے بعجلت قرض کی ادائیگی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتنا ضروری ہے، اس کی اہمیت کا لحاظ سے بھی ہے کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک کہ صاحبِ حق کو اس کا حق نہ دے دیا جائے یا وہ خود معاف نہ کر دے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں منقول ہیں، ان میں بے شمار دعائیں ایسی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض اور اس کے بوجھ سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

اگر کوئی شخص قرض کی حالت میں انتقال کر جائے تو تجہیز و تکفین کے انتظام کے بعد اس کی جائداد اور ترکہ سے سب سے پہلے قرض خواہوں کا قرض ہی ادا کیا جائے گا، قرض کی ادائیگی کے بعد اگر مال و جائداد باقی بچے تو پھر ورثا میں وراثت تقسیم ہوگی، ورنہ نہیں (۱)، لیکن اگر متروکہ مال سے قرض ادا نہ ہو سکے یا مرنے والے نے کوئی مال ہی نہ چھوڑا ہو تو ایسی صورت میں مرنے والے کے ورثا اور قریبی رشتہ داروں کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس کی طرف سے قرض کی ادائیگی کر دیں، تاہم ان کی یہ قانونی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ قرض خواہ شرعاً ان سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اگر ورثا قرض ادا نہ کریں اور قرض خواہ بھی اپنے قرض کو معاف نہ کریں تو تنہا مرنے والا اس کا ذمہ دار ہے، اسی پر اس کا گناہ رہے گا، اور قیامت کے دن قرض کے بقدر اس کی نیکیاں قرض خواہوں کو دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں یا ختم ہو جائیں اور قرض باقی رہے تو پھر قرض خواہوں کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے جیسا کہ احادیث میں صراحت ہے، حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرض لیتے وقت ادائیگی کی نیت رکھتا ہو اور پھر اس کے لئے کوشش بھی کرے، تو اللہ تعالیٰ قرض

---

(۱) سراجی ۳،۳۔ ط: دیوبند، انڈیا

کی ادائیگی کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔

خودکشی حرام ہے

آجکل آئے دن اخبارات میں یہ خبر پڑھنے کو ملتی ہے، فلاں شخص نے یا فلاں عورت نے خودکشی کرلی، اور اس کی مختلف وجوہات بھی بیان کی جاتی ہیں، شرعِ اسلامی میں خودکشی کا کیا حکم ہے، کیا کسی صورت میں یہ جائز ہے؟ ——————— (س م ا، بحرین)

خودکشی اسلام میں حرام ہے، کسی صورت میں جائز نہیں، کسی بیماری یا مصیبت سے تنگ آکر موت کی تمنا اور خواہش یا دعا کرنے سے بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا صحیح حدیث میں ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے "تم میں سے کوئی کسی تنگی یا مصیبت کے پہونچنے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے"(۱) ہاں اگر تکلیف و مصیبت زیادہ ہو تو اس طرح دعا مانگنے کی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی کہ "اے اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہو اور جب موت میرے لئے بہتر ہو تو موت دے دے"(۲) جب موت کی تمنا اور دعا کرنا ہی جائز نہیں تو اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتارنا اور خودکشی کرلینا کیسے جائز ہو جائے گا۔

انسان کے پاس اس کا نفس اللہ کی طرف سے گویا امانت ہے، اس کو از خود ہلاک کرنا اور ضائع کرنا اس امانتِ الٰہی میں بدترین خیانت ہے، احادیث میں خودکشی کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

---

(۱) بخاری عن انس ۷/۲۲۰ باب تمنی المریض الموت، ط: بیروت

(۲) بخاری عن انس باب الدعاء بالموت والحیاۃ کتاب الدعوات

گرامی ہے" جو شخص دنیا میں اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کر دے، قیامت کے دن اسے اسی کے ذریعے عذاب دیا جائے گا" اس کی مزید وضاحت ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جو صحیح بخاری ہی میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص کسی پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کر لے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اپنے آپ کو اسی طرح اونچائی سے گراتا رہے گا' اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کر دے تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اس کے گھونٹ پیتا رہے گا' اور جو کسی لوہے (ہتھیار) سے اپنے آپ کو قتل کرلے تو اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کے ذریعے جہنم کی آگ میں وہ ہمیشہ اپنے پیٹ کو چاک کرتا رہے گا۔ (۱)

خودکشی کا عذاب

کوئی مسلمان خودکشی کرے تو اس کا آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ یعنی اس کا کیا عذاب اس کے لئے مقرر ہے؟ نیز جو عورت بار بار سمجھانے کے باوجود خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہو، کیا ایسی عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا جائز ہے؟ اسلامی شریعت کی روشنی وضاحت فرمائیں؟

(اقبال احمد، الخرج)

خودکشی اسلام میں حرام ہے کسی صورت میں جائز نہیں، کیونکہ انسان کے پاس اس کا نفس اللہ کی طرف سے امانت ہے، اس کو از خود ہلاک کرنا اور ضائع کرنا اس امانتِ الٰہی میں بدترین خیانت ہے، احادیث میں خودکشی کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے، صحیح

---

(۱) بخاری: عن ابی ھریرۃ، ۷/۳۲ باب شرب السم والدواء بہ

بخاری کی ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے" جو شخص دنیا میں اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کر دے، قیامت کے دن اسے اسی کے ذریعہ عذاب دیا جائے گا"
اس کی مزید وضاحت ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جو صحیح بخاری ہی میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" جو شخص کسی پہاڑ سے اپنے کو گرا کر ہلاک کر لے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اپنے آپ کو اسی طرح اونچائی سے گرتا رہے گا" اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کر دے تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اس کے گھونٹ پیتا رہے گا" اور جو کسی لوہے (ہتھیار) سے اپنے آپ کو قتل کر لے تو اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کے ذریعے جہنم کی آگ میں وہ ہمیشہ اپنے پیٹ کو چاک کرتا رہے گا" (۱)

جو شخص خود کشی کا اقدام کرنا چاہے اسے حکمت و مصلحت کے ساتھ اس فعلِ بد اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے، تاہم جو عورت بار بار سمجھانے کے باوجود اس سے باز نہ آئے تو اس سے ازدواجی تعلق منقطع کیا جا سکتا ہے، اس سے قبل برائی کے اسباب پر غور و فکر کر کے باہم صلح صفائی کی کوشش بھی ضروری ہے، اگر اصلاح کی کوئی امید نہ ہو تو طلاق دے کر ازدواجی تعلق منقطع کرنا ناجائز نہیں۔

قاتل سے انتقام

ایک شخص اگر میرے والد کو قتل کرے تو کیا میں اس سے انتقام لے سکتا ہوں اور اپنے والد کے بدلے اسے قتل کر سکتا ہوں؟

(محمد معیز الدین، ناصر)

---

(۱) بخاری عن ابی ہریرہ ۲۵۶/۷، باب شرب السم والدواء بہ۔

شریعتِ اسلام میں یقیناً قتل کے بدلے قاتل کو بطورِ سزا کے قتل کر دینے کا حکم ہے لیکن اس سزا کا نفاذ اسلامی حکومت میں حاکمِ وقت کی طرف سے ہوگا، عام آدمی کو یا مقتول کے ورثاء میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ خود قاتل کو قتل کر کے اپنے انتقام کی پیاس بجھائے، بلکہ وہ اسلامی عدالت میں اپنا دعویٰ پیش کر کے قاتل کے قتل کا مطالبہ کرے گا، اور جب دعویٰ ثابت ہو جائے تو قاضی شریعتِ اسلامی حد کو نافذ کرتے ہوئے قاتل کے قتل کا حکم دے گا اور وہ جلاد سے قاتل کو قتل کروائے گا (۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸ میں حکمِ قصاص بیان کرتے ہوئے اس کی بھی صراحت کی گئی کہ اگر مقتول کے ورثاء میں سے کوئی ایک بھی قتل کی معاف کر دے اور اس کی جان بخشی کر دے تو اس سے قتل کی سزا معاف ہو جائے گی، اور اس کے بدلے دیت یعنی خون بہا یا جس مال پر مقتول کے ورثاء قاتل سے مصالحت کریں وہ مال ادا کرنا قاتل پر واجب ہوگا۔

سالگرہ اور عرس کی شرعی حیثیت

شب برات پر آپ کا فکر انگیز مضمون بہت پسند آیا، ہم لوگ سالہا سال سے جس بدعت میں مبتلا تھے الحمدللہ اس سے نجات ملی، کاش کہ اس مضمون کو پاکستان وہندوستان میں بڑی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا جائے، اس حوالے سے یہ عرض کرنا تھا کہ ہماری اکثریت شب برات کی طرح کئی دوسری دینی ومعاشرتی تقریبات بھی مناتی ہے مثلاً سالگرہ منانا، اور کسی کا عرس منانا، ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔

(محمد امین ینبع۔ حامد علی خان الجبیل۔ حسن طاہر خاں جدہ)

---

(۱) رد المحتار ۷/۱۳۶ باب الشہادۃ فی القتل

سالگرہ اور عرس کے بارے میں یہ بات جان لی جائے کہ زندہ لوگ اپنی یا اپنی اولاد یا اپنے کسی عزیز زندہ ہستی کی سالگرہ ہر سال اس کے یوم پیدائش پر مناتے ہیں جب کہ عرس مرنے والے کے لئے خاص ہے، سالگرہ کا لفظی ترجمہ سال کو گرہ دینا ہے، یعنی گزرنیوالے ایک سال کو یاد رکھنا، سالگرہ کا تصور یہود و نصاریٰ میں موجود تھا، اور وہیں سے ہمارے ہاں آیا ہے کہ مسلمانوں نے بھی سالگرہ منانی شروع کر دی ہے، اس موقع پر تقریبات منعقد ہوتی ہیں، کیک کاٹا جاتا ہے، موم بتی یا شمع جلا کر بجھائی جاتی ہے، تالیاں پیٹی جاتی ہیں، اور بعض دوسری رسمیں انجام دی جاتی ہیں، سالگرہ منانا یہود و نصاریٰ کی تقلید ہے اور یہ شرعاً حرام ہے، اس سلسلے میں منعقد شدہ کسی بھی تقریب میں شرکت کرنا حرام ہے، قرآن نے بار بار ہمیں یہود و نصاریٰ کی تقلید سے منع کیا ہے، اور اس بارے میں شدید وعیدیں سنائی ہیں، خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہی میں سے ہوگا،، مشابہت لباس میں بھی ہو سکتی ہے تہذیب و ثقافت میں بھی، اور رسم و رواج میں بھی، مسلمان کے لئے کسی بھی صورت میں غیر مسلموں کی تقلید و مشابہت جائز نہیں ہے۔

کسی کے مرنے کے بعد یا تو اس کی برسی منائی جاتی ہے، یا اس کا عرس منایا جاتا ہے، دینِ اسلام میں نہ تو برسی کا تصور ہے، اور نہ ہی عرس کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تو برسی منائی، اور نہ ہی عرس منایا گیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی یہ بدعت موجود نہ تھی، صحابہ کے بعد تابعین کا دور آیا، اس مبارک دور میں بھی کسی تابعی نے کسی صحابی کا عرس یا برسی نہ منائی، پھر ائمہ اربعہ اور سلفِ صالحین کا زمانہ آتا ہے، ہمیں اس زمانہ میں بھی یہ ثبوت کہیں سے نہیں ملتا کہ کسی نے کسی کی برسی منائی ہو یا کسی کا عرس ہوا ہو، یہ رسم محض ایک رسم ہے اور چونکہ ثواب کی نیت سے منائی جاتی ہے لہٰذا یہ

بدعت ہے اور تمام مسلمانوں کو بدعت سے بچنا چاہئے کہ بدعتی اللہ کی نگاہِ رحمت سے محروم رہتا ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

لایجوز مایفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السراج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد و یسمونه عرسا. (تفسیر مظہری ۲/۶۵)	ناواقف لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں پر جو سجدہ طواف، چراغاں کرتے ہیں، سال میں عید کی طرح وہاں جمع ہوتے ہیں، جس کا وہ عرس نام رکھتے ہیں، وہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک علیہ الرحمہ نے اصولی بات لکھی ہے۔

مالم یکن یومئذ دینا لایکون الیوم دینا۔	جو اس دن دین نہیں تھا آج بھی دین میں سے نہیں ہوگا۔

اسلام میں سالگرہ کا تصور

کیا سالگرہ حرام ہے اور اگر کسی نے اس کی دعوت دی تو کیا اسکا کیک کھانا بھی حرام ہوگا؟ ———— (محمد عبد الرؤف حائل)

سالگرہ کا موجودہ جو رواج ہے مثلاً کیک کاٹتے ہیں، وغیرہ تو یہ قابلِ ترک ہے، اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالگرہ منائی، نہ صحابہ و تابعین اور سلفِ صالحین نے، یہ تو یہود و نصاریٰ کی رائج کی ہوئی رسم ہے، جس کی اندھی تقلید بعض مسلمان بھی کرتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت اور غیر شرعی رسم و رواج سے اجتناب کا حکم فرمایا ہے ابوداؤد عن شداد بن اوس باب الصلوٰۃ فی النعل. لہٰذا اس طرح کی محفلوں اور دعوتوں میں شرکت کرنے سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے البتہ اظہارِ خوشی اور خدا کا شکر ادا کرنا منع نہیں ہے۔

جوڑے کی رقم کا مطالبہ

ہمارے ہاں شادی کے موقع پر لڑکے والے لڑکی والوں سے جوڑے کی رقم مانگتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ اگر کوئی شخص فکس ڈپازٹ کرکے اس کے سود سے یہ رقم دے دے تو کیا جائز ہے؟

(ایک بہن، جدہ)

شادی بیاہ کے موقع پر غلط اور فضول رسموں نے جہاں دینی نقصانات پہونچائے ہیں وہیں دنیاوی خسارے وگھاٹے سے بھی دوچار کیا ہے، لڑکے والوں کا یہ مطالبہ شرعًا بالکل غلط ہے اور صریحًا زیادتی ہے، جس طرح اس رقم کا مطالبہ کرنا زیادتی ہے اور ناجائز ہے، اسی طرح یہ بھی شرعًا حرام ہے کہ حرام مال کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا جائے فقہی قاعدہ ہے کہ ما حرم اخذہ حرم اعطاءہ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم قاعدہ: ۱۴) یعنی جس چیز کا لینا حرام ہے، اس کا دینا بھی حرام ہے، اس لئے جس طرح سود لینا حرام ہے، اسی طرح سودی رقم کا استعمال بھی ناجائز ہے۔

ختنہ کرنا سنّت ہے

مرد کے لئے ختنہ کب مسنون ہوا، اور یہ کس پیغمبر کی سنت ہے؟

(عبدالباری، لیاقت علی، نبشیہ)

کئی صحیح احادیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کا عمل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کیا، ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالی کے حکم سے ہوا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسّی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا (بخاری عن ابی ھریرۃ ۲/ ۲۷۹، باب قول اللہ اتخذ اللہ ابراھیم الخ)

ختنہ کرانا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جسے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت فطرت قرار دے کر اپنی امت کے لئے بھی سنت قرار دیا۔

مذہب سے متعلق سوال

میرا ایک ساتھی اکثر مجھے الجھن میں ڈالے رہتا ہے کہ وہ جب بھی کسی ہوٹل یا دکان وغیرہ میں خریداری کے لئے جاتا ہے تو وہاں کام کرنیوالوں سے پوچھتا ہے کہ کیا تم مسلمان ہو؟ یا تمہارا مذہب کیا ہے، میں نے بارہا منع کیا کہ اس طرح کسی سے سوال ہمیں زیب نہیں دیتا مگر وہ مانتا نہیں، کیا اس کا اس طرح پوچھنا جائز ہے؟ (راجہ منظور شاہد، جدہ)

بلا ضرورت اس طرح کا سوال مناسب نہیں، اگر کسی ضرورت یا اچھے مقصد کے تحت ہو تو کوئی حرج نہیں۔

ختنہ سنت ابراہیمی ہے

میرے بھتیجے کی عمر تقریباً گیارہ سال ہے اب تک اس کی ختنہ نہیں کی جاسکی، جس کی وجہ یہ ہے کہ اسے خاندانی بیماری ہے، وہ یہ کہ جب خون نکلتا ہے تو جب تک نیا خون نہ لگایا جائے بند نہیں ہوتا، ڈاکٹروں نے ختنہ نہ کرانے کا مشورہ دیا اور اگر کرانا ہی چاہیں تو پھر کہا کہ چالیس ہزار روپے کا خرچ آئے گا، آپ شرعی حکم سے مطلع کریں کہ کیا ختنہ کرانا ہر حال میں ضروری ہے یا اسے ترک کر دینے کی بھی گنجائش ہے؟

(مہر خاں، جدہ)

ختنہ کرانا سنت ہے، اگر کسی بیماری یا مجبوری کی وجہ سے ختنہ نہ کرائے جاسکیں

توکوئی گناہ نہیں ہے آپ کے بھتیجے کو چونکہ بیماری ہے لہٰذا اس کا ختنہ کرانا ضروری نہیں ہندیہ میں ہے : الشیخ الضعیف اذا اسلم ولایطیق الختان ان قال اھل البصر لایطیق یترك لان ترك الواجب بالعذر جائز فترك السنة اولی۔ (ہندیہ ۵/۳۵۷ ط: بیروت)

دوسروں کا خط پڑھنا

کیا کوئی بیوی اپنے شوہر کا یا شوہر بیوی کے والدین اور بہن بھائیوں کا خط بلا اجازت پڑھ سکتے ہیں؟ کیا ساس سسر اپنی بہو یا بیٹے کی اجازت اور علم کے بغیر ان کے خطوط پڑھ سکتے ہیں؟ کیا کوئی استاد اپنے شاگرد کا خط یا کوئی شخص دوسرے کسی دوست کا خط بلا اجازت پڑھ سکتا ہے؟ ———— (ایک سائل، جدہ)

اسلامی معاشرے میں ہر رشتہ دار اور ہر انسان کے حقوق مقرر ہیں، یہ حقوق انفرادی واجتماعی دونوں طرح کے ہیں، اچھے مسلم معاشرے کو اچھے مسلمان ہی تعمیر کرسکتے ہیں، یہ معاشرہ تمام اسلامی آداب اور اچھے اخلاق پر بنایا جاتا ہے، مسلمانوں کے باہم حقوق کے سلسلے میں یہ بات جانی ضروری ہے کہ ہر مسلمان کی عزت وآبرو کی حفاظت دوسرے مسلمان پر ہے، قرآن پاک میں ایمان والوں کو معاشرتی واخلاقی آداب سکھاتے ہوئے ایک دوسرے کی جاسوسی سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ الحجرات آیت ۱۲ میں ارشاد ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کی جاسوسی سے سختی سے منع کیا گیا ہے کہ یہ ایک قبیح اخلاقی برائی اور گھٹیا حرکت ہے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید وعید والا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے جاسوسی کے بارے میں فرمایا " اے لوگو جو زبانی ایمان لائے ہو اور دلوں میں ابھی تک ایمان داخل نہیں ہوا ہے سنو! ایمان والوں کو مت ستاؤ اور ان کے راز معلوم کرنے کے لئے ان کا پیچھا مت

کرد جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کی جاسوسی کی' اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کیا گیا پردہ چاک کیا اور جو کوئی کسی مسلمان کی جاسوسی کر کے اسے ذلیل و رسوا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے (ضرور) ذلیل و رسوا کرے گا خواہ وہ اپنے گھر ہی میں کیوں نہ بیٹھا ہوا ہو (۱) مسند امام احمد بن حنبل کی ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دوسرے کسی کے راز معلوم کرنے اور اس کی جاسوسی کرنے کے لئے اس کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے' یہاں تک کہ اسے رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔

ہمارے گھر اور خاندانوں میں بگاڑ کے اسباب میں سرفہرست یہ سبب بھی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو رسوا کرنے کے لئے اس کے راز معلوم کرنے میں لگے رہتے ہیں جونہی کوئی کمزوری یا غلطی پکڑتے ہیں' فوراً پورے گھر اور خاندان میں اسے عام کر کے فساد پھیلاتے ہیں' ایسے لوگ بدترین مجرم ہیں' اور ان کو ان کی دینداری اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکے گی' ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہے' اور آخرت کا دردناک عذاب بھی ان کا منتظر ہے۔ کسی دوسرے کا خط پڑھنا' کسی کی باتیں چھپ کر سننا' اور دوسری بعض گھٹیا حرکتیں کرنا یقیناً کبیرہ گناہ ہیں' اور حرام ہیں' نہ والدین کے لئے اولاد اور بہو کی جاسوسی کرنی جائز ہے' نہ اولاد اور بہو کے لئے ساس سسر یا والدین کی جاسوسی جائز' نہ ہی میاں بیوی کے لئے' اور نہ کسی اور کے لئے جائز' یہ ایک بدترین جرم اور بڑا گناہ ہے۔

بیت المقدس کو قبلۂ اوّل بنانے کی حکمت

بیت المقدس کو قبلۂ اول کیوں کہا جاتا ہے؟ جب کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر اس سے قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی مرضی سے اسکی تعمیر عبادت

---

(۱) ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ

س: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا مسجد حرام میں (ہجرت سے قبل) بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ اس میں کیا حکمت الٰہی ہے کہ خود عبادت کے لئے گھر تعمیر کرنے کا حکم ہوا اور پھر رخ بیت المقدس کی جانب کیا جائے؟

(عارف حسین و محمد علی نیازی، جدہ)

کعبۃ اللہ کی تعمیر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بھی قبل سیدنا آدم علیہ السلام نے کی تھی، طوفانِ نوح کے بعد جب اس کے نشانات مٹ گئے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے انہی بنیادوں پر اس کی تجدید کی اور از سر نو اسے تعمیر و آباد کیا، بہر حال اسلام سے قبل اللہ تعالیٰ کا حکم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا تھا، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب تک کسی معاملہ میں کوئی صریح حکم نازل نہ ہو جاتا اور سابقہ شریعت کا حکم منسوخ نہ ہو جاتا، آپ سابقہ آسمانی شریعت کی ہی پیروی فرماتے تھے، جس کا حکم خود قرآن پاک میں موجود ہے (سورۃ الانعام آیت نمبر ۹۱) لیکن آپ کی طبعی خواہش اور رغبت تھی کہ کعبۃ اللہ کو قبلہ قرار دیا جائے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۴)

چنانچہ جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان نماز ادا فرماتے، اس طرح بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ ہو جاتا لیکن جب آپ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو وہاں یہ صورت ممکن نہ تھی کہ وہاں سے ایک طرف کعبۃ اللہ ہے تو بالکل دوسری سمت بیت المقدس لیکن چونکہ ابھی کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل نہ ہوا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے، ہجرت کے تقریباً سولہ سترہ ماہ بعد تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ

بیت اللہ (کعبہ مشرفہ) قرار دے دیا گیا' چونکہ ابتدا میں بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم برقرار تھا' اور کافی عرصہ تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی ہیں' اس لئے بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلۂ اول کہا جاتا ہے۔

جہاں تک حکمت و مصلحت کا تعلق ہے' تو اگر ایک ہی جہت یا مکان کو ہمیشہ قبلہ قرار دیا جاتا تو ایک عرصہ گزرنے کے بعد لوگ اس جہت یا مکان کے بارے میں غلط عقائد کا شکار ہو سکتے تھے' اس لئے کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا' گویا یہ حقیقت ذہن نشین کرانی تھی کہ فی نفسہ کسی جہت میں کوئی خوبی نہیں، مومن فقط حکم الٰہی کا پابند ہے' اسے جس طرح رخ کرنے کا حکم ہو' اسی طرف رخ کرنا اس کے لئے عبادت ہوگا' اس کے علاوہ اور بھی بے شمار حکمتیں ہیں' جسے علماء نے بیان کیا ہے (اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۴ کی تفسیر اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ ملاحظہ کی جا سکتی ہے)۔

دوسرے کا خط پڑھنا

بعض لوگ دوسروں کے خطوط بلا اجازت پڑھتے ہیں، کیا یہ جائز ہے
بعض لوگ لکھنا پڑھنا جاننے کے باوجود رازدارانہ خطوط دوسروں سے لکھواتے یا پڑھواتے ہیں' اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں، کیا ایسا عمل جائز ہے؟ ——— (محمد مجاہد الرحمان، جدہ)

اگر کوئی شخص ان پڑھ ہے' اور خود خط لکھ پڑھ نہیں سکتا' تو ظاہر ہے کہ وہ دوسرے کسی شخص سے ہی خط لکھوائے گا یا پڑھوائے' لیکن ایسی حالت میں بھی دونوں طرف کے راز لوگوں کو خطوط میں اپنی گھریلو ازدواجی رازدارانہ باتیں نہیں لکھوانی چاہئیں کہ اسلام نے اس

سے سختی سے منع کیا ہے، اگر خط لکھنے یا پڑھنے والے کبھی اس قسم کی کوئی بات دیکھیں، تو ان پر بھی لازم ہے کہ وہ ستر پوشی کریں، اور کسی کا راز فاش نہ کریں، بلا اجازت دوسروں کا خط پڑھنا ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے۔

گری پڑی چیز کا حکم

میرے ایک دوست کو تین گرام سونا ملا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں سے آدھا حصہ غریبوں میں تقسیم کرنا چاہئے، کیا یہ بات درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(شیخ محمد فیروز، ظہران)

اگر کسی شخص کو گری پڑی چیز ملی تو شرعاً وہ اس کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ چیز اس کے پاس امانت ہوگی، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصل مالک کو تلاش کر کے اس تک وہ چیز پہونچادے، اس کے لئے فقہاء نے ایک سال کی مدت مقرر کی ہے یعنی وہ ایک سال تک (حسبِ استطاعت وضرورت)، اس کا اعلان کر کے مالک کو تلاش کرے اگر اتنے دنوں تک پتہ نہیں چلا، غالب گمان ہوگیا کہ اب مالک تلاش نہیں کرے گا تو جو کچھ ہے، صدقہ کردے اور اگر کچھ خرچ کر چکا ہے تو اس کی قیمت صدقہ کردے، اگر خود غریب ہے، تو بطورِ صدقہ خود بھی خرچ کرسکتا ہے۔ (۱)

آمدنی کا دسواں حصہ کسی مخصوص خاندان کیلئے

---

(۱) کان یفتی صدر الشهید یغلب علیٰ ظنه انه لا یطالبها ما لکها بعدها الی ان قال ثم اذا مضی وقت التعریف ولم یظهر صاحبه یتصدق به (شرح الیاس ۲/۱۷۰)

میری والدہ محترمہ کو کسی نے یہ بتا دیا کہ اگر بیٹوں کی کمائی سے دسواں حصہ دیا جائے تو اس کے فلاں فلاں فضائل ہیں، ان کا کہنا ہے اس دسویں حصہ کا حقدار وہی ہوگا جو شیخ عبدالقادر جیلانی کے خاندان سے ہو چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ وہ ہم بھائیوں کی آمدنی کا دس فیصد ہمارے علاقے کے ایک سید کو دیتی ہیں جو پہلے سے کافی مالدار ہیں، کیا یہ خیال درست ہے، یا اللہ و رسول کا ایسا کوئی فرمان ہے؟ جب کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ رقم خرچ کرنا ہی ہو تو کسی غریب، مسکین وغیرہ پر خرچ کریں لیکن وہ ہماری بات مانتی نہیں، اب ہم کیا کریں؟۔

(علی نواز احمد، جدہ)

آپ کی والدہ آپ کی کمائی میں سے دسواں حصہ یا جتنا وہ چاہیں آپ کی رضامندی سے خرچ کر سکتی ہیں، بشرطیکہ کسی غریب، یتیم، بیوہ اور مسکین وغیرہ کی اس کے ذریعہ مدد کی جائے، کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ مال کا دسواں حصہ کسی مخصوص خاندان کے لوگوں کو دیا جائے، خود شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان کی اولاد کو دسواں حصہ ملے، یہ لوگوں نے اپنی طرف سے مشہور کر رکھا ہے، آپ اپنی والدہ سے کہیں کہ وہ یہ رقم کسی غریب مسکین کو دیں، خواہ وہ کسی بھی خاندان کا ہو۔

جوتے چوری ہونے پر

حرمین میں اکثر جوتے چپل کی حفاظت مشکل ہوتی ہے، جب عمرہ وغیرہ کرنے جائیں تو اکثر جوتے غائب ہو جاتے ہیں، ایسے میں بعض لوگ دوسروں کے جوتے پہن لیتے ہیں، حد تو یہ کہ بعض لوگ اپنے پرانے جوتے چھوڑ کر نئے جوتے پہن لیتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟۔

اگر حرم مکہ، حرم مدینہ یا کسی دوسری مسجد وغیرہ میں آپ کے جوتے چوری ہو جائیں تو آپ ننگے پاؤں واپس اپنی رہائش گاہ چلے جائیے یا کسی قریبی دکان سے نئے نئے جوتے خریدیں کسی دوسرے کی جوتی لینا شرعاً ناجائز ہے اور حرم شریف میں چوری تو اور بھی بڑا جرم ہے، جو لوگ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں، وہ چوری کا کبیرہ گناہ کرتے ہیں۔

اختتام مجلس پر دعا

آج کل عام طور پر یہ بات دیکھی گئی ہے کہ دینی مجالس کے اختتام پر التزاماً دعاء کی جاتی ہے اور اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے کیا یہ جائز ہے؟ ——— (ایک خاتون، جدہ)

دعا کرنے کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعاء کرنے اور اللہ کی ذات سے مانگنے کی ترغیب دی اور قبولیتِ دعا کا وعدہ فرمایا، لہٰذا بندے کو اللہ سے مانگنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے جو اس سے مانگتے نہیں، اور اس سے دعاء کرتے نہیں لیکن کسی خاص مجلس میں اجتماعی طور پر التزاماً دعاء کرنا، اور اس کو ضروری سمجھنا درست نہیں ہے البتہ کبھی کبھار دعا کر لی جائے تو اس میں کوئی قباحت بھی نہیں، بہتر یہ ہے کہ "کفارۂ مجلس" کی دعاء پڑھ کر مجلس کو ختم کیا جائے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعاء پڑھتے سبحانك اللھم وبحمدك واشھد ان لا الہ الا انت استغفرك واتوب الیك۔ ایک صحابی کے سوال کرنے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مجلس کے گناہوں اور غلطیوں کا کفارہ ہے۔ (۱)

---

(۱) ابوداؤد عن ابی برزۃ اسلمی باب فی کفارۃ المسجلس کتاب الادب۔

غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت

کیا غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت شرعاً جائز نہیں؟

(خواجہ منظہر الدین، ریاض)

غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ اور کفر میں تعاون اور اس پر رضامند ہونا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں۔

۷۸۶ کی شرعی حیثیت

اکثر لوگ بسم اللہ الرحمان الرحیم کی جگہ عدد ۷۸۶ لکھتے ہیں، اور اسے بسم اللہ الرحمان الرحیم کا بدل تصور کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کے لکھنے میں کوئی گناہ تو نہیں؟

(محمد صدیق، جبیل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ عدد ۷۸۶ لکھنا درست نہیں، اور یہ بسم اللہ کا بدل نہیں، اس سے بچنا چاہیئے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے نام کی بے حرمتی سے بچنے کے لئے ۷۸۶ لکھا جاتا ہے لیکن صحابہ وسلف صالحین میں اس طرح کا کوئی رواج ہمیں نہیں ملتا، قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے نام جو خط لکھا تھا جو کہ اس وقت کافرہ تھی، اس میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے خطوط کافروں اور مشرکوں کو لکھے ان میں بھی بسم اللہ الرحمان الرحیم لکھا تھا، لہٰذا بسم اللہ الرحمان الرحیم کی جگہ عدد ۷۸۶ لکھنا درست نہیں۔

خط کے شروع میں بسم اللہ

خط کے شروع میں بسم اللہ لکھنا کیسا ہے؟ (امیر زادہ نشاد، بحرین)

خط کے شروع میں بسم اللہ لکھنا سنت ہے آپ نے اسی کا اہتمام فرمایا ہے۔

ناخن کاٹنے کا طریقہ

ناخن کاٹتے وقت کس ہاتھ اور کس انگلی سے شروع کیا جائے اور کس دن ناخن کاٹے جائیں؟ (محمد انور ندیم، المذنب)

ناخن کاٹنے کے لئے کوئی خاص دن مقرر نہیں ہے جیسے ہی آپ کے ناخن بڑے ہوں، انہیں کتر ڈالئے، البتہ آداب کے باب میں علماء نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ ہر جمعہ ناخن تراشے جائیں، نیز دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے چھوٹی انگلی تک پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے انگوٹھے تک اس کے بعد اخیر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن تراشا جائے، یہ بات امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، بعض علماء نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے، تاہم اس سلسلے میں کوئی قوی اور صحیح روایت موجود نہیں ہے، لہٰذا یہ ترتیب واجب و ضروری نہیں، پاؤں کے ناخن کاٹنے میں ترتیب یہ بہتر قرار دی گئی ہے کہ دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے علی الترتیب بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے، رد المحتار میں ہے: یبدأ بخنصر رجله الیمنی ویختم بخنصرہ الیسری، قال فی الهدایة عن الغرائب، وینبغی الابتداء بالیمنی والانتهاء بها فیبدأ بسبابتها ویختم بابهامها وفی الرجل بخنصر الیمنی ویختم بخنصرہ الیمنی۔ (رد المحتار ۶/۴۰۶، ط: بیروت)

اولاد کی اسلامی تربیت

کھانا ختم کرکے دستر خوان پر ہی اسی پلیٹ میں ہاتھ دھونا، جان بوجھ کر بچوں کے ہاتھوں رزق کی بربادی، نیز لڑکے کو لڑکی کے، اور لڑکی کو لڑکے

کے کپڑے پہنانا کیسا ہے؟ (عبداللہ بن علی بامدرس، جدہ)

اولاد کی صحیح اور مکمل اسلامی تربیت ہر ماں باپ کی ذمہ داری ہے، والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کو تمام اسلامی آداب سکھائیں، اور ان کے اخلاق صحیح رکھیں، خصوصاً کھانے پینے کے آداب و دعائیں، سونے جاگنے کے آداب و دعائیں، نیز دوسرے اہم اسلامی آداب و دعائیں بھی اولاد کو سکھانی چاہیئے، آپ کے سوالات کا تعلق انہی آداب سے ہے، اگر کھانے پینے، لباس و دستر حجاب و حیاء وغیرہ کے احکامات بچوں کو بتائے جائیں تو یہ نہ صرف ان کے لئے بلکہ پورے گھر اور خاندان کے لئے مفید ہوتے ہیں، جان بوجھ کر بچوں سے روٹی، سالن، سبزی وغیرہ کی بے ادبی کرانا گناہ ہے اسی طرح بچوں کو کھانے پینے کے آداب نہ سکھانا بھی زیادتی ہے، لڑکے اور لڑکی کے پہننے کے کپڑے الگ الگ ہونے چاہئیں تاکہ بچپن ہی سے دونوں کو اپنی ذات اور شخصیت کا علم ہوسکے۔

ولدیت تبدیل کرنا جائز نہیں

میں اپنے بھائی کا لڑکا یہاں لایا ہوں، اس کا نام تو پہلا نام ہی ہے لیکن پاسپورٹ اور اسکول میں والد کے نام کی جگہ میرا نام ہے کیونکہ ہم نے اسے گود لیا ہے، اور یہاں لانے کے لئے یہ سب ضروری تھا، کیا اس تبدیلی پر کوئی گناہ تو نہیں ؟۔

کسی دوسرے کے بچے کی ولدیت تبدیل کرنا شرعاً حرام ہے اسی طرح دوسرے کسی کے بچے کو اپنے پاسپورٹ پر اپنا بچہ لکھوا کر کہیں لے جانا بھی شرعاً حرام ہے یہ دھوکہ اور جھوٹ بھی ہے اور ولدیت کی تبدیلی، سورہ احزاب آیت نمبر ۵ میں صراحت ہے کہ لے پالک اور منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی والد کے نام سے پکارا جائے یعنی انکے حقیقی والد کے بجائے اپنی طرف نسبت صحیح نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ جس نے باپ کے

علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنے کو منسوب کیا تو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو (۱)

پردہ کن مردوں سے ؟

عورت کو کن مردوں سے پردہ کرنا چاہیئے اور اس کے حدود کیا ہیں ؟ ——— (عمر زماں، دمام)

عورت کے لئے ہر وہ شخص غیر محرم ہے جس سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے لہذا ان سب سے پردہ کرنا واجب ہے۔

داماد سے پردہ

داماد محرم ہے یا نہیں، کیا داماد سے پردہ کرنا چاہیئے ؟۔ (صفیہ، جدہ)

داماد محرم رشتہ داروں میں سے ہے اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں

نابینا سے پردہ

کیا نابینا آدمی کے سامنے عورت آسکتی ہے ؟ (ارشاد احمد، جدہ)

اگر یہ نابینا بوڑھا شخص ہے اور اس کے سامنے آنا عورت کے لئے فتنہ کا سبب نہیں ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز بلکہ حرام ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ام سلمہ حضور کی خدمت میں موجود تھیں اور حضرت میمونہ بھی وہیں حاضر تھیں، حجاب کا حکم نازل

---

(۱) ابن ماجہ عن ابن عباس باب من ادعی الی غیرہ ابیہ۔

ہوچکا تھا حضرت عبداللہ ابن مکتوم خدمتِ نبوی میں آئے تو آپ نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہ سے پردہ کا حکم فرمایا تو دونوں کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ! وہ نابینا ہیں، وہ ہمیں دیکھ نہیں سکتے، حجاب کی ضرورت کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم دونوں تو اندھی نہیں۔ (ابوداؤد عن ام سلمہ باب فی قولہ تعالیٰ قل للمؤمنین یغضضن من ابصارھن کتاب اللباس) غرض آپ کا مقصد یہ تھا کہ پردہ صرف بینا لوگوں سے ہی ضروری نہیں، بلکہ نابینا لوگوں سے بھی ضروری ہے۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

یتیمی کب تک؟

گزشتہ کئی برس سے سعودی عرب میں ہوں، بڑا ہونے کی حیثیت سے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی بہت خدمت کی، حتی کہ سب کی شادیاں ہوگئیں اور سب برسرِ روزگار بھی ہیں، دو بہنیں اور ایک بھائی بالغ ہیں، زیرِ تعلیم ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں، اسی اثنا میں والدین انتقال کر گئے، کیا اب بھی میں سب بہن بھائیوں کو یتیم سمجھوں، شرعاً یتیم کب تک سمجھا جاتا ہے، کیا میں ان کو بیوی بچوں پر ترجیح دے سکتا ہوں؟

(عتیق الرحمان، جدہ)

کوئی بھی لڑکا یا لڑکی جس کے والد کا انتقال ہوگیا ہو بالغ ہونے سے پہلے تک شرعاً یتیم سمجھے جاتے ہیں، بلوغ کے بعد یتیمی نہیں[1] لیکن مالی تعاون و خدمت اور ضروریات کی تکمیل کے لئے کسی کا یتیم ہونا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی رشتہ دار یتیم نہ بھی ہو لیکن مسکین و محتاج ہو اور خود کفیل نہ ہو تو دوسرے صاحبِ حیثیت رشتہ داروں کی ذمہ داری

---

(۱) ابوداؤد عن علی باب ماجاء متی ینقطع الیتم کتاب الوصایا۔

ہے کہ اس کی کفالت کریں، اور اس کی ضروریات کو پورا کریں، چنانچہ اب جو بہن بھائی آپ کے غیر شادی شدہ اور زیر تعلیم ہیں، ان کے سلسلے میں آپ کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ حسب استطاعت ان کا مالی تعاون کریں، اور ان کی ضرورتوں کو پورا کریں، نیز اس ذمہ داری میں آپ تنہا نہیں بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے دوسرے برسرِ روزگار صاحبِ حیثیت بھائی اور قریبی رشتہ دار بھی (اگر ہوں تو) شریک ہیں۔

اپنے بہن بھائیوں اور رشتہ داروں پر جو کچھ بھی آپ خرچ کریں، اسمیں حصولِ ثواب اور رضاءِ الٰہی کی نیت کرلیں کہ اس طرح ان شاء اللہ بہت زیادہ اجر و ثواب کے آپ مستحق ہوں گے، ویسے بھی ضرورت مند رشتہ داروں پر خرچ کرنا دوہرے اجر و ثواب کا باعث ہے اس میں ایک تو صدقہ کا ثواب ہے اور دوسرے صلہ رحمی کا، لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ بیوی بچوں کا حق بہرحال دیگر عزیز و اقارب پر مقدم ہے، اور ان کی جائز ضروریات کو آپ نظر انداز نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے صاحب حیثیت بنایا ہے تو بیوی بچوں پر تنگی مناسب نہیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجر و ثواب کے لحاظ سے سب سے افضل دینار اس کو قرار دیا ہے جسے آدمی اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا "ایک دینار وہ ہے جس کو تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہو، اور ایک دینار وہ ہے جسے تم کسی غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کرتے ہو، اور ایک دینار وہ ہے جس کو تم کسی مسکین پر صدقہ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جسے تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجر و ثواب والا دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا ہو"

اہلیہ اور بچوں کو بھائی کہنا

بغیر کسی قصد وارادہ کے اہلیہ یا بچوں کو بھائی کے لفظ سے پکارا جائے
توکیا اس میں کوئی گناہ ہے جب کہ یہ آدمی کا تکیہ کلام بن جائے؟

(ابوعمر قیصرانی، بحرین)

ایسی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں، یوں بھی ہر شخص اسلامی اخوت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی نسبت سے اپنی زوجہ سارہ کو بہن کہا تھا البتہ قصداً ایسے تخاطب سے احتیاط بہتر ہے۔

چہرہ کا پردہ

کیا عورت کے لئے چہرہ پر نقاب ڈالنا اور چہرہ کا پردہ کرنا ضروری ہے؟ —— (ایم این صمد ناز، ریاض)

عورتوں کے لئے غیر محرم مردوں سے چہرہ کا پردہ کرنا بھی ضروری ہے پردہ یہ ہے کہ اجنبیوں اور عام آدمیوں سے چہرہ کے ساتھ ساتھ پورا جسم ڈھکے رکھا جائے، اس سلسلہ میں یہ تفصیل بھی پیش نظر رہے کہ مرد کو مرد کا سارا بدن سوائے ناف سے زانو تک کے حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے عورت کا بدن بھی عورت کے لئے پنڈلیاں دونوں بازو دیکھنا اسی وقت جائز ہے جب کہ شہوت کے ساتھ نہ دیکھے، پشت اور شکم کا حصہ دیکھنا جائز نہیں ہے اجنبی آزاد عورتوں کا کچھ بھی دیکھنا جائز نہیں ہے، البتہ ہتھیلیاں دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ شہوت سے اس کا دل مامون ہو، اگر شہوت کا خوف ہو تو شرعی ضرورت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر ضرورت ہو جیسے حاکم فیصلہ کرے، یا گواہ شہادت دے تو اس وقت چہرہ دیکھنا جائز ہے مریض ہو تو ڈاکٹر مرض کی جگہ دیکھ سکتا ہے گو شہوت کیوں نہ ہو اس طرح اس تفصیل کے ساتھ ستر فرض ہے —— البتہ یہ صورت کہ اجنبی مرد

کو بالکل بدن نہ دکھائے تو یہ حجاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر تو فرض تھا لیکن عام مسلم عورتوں پر فرض نہیں بلکہ یہ حجاب سنت اور واجب استحسانی ہے اور شرور و فتن کو دور کرنے کے لیے مصلحتاً ضروری ہے۔ (۱)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ "فاسئلوھن من وراء حجاب" کے ذیل میں فرماتے ہیں، اس آیت میں پردہ کا حکم ہوا کہ مرد آپ کی ازواج کے سامنے نہ جائیں عام مسلمانوں کی عورتوں پر یہ حکم واجب نہیں، اگر عورت سامنے ہو کسی مرد کے سبب بدن کپڑوں میں ڈھکا ہو تو گناہ نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ سامنے نہ آئے تو بہتر ہے حاصل یہ کہ ستر فرض ہے اور حجاب بہ نظر مصلحت واجب ہے۔

---

(۱) دیکھیے امداد الفتاوی ۴/۸۰، ترتیب جدیدہ، ط: دیوبند

فہرستِ کتابیات

نمبر شمار	اسمارِ کتب	اسمائے مصنفین

قرآنیات

۱	قرآن کریم	
۲	الدر المنثور	جلال الدین سیوطی
۳	ابن کثیر	اسماعیل بن کثیر دمشقی
۴	الجامع لاحکام القرآن	محمد بن احمد انصاری قرطبی
۵	تفسیر کبیر	فخر الدین رازی
۶	روح المعانی	سید محمود آلوسی
۷	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
۸	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی
۹	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
۱۰	الأکلیل	جلال الدین سیوطی

حدیث و شروحِ حدیث

۱	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری
۲	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج قشیری

۳	سنن نسائی	
۴	سنن ابوداؤد	سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی
۵	سنن ترمذی	ابوعیسیٰ ترمذی
۶	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی
۷	سنن بیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی
۸	سنن دارقطنی	علی بن عمر دارقطنی
۹	مسند احمد	امام احمد بن حنبل
۱۰	مؤطا امام مالک	مالک بن انس
۱۱	الترغیب والترہیب	عظیم بن عبدالقوی منذری
۱۲	الادب المفرد	محمد بن اسماعیل البخاری
۱۳	مجمع الزوائد	علی بن ابی ابکر ہیثمی
۱۴	صحیح ابن خزیمہ	ابن خزیمہ
۱۵	جمع الفوائد	محمد بن محمد بن سلیمان
۱۶	الجامع الصغیر	جلال الدین سیوطی
۱۷	مستدرک	محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری
۱۸	مشکوٰۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی
۱۹	فتح الباری	ابن حجر عسقلانی
۲۰	ارشاد الساری	احمد بن محمد قسطلانی
۲۱	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاری
۲۲	نیل الاوطار	محمد بن علی شوکانی
۲۳	اعلاء السنن	ظفر احمد عثمانی

۲۴ اشعة اللمعات — شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۲۵ سبل السلام — محمد بن عبدالسلام صنعانی

ائمہ اربعہ کی فقہ

۱ بدایۃ المجتہد — محمد بن رشد قرطبی

۲ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ — عبدالرحمٰن جزیری

۳ حلیۃ العلماء — محمد بن احمد شاشی القفال

۴ الفقہ الاسلامی وادلتہ — ڈاکٹر وہبہ زحیلی

۵ الموسوعۃ الفقہیۃ — مرتبہ: زیر نگرانی وزارت اوقاف کویت

فقہ حنفی

۱ ہدایہ — برہان الدین مرغینانی

۲ فتح القدیر — علامہ ابن ہمام

۳ البحر الرائق — زین الدین بن نجیم مصری

۴ بدائع الصنائع — ابوبکر مسعود کاسانی

۵ درمختار — علاء الدین حصکفی

۶ ردالمحتار — محمد امین بن عابدین (شامی)

۷ مجمع الانہر — محمد المعروف با بن علی بن محمد المہدی الجزائری

۸ اسلامی فقہ — مولانا مجیب اللہ ندوی

۹ جدید فقہی مسائل — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۱۰ حلال وحرام — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۱۱ اسلام کا نظام عشر و زکوٰۃ — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۱۲ احکامِ حج — مفتی محمد شفیع

۱۳ الزواج الاسلامی

۱۴ المفصل فی احکام المرأۃ — دکتور عبدالکریم زیدان

فقہ شافعی

۱ المجموع شرح المہذب — یحییٰ بن شرف نووی

فقہ مالکی

۱ حاشیہ دسوقی — شمس الدین دسوقی

۲ الشرح الکبیر — سید احمد دردیر

۳ المدونۃ الکبریٰ — امام مالک بن انس

فقہ حنبلی

۱ المغنی — ابن قدامہ مقدسی

۲ الاقناع — شرف الدین موسیٰ الحجاوی المقدسی

دیگر

۱ المحلیٰ — ابن حزم ظاہری

قواعدِ فقہ

الاشباہ والنظائر — زین الدین بن نجیم

القواعد الفقہیہ — علی احمد الندوی

کتب فتاویٰ

الفتاوی الھندیہ — مرتبہ عہد عالمگیری

الفتاوی التاتار خانیہ — عالم بن العلار الانصاری

فتاویٰ قاضی خاں — فخر الدین اوزجندی

فتاوی غیاثیہ — داؤد بن یوسف الخطیب

نفع المفتی والسائل

امداد الفتاوی — مولانا اشرف علی تھانوی

متفرقات

الاعتصام — ابو اسحاق شاطبی

الاکلیل

المصباح العقلیہ للاحکام النقلیہ — مولانا اشرف علی تھانوی

المعجم الوسیط

نجات المسلمین

تالیف: مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

اس کتاب میں ایسے خاص اور ضروری اعمال جمع کردیے گئے کہ ان کو مسلمانوں کو مصائب وآفات اور دینی ودنیوی بدحالی کے دور کرنے میں خاصی مدد ملے گی آج ہر سو گناہوں کے دریا ابل رہے ہیں اور ابتلائے عام ہے ان سے بچنے کی فکر وتدبیر کرنے میں دیر ضرور لگے گی مگر اس رسالے کے مطالعہ کی مدد سے یقین کامل ہے کہ مسلمان کسی حد تک گناہوں سے دور رہ سکیں گے۔ قیمت: =/10

خطوط نویسی

عربی انگلش اور اُردو میں

تالیف: بدر الزماں قاسمی کیرانوی

عربی انگلش اور اردو میں خط وکتابت سکھانے والی اپنی نوعیت کی منفرد اور بے مثال کتاب جس میں سو سے زیادہ مختلف مواقع پر لکھے جانے والے خطوط اور ملازمت کے لیے دی جانے والی درخواستیں نیز دفتری اور تعلیمی خط وکتابت کے نمونے پیش کیے گئے ہیں اس کے علاوہ خط وکتابت سے متعلق ضروری الفاظ اصطلاحات اور تعبیرات کا ایک بڑا ذخیرہ تینوں زبانوں میں جمع کردیا گیا ہے۔ اس سے قبل مولف کی ایک کتاب جدید عربی ایسے بولیے خراج تحسین حاصل کرچکی ہے۔ یہ کتاب بھی اہل ذوق حضرات کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ قیمت: =/70

T ART Delhi, ✆ (O) 7534222 (R) 7522488 Fax: 3513272